



وَمَا يَكْفُرُ الْإِسْلَامَ إِلَّا الْكُفْرُ
وَمَا يَكْفُرُ الْإِسْلَامَ إِلَّا الْكُفْرُ

رحمۃ اللعالمین

رحمۃ اللعالمین

قاضی محمد سلیمان سہلوان
منصور پوری

مؤلف

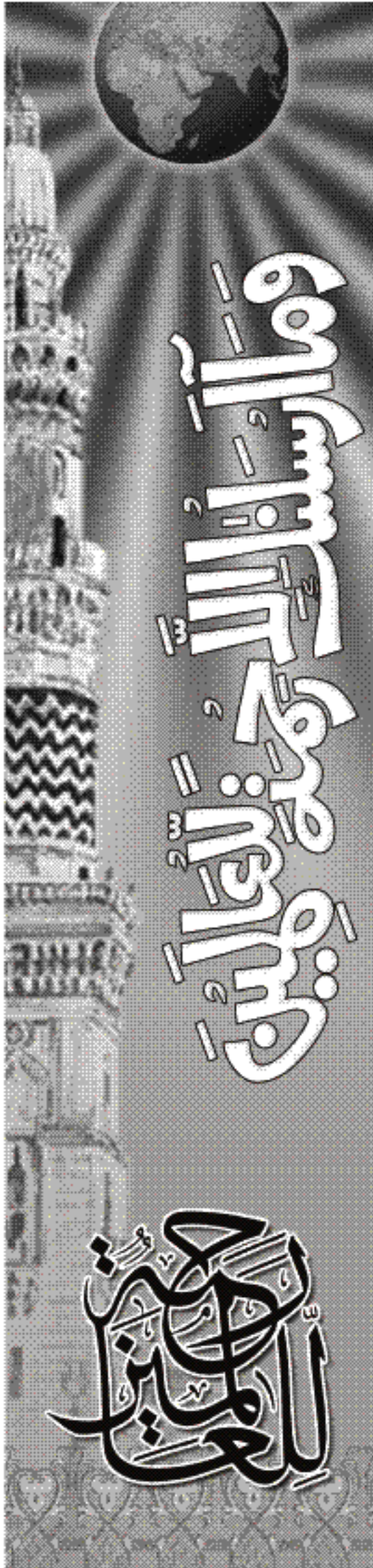
قاضی محمد سلیمان سہلوان منصور پوری

ترجیح و تالیف

میان طاہر



مركز القرآن اسلامی



إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَسُوْرَةُ اَلْاٰمَةِ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَجَعَلَ الرَّسُوْلَ مِنْ اٰمَةِ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَجَعَلَ الرَّسُوْلَ مِنْ اٰمَةِ

رحمۃ اللعالمین

مؤلف

قاضی محمد سلیمان سلیمان منصور پوری مدظلہ العالی

ترجمہ و تفسیر

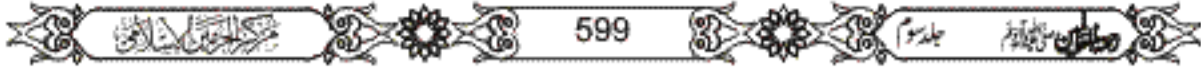
میاں طاہر

مركز القرآن ایشیاء



جلد سوم

فہرست آخر میں دیکھیں یا صفحہ نمبر 30 پر جائیں



تقدمہ

”رحمۃ للعالمین“ اور اس کا مصنف

(از جناب علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

آج سے بیس (20) سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے اپنی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز اہل ملت کے سامنے پیش کی تھی اس کے جواب میں ہر طرف سے تائید کی آوازیں بلند ہوئیں صرف ایک آواز مخالفت میں اٹھی۔ یہ مولوی انشاء اللہ خاں مرحوم ایڈیٹر ”وطن“ کی آواز تھی۔ انہوں نے لکھا کہ قاضی محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ اسکے لکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں اس لیے مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو تکلیف کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد خاموشی سے بیس (20) برس گزر گئے اور دونوں مصنفوں کی تصانیف کی کئی جلدیں ارباب شوق کے سامنے پیش ہوئیں اور دونوں نے قبولیت عامہ حاصل کی۔ پھر یہ کس کو خیال آسکتا تھا کہ یہ دونوں مصنف آگے پیچھے اس دنیا کو خیر باد کہیں گے اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص آئے گا جو فیوض و برکات کے ان دو مختلف سوتوں کو ملا کر ایک چشمہ بنا دے گا۔ اللہ کے سامنے میں اس کی دی ہوئی عزت پر نازاں ہوں کہ اس نے بزرگوں کی متروکات کی تکمیل کی سعادت میرے حصہ میں رکھی۔

رحمۃ للعالمین کے مصنف سے میں سب سے پہلے 1916ء میں واقف ہوا جب کہ حافظ عبدالعلیم تاجر کانپور نے اپنے وطن بسی میں سرہند کے قریب جو ریاست پٹیالہ میں واقع ہے ایک یتیم خانہ کے افتتاح کی تقریب میں شرکت کی دعوت دی۔ مرحوم اس زمانہ میں ریاست پٹیالہ میں سیشن جج تھے وہ بھی ریاست کے دوسرے عہدے داروں کے ساتھ بسی کے جلسہ میں آئے اور مجھ سے خلوص و محبت سے ملے اور دیر تک بعض پادریوں اور عیسائیوں کے ساتھ اپنے چند مناظروں کا ذکر فرماتے رہے۔ یہ طرفین کی محبت کا پہلا تخم تھا جو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سر زمین میں ہم دونوں نے بویا۔

مرحوم مجھ سے عمر میں بہت بڑے تھے اور میرے بزرگ تھے عمر ان کی طرف سے انکسار و تواضع نے اور میری طرف سے اعتراف و اقرار نے اس تخم کی آبیاری کی اور رفتہ رفتہ اس درجہ اس میں بالیدگی ہوئی کہ اس شجر طوبی کے سایہ میں ہم نے بارہا آرام پایا۔ ندوۃ العلماء کی مجلس کے ہم دونوں ممبر تھے اور اس تعلق سے سال میں ایک دفعہ ضرور یک جائی نصیب ہوتی۔ ایک دفعہ جب وہ اہل حدیث کانفرنس کے اجلاس منو کے صدر ہو کر آئے تو اعظم گڑھ آ کر ”دارالمصنفین“ میں بھی دوراتیں بسر کیں اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے جانا کہ موصوف عاقل باللہ حدیث ہیں۔ ایسے خاموش آئین بالجبر کرنے والے کو آنکھوں نے سب سے پہلی دفعہ دیکھا اور لطف روحانی اٹھایا میں نے حیرت سے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا: ”یہ تو مدت العمر سے ہے۔“

مرحوم میں روشن خیالی کے ساتھ روشن ضمیری اور دائمی قابلیت کے ساتھ روحانی کیفیت یکجا تھی وہ علم کے ملا اور دل کے صوفی تھے۔ صاف ستھرے رہتے تھے تبلیغ کے دلدادہ تھے۔ صلح پسند اور خاکسار تھے علم کی نمائش پسند خاطر نہ تھی اور ان سب سے بالاتر جو وصف

تھا وہ ذات پاک رسالت مآب ﷺ کے ساتھ شفیقتی اور عقیدت تھی۔ دوج کیے اور آخروں میں دیا رحیب ﷺ میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردی اور عبودیت کا سراں آستانہ اقدس پر اس طرح جھکا یا کہ پھر نہ اٹھایا۔ عشق باطن نے ظاہری نعمت کے ساتھ باطن کی یہ سعادت بخشی کہ اس سرزمین میں ان کو ہمیشہ کے لیے جگہ دی جس کے ذرہ ذرہ کے ساتھ ان کے رگ رگ کو وابستگی تھی۔

مرحوم نے اسلام کے فضائل اور تفسیر و تاریخ میں اپنے بعد اپنی متعدد یادگاریں چھوڑیں مگر ان سب میں بہتر اور جامع ان کی تصنیف ”رحمۃ للعالمین“ ہے۔ جس کے دو حصے خود ان کی زندگی میں چھپ چکے تھے۔ اور اب یہ تیسرا حصہ ان کے بعد شائع ہو رہا ہے۔ اس حصہ کا موضوع اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ قارئین دیکھیں گے کہ ایک عاشق رسول ﷺ کے قلم نے عشق و محبت کے نشہ سرور میں علم و عقل کی فرزاگی اور ہوشیاری کے ساتھ کتنی درسی اور دیدہ و دری کی کیا کیا صنعت کاریاں کی ہیں۔ افسوس۔ یہ چشمہ فیض اب ہمیشہ کے لیے خشک ہو گیا مگر مجھے یقین ہے کہ جب تک ہندوستان میں اسلام کا دریا لہریں لیتا رہے گا رحمۃ للعالمین کے یہ کاغذی سفینے مسلمانوں کی سلامتی ایمان کے لیے اس میں چلتے پھرتے تیرتے ابھرتے رہیں گے۔

مرحوم نے رحمۃ للعالمین لکھی اور رب العالمین نے اس دنیا میں اس کو قبول کے شرف سے ممتاز کیا۔ امید ہے کہ اس کی ”رب العالمین“ اور اس کے رسول ﷺ کی ”رحمۃ للعالمین“ دوسری دنیا میں بھی اس کی چارہ نوازی کرے گی۔

”رحمۃ للعالمین“ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے ذوق کے مطابق سوانح اور واقعات کے ساتھ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے صحف آسمانی کے ساتھ موازنہ اور خصوصیت سے یہود نصاریٰ کے دعاوی کا ابطال بھی اس میں جا بجا ہے۔ مصنف ﷺ کو توراہ اور انجیل پر کمال عبور حاصل تھا اور عیسائیوں کے مناظرانہ پہلوؤں سے اس کی پوری واقفیت تھی۔ اسی بنا پر اس کی یہ کتاب ان معلومات کا پورا خزانہ ہے۔

پیش نظر حصہ کہنے کو خاص اہم محمدی ﷺ کے بیان میں ہے مگر درحقیقت اس میں اسلام کے ان امتیازات اور خصوصیات کا خاکہ ہے جس کی بنا پر اس کو ”دین کامل“ کا خطاب ملا ہے۔ اس طرح اس میں آنحضرت ﷺ کے وہ فضائل و محامد درج ہیں جن کی بنا پر آپ ﷺ کو خاتم النبیین اور مکمل دین کا پرفخر خطاب باری تعالیٰ سے عطا ہوا ہے۔ مصنف کے دلائل ایسے دلنشین اور طرز ادا ایسا متین ہے کہ اس کی یہ تصنیف ہر صاحب ذوق کے لیے باعث تسکین ہو سکتی ہے۔ زمانہ حال نے خیالات میں جو تغیر اور طریق تبلیغ میں انقلاب پیدا کیا ہے۔ مصنف مرحوم نے اس کی پوری نگہداشت کی ہے اور اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الوفاء والقیات و السلام کے وہ تمام امتیازات اور محاسن جو اس دور میں کسی حیثیت سے بھی پیش کرنے کے لائق تھے مرحوم نے ان کا پورا استقصا کیا ہے اور کہیں سے کسی کارآمد نکتہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مناظرانہ طریق تصنیف میں سنجیدگی اور متانت کا برقرار رکھنا سخت مشکل کام ہے مگر جس طرح خود مصنف ﷺ اس وصف میں ممتاز تھے اسی طرح ان کی یہ تصنیف بھی اس وصف میں امتیاز خاص رکھتی ہے۔ پوری کتاب مناظرانہ اور احقاق حق کی رودادوں سے لبریز ہے تاہم کہیں تہذیب اور مذاق سلیم کو حرف گیری کا موقع نہیں مل سکتا۔ ﴿ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ [المائدہ: 54]

اگر اس دنیا کی مقبولیت سے اس دنیا کے اجر جزیل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے تو یہ کہنے میں قلم کو ہاک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مصنف ﷺ کے جلائل اعمال میں اس تصنیف کا شمار ہوا ہوگا اور غالباً یہی ان کا ایک کام ان کی مغفرت اور نجات کے لیے کافی ہوگا۔

کتاب کے دو پہلے حصوں نے عام قارئین کے علاوہ اسلامی مدارس و مکاتب میں درس کی حیثیت سے بھی جگہ پائی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ حصہ بھی اسی قدر مقبول ہوگا اور عام مسلمان اور طلبہ اس کے مضامین سے مستفید اور اس کے مطالب سے بہرہ مند ہوں گے۔ کسی مصنف کی یہ خوش قسمتی کیا کم ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے قلم کا خیر جاری رہے۔ انسان فانی ہے مگر اس کا عمل باقی ہے۔ مرحوم مصنف خاک کے کسی گوشہ میں آسودہ ہے مگر اس کے ہاتھ کی جنبش نے کاغذ کے صفحات پر اخلاص و نیاز کے ساتھ جو گلکاریاں کی ہیں اس کی بہارانِ شفاء اللہ سدا قائم رہے گی اور اس کی خوشبو ایمان کے مشام جاں کو ہمیشہ معطر رکھے گی۔ قارئین میرے ساتھ دست پدعا ہوں کہ مرحوم کو رضائے الہی کی بہشت جاوید میں درجات عالیات نصیب ہوں کہ اس کے قلمی احسانات کا ہماری طرف سے یہی زبانی شکر یہ ہو سکتا ہے۔

والسلام
سید سلیمان ندوی (رحمۃ اللہ علیہ)

29- محرم 1352ھ





لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ رَبُّ الْمَلَكِ وَالنَّبِيِّ وَاللَّهِ الْمُرْسَلِينَ - قِيَوْمَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِينَ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ الْمَبْعُوثُ بِالصِّدْقِ وَالنُّورِ الْمُبِينِ وَرَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ - فَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّاتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَخَلْفَائِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ - آمِينَ اللَّهُ الْحَقِّيَّ آمِينَ - آمَنَّا بَعْدُ:

قارئین کی خدمت میں کتاب رحمۃ للعالمین کی یہ جلد سوم نہایت ادب سے پیش کی جاتی ہے۔ اس جلد کے مضامین عرصہ ہوا کہ قلم بند کیے جا چکے تھے، لیکن ہیرت نگار کے بیمار ہو جانے سے فراہمی و ترتیب مضامین میں تاخیر پرتاخیر ہوتی رہی۔

احباب کا شوق اور تقاضے اور راقم الحروف کی عداوت بڑھتی رہی۔ اب ان مضامین کو فراہم کر دیا گیا ہے، لازم تھا کہ نظر ثانی کر لی جاتی، مگر سفر حج کا داعیہ پیدا ہوا اور یہ ضروری کام رہ گیا۔ اب تو کلا علی اللہ روانگی سفر مبارک سے پیشتر ان اوراق کو مطبع میں روانہ کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری لغزشوں کو معاف فرمائے۔

قبل ازیں اس کتاب کی جلد اول اور دوم شائع ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو قبولیت عام ان کتابوں کو عطا فرمائی ہے وہ محض اس کا فضل خاص ہے۔

بندہ مستمند نقش نگار حروف چند کے فہم و تصور سے بالاتر تھا کہ یہ کتاب مدارس اسلامیہ کے نصاب درسیہ میں داخل کی جائے گی۔ اور جامعہ عثمانیہ دکن، جامع عباسیہ بہاول پور و ندوۃ العلماء لکھنؤ و یونیورسٹی اسلام آباد لاہور کے صاحبان فضل و کمال ان کتابوں کو جزو تعلیم قرار دیں گے اور جملہ مدارس ثانویہ اسلامیہ میں اس کی تدریس لازمی قرار دی جائے گی۔

امید ہے کہ اب قیام العلوم اس جلد سوم کو بھی حسن قبول کے شرف سے مشرف فرمائے گا اور بزرگان دین و علمائے صدق اس کتاب کا ملاحظہ مر بیانا التفات سے کریں گے۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرة: 127]

﴿رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلَا يَحِيْ وَادْخُلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾

..... خاکسار.....

محمد سلیمان سلمان منصورپوری (رحمۃ اللہ علیہ) (پناب)

[1] مصنف رحمۃ للعالمین بی بیہ کا ارادہ یہی تھا مگر افسوس کہ پورا نہ ہو سکا اور آپ مسودہ نظر ثانی کے لیے اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ چنانچہ ریل اور جہاز میں یہی کام کرتے رہے اور چند نئے ابواب کا اضافہ بھی کر دیا اور مکہ معظمہ پہنچنے تک اسے ہاتھ لکھ کر دیا۔ واپسی پر جہاز میں آپ کا وصال ہو گیا اور یہ مسودہ کچھ عرصہ تک آپ کے اسباب میں ہی بند پڑا۔ الحمد للہ! کتب ذریعہ سے مزین ہو کر نثر قارئین ہو رہا ہے۔

خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خصوصیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق متقدمین کی بھی چند کتابیں ہیں، جو اسی زمانہ کے ایک خاص گروہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے موزوں کہی جاسکتی ہیں۔

مع ہذا جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے، اس کو دہرانا مثلاً شیخان مزید کی پیاس کو نہیں بجھا سکتا۔

خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر پوری وسعت کے ساتھ لکھا جائے تو ایک ضخیم دفتر بن جائے، لہذا جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ صرف ”ماحضر“ کے تحت میں ہے۔ خصائص کا استنباط زیادہ تر آیات قرآنیہ سے کیا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے حبیب کی خصوصیات کا جاننے والا اور وہی اس کتر مخفی کی مفتاح فرمانے والا ہے۔

کمی علم یا سو فہم کی وجہ سے جو غلطی مجھ سے ہوئی ہو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے: اول خصوصیات وجود گرامی۔ دوم خصوصیات نبوت، جس کے فیضان میں عالم و عالمیان بھی داخل ہیں۔ آخر میں ایک حدیث پاک سے طریقہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توضیح کی گئی ہے۔ نیز اسمائے مبارکہ میں چند اسماء عالیہ کے معانی لکھ کر باب ہذا کو ختم کیا گیا ہے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

خصوصیات وجود گرامی

خصوصیت نمبر 1

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ﴾ [الحج: 29] ”محمد اللہ کے رسول ہیں“

آیت بالا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب بھی بتایا گیا ہے۔ ہر دو اعتبار سے آیت بالا خصوصیات نبویہ کا مظہر ہے۔

① نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعت شان کے اظہار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہمایوں (بارکات) بھی اپنے ائمہ خصوصیت رکھتا ہے۔

واضح ہو کہ انبیائے کرام علیہم السلام میں کسی نبی کا نام بھی ایسا نہیں پایا جاتا کہ وہ نام ہی اپنے مسخ کے کمالات نبوت کا شاہد بدل ہو،

بطور نمونہ چند اسماء کا ذکر کیا جاتا ہے:

- آدم علیہ السلام: کے معنی گندم گوں ہیں۔ ابو البشر کا یہ نام ان کے جسمانی رنگ کو ظاہر کرتا ہے۔
- نوح علیہ السلام: کے معنی آرام ہیں، باپ نے ان کو آرام و راحت کا موجب قرار دیا۔
- اسحاق علیہ السلام: کے معنی ضاحک، یعنی ہنسنے والا ہیں۔ ہشاش بشاش چہرہ والے تھے۔
- یعقوب علیہ السلام: پیچھے آنے والا، یا اپنے بھائی یوسو کے ساتھ توأم پیدا ہوئے۔
- موسیٰ علیہ السلام: پانی سے نکالا ہوا، جب ان کا صندوق پانی میں سے نکالا گیا، تب یہ نام رکھا گیا۔

- یحییٰ علیہ السلام: عمر واز۔ بوڑھے ماں باپ کی بہترین آرزوں کا ترجمان۔
- عیسیٰ علیہ السلام: سرخ رنگ۔ چہرہ گلگلوں کی وجہ سے یہ نام تجویز ہوا۔
- اسمائے بالا کو دیکھو اور ان کے معانی پر غور کرو کہ وہ کس طرح مستی کی عظمت روحانی یا نبوت کی طرف ذرا سی بھی اشارت نہیں رکھتے۔ مگر اسم محمد ﷺ کی شان خاص ہے:
- حضور کا ذاتی نام محمد ﷺ بھی ہے اور احمد ﷺ بھی ہے۔ ہر دو اسمائے ذاتی میں وحدت مادہ موجود ہے۔ یعنی حمد سے بنے ہیں۔ اب معنی "حمد" کا سمجھنا ضروری ہوا۔

ثناء و تکریم: رفعت شان و رفعت ذکر اور اتلز ام جود و عطا کا مجموعہ حمد کہلاتا ہے۔ حمد کی یہ جملہ صفات بدرجہ اکمل ذات پاک سبحانی میں پائی جاتی ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا حرف لام یہی بتلا رہا ہے۔ اور اسم پاک "حَمِيدٌ" بھی اسی راز کا انکشاف کرتا ہے۔

سیدنا حسان المؤمنین بروح القدس ﷺ نے اپنے قصیدہ کے مشہور بیت میں گویا اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَسَقَىٰ لَكَ مِنْ اِسْمِهِ لِيَجْلُوَ قَدْرَ الْعَرْشِ مَحْمُودًا وَ هَذَا مُحَمَّدًا

مُحَمَّدًا: حَمِيدًا (مضاعف) سے مبالغہ کے لیے ہے۔ یہ اس لیے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں۔ ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں۔ یہ اس لیے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں۔

ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں۔ زمرہ انبیاء و مرسلین میں بھی محمود ہیں اور اہل زمین کے نزدیک بھی محمود ہیں، جو لوگ حضور ﷺ کا کلمہ نہیں پڑھتے وہ بھی ان سب کا و شیم کے مداح ہیں جن کا لزوم و ثبوت حضور ﷺ کے نام کے معنی اور حضور ﷺ کی ذات گرامی سے بدرجہ اتم ہے۔

ہاں! حضور ﷺ ہی "مقام محمود" والے ہیں اور "لواء الحمد" حضور ﷺ ہی کے رایت شاہی کا نام ہے۔ حضور ﷺ کی امت کا نام بھی انہی مناسبات سے "حمادون" ہے۔

محمد و احمد کے معانی میں الگ الگ فرق یہ ہے کہ محمد ﷺ وہ ہے جس کی حمد و نعت جملہ اہل الارض و السماء نے سب سے بڑھ کر کی ہو اور احمد ﷺ وہ ہے جس نے رب السموات و الارض کی حمد و ثنا جملہ اہل الارض و السموات سے بڑھ کی ہو۔ لہذا اسم پاک علم بھی ہے اور صفت بھی ہے۔ وہ اپنے معانی کے اعتبار سے کمالات نبوت پر دال ہے اور مدلول بھی۔

یہ خصوصیت ہے جس سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے اسماء ساکت و خاموش ہیں۔

② اسم پاک کے ساتھ رَسُوْلُ اللّٰہِ کا علم بھی سورہ الفتح آیت 29، آل عمران آیت 144 میں موجود ہے۔

رسول بروزن فعول بمعنی مرسل ہے۔ اللہ کی طرف مضاعف ہونے سے اس کے معنی یہ ہو گئے ہیں کہ اس کی رسالت صرف منجانب اللہ ہے۔ وہ کسی دوسرے کا پیغام نہیں سنا تا اور کسی دوسرے کی بات پہنچانا اس کی شان سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جہاں یہ لفظ بہ شکل مضاعف قرآن مجید میں مستعمل نہیں ہوا وہاں معرف باللام مستعمل ہوا ہے اور اسی تخصیص کا عرفان دیتا ہے۔

آیت ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ... ﴾ [الفتح: 29] اور آیت ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَّسُوْلٌ ﴾ [آل عمران: 144] کی تزیل

سے آشکارا ہو گیا کہ فرقانِ حمید میں جہاں کہیں بھی ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ [النساء: 59] کی وحی موجود ہے اور عینی آیات اس کے ہم معنی پائی جاتی ہیں ان سے حضور ﷺ ہی کی ذاتِ بابرکات مقصود ہے اور حضور ہی کو رب العالمین نے مطاعِ عالم اور سید الانبیاء والامم مقرر فرمایا ہے۔

یہ مسئلہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جملہ اہل اسلام کا ایمان رہا ہے، مگر ہمارے زمانہ میں یہ عقیدہ محدث ایجاد کیا گیا ہے کہ رسول سے مراد آیاتِ الہیہ میں خود قرآن ہے۔ لہذا اطاعت قرآن فرض ہے اور اطاعت محمد ﷺ فرض نہیں۔ آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ﴾ (جوزیب عنوان ہے) کی مناسبت سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خود قرآن مجید سے اس مسئلہ کا حل کیا جائے۔

اہل ایمان کو تدبر قرآن سے صاف طور پر واضح ہو جائے گا کہ لفظ رسول کا اطلاق صرف انبیاء کرام پر یا ان ملائکہ پر جو رسالت کا کام سرانجام دیتے تھے، فرمایا گیا ہے، لیکن لفظ رسول کا اطلاق کسی کتاب پر کبھی نہیں ہوا۔ آیات ذیل پر غور کرو:

- حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے:
﴿يَقَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَ لَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الاعراف: 61]
”اے قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں، میں تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔“
- حضرت ہود علیہ السلام کی زبان سے:
﴿يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَ لَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الاعراف: 67]
”اے قوم! مجھ میں نادانی کی کوئی بات نہیں، میں تو رب العالمین کا رسول ہوں۔“
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے:
﴿وَ قَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الاعراف: 104]
”موسیٰ نے کہا: اے فرعون میں پروردگارِ عالم کا رسول ہوں۔“
﴿وَ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ لَقَوْمِ لِمَ تُوذُّونَنِي وَ قَدْ تَعْلَمُونَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ﴾ [الغف: 5]
”جب موسیٰ نے کہا: اے میری قوم، مجھے کیوں ایذا دیتے ہو، تم تو جان چکے ہو کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں۔“
- حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے:
﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَىٰ ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ﴾ [النساء: 171]
”سوا اس کے نہیں مسیح عیسیٰ علیہ السلام بن مریم اللہ کا رسول ہے۔“
﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ﴾ [المائدہ: 75]
”مسیح بن مریم تو صرف رسول ہیں۔“
﴿وَ إِذْ قَالَ عِيسَىٰ بَنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ﴾ [الغف: 8]
”عیسیٰ بن مریم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ میں تمہارے لیے اللہ کا رسول ہوں۔“

□ حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان سے:

﴿ قَالَ إِنَّمَا رَسُولٌ رَّبِّكَ ﴾ [مریم: 19]

(مریم سے جبریل نے) کہا میں تیرے رب کا رسول ہوں۔

آیات بالا سے ہویدا ہے کہ سیدنا نوح و ہود و موسیٰ و عیسیٰ اور جبریل علیہم السلام کو قرآن مجید میں رسول بتایا گیا ہے۔ فیصلہ طلب امر یہ رہ جاتا ہے کہ سیدنا مولا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رسول ہی فرمایا گیا ہے۔ تو پھر کیوں دیگر انبیاء کے ساتھ رسول بہ معنی پیغمبر سمجھا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ معنی کیوں نہ سمجھے جائیں۔ ذیل میں وہ آیات درج ہیں جن سے کلمہ رسول اللہ کا ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ثابت ہے، وہاں تاویلاً بھی کسی کتاب سے مراد نہیں ہو سکتی۔

① ﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ﴾ [التج: 27]

”اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب ٹھیک ٹھیک سچا کر دکھایا۔“

یہ ظاہر ہے کہ خواب دیکھنا انسان کا کام ہے، کتاب کا نہیں۔ خواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا قرآن مجید نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔

② ﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يُعَلِّمُ لِمَنْ يَشَاءُ آيَاتِهِ ﴾ [المنافقون: 1]

”جب منافق لوگ آپ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری شہادت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“

منافقوں کا آنا جانا دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا۔ وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خطاب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے۔ تین جگہ حرف ”ک“ خطاب موجود ہے۔

③ ﴿ بَلْ طَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ ﴾ [التج: 12]

”ہاں! تمہارے گمان تو یہ تھے کہ رسول اور ایمان والے لوٹ کر اپنے اپنے کنہوں میں نہیں آئیں گے۔“

جانا لوٹ آنا، جی جانا، کنہ دار ہونا، یہ صفات قرآن کے ہو سکتے ہیں؟ غور کرو کہ رسول کو یہاں کنہ دار صاحب اہل و عیال بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ دیگر مومنین کو بھی کنہ دار کہا گیا۔

اس سے آگے بڑھو تو ایسی آیات بھی ملیں گی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پر شمول ذکر قرآن پاک ہے۔

④ ﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ ﴾ [المائدہ: 67]

”اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا دیجئے جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے۔“

یقیناً قرآن مجید میں ﴿مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ ہے اور سیدنا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم وہ رسول ہیں جو آیت بالا کے مخاطب ہیں جسے بَلِّغْ فرمایا وہ فرض تبلیغ ان پر عائد کیا گیا ہے۔ ہاں یہ بھی غور کرو کہ إِلَيْكَ کا مخاطب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون ہے جس پر نزول قرآن ہوا۔

⑤ ﴿ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا ﴾ [البقرہ: 151]

”ہم نے اپنا رسول تم میں بھیجا ہے جو تم میں سے ہے، وہ ہماری آیات تم پر پڑھتا ہے۔“

آیاتنا تو قرآن مجید ہی ہے۔ اب اَرْسَلْنَا رَسُوْلًا كَمَا مَصَدَقَ كُونِ نَهْرًا۔ وہ مِنْكُمْ وَالَاكُونِ ہے جسے قریش میں حسب و نسب بھی حاصل ہے۔ کلام اللہ المنان تو کسی حسب و نسب کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔

﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ [التوبہ: 128]

”شاندار رسول تمہارے پاس آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔“

قرآن مجید کی ایسی کوئی شخصیت ہے جو نوع بشر کے ساتھ مشارکت بھی رکھتی ہے۔ المختصر قرآن پاک نے نبی ﷺ کا اسم و علم بیان فرمانے کے بعد حضور ﷺ کا رسول ہونا اور پھر بحکم الہی مطاع اور مفترض الطاعت ہونا ظاہر کر دیا، مگر قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی الْقُرْآنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ موجود نہیں ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے نہایت جزم و قطعیت کے ساتھ بتلا دیا کہ سیدنا و مولانا محمد ﷺ ہی وہ رسول پاک ہیں جن کا اتباع فرض ہے اور وہی کل عالم و عالمیان کے مخدوم و مطاع ہیں۔

﴿ وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا لِيَطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ [النساء: 64]

”ہم نے ہر ایک رسول کو اس لیے بھیجا کہ اس کی اطاعت ہمارے اذن سے کی جائے۔“

کا طفر حضور ﷺ ہی کے لیے ہے اور

﴿ وَ مَنْ يَطْعِ الرُّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ [النساء: 80]

”جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

کا فرمان واجب الاذعان حضور ﷺ ہی کے احترام و احتشام میں نفاذ پذیر ہے اور یہ ایسی خصوصیت ہے جس نے حضور ﷺ کی شان بلند کو نہایت ارفع و اعلیٰ ثابت کر دیا ہے۔

جملہ آیات بالا سے ثابت ہو گیا کہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وہی عبد اللہ کا فرزند، آمنہ کا جایا، مکی المدنی، الای، الباشمی، القرشی، الکنانی، العدنانی، فخر اسماعیل ذبیح اللہ، دعائے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور بشارت عیسیٰ مسیح علیہ السلام ہیں۔

جن کی اطاعت عالم و عالمیان پر تا انقراض عالم و عالمیان فرض عین ہے اور یہ امر حضور ﷺ کی خصوصیت ہے۔

خصوصیت نمبر 2

﴿ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ﴾ [البقرہ: 151]

”وہ رسول تم میں سے ہے“

یہاں مِنْكُمْ کے مخاطب قریش مکہ بھی ہیں جو سارے عرب میں مخدوم و مطاع مانے جاتے تھے، نیز اس کے مخاطب جملہ بنی نوع انسان بھی ہیں۔

لہذا قابل غور ہے کہ مِنْكُمْ فرمانے میں کیا خوبی و مصلحت ہے؟

واضح ہو کہ حضور ﷺ سے جو شتر دنیا کی مشہور مشہور ام نے اپنے اپنے مقتداؤں کو جنس انسانی سے بالاتر ہونے کی عزت دے رکھی تھی۔

ہندوؤں میں بتیس (32) کے قریب ایسے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ ”اوتار“ کا خطاب لگا ہوا ہے۔ اوتار کے معنی ہیں کہ خود خدا منس (انسان) کے چولے میں آیا۔ یعنی ایٹرنل شکل مادی اختیار کر کے جامہ مخلوق پہن لیا ہے اور پھر انسان یا شیر یا خوک (خنزیر) یا کچھو وغیرہ بن کر اپنی قدرت الوہیت کے نمونے ظاہر کیے۔

عیسائیوں نے بھی مسیح علیہ السلام کو اوتاری کا درجہ دیا۔

اہل تبت نے دلائی لاما کو خالقیت کی مسند پر بٹھلایا۔

اہل انگلستان نے کنگ آرٹھر (King Arthur) کی کرسی کو معصوم و غیر معصوم کی شناخت کا آلہ ٹھہرایا۔

اہل ناروے کا دو ڈن بت صدیوں تک یورپ کا خدا بنا رہا۔

تاتاریوں نے بھی الحقو ایگم کے مجہول النسب بیٹوں کو فرزند ان نور قرار دیا۔

زمان مصر نے بھی جمال یوسفی دیکھا تو جھٹ ان کے بشر ہونے کی نفی کر کے ان کو فرشتہ بزرگ کا لقب دیا۔

ان حالات میں ایک سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو اس حقیقت کا انکشاف فرماتے ہیں اور بشریت کو مخلوقیت کا برترین درجہ قرار دے کر خود کو بشر بتلاتے ہیں۔

اسی پاک لفظ ”مِنْكُمْ“ نے ایک طرف انسان کا اَشْرَفُ مَا سَخَّانَ ہونا بتلایا اور دوسری جانب ان کو تہ بنوں کو نظر بلند پرواز کا ہم عنان بنایا۔ توہمات کے بادل چھٹ گئے، ظنون و اوهام کا پردہ پھٹ گیا، نادانانہ قنیت کا حجاب اٹھ گیا اور نقوش حقیقت لوح قلب پر جاگزیں ہوا کہ ہر ایک انسان اپنے اعلیٰ ترین کمالات اور اقدار فوق الطبیعات کو رکھتا ہوا بھی بشر ہی ہوتا ہے۔

سیدنا مولا محمد رسول اللہ ﷺ اس لیے سرور کائنات ہیں کہ کمالات عہدیت کا اتمام و احتشام حضور ہی کے عنصر شریف بشریت پر ہوا۔

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر نبی ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوا یا گیا ہے:

﴿ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ﴾ [ذی اسرائیل: 93]

”نہیں ہوں مگر بشر رسول۔“

پس ”مِنْكُمْ“ نے درجہ بشریت کو بالا بنا دیا ہے اور نبی ﷺ کی ذات ہمایوں کو تہ بنوں کی خیالی توجیہات سے ارفع و اعلیٰ

ثابت کیا ہے، جس سے حضور ﷺ کا رسول رب العالمین اور مبشر جمعین ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

خصوصیت نمبر 3

﴿ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ [انعام: 113]

(تجھے علم سکھایا ان چیزوں کا جن کا تجھے علم نہ تھا)

قرآن مجید کی آیات متعددہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا جانتے تھے۔

اب لفظ عَلَّمَكَ ظاہر کرتا ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم دی تھی۔

[3] شوپن ہارٹھر (Schopenhauer Arthur) مشہور جرمن فلسفی 1788-1860ء

دنیا میں شاگرد کو تعلیم قوت شنوائی و بینائی یعنی حیات کے ذریعہ سے دی جاتی ہے۔ پھر جب یہ تعلیم حواس انسانی میں قیام پذیر ہو جاتی ہے تو اس کا نام ”تعلیم پاجانا“ رکھا جاتا ہے۔
انبیاء کی تعلیم ان کے قلب سے شروع ہوتی ہے ﴿ اَنْزَلْنَاهُ عَلٰی قَلْبِكَ ﴾ لہذا اللہ کی تعلیم دینے اور بندہ کی تعلیم دینے میں بڑا نمایاں تفاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ سَنُقَرِّئُكَ فَلَا تَنْسَى ﴾ [الاعلى: 6] ”ہم تجھے پڑھائیں گے اور پھر تو نہ بھولے گا۔“

تعلیم ربانی کا نسیان سے برتر ہونا وہ خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی معلم یا محکم میں نہیں پائی جاسکتی۔ جب ہم قرآن پاک پر تدبر کی نگاہ ڈالتے ہیں اور احادیث پاک کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں احوال ماضیہ بھی موجود ہیں اور اخبار مستقبلہ بھی مذکور ہیں اور عہد حال کے احکام بھی بکثرت ہیں۔ تب یقین ہو جاتا ہے کہ نبی الامی کو ٹھیک اللہ تعالیٰ ہی سے تعلیم ملی تھی جو ماضی و حال و استقبال کا علم رکھنے والا ہے۔

نبی ﷺ کے لیے یہ خصوصیت نہایت خاص ہے کہ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جن کو ان پڑھ ہونے پر فخر تھا۔ ایسے ملک میں پیدا ہوئے جو ممالک متدنہ سے بالکل الگ تھلگ ہے، پھر چالیس (40) سال تک حضور ﷺ کی زبان تعلیم و تعلم سے نا آشنا ہی رہی۔

لیکن جب رب العالمین نے حضور ﷺ کو اپنے تلمذ میں لیا تو حضور ﷺ نے جملہ علوم و معارف اور حقائق و معانی کے دفتر کے دفتر کھول دیئے۔ آیت اولین:

﴿ اَفْرَأٰ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴾ [العلق: 1-3]

”پڑھا اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو علق سے پیدا کیا۔“

پڑھا ڈالے کہ حضور ﷺ کی الف۔ با۔ تا۔ کی حقیقت خلقت انسانی سے شروع ہوتی ہے اور یہ وہ مسئلہ دقیق ہے جس میں مشقی فلسفی بھی حیران ہیں۔

لہذا آیت بالا حضور ﷺ کی خصوصیت کی مظہر ہے۔

خصوصیت نمبر 4

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ [المشرح: 1]

”کیا ہم نے تیرے سینہ کو نہیں کھولا۔“

شرح صدر کے متعلق ایک روایت ہے جسے صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کا تعلق نبی ﷺ کے عالم صغریٰ سے ہے، جب کہ حضور ﷺ وائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ میں تھے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے سینہ مبارک میں اثر محیط بھی دیکھے تھے۔
شرح صدر کے متعلق دوسری روایت صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن مالک بن صعصعہ والی ہے جس میں شق صدر شب

معراج کو بہ مقامِ حظیم ہوا تھا۔ [1]

قرآن مجید میں جس شرح صدر کا مذکور ہے۔ وہ روایات بالا کی تصدیق فرماتا ہے اور ہاں ہم وسیع تر معانی کا بھی اظہار کرتا ہے۔ آیات ذیل پر غور کرو۔

[1] ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ [الانعام: 125]
 ”جس شخص کو اللہ راہِ راست دکھانا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس شخص کی گمراہی کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے۔“

[2] ﴿اقْمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ﴾ [الزمر: 22]

”بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔“

[3] ﴿وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ﴾ [الغل: 106]

”لیکن جن کا سینہ کفر کے لیے کھلا ہے، ان پر اللہ کا غضب ہے۔“

[4] ﴿وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي﴾ [اشعر: 14]

”میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان رواں نہیں۔“

[5] ﴿قَالَ رَبِّ شَرِّحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي﴾ [طہ: 25-26]

”کہا: اے رب میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو آسان بنا دے۔“

□ آیت اول میں شرح صدر اسی حالت کو فرمایا گیا ہے جب ہدایت الہی توفیق راہ اور رفیق سا لک ہو جاتی ہے اور سینہ میں دین صحیح کا شوق جوش زن ہوتا ہے۔

□ آیت دوم میں ہے کہ رغبت صحیحہ اور شوقِ اصلیہ کے بعد دینِ حقہ حاصل ہو جاتا ہے اور پھر برکاتِ دین کے انوار کا حصول ہوتا ہے۔
 □ آیت سوم میں ہے کہ جس شخص کا رجحان و میلان بہ جانبِ کفر ہوتا ہے وہی شرح بالکفر کا مصداق ٹھہرتا اور غضبِ الہی کا مستوجب قرار پاتا ہے۔

□ آیت چہارم و پنجم موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہیں جب ان کو تبلیغ و انداز کے لیے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا، تب انہوں نے اسی خدمت کو خوف و ہراس سے دیکھا اور عرض کیا کہ میرا سینہ اس بار خدمت سے بھنچا جاتا ہے۔ اس حالت نے جرأت کو پیچھے ہٹا دیا۔ جب ان کو اطمینان مزید منجانب اللہ عطا فرمایا گیا تب انہوں نے آیت پنجم والی دعا کا استعمال کیا۔

ہجرتِ گاند آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے شرح صدر کے معنی یہ ہیں کہ صداقت و حقانیت کا غلبہ ہو جائے اور قلب کو وہ اطمینان کلی مل جائے جو ہدایت و نور تک فائز ہو جانے کے لیے کافی ہو۔

نبی اللہ ﷺ کے لیے شرح صدر کے معنی یہ ہیں کہ ابلاغ و انداز کے لیے ہمت عالی اور عزمِ راسخ اور استقامتِ محکم حاصل ہو،

کسی بادشاہِ جبروت، کسی کافر کی فرعونیت کا رعب سینہ صافی پر سایہ نڈھول نہ ہو سکے۔ اپنی تہائی، بے کسی، بے سرو سامانی کا خیال بھی اٹھ جائے۔

اب آیت زینت عنوان کو سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک کے ساتھ ملا کر پڑھو کہ جب حضور کو ﴿قُمْ فَأَنْذِرْ﴾ کا فرمان ملا تو حضور ﷺ نے کوئی عذر نہیں کیا، کسی خوف و ہراس کا اظہار نہیں فرمایا تکذیب کا خوف، قتل کا ڈر قلب پاک کے نزدیک بھی نہ آسکے۔ موسیٰ علیہ السلام کو تو ایک فرعون کے پاس جانا تھا لیکن نبی ﷺ کے معاندین میں سینکڑوں فرعون طینت تھے۔ فرعون تو ایک حکومت منظر کا حکمران تھا، اس لیے اس قتل موسیٰ علیہ السلام کو باضابطہ کونسل میں پیش کر دیا تھا۔

﴿قَالَ لِلْمَلَآئِكَةِ حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۝ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ﴾ [اشرا، 34-35]

”فرعون نے اپنے ارد گرد کے سرداروں سے کہا کہ یہ تو بڑے علم والا جادوگر ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ تم لوگوں کو جادو کی طاقت سے تمہارے ملک سے نکال دے۔ اب تم بتلاؤ کہ مشورہ کیا ہے؟“

سرداروں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کو مہلت دے۔ مگر عرب کے سفاک و خونریز نہ تو کسی کونسل (Council) کی رائے کے پابند تھے اور نہ کسی سے مشورت کرنے کے روادار۔ نبی ﷺ حکم ملتے ہی فوراً انذار و تبلیغ کے لیے اٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔

دو سید جو اب تک علوم درسیہ سے خالی تھا، نور و معرفت کا خزینہ اور ہدایت و عرفان کا گنجینہ بن جاتا ہے۔ ہزاروں در ہزار علوم و حکمت کے رموز و اسرار اس سے نکلنے اور اہل دنیا کے دنی کو ظلمات سے نور میں لانے کا سبب ٹھہرتے ہیں۔

آیات قرآنیہ پر تدبر کرنے والا جب دیکھے گا کہ شرح صدر وہ مقام رفیع ہے، جس کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو خود طلب مسالمت کرنی پڑی اور نبی ﷺ کو قتل از سوال یہ عطیہ ہوا اور پھر خود رب العالمین نے حضور ﷺ سے اس کی تصدیق کا سوال بطور استغیاب تفریری فرمایا۔ تو واضح ہو جاتا ہے کہ آیت بالا میں نبی کریم ﷺ کی خصوصیت علیا کا اظہار فرمایا گیا ہے

خصوصیت نمبر 5

﴿وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ﴾ [المشرح: 2]

”ہم نے تیرے بوجھ کو تجھ سے اتار دیا۔“

”وِزْر“ بارگراں کو کہتے ہیں۔ حَمْلٌ وِزْرٌ کسی دوسرے کو بارگراں سے سبکدوش کر کے خود اس کی ذمہ داری کو لے لینا ہے۔ انہی معنی میں ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ ”کوئی گناہ گار کسی دوسرے گناہ گار کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔“

وزیر: وہ عہدہ دار ہے جو سلطنت کی تمام ذمہ داریوں کا مرجع ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام پر جب باریت ڈالا گیا تو انہوں نے دعا کی تھی۔

﴿وَاجْعَلْ لِي وِزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي﴾ [طہ: 29-30]

”میرے کنبد میں سے ایک کو میرا وزیر بنا دے۔ میرا بھائی ہارون اس منصب کا شایان ہے۔“

اس سے ظاہر ہے کہ فرائض نبوت کی ادائیگی کچھ آسان نہ تھی۔ مویٰ علیہ السلام نے تو پہلے ہی دن وزیر طے کی درخواست کر دی تھی، مگر نبی کریم ﷺ نے اس میدان میں ایک دن بھی قدم رکھا تھا اور آفتاب عالم تاب کی طرح فضا میں چھائے ہوئے تاروں کی کثرت پر یا عالم پر طاری شدہ گہری ظلمت پر نظر نہ کرتے ہوئے بذات واحد علم توحید اور راہیت تبلیغ کو بلند فرمایا تھا۔ اس ایثار و بے جگری اور اس اطاعت و فرماں برداری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خود حضور ﷺ کی اعانت فرماتا اور حضور ﷺ کے بوجھ کو ہلکا کر دیتا ہے۔

زبان عرب میں موازرت بہ معنی معاونت مستعمل ہے۔ وَازْرَتْ فُلَانًا مَوَازِرَةً کے معنی ہیں اعانتہ، علیٰ امرہ یعنی اس کام میں مدد کی۔

وہ بوجھ کیا تھا؟ مفسرین کے اقوال متعدد ہیں اور یہ ضروری ہے کہ بعض کو بعض پر ترجیح ہو۔ ترتیب کلام پر نظر غائر ڈالو۔ یہ آیت ﴿الَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ لَكُمْ صَدْرَتِكُمْ﴾ [الم نشر: 1] اور ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ [الم نشر: 4] کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ لہذا یہ زیادہ موزوں ہے کہ اس آیت کا زمانہ بھی ہر دو حالتوں کے درمیان میں ہو۔

اس وزر کا اندازہ مندرجہ ذیل آیات سے ہو سکتا ہے:

﴿لَعَلَّكَ بَايِعَ نَفْسِكَ أَنْ لَا يُكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ [اشعرا: 3]

”کیا تم اپنی جان کو ان کی اس حالت پر ہلاک کر دو گے۔“

﴿فَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ [بنی: 76]

”ان کی باتوں سے آپ کے دل پر صدمہ نہ ہونا چاہیے۔ ہم ان کی چھپی اور کھلی حالت کو خوب جانتے ہیں۔“

اہل ضلالت کا کفر و شرک پر جمود، دلائل سمعیہ و براہین بصریہ پر التفات سے انکار، عقیدہ آباء پر اصرار، تحقیق حق سے فرار، فواحش کی کثرت، اباطل کی اشاعت، انسانیت کا فقدان، سعیت کا زور، یہ سب وہ امور تھے جن کا ستاد کھٹا، حضور ﷺ پر بار خاطر تھا۔ قوم کا ایسی نجاسات میں آلودہ ہونا حضور ﷺ کے رحم پروردل پر سخت صدمہ تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اعانت سے حضور ﷺ کی تعلیم رفتہ رفتہ پھیل گئی کفر و ضلالت کی تاریکیاں چھٹی گئیں۔ رب العالمین نے ملک کے گوشہ گوشہ سے ان پاکیزہ منش لوگوں کو ابھارا اور خدمت عالی میں ان کو پہنچایا، جو اسلام کے لیے سابقین اولین ٹھہرے۔

انہوں نے نہ صرف اپنے لیے خدائے روح حاصل کی، بلکہ سینہ نبوی ﷺ سے وہ درد دل بھی اخذ کیا جو کہ درو مندوں کا غم گسار ٹھہرا اور مجرد حوں کا چارہ کار بنایا۔ مثلاً صدیق الامت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اموی، فہری، تہمی، بخدومی، اسدی، عدوی، قبائل میں نور تبلیغ پہنچایا، حبشی، بربری، سوڈانی، امت و غلام کو ﴿مُسْفِرَةٌ صَاحِبَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ﴾ [ص: 39] ”روشن، خندہ رو، بشارت یافتہ چہرے“ کی جماعت میں داخل کیا۔

خاتم الخلفاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آل ہاشم و آل بنو طالب میں نصرت و معیت کا آوازہ لگایا۔ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ریگستان میں اور عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے طائف کے کوہستان کی چوٹیوں پر اس پیغام کو پہنچایا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں تبلیغ کا باقاعدہ مدرسہ کھولا۔ جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے دربار حبش میں اسی پیغام کی صدا بلند فرمائی۔

یہ وہ نظارہ تھا جس نے حضور ﷺ کے بوجھ کو ہلکا کر دیا تھا۔ یہ وہ نظارہ تھا جو حضور ﷺ کی آنکھوں کی شندک، بازو کی

توت اور کمر کی صلابت و استقامت اور قلب کا سکینہ بن گیا تھا۔
فی الحقیقت یہ وہ کمال ہے جو سیدنا مولانا محمد اسماعیل علیہ السلام کی خصوصیات سے ہے۔
خصوصیت نمبر 6

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ [الم نشرح: 4] ”اور ہم نے تیرا نام بلند کیا۔“

بحر الکاہل کے مغربی کنارہ سے لے کر دریائے ہواگ ہو کے مشرقی کنارہ تک کے رہنے والوں میں سے کون ہے؟ جس نے صبح کی روح افزاء جھونکوں کے ساتھ اذان کی آواز سننی ہو، جس نے رات کی خاموشی میں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ کی سریلی آواز کو جان بخش نہ پایا ہو۔ ﴿﴾ یہی وہ الفاظ ہیں جو جاگنے والوں اور سونے والوں کو ان کی ہستی کے بہترین آغاز و انجام کے اعلام سے سامعہ نواز ہیں۔
کیا رفعت ذکر کی مثال اس سے بالاتر پائی جاتی ہے، آج کسی بادشاہ کو اپنی مملکت میں کسی ہادی کو اپنے حلقہ اثر میں یہ بات کیوں حاصل نہیں کہ اس کے مبارک نام کا اعلان ہر روز و شب اس طرح کیا جاتا ہو کہ خواہ کوئی سننا پسند کرے یا نہ کرے، لیکن وہ اعلان ہے کہ پردہ ہائے گوش کو چیرتا ہوا قعر قلب تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔ ہاں وہ اعلان صرف اس کے نام ہی کا اعلان نہیں بلکہ اس کے کام کا بھی اور صرف کام کا ہی نہیں، بلکہ اس کے پیغام کا بھی اعلان ہے۔

﴿﴾ بے شک یہ اعلیٰ خصوصیات صرف اسی برگزیدہ انام کے نام نامی کو حاصل ہے جس کی رفعت ذکر کا ذمہ دار خود رب العالمین بنا ہے اور جس کی بابت۔ سیدنا ابنی کی کتاب میں پیش گوئی فرمائی گئی تھی، کہ اس کے نام کو برکت دی جائے گی۔
﴿﴾ ٹامس کارلائل (Thomas Carlyle) کو دیکھو، یہ ایک پکا عیسائی ہے اور سارے انگلستان میں تاریخ و زبان دان کی فضیلت سے۔ اشہر المشاہیر میں داخل ہے۔ وہ ”ہیروز آف ہیروز“ لکھنے بیٹھتا ہے تو اگر وہ انبیاء میں سے صرف حضور ﷺ ہی کے نام مبارک کا انتخاب کرتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو بھولا ہوا ہے اور ان کے کارناموں سے جو آج تک بحیرہ قلزم کی امواج اور فلسطین کے ذرات کو بھی یاد ہیں ناواقف ہے۔؟

کیا وہ داؤد علیہ السلام کو نہیں جانتا؟ جنھوں نے ہوا سرائیل کی متفرق شدہ اسباط میں جمعیت پیدا کی، جنھوں نے ایسی سلطنت کو بنایا اور پائدار کیا کہ ان سے پہلے ایسی سلطنت کا خواب بھی فرزند ان یعقوب علیہ السلام نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

کیا کارلائل کو معلوم نہ تھا کہ داؤد نے عبادت و موسیقی کو جمع کر کے ہوا کو ترنم سے اور فضا کو مناجات سے بھر دیا تھا؟ موسیقی کی اس

﴿﴾ نبوی نے بنا ڈالی اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے ﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ کی حقیقت دریافت کی، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا اِذَا دُكِرْتُ ذِكْرُكَ مَعِيَ اَبْنِ عِمَّاسٍ كَيْتَبُوهُ كَمَا سَأَلْتُمْ فِيهِ مِنْ اَنْ اَتَاكُمْ تَشْهَدُ وَظَهْرُ مِرَاوٍ هِيَ۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما کے اشعار ہیں

اَغْرِبْ عَلَيَّهِ لَلنَّبِيَّةِ عَمَّاسِ مِّنَ اللّٰهِ مَشْهُورٌ يَسْلُوحٌ وَيَشْهَدُ
وَصَمَّ اِلٰهَ لَهٗ اِسْمُ النَّبِيِّ مَعَ اَسْمِهِ اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمَوْذِنُ اَشْهَدُ
وَقَسَقَ لَسَةً مِّنْ اَسْمِهِ لِيَجْلِسَ قَدَّرَ الْعَرْشَ مَحْمُودًا وَهَذَا مُحَمَّدُ

﴿﴾ ٹامس کارلائل (Thomas Carlyle) 1795-1881ء معروف دانشور اور مصنف

قدر افزائی پر تو کارلائل کے رقص دل کو ضرور اچھل پڑنا چاہیے تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو یسوعیہ کی وہ نبوتیں اور پیش گوئیاں یاد نہ تھیں؟ جو انجیل: متی، یوحنا، کی تصانیف کا مایہ خمیر ہیں۔
کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ دانی ایل نبی کی ان برکات سے بے خبر تھا؟ جس نے بائبل کے کافر و جاہر بادشاہ کو یہود کی حفاظت و کرام پر
آمادہ کر دیا تھا، جس نے لاکھوں ایمان داروں کو قتل و صلیب سے بچا لیا تھا، جس نے سینکڑوں سال کے آئندہ واقعات کے طلسم کو کلید تعبیر
خواب سے کھول دیا تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو شائقی ایل کی خدمات کا علم نہ تھا؟ جس نے اسیری سے رہائی پا کر اتنا بڑا ایوان پر و ظلم تعمیر کر دیا تھا جو
بیکل سلیمان سے کم نہ سمجھا جاتا تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ کارلائل حضرت زکریا علیہ السلام کی کہانت ① اور حضرت یوحنا پتیسما دہندہ ② کے زہد و عبادت اور وعظ و تذکیر
کے حالات سے نا آشنا تھا۔ ان سب کا جواب منفی ہے۔

پیارے عزیز و اپر و فیسر طاس کارلائل ان سب باتوں کو جانتا پہچانتا ہوا، بلکہ مانتا اور ایمان رکھتا ہوا بھی مجبور ہے کہ گروہ انبیاء علیہم السلام میں
سے صرف حضور سرور کائنات ﷺ ہی کا مبارک نام انتخاب کرے۔

اس جگہ یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ کارلائل کو انبیاء علیہم السلام میں سے صرف ایک ہی مبارک نام پر اکتفا کرنا تھا۔ اسی لیے
حضور ﷺ ہی کے نام پر اسے بس کرنا پڑی۔ دیکھو حکماء و شعراء اور فلاسفوں کی صف میں یہ مصنف صرف ایک ایک نام کا انتخاب
کرنے کا پابند نہیں ہوا۔ لہذا اگر وہ چاہتا تو بحث نبوت میں بھی ایک سے زیادہ نام لکھ سکتا تھا۔

لہذا ہماری دلیل اور ابھی متین و وقیع ہو جاتی ہے اور پتا لگ جاتا ہے کہ جب کارلائل نے اپنی مؤرخانہ تحقیقات کی نگاہ سے
آفتاب نبوت محمد ﷺ کو دیکھا تب اسے ہزاروں سال کے عہد و سنج کے آسمان پر اور کوئی کو کب نبوت نظر نہ آیا، جسے وہ اس آفتاب
کے دوش بدوش اپنے اوراق پر جلوہ گر کر سکتا۔

یہ نمونہ ہے رفعت ذکر کا کہ ایک صحیح الاعتقاد عیسائی، کیمبرج یونیورسٹی جیسے دارالعلوم کا مسلمہ استاد جس کے نام پر انگلستان کو فخر و ناز
ہے ہزاروں انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر ایمان رکھتا ہوا اور سینکڑوں انبیاء علیہم السلام کے اسمائے پاک کا علم رکھتا ہوا بھی دنیا کے سامنے جب نبوت کا
نمونہ پیش کر سکتا تو سیدنا مولانا محمد النبی الامی ﷺ ہی کے وجود باوجود ذکر کر سکا۔ اس جگہ وہ نوشتہ پورا ہوا جو قرآن حکیم میں ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب: 21]

”تم کو بہترین نمونہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی ملیں گے۔“

① رفعت ذکر کا بیان جس طرح اہل ایمان کرتے ہیں، اسے بھی یاد رکھنا چاہیے، ہم نے موجودہ بائبل سے ثابت کر دیا ہے سیدنا
ابراہیم علیہ السلام سے لے کر یعقوب و موسیٰ، داؤد و سلیمان، یسوعیہ، مریمیاہ، دانی ایل، حزقی ایل، حقوق، ملاکی، یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام نے محامد
محمدی ﷺ اور نعت مصطفوی ﷺ کو اسالیب بدیعہ اور علامات متنوعہ کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اور یہ وہ امر عظیم الشان ہے

② لفظ کہانت عیسائی اصطلاح میں اخبار غن الغیب میں آتا ہے اور اسی لیے وہ اس لفظ کا اطلاق انبیاء کی پیش گوئی پر کیا کرتے ہیں۔ ہم نے بھی یہاں اس لفظ کا استعمال اسی
معنی میں کیا ہے۔ ③ ایک عیسائی مذہبی رسم

انجیل اول کے مصنف سینٹ متی (Saint Mathew) نے ان چند پیش گوئیوں کی تمیحات پر اشارہ کیا ہے جو سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی بابت صحف سابقہ میں پائی جاتی ہیں۔

اگر کوئی منصف ہے تو ان مجمل اشارات کو دیکھے اور جناب متی نے جو طریق استدلال نکالا ہے اس کا موازنہ کرے اور پھر ان آیات بیانات کو دیکھے جو بائبل ہی کے اندر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر ثابت و تحقق ہیں۔

سینٹ متی کو جو صحت صادقہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ تھی، نیز جو دسترس کامل ان کو مضامین بائبل پر حاصل تھی، ہم ان ہر دو امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت وثوق سے یقین کر سکتے ہیں کہ سینٹ مذکور نے کوئی ایسی پیش گوئی اپنی انجیل میں درج کرنے سے باہر نہیں چھوڑی، جس کا تعلق جناب مسیح علیہ السلام کی ذات گرامی سے تھا۔

ہم بھی متی کی بتلائی ہوئی پیش گوئیوں کا مصداق جناب مسیح علیہ السلام ہی کو تسلیم کر لیتے ہیں اور بعد ازاں ان پیش گوئیوں کو لیتے ہیں جو جناب متی کے زمانہ تک بطور پیش گوئی (خبر مستقبل) موجود تھیں اور جن کا مصدق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے سوا اور کسی کو بھی نہیں ٹھہرایا گیا تھا۔

یہودی، عیسائی، مسلمان سب رکھیں کہ اسی موجودہ بائبل کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام مقام ولادت اور دار ہجرت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے قبائل کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برسر پیکار آنے والی قوموں کے نام اور ان کے انجام ایسی وضاحت سے پائے جاتے ہیں کی ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ کی صحیح تفسیر ہیں اور ان سے یہ امر بہ وضوح تام ظاہر ہو جاتا ہے کہ رب العالمین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت ذکر کا اہتمام صدیوں پیشتر کیسے زبردست اعلانات سے فرمایا تھا۔

بے شک اس فضیلت علیا میں اور کوئی بھی بزرگوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سہم ثابت نہیں ہوا۔ وَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ...!

خصوصیت نمبر 7، 8، 9

﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾ [الضحیٰ: 3]

”تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے۔“

﴿وَلَا يَخْشَى خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولَى﴾ [الضحیٰ: 4]

”آخرت تیرے لیے بہتر ہے۔“

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾ [الضحیٰ: 5]

”تیرا رب تجھے اتادے گا کہ تو راضی و خوش ہو جائے گا۔“

ہر سہ آیات سورہ الضحیٰ کی ہیں۔ علمائے مفسرین کا اتفاق ہے کہ ابتدائے بعثت میں اول کلام الہی کا نزول ہوا اور اس کے بعد وحی

میں اباطا (دیروورنگ) ہوا۔ وحی کارک جانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب صادقہ کی ترقی اور شوق کی افزونی کا سبب ٹھہرا۔

یہ ظاہر ہے طلب و اشتیاق تردد و اضطراب سے جدا نہیں رہ سکتے۔ قلب و روح پر وحی ربانی نے جو باب علوم و حقائق کھول دیئے

﴿إِفْرَاءُ بِاسْمِكَ الَّذِي خَلَقْتَ﴾ [الحق: 1] ”اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے تجھے پیدا کیا۔“
یہ درس گاہ بسم اللہ تھی۔ آئندہ معارف و حقائق کے دروازے کھلے رہیں گے اور انوار و برکات اور مشاہدات تدریسیات کے ترشحات چمن آرائے نبوت ہوں گے۔ نصر و تمکین کا نشان سر بلند ہوگا۔ فراوانی علوم اور کثرت موثنین کا نظارہ خوش آئند۔
چنانچہ یہی ہوا کہ ترتیل و تنزیل کے ساتھ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ بائبل میں پہلے سے یہ پیش گوئی موجود تھی، حکم پر حکم، حکم پر حکم، تھوڑا یہاں، تھوڑا وہاں۔

عطا و نوال کی مقدار کو خود جناب رسالت مآب ﷺ کی خوشنودی و رضا پر مقرر فرمایا گیا اور عطیہ کا اندازہ نہ صرف قلق و اضطراب کے ازالہ کی حد تک مقصود کیا گیا بلکہ خود طلب و شوق کی فراخی اور دل و روح کی خوشنودی کو اس کی حد بتلایا گیا ہے۔
یہ انتہائی فضل و اکرام کی، یہ حدی تکمیل کمالات کی۔

یہی نبی ﷺ کی خصوصیت خاصہ ہے کہ عطیہ کی مقدار خود حضور ﷺ کی خوشنودی و رضامندی کی حد تک بڑھا دیا گیا ہے۔ اسی خصوصیت کی تکمیل فرماتے ہوئے رب العالمین نے حضور ﷺ کے اصحاب کو بھی ضلعت رضوان سے مشرف فرمایا ہے۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [التح: 18]

”اللہ مومنوں سے رضامند ہوا جب کہ وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کرتے تھے۔“

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ [البینہ: 18] ”اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔“

فرمایا:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ [البقرہ: 217]

”ایمان لانے والے جنھوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں مال اور جان سے جہاد کیا۔ یہ لوگ اللہ کے ہاں بہت بڑے درجے والے ہیں اور یہی مراد کو پہنچے ہوئے ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضوان اور جنات کی بشارت دیتا ہے، بہشت میں دائمی نعمتیں ہیں ان کے لیے۔“ [البقرہ: 20-21]

فرمایا:

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [البقرہ: 72]

”اللہ کی رضوان تو سب سے بڑھ کر ہے اور یہی سب سے بلند تر کامیابی ہے۔“

فرمایا:

﴿وَرَضِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدہ: 3]

”میں خوش ہوں کہ اسلام تمھارا دین ہو۔“

﴿مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْأَخْيَرَةِ﴾ [الحج: 20] (لہذا آخرت کا ترجمہ ذات ما بعد بھی ہو سکتا ہے۔ خازن نے تحریر فرمایا ہے: وَحَمَلُ الْأَخْيَرَةِ عَلَى ظَاهِرِهَا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مَعًا أُولَى۔

ہمارے یقین و ایمان ہے کہ یہ شان نبی ﷺ ہی کی ہے کہ حضور ﷺ کے دست مبارک پر ایمان لانے والوں کو بھی رضائے رحمن اور خوشنودی منان کا گراں مایہ عطیہ ارزانی فرمایا گیا اور اس طرح پر وہ وعدہ صادق پورا کیا گیا، جو آیت زیب عنوان میں ہے۔
﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾ [النہی: 5] ”تیرا رب تجھے وہ کچھ دے گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔“
اس کا مکمل نظارہ اہل ایمان یوم الدین کو ملاحظہ کریں گے جب کہ ان کے طلب و سوال اور وہم و گمان سے بھی سینکڑوں درجہ بڑھ کر انعامات کا نزول فرمایا جائے گا۔

خصوصیت نمبر 10

﴿النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ﴾ [الاعراف: 157]

”وہ نبی امی ہیں“

امی یہ محقق ہے کہ سیدنا مولانا محمد المصطفیٰ ﷺ کے سوا ﴿اَلَمْ يَكُنْ لَكَ الْاُمِّيُّ﴾ اور کسی نبی کا لقب نہ تھا۔ حضور ﷺ کا یہی لقب انبیائے کرام علیہم السلام کو اور سابقہ ام کو بتلایا گیا ہے۔ علماء نے اسم امی کے متعلق جو پاکیزہ خیالات ظاہر فرمائے ہیں قارئین کے لیے ان پر غور و ملاحظہ فرمادیں۔

① امی: ام القرئی کی نسبت سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کا نام ام القرئی فرمایا ہے:

﴿وَلِتُنذِرَ اُمَّ الْقُرَيْيِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ [الانعام: 92]

”کہ تو ام القرئی والوں کو اور اس کے گردا گرد کی بستیوں کو ڈرائے۔“

مشہور قدیم جرمن مؤرخ سپرنجر (Sprunger) اور سکریڈر (Sacraeder) کا قول ہے کہ ان محققین کی رائے بالکل درست ہے جو اولاد سام کا اصل وطن ملک عرب کو قرار دیتے ہیں۔ اسلامی روایات صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا کہ عرب میں سب سے پہلی آبادی ”بلدہ مکہ معظمہ ہے“ جہاں خانہ بدوش قوموں نے قیام کیا اور بربریت و وحش کو چھوڑ کر عمران و تمدن کی زندگی میں داخل ہوئے۔
الغرض تاریخ اور روایت کے مجموعی اتفاق سے ثابت ہے کہ مکہ ”ام القرئی“ ہے۔ اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی طرف توجہ کرنا چاہیے، انھوں نے بنائے کعبہ کے وقت یہ دعا کی تھی:

﴿رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ [البقرہ: 126]

”اے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے! اور یہاں والوں کو میوہ جات کھلایا کیجیو۔“

دعا کے یہ الفاظ بھی ہیں: ﴿وَاَبْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ [البقرہ: 129]

”ان میں ایک شاندار رسول بھی جو انہی میں سے ہو مبعوث کرنا۔“

دعا کے ظلیل میں دو باتیں عجیب ہیں:

① اس بستی کے رہنے والوں کے لیے جہاں کی زمین ناقابل زراعت ہے، میوہ جات اور ثمرات بکثرت ملنے کی استدعا۔

ان الفاظ کی برکت آج تک نظر آرہی ہے کہ مکہ کے بازار سبزیوں، ترکاریوں اور گونا گوں میوہ جات سے بھرے نظر آتے

ہیں۔ یہ علامت ظاہری اس امر پر دال ہے کہ رب العالمین نے فی الواقع اپنے ظلیل کی دعا کو من و عن شرف قبولیت بخشا۔
 ﴿۳﴾ یہی دعا بوضوح بتلا رہی ہے کہ صرف خوراک جسمانی یا لذائذ کام و دہن تک ہی اس کا اثر محدود نہ تھا بلکہ روحانیت کے لیے دعا کے الفاظ زیادہ پر زور تھے۔ وعدہ کا رسول اور دعائے ظلیل علیہ السلام کا رسول ﷺ مبعوث ہوا اور بڑی شان کے ساتھ مبعوث ہوا۔ اس کے جنسی و نسبی تعلقات انہی لوگوں کے ساتھ تھے جو اس ہستی کے سردار تھے۔ لہذا ام القریٰ کی نسبت سے اسے امی کہنا درست ٹھہرا۔
 ﴿۴﴾ امت کی ”ت“ بہ وقت نسبت گر گئی ہے، جیسے مکہ سے مکی۔ اندریں صورت اسم امی اس حدیث صحیحہ کی تفسیر ہے جو صحیح مسلم میں بروایت انس رضی اللہ عنہ موجود ہے۔

أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا كَثْرَتِ امْتٍ كَلِظَةٍ مِنْ سَبِّ أَنْبِيَاءٍ مِنْ بَرِّهَا هُوَ هُوَ ﴿۱﴾
 ﴿۴﴾ اسم امی: ام کی طرف منسوب ہے اس اعتبار سے نبی ﷺ بوجہ پاک فطرت و عصمت منجانب رب العزت جملہ عیوب و نقائص سے ایسے ہی پاک و صاف ہیں جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا شدہ بچہ ہوتا ہے۔
 ام المؤمنین عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا نے انہی معانی پر نظر رکھتے ہوئے اشعار ذیل نبی ﷺ کی شان میں پڑھے تھے اور ان اشعار کو سن کر آقائے نامدار نہایت مسرور الوقت ہوئے تھے۔ ﴿۲﴾

وَمَبْرَأَةٌ مِّنْ كُلِّ غَيْرٍ حَيْضَةٍ
 وَإِذَا نَظَرْتُ إِلَى أَسْرَفَةٍ وَجْهِهِ
 وَقَفَّادٍ مُّرْضِعَةٍ وَذَائِعٍ مَخِيلٍ
 بَرَّقَتْ بُرُوقُ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

”آپ ذاتی مرض، دودھ پلانے والی کے بگاڑ وغیرہ جیسے ہر عیب سے پاک ہیں۔ جب تو ان کے چہرہ انور کو دیکھے تو حیران و ششدر رہ جائے۔ جب وہ اپنے مالک کی تحمید کرتے ہوئے بزدلوں کے مقابل آتے ہیں۔“
 ﴿۵﴾ امی: ام کی طرف منسوب ہے، اس اعتبار سے کہ حضور ﷺ نے ولادت کے بعد اکتساب علوم و فنون کی جانب کوئی رغبت نہ کی تھی اور حضور ﷺ کے لوح قلب پر تقریر یا تحریر کسی ایک حرف کا نقش بھی ثبت نہ ہوا تھا۔
 ملک عرب کی حالت بھی یہی تھی کہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری ہوتے تھے۔ وہ اپنی تمام عمر اسی حالت میں پوری کر دیا کرتے، جو ایک ایسے بچے کی ہوتی ہے جو نہ مکتب گیا، نہ درس لیا، نہ قلم ہاتھ میں پکڑا، نہ سبق زبان پر جاری ہوا۔

یہودیوں نے اسی لیے اہل عرب کا نام امیون رکھ دیا تھا۔

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ﴾ [آل عمران: 75]

”یہودی کہتے (کہ ہم ان امی لوگوں کے ساتھ خواہ کچھ ہی برتاؤ کریں، ہم پر کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔“

یہی نام اہل عرب کے لیے معرفہ بن گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا﴾ [البقرہ: 2]

”اللہ وہ ہے جس نے امیوں کے اندر شاندار رسول کو مبعوث فرمایا۔“

یہی لفظ اہل کتاب کے ناخواندہ اشخاص کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے:

﴿ وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ ﴾ [البقرہ: 78]

”یہودیوں میں ایسے ناخواندہ بھی ہیں، جن کو کتاب کا کچھ علم نہیں۔“

الغرض لفظ امی سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ طرز و طریق خواندگی اہل دنیا سے بالاتر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو دوسری جگہ اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّوْا بِيَمِيْنِكُمْ إِذَا لَأْتَابَ الْمُبْتَلُوْنَ ﴾ [احکابوت: 48]

”اے رسول! قرآن سے پہلے تو تم نہ کسی کتاب کو پڑھا کرتے تھے اور نہ تمہارے دست راست نے کبھی کوئی خط

کھینچا تھا، جب تو یہ بطلان والے شک بھی کر سکتے۔“

معنی بالا کے لحاظ سے اسم نبی الامی حضور ﷺ کا ایک بڑا معجزہ ہے۔

واضح ہو کہ نبی، نباء سے ہے اور نباء واقعہ عظیم اور اعلام ذوالاہتمام کو کہتے ہیں۔ یعنی نبی وہ ہے جو علم عالیہ اور وقائع عظیمہ کی

اطلاع اہل عالم کو دیتا ہو اور جب یہ لفظ اللہ کی طرف سے مضاف ہوتا ہے تب اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ نبی وہ ہے جو علوم عالیہ اور شرائع

عالیہ اور نوا میں ربانیہ کی اطلاع براہ راست اللہ تعالیٰ سے کرتا ہو۔

نبی کو نباء سے بھی مشتق بتایا گیا ہے۔ نباءت کے معنی مقام مرتفع ہیں اور نبی وہ ہے جو اس مقام علیا پر فائز ہو، جہاں کوئی انسان

اکتساب و محنت و ریاضت سے نہیں پہنچ سکتا اور اس مقام پر اس کے فائز ہونے کا سبب محض اصطفاۃ ربانی ہوتا ہے۔

نبی الامی کے وصف نے بتلادیا کہ حضور ﷺ حرف شناسی و خط کشی سے تو دور ہیں اور بائیں ہمد علوم عظیمہ و آیات کاملہ کا

صدر حضور ﷺ سے برابر ہوتا رہا۔

اہل سیرت جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کو نبی الامی کے لقب سے یاد کیا جاتا، بلایا جاتا اور حضور اس طرز خطاب سے خرسند و

مسرور ہوا کرتے تھے۔ اب اہل زمانہ کا حال دیکھو کہ جو نبی کسی شخص کو ذرا شدید کہنے کی لیاقت ہوئی تو وہ اپنے لیے فاضل، اکمل، الوذعی،

المحی، العلامہ وغیرہ الفاظ سنتا اور کہلانا پسند کرتا ہے اور یہ ہر ایک صاحب قلم و زبان آ اور کا فطری خاصہ سا ہو گیا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ

اصلیت سے بڑھ کر اس کے علم و فضل کا اندازہ لگایا جائے، لیکن ایک سیدنا محمد ﷺ ہیں جن کو ہر وقت ناخواندگی کا اعتراف اور امی

ہونے کا اقرار ہے۔ اس اعتراف و اقرار پر بھی ہزاروں علماء سیکلز و فلاسفر حاضر ہوتے، زانوائے ادب تہہ کرتے اور اقرار کرتے کہ ان

لوگوں کا علم و فہم اور حضور کا عرفان قطرہ و قلمزم کی مثال رکھتے ہیں۔

غور کرو کہ جو شخص دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں بنا وہ سب دنیا کا استاد بنا ہوا ہے۔ محاسن اخلاق، محامد اعمال، تدبیر منزل، سیاست

مدن، اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات کے درس اور دماغ کو روشن، قلب کو منجلی، روح کو منور بنانے والی تعلیم دے رہا ہے۔ اس کی درس گاہ

قدس کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔ وہاں داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ وہاں ایک صحرائین اور ایک شہری، ایک فلاسفر اور ایک بدوی

پہلو پہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں اور آن و احد اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے موافق مستفیض و مستفید ہو رہے ہیں۔ اندریں صورت امی لقب

سے عَلَمِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي کا نور بخش ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ کا دعویٰ متحقق ہو رہا ہے۔
 ﴿۵﴾ لقب امی کی وجہ یہ ہے کہ اول انبیاء ابو البشر آدم علیہ السلام سے لے کر آخر الانبیاء بنی اسرائیل عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جملہ انبیاء و مرسلین نے حضور ﷺ کے نعوت عالیہ اور اوصاف جلیہ بیان کیے۔ الف سے آدم اور میم سے مسیح مراد ہے اور یائے نسبت اسی راز کی کاشف ہے۔

امی و گویا بزبان فصیح از الف آدم و میم مسیح ﴿۱﴾

خصوصیت نمبر 11

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ [تکوثر: 1]

”ہم نے تجھے کوثر عطا کیا“

کوثر بروزن نوح ہے اور یہ وزن مبالغہ کے لیے آتا ہے۔ لفظ کثرت تو خود ہی فراوانی افزونی کے معنی کے لیے ہے، جب اسے بھی بروزن مبالغہ استعمال کیا گیا تو اس کے معنی کثرت بالائے کثرت اور فراوانی بیش از فراوانی اور افزونی بر افزونی ٹھہرے۔

صحیح بخاری میں ہے:

عَنْ أَبِي بَشِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا الْكَوْثَرُ خَيْرُ الْكَبِيرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ قَالَ أَبُو بَشِيرٍ قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ إِنَّ أُنَاسًا يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ السَّعِيدُ النَّهْرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الْكَبِيرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ۔ ﴿۱﴾

”ابو بشر نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کوثر کے معنی وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی۔ ابو بشر کہتے ہیں، میں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ لوگوں کا گمان تو یہ ہے کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو جنت میں ہے۔ سعید نے جواب دیا: ہاں اوہ جنت والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر ہی میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے حضور ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔“

حوض کوثر کے وجود کی تصدیق صحیحین کی حدیث انس رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے۔ ﴿۱﴾ لہذا حوض کوثر کے وجود اور عطیہ پر یقین رکھتے ہوئے بھی یہ تفسیر صحیح ہے کہ آیت زینب عنوان میں رب العالمین کی طرف سے انعامات لامتناہی اور عطیات غیر محدود کی آگاہی فرمائی گئی ہے۔ اس خیر کثیر کے تحت میں بہت سی اشیاء کا ذکر کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

ازاں جملہ:

﴿۱﴾ امت محمدیہ ﷺ ایسی نبوت جامعہ، ریاست عامہ، دعوت کاملہ اور ہدایت بالغہ پہلے کب کسی کو عطا ہوئی تھی۔

اسی نبوت کے ثمرات میں سے ہے کہ:

﴿۱﴾ مخزن اسرار نقی گجوی۔ ﴿۲﴾ بخاری: 4966 ﴿۳﴾ بخاری: 6577، 6579، مسلم: 2292، 2303، ابن ماجہ: 4305، ابن حبان: 6445، 6459

﴿ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ﴾ [النساء: 80]

”جس شخص نے رسول اللہ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

کا فرمان صادر ہوا۔

اور اسی نبوت کے گہائے رنگین میں سے ہے کہ:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ﴾ [النساء: 64]

”ہم نے جو رسول بھیجا وہ اس لیے بھی کہ اس کی اطاعت ہمارے اذن کے تحت کی جائے۔“

کے منشور کی اشاعت فرمائی گئی۔

صاحب کوثر رضی اللہ عنہ وہی ہے جس کی اطاعت کا امر الہی جاری ہوا۔

صاحب کوثر رضی اللہ عنہ وہی ہے جس کی اطاعت کو اطاعت ربانی فرمایا گیا۔

صاحب کوثر رضی اللہ عنہ کی نبوت وہی نبوت ہے جس کی قدامت تاریخ بشر سے پہلے کی ہے اور جس کی نہایت انتہائے عالم سے

ملی ہوئی ہے۔ رب العالمین کے کلام پر غور کرو، وہ یہ بھی فرماتا ہے:

﴿ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ﴾ [آل عمران: 18]

”اللہ کی شہادت ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں۔“

نیز وہ یہ بھی اعلان فرماتا ہے:

﴿ وَاللَّهُ يَشْهَدُ أَنَّكَ لَرَسُولُهُ ﴾

”اللہ کی یہ بھی شہادت ہے کہ محمد رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول یقیناً ہیں۔“

جب رب المشرقین و رب المغربین خود شہادتین کو اپنی شہادت سے مصدق و مؤکد فرماتا ہے تو نبوت محمد رضی اللہ عنہ اور رسالت

مصطفویہ رضی اللہ عنہ کے خیر کثیر ہونے میں کیا کلام رہ جاتا ہے۔

ازاں جملہ:

② کوثر سے مراد اسلام ہے، وہی اسلام جس کے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول و منظور ہی نہیں۔

وہی اسلام جس کا انبیائے عظام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ اعلان فرمایا۔

وہی اسلام جو سعادت دارین کا جامع اور اصلاح و فلاح ثقلین کا ذخیرہ ہے۔

ازاں جملہ:

③ کوثر سے مراد کثرت امت محمدیہ رضی اللہ عنہم ہے، یہ کثرت حد و عدد کے احاطہ سے باہر ہے اور یوم فی یوم ترقی پذیر ہے۔

1881ء میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد پونے چار کروڑ (37500000) بیان کی جاتی ہے اور 1921ء کی مردم شماری

میں ان کی تعداد پونے سات (67500000) کروڑ شمار میں آئی ہے۔ چالیس (40) سال سے اکیلے ہندوستان میں

مسلمانوں کی تعداد کا قریباً دو چہند ہو جانا اعداد صحیح سے ثابت ہو گیا تو دیگر اقطاع عالم میں بھی اس پیشی کا اسی رفتار سے بڑھتے

رہنا یقینی کہا جاسکتا ہے۔

بالقابل اس کے اکثر اقوام ہیں جو گھٹ رہی ہیں اور آہستہ آہستہ بحر فناء میں گر رہی ہیں۔
یہ اسلام ہی ہے جس کا پاک درخت اپنی جڑوں کو زمین کے ستونوں تک پھیلا رہا ہے اور جو اپنی پھل دار شاخوں کے ساتھ فضائے
آسمانی پر چھا رہا ہے۔

ازاں جملہ:

کوثر سے مراد قرآن مجید اور کتاب حمید ہے۔

یہ وہی خیر کثیر ہے کہ شانہائے اشجار کی اقسام اور قطرات، بحار کی مدا جس کی مدح و ثنا کے استیفاء سے عاجز ہے۔ عمر نوح اور فہم
جبریل بھی اگر جمع ہو جائیں تو حصر اسرار قرآن سے قاصر ہیں۔ بے شک یہی کتاب قلم حقائق ہے اور یہی کوثر علوم ہے۔ یہی
مطلع انوار ہے اور یہی مخزن الاسرار ہے۔ معجزات انبیاء کا اظہار ایک وقت خاص میں ہوتا تھا اور پھر خود انہی کے عہد مبارک
میں اس معجزہ کا وجود نمونہ پایا جاتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اثر دھابن جانا، پھر اژدھا سے سیرت اولیٰ پر عود کر جانا، ایک ایسا نظارہ ہے جو کہ کوہ طور کے بعد فرعون ہی
کے دربار میں دیکھا گیا۔ وہی عصائی اسرائیل کے لیے انجاریا کا آلہ بنا۔ ضرورت باقی رہی تو وہی عصا کا عصارہ گیا۔ پھر وہی
عصا کسی دوسرے کے ہاتھ میں جا کر صرف ایک لکڑی رہ جاتا تھا۔

قرآن پاک ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، زندہ معجزہ، دائمی معجزہ ہے، ابدی معجزہ ہے، اس کا اعجاز ہر وقت، ہر
آن موجود و مشہود ہے اور ہر ایک عالم دین اس کے معجزہ ہونے کی براہین صادقہ ہر وقت وہ ہر جہن نشین کر سکتا ہے، بے شک یہ
ایسی خیر کثیر ہے جس کا اعلان منجانب رب رحمن ہونا ضروری تھا۔

کوثر سے مراد وہ فضائل کثیرہ اور محامد جمیلہ اور نعوت منکاشہ ہیں جو وجود باوجود مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مندرج و منظوی تھے:

<input type="checkbox"/>	انابت آدم علیہ السلام	اور	استقامت نوح علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	علم اسماعیل علیہ السلام	و	علم خلیل علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	درس ادريس علیہ السلام	و	تحفیت شیخ علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	حقانیت اخیق علیہ السلام	اور	عاقبت بنی یعقوب علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	نورانیت یوسف علیہ السلام	و	صالحیت صالح علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	ہدی ہود علیہ السلام	اور	جمعیت شعیب علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	لطفیت ہود علیہ السلام	اور	عبرت عزیز علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	شکوہ سلیمان علیہ السلام	و	اندوہ یحییٰ علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	داد و اؤد علیہ السلام	و	دعائے یونس علیہ السلام

(3) آج کل پاک و ہند میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد پچیس کروڑ (350000000) سے تجاوز ہے۔

□ ایاب ایوب علیہ السلام	و	ذباب ذکر علیہ السلام
□ امامت ہارون علیہ السلام	و	ایناس الیاس علیہ السلام
□ زہد عیسیٰ علیہ السلام	و	علوم موسیٰ علیہ السلام
□ احسانیت لقمان علیہ السلام	و	انقیاد و خضوع علیہ السلام
□ مساعی السبع علیہ السلام	و	کفایت ذوالکفل علیہ السلام

علیہم الصلوٰۃ والسلام

یہ ایسے الوان گونا گوں ہیں جو الہی شمس حقیقت کے پیکر نوری میں مجتمع ہیں۔ رحمۃ اللعالمین کا وہ رنگ ہے جس نے ان الوان کو اپنے اندر جمع کر لینے کے بعد اپنے رنگ خاص میں رنگین بنا دیا ہے۔

⑥ کوثر سے مراد سید کثیر الخیر ہے۔ یہ معنی صاحب صحاح اللغات نے تحریر کیے ہیں۔

یقیناً حضور ﷺ سید ولد آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضور ﷺ کو "یس" کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔

بالیقین حضور ﷺ کثیر الخیر ہیں اور سید ہیں۔ حضور ﷺ ہی وہ مشعل ہدایت ہیں کہ ظلمات کفر و شرک کو دور فرمایا۔

حضور ﷺ ہی وہ سرانج منیر ہیں کہ چشم کو رسوا کو بینائے حقائق بنایا۔

حضور ﷺ ہی وہ نور بخت ہیں کہ قلب عالم کو منور اور روح اعظم کو مستنیر فرمایا۔

حضور ﷺ ہی وہ عبد کامل ہیں کہ انسانیت کو تخت سیادت پر بٹھلایا۔

الغرض عطیہ کوثر نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور امید ہے کہ فردائے قیامت کو تشنگان جمال حضور ﷺ کے زلال

الطاف سے بہرہ دیاب اور عطشان خشک زبان حضور کے جام کوثر سے ضرور شاد و سیراب ہوں گے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ (آمین)

خصوصیت نمبر 12

﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِيُغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَ

يَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَيَنْصُرَكَ اللهُ نَصْرًا عَزِيمًا ﴾ [الفصح: 1-3]

① آیت بالا میں فتح مبین کے وقوع کی خبر دی گئی ہے اور اس کے نتائج بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

② مقدم و مؤخر ذنب کا غفران

③ اتمام نعمت

④ صراط مستقیم کی ہدایت

⑤ نصر عزیز کی یاوری و معیت

علمائے کرام نے ذنب ما تقدم و ما تاخر پر خوب بحث کی ہے اور ان کا غفران بتلایا ہے۔

کسی نے ما تقدم و ما تاخر سے زمانہ قبل نبوت مراد لیا ہے اور معانی یہ بتلائے کہ امور جاہلی کے غفران کی خبر دی گئی ہے:

① امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا اس پر اعتراض یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی قبل از نبوت بھی امور جاہلیہ میں سے کسی امر میں آلودہ نہ ہوئے تھے لہذا نہ کردہ فعل کے غفران کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟

② امام زحشری رحمۃ اللہ علیہ اور بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذنب سے مراد معمولی لغزشیں بتلائی ہیں اور بتایا ہے کہ رب العالمین نے ایسی حرکات کو بھی عمل لطف و عنایت بنا دیا۔

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراض ہے کہ ایسی لغزشوں کا بھی ثبوت کچھ نہیں اور بالمقابل اس کے عصمت انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم کا مسئلہ مسلمہ ہے۔ انبیاء سے نہ صدور کبار ہوتا ہے، نہ صدور صغائر، لہذا یہ توجیہ نادرست ہے۔

③ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے خود یہ معنی لکھے ہیں اور شیخ عبدالحق حقی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہی معنی کی تحسین و تعریف کی ہے کہ یہ آیت کسی لغزش یا گناہ کے وقوع کی اطلاع نہیں دیتی، بلکہ ازراہ تشریف و تکریم یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی لغزش کا امکان بھی تصور کر لیا جائے تو وہ بھی بخش دی گئی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ مقصود کلام اثبات ذنب اور پھر غفران بعد از اثبات نہیں بلکہ اس جگہ مطلقاً نفی ذنب مراد ہے۔

④ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لفظ مغفرت کو تبریہ از عیوب کے معنی میں لیا ہے۔

⑤ تفسیر خازن میں عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ذنب ما تقدم سے مراد آدم وحواء علیہم السلام کا ذنب اور ذنب ما تاخر سے مراد امت کا ذنب ہے۔

ان اقوال میں سے قارئین کو جو قول پسند ہو، اسے قبول کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علماء کی اس قدر شرح و بیان کے بعد کچھ باقی رہ جاتا ہے:

وجہ اشکال ایک یہ ہے کہ ﴿مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [التح: 2] سے بظاہر اثبات ذنب واضح ہو جاتا ہے اور یہ بالاجماع عقیدہ جمہور امت کے خلاف ہے۔

اور اشکال دوم کی وجہ یہ ہے کہ لیسغیر کے حرف لام کو بہ معنی کے بیان کیا گیا ہے اور اس وقت یہ دشواری آ پڑتی ہے کہ فتح مکہ کو سبب مغفرت قرار دینے میں کیا علاقہ ہے؟ یا کیا خوبی ہے؟

متعدد علماء کے اقوال عدیدہ کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ اس بارہ میں مزید معنی بیان کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ الفاظ ﴿فَتَحًّا مُبِينًا﴾ سے مراد فتح مکہ لینا ہی غلط ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں نیز سنن ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ﴾ کا نزول صلح حدیبیہ کے انجام پر ہوا تھا۔

ہمراہ بیان رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کا رنج و قلق تھا کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام حدیبیہ سے آگے نہ بڑھنے دیا، طواف کعبہ نصیب ہوا اور نہ قربان گاہ تک قربانی کے جانور پہنچے۔ حتیٰ کہ اس میدان میں قربانیاں کی گئیں اور احرام کھولا گیا۔

الغرض اس ناکامی کو مسلمان سختی سے محسوس کرتے تھے، مگر وہ معاہدہ جو اسی مقام پر فریقین کے درمیان طے ہو گیا تھا، اس کی

اہمیت قانونی، اخلاقی، آئینی کا اندازہ بہت کم بزرگوں کو تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں اسی اہمیت کو ظاہر فرمایا اور ان نتائج اور فوائد اور برکات کو آشکارا فرمایا جو انعقاد صلح کے مترتب ہونے والے تھے۔

صحیح بخاری (باب عمرۃ الحمد یسیر) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم لوگ یوم الفتح سے مراویح مکہ سمجھتے ہو، ہاں فتح تو وہ یہی ہے مگر (گردہ صحابہ) تو حدیبیہ کے دن بیعت الرضوان کو یوم الفتح قرار دیا کرتے تھے۔ ①
روایت بالا سے واضح ہو گیا کہ معاہدہ حدیبیہ اور بیعت الرضوان کا نام ”فتح مبین“ ہے۔ اس جگہ معاہدہ حدیبیہ کے فقرات متعدد روایات کو جمع کرنے کے بعد درج کیے جاتے ہیں۔

هَذَا مَا قَاطَسِي عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَ سَهْلُ بْنُ عَمْرٍو عَلِي:

یہ وہ سمجھوتہ ہے جو محمد ﷺ بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو (کمشتر قریش) کے درمیان ہوا۔ یہ کہ:

- ① أَنْ يَخْلُوا بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْبَيْتِ فَتَطْوِفَ بِهِ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبَلِ
سال آئندہ میں مسلمانوں کو بیت اللہ اور طواف سے نہ روکا جائے گا۔
- ② وَ لَا يَدْخُلُ مَكَّةَ بِالسَّلَاحِ إِلَّا السَّيْفُ فِي الْقِرَابِ ، يَخْلُونَ لَدَى مَكَّةَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ
مسلمانوں کے ساتھ ہتھیار نہ ہوں گے بجز تلوار کے جو میان سے باہر نہیں نکالی جائے گی مکہ مسلمانوں کے لیے تین (3) دن تک خالی چھوڑ دیا جائے گا۔

③ وَ لَا يَخْرُجُ مِنْ أَهْلِهَا بِأَخِيذٍ إِنْ أَرَادَ أَنْ يَتَّبِعَهُ وَ أَنْ لَا يَمْنَعُ مِنْ أَصْحَابِهِ أَحَدًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يَقِيمَ بِهَا۔
اس وقت اہل مکہ میں سے کوئی شخص اگر مسلمانوں کے ساتھ جانے کا ارادہ بھی کرے تو اسے ساتھ نہیں لے جایا جائے گا، لیکن اصحاب محمد ﷺ میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہیں روکا جائے گا۔

- ④ وَ عَلِيٌّ إِنْ جَاءَ الْقُرَيْشُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَمْ يَرُدُّوهُ إِلَى الْمُسْلِمِينَ
اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے پاس پہنچ جائے گا تو اسے واپس نہ کریں گے
- ⑤ وَ مَنْ جَاءَ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الْقُرَيْشِ يَرُدُّوهُ إِلَى الْقُرَيْشِ
لیکن اگر قریش کا کوئی شخص مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو وہ اسے واپس کر دیں گے۔

⑥ وَ عَلِيٌّ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَدْخُلَ فِي عَقْدِ مُحَمَّدٍ وَ عَهْدِهِ دَخَلَ فِيهِ وَ مَنْ دَخَلَ فِي عَقْدِ قُرَيْشٍ وَ عَهْدِهِمْ دَخَلَ فِيهِ۔
قبائل میں سے جو کوئی پسند کرے وہ محمد ﷺ کی طرف داخل ہو سکتا ہے اور جو کوئی قریش کی جانب کو پسند کرے وہ ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہو گیا ہے۔

⑦ وَ عَلِيٌّ أَنَّ الْحَرْبَ تَوْضَعُ بَيْنَهُمْ عَشْرَ سِنِينَ۔

دس سال تک فریقین میں جنگ بند رہے گی۔

⑧ وَ عَلِيٌّ أَنْ بَيْنَنَا عَيْبَةٌ مَكْفُوفَةٌ فِي صُدُورِ مَسَلِيمِهِ ②

آپس کے سب جھگڑے فراخ حوصلگی کے ساتھ طے کیے جائیں گے۔

معاهدہ بالا کو اگر دنیا کا کوئی سلیٹس مین (مدبر و سیاست دان) دیکھے گا تو سمجھ لے گا کہ مسلمانوں نے بہت ہی دپ کر، بلکہ گھٹیا شرائط پر معاہدہ کیا تھا۔

لیکن ہادی اسلام ﷺ نے اسی کو فتح مبارک بتلایا اور قرآن مجید نے اسی کو فتح مبین فرمایا۔ وہ کھلی فتح کیا ہے؟

- ① وہ یہ ہے کہ کینہ تو ز جنگ آور قریش نے دس سال (10) تک چپ رہنے، جنگ نہ کرنے کا عہد کیا۔
- ② وہ فتح یہ ہے کہ جائین میں آمدورفت کی راہ کھل گئی۔
- ③ وہ فتح یہ ہے کہ اب مسلمانوں کو قبائل کفار میں تبلیغ کا موقع مل گیا۔ حقیقت اسلام کو سمجھنے کے بعد جھوٹے شکوک زائل ہونے لگے اور ظنون باطل ٹھہرے۔

لفظ فتح کا استعمال جنگ کی فیروز مندی پر بھی کیا جاتا ہے اور صل مشکلات پر بھی اسی لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔

اسلام کے لیے یہی فتح مبین تھی کہ اشاعت اسلام کی دشواریاں دسواریاں جاتی رہیں۔

اب آیت ذیہ عنوان کا لفظ ذنب غور طلب ہے۔

- ① اس کے معنی گناہ بھی ہیں اور گناہ کا اطلاق خلاف ورزی احکام شرعیہ کے معنی میں ہے۔
 - ② اس کے معنی الزام کے بھی ہیں اور گناہ کا اطلاق ملکی یا قومی یا حکومت کے احکامات کی خلاف ورزی میں کیا جاتا ہے۔
- جب ہم ذنب ہتھسین کو دیکھتے ہیں جس کے معنی ”وم“ ہیں تو اہل تفاق اوسط کے اصول پر ذنب لفتح و سکون ثانی کے معنی بھی متبادر ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہر ایک وہ الزام جو کسی شخص کے پیچھے لگا دیا گیا ہو۔

ذنب بفتح اول۔ اسی ذول کو کہتے ہیں جو رسی کے سرے پر بندھا ہوا ہو۔ یہ بھی اسی وضع لغوی کی جانب رہبری کرتا ہے۔

لہذا کیا ضروری ہے کہ آیت بالا میں ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے اور پھر سمجھا جائے کہ کوئی گناہ اللہ کا تھا۔

قرآن مجید کی زبان سے سنو، موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿وَلَهُمْ عَلَىٰ ذَنْبٍ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُون﴾ [اشعرا: 14]

”انہوں نے مجھ پر ایک الزام لگا رکھا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔“

ظاہر ہے کہ فرعون یا قوم فرعون کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام نے کسی گناہ شرعیہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا لہذا اس کا ترجمہ ”الزام“ بھی صحیح ہے۔ قانوناً لفظ ”الزام“ اور لفظ ”جرم“ کے معنی میں بہت تفاوت ہے۔ ”الزام“ کا اطلاق اس نسبت سے جرم پر کیا جاتا ہے کہ ہادی انظر میں الزام لگا سکنے والی طاقت کے نزدیک کسی شخص پر کسی فعل ممنوعہ ملک یا قانون کا مرتکب ہونے کی بابت گمان کیا جاسکے۔ اور ”جرم“ کا اطلاق اس فعل ممنوعہ ملک یا قانون کے ارتکاب ثابت ہو جانے کے بعد کیا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر فرعونوں نے قتل عمد کا الزام لگا رکھا تھا اور اس فعل کے ثابت ہو جانے کے بعد اس کی سزا قتل و قصاص تھی۔

موسیٰ علیہ السلام فرعونوں کی ذہنیت کو سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ سطلی دماغ سے نہ تو ”نیت“ کی ضروری شرط کا خیال رکھیں گے اور نہ اس فرق کو سمجھیں گے کہ ایک تھپڑ کا لگ جانا کیا عادتاً منجر بہ ہلاکت ہو سکتا ہے یا تھپڑ لگانے والے کے علم میں یا احتمال میں اس کا منجر بہ

اگر ان ضروری مباحث قانونی کو الزام بر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شامل کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام پر جو الزام قتل لگایا گیا تو وہ 323 تعزیرات ہند سے بھی گھٹ کر محض ایک تادیبی فعل رہ جاتا ہے جس کا صدور نیک نیتی سے ہوا اور قانوناً کوئی جرم نہیں بنتا۔

2 حدیث میں ہے: إِذَا تَصَافَحَا لَمْ يَبْقَ بَيْنَهُمَا ذَنْبٌ جب دو شخص آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان میں باہمی کوئی ذنب باقی نہیں رہتا۔ 3

صاحب مجمع البحار نے ذنب کے معنی میں اس جگہ تحریر کیا ہے: اَيْ غِلٌّ وَشَحْنًا يَعْنِي ذَنْبٌ كَمَا يَعْنِي يَهَا كَيْدٌ أَوْ تَكَلُّفٌ دَلِيٌّ هِيَ۔ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت ہے: ﴿وَاسْتَغْفِرُوا لِذُنُوبِكُمْ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ یہاں نبی اور مومنین کے واحد ذنب کا ذکر ہے۔

ان جملہ امور کو مد نظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت زیر عنوان میں ذنب بمعنی الزام قوم ہے، اور ”ما تقدم“ سے مراد زمانہ قبل از ہجرت اور ما تاخر سے مراد زمانہ بعد از ہجرت ہے۔ علماء سیرت آگاہ ہیں کہ نبی ﷺ پر کفار نے جو الزامات و اتہامات لگائے تھے، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے قبل از ہجرت الگ تھے اور بعد از ہجرت الگ۔

اتہامات قبل از ہجرت

یہ کابن ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنون ہے، یہ ساحر ہے۔ یہ اوروں سے سن سن کر فسانے بنا لیتا ہے، اس کے پاس غیر قوم کا کوئی شخص ہے جو اسے ایسی پڑھتے پڑھاتا رہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

الزامات بعد از ہجرت

یہ قوم میں پھوٹ ڈالنے والا ہے، مکہ کو جاڑنے والا ہے، بھائی کو بھائی سے، بیٹے کو ماں سے جدا کرنے والا ہے، ہماری تجارت کو مخدوش کر دیا، قومی انتظامات کو پرانندہ کر دیا، وغیرہ وغیرہ۔

مومنین پر بھی ایسے ہی الزامات لگائے جایا کرتے

بے عقل ہیں، کوتاہ بین ہیں، کہینے ہیں، غلام ہیں، ناقابل التفات ہیں۔ آیت ﴿تَزْكُرُونِي أَنعِينُهُمْ﴾ ان کی نگاہوں میں حقیر ہیں۔ میں انہی امور کی طرف اشارہ ہے۔ اجی! یہ تو وہ ہیں کہ روٹی نہ ملے تو سب کے سب محمد ﷺ کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جائیں۔

آیت ﴿لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُوا﴾ [المنافقون: 7] ”جو شخص رسول ﷺ کے ارد گرد ہیں ان کو خرچ نہ دو یہ خود بخود منتشر ہو جائیں گے۔“ میں یہی بات ان کو بتائی گئی ہے۔

عروہ بن مسعود نے بھی جب وہ قبل از اسلام نبی ﷺ کے حضور میں سفیر قریش کی حیثیت سے آیا تھا۔ یہی الزام مسلمانوں کو زور و زور مسلمانوں پر لگایا تھا کہ یہ سب تو تجھے چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے۔ اس کا جواب سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کو نہایت ذلیل کن الفاظ میں دیا تھا۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حدیبیہ کی فتح مبین کا پہلا شمشیر یہ ہوگا کہ کفار اور مسلمین کے مل بیٹھنے سے سب اگلے پچھلے الزامات اٹھ جائیں گے، دب جائیں گے، زیر خاک ہو جائیں گے۔ لفظ غَلَزَ کے لغوی معنی بھی یہی ہیں: صداقت رسول ﷺ آشکار ہوگی۔ بصارت کھل جائے گی۔ بصیرت بیدار ہوگی۔ اتہامات و الزامات کی لغویت کا خود ان لوگوں کو اقرار بہ ندامت و انفعال کرنا ہوگا۔ تاریخ گواہ ہے کہ فی الحقیقت یہ نتائج اس صلح کے بہت جلد مترتب ہو گئے تھے۔

بشارت دوم: ﴿ وَبِئْسَ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ ﴾ [سورہ: 6] ہے۔ ”اللہ اپنی نعمت کو آپ پر پورا کرے گا۔“
یعنی صلح حدیبیہ کا ثمر دوم اتمام نعمت ہوگا۔ آیت بالا میں جس کا سال نزول 6ھ ہے۔ اتمام نعمت کا وعدہ ہے اور آیت ﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي ﴾ [المائدہ: 3]
”میں نے آج تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا۔“

میں جو 9 ذی الحجہ 9ھ کو نازل ہوئی، اس وعدہ کے ایفا کی خبر ہے۔ اتمام نعمت کے معنی ہیں اتمام اشاعت دین اور کمال تبلیغ دین تین اور اس تبلیغ کے مبارک ثمرات شامل ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد جو تبلیغ کہ قریش اور خلفائے قریش کے اندر کی ہوئی تھی وہ روک بھی اٹھ گئی۔ موانعات کے دور ہو جانے سے لوگ اسلام کو سمجھنے لگے تھے، پھر بیچاسوں اور سینکڑوں کی تعداد میں داخل اسلام ہونے لگے تھے۔

بشارت سوم: ﴿ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴾ [الحج: 2] ہے، ”سیدھی راہ پر اللہ تجھے لے چلے گا۔“
جو صلح کا تیسرا شمشیر ہوا۔ یعنی جس صراط مستقیم پر مخالفین سنگ راہ بنے ہوئے تھے، جس شاہراہ ہدایت کو مشرکین نے روک رکھا تھا وہ صاف ہو جائے گی۔ اور حضور کو اپنی تعلیم پر چلانے اور ساکان راہ کو منزل مقصود تک پہنچانے کا کھلا موقع مل جائے گا۔
بشارت چہارم: ﴿ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا ﴾ [التج: 3] ”اللہ تیری مدد بڑی نصرت کے ساتھ فرمائے گا۔“
ہے جو اس صلح کا چوتھا مبارک نتیجہ ہوگا۔

یعنی نصرت الہیہ پوری طاقت اور نمایاں غلبہ کے ساتھ آشکار ہوگی۔ قلوب میں کشش، ارواح میں ذوق پیدا ہو جائے گا۔ بیسیوں نہیں سینکڑوں نہیں، ہزاروں کی تعداد میں لوگ صداقت کے جو یا، حقیقت کے طالب بن جائیں گے۔ حتیٰ کہ ﴿ يَذْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ﴾ [النصر: 2] ”اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔“
کا نظارہ چشم ظاہر بین کو بھی نظر آنے لگے گا۔
نصرت الہیہ کا اس آیت میں ذکر ہے:

﴿ إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيًا إِذْ هَمَّ فِي الْعَارِ﴾ [البقرہ: 40]
”اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے تو اس کی مدد اس وقت بھی کی جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا اور رسول ﷺ اس وقت دو میں سے دوسرا تھا اور وہ دونوں اس وقت غار میں تھے۔“

ہاں! نصرت الہیہ ہی کا کرشمہ تھا کہ نبی ﷺ اور صدیق ﷺ دونوں غار کے اندر موجود ہیں اور کفار اشرار برسر غار کھڑے ہیں اور اتنے قریب ہیں کہ اگر ذرا جھک کر دیکھ لیں تو غار کی اندرونی حالت دیکھ سکیں، مگر نصرت ربانی کام کر رہی ہے۔ یہ لوگ منہ پر آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے ہو گئے ہیں۔

غار سے برآمدگی کے بعد مدینہ تک پہنچ جانا بھی آسان نہ تھا، قریش کے انعام اور بت پرستوں کے ذاتی انتقام نے تمام راستہ کو نہایت مخدوش بنا دیا تھا۔ یہ تین سو (300) میل کا راستہ سینکڑوں اعداء دین کا روکا ہوا تھا۔ پھر بھی نصرت سبحانی سے یہ خوفناک سفر خوش اسلوبی سے طے ہو جاتا ہے۔ ہونکنانہ کے مد لہجی سردار نے اگر تعاقب بھی کیا تو منہ کی کھائی اور بریدہ اسلمی نے بھی اگر تعاقب کیا تو زمرہ خدام میں منسلک ہو گیا۔ حضور ﷺ کے قدم میمنت لزوم کی اطلاع و بشارت بھی ایک یہودی بچہ اس اہل ایمان تک لے جاتا ہے اور اہل مدینہ اس نعمت خدا داد سے درجہ تکمیل پر فائز ہو جاتے ہیں۔ صراط مستقیم پر چلنے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی کے ساتھ بڑھنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ یہودی آنکھیں بھی اس نظارہ سے جس کی خبر حقوق نبی نے دی تھی پتھر جاتی ہیں۔

اب چھ (6) سال بعد مدینہ سے ٹھیک جنوب میں یعنی ام القرئی اور اس کے حوالی میں قدرت رہا یہ اور نصرت الہیہ کو نتائج صلح حدیبیہ کا دکھانا منظور ہے۔

ان آیات پر غور کرنے سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ فتح مبین اور اتمام نعمت اور ہدایت راہ مستقیم و عزت کے معنی سیرت رسول پاک ﷺ ہمیشہ سے مشکلات اشاعت کی دوری اور مواعظ تبلیغ کا اندفاع کر رہے ہیں جس کا نتیجہ اعلیٰ کلمۃ الحق اور ظہور صداقت و بروز حقیقت رہا ہے۔

بے شک یہ سب وعدے، یہ جملہ بشارات حضور ﷺ ہی کی حیات طیبہ میں منجانب اللہ پورے فرمائے گئے تھے۔ لہذا آیت زریب عنوان حضور ﷺ کی رفعت شان اور منصب عظیم کی مظہر اتم ہیں اور حضور ﷺ کی خصوصیات کی مبرہن کرنے والی ہیں۔ مندرجہ بالا تحریر کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضور ﷺ سراپا نور کے مغفور الذنب ہونے کا کوئی منفی پہلو اس سے نکل سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

تحریر بالا تو حضور ﷺ کے مداح علیا کی اور زیادہ وضاحت کن ہے۔ اگر وہ ذات قدسی جسے رب العالمین نے

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب: 21]

”تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات بہترین نمونہ ہے۔“

فرما کر اہل عالم و عالمان کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا ہے، مغفور الذنب نہ ہو تو پھر عصمت انبیاء کے کیا معنی رہ سکتے ہیں؟ میرا تو ایمان ہے کہ حضور ﷺ ہی صاحب مقام محمود ہیں، منزلت و وسیلہ کے سریر آرا (تخت نشین) ہیں، شفیع المذنبین ہیں۔ شفاعت کبریٰ حضور ﷺ ہی کے لیے خاص ہے: اَدَمُ وَمَنْ دُونَهُ قَحْتُ لَوَالِي وَ لَوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِي ”آدم اور ان سے نیچے سب برگزیدہ لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور حمد کا جھنڈا اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔“ ﴿حضور ﷺ ہی کا مرآت کمال ہے۔ الغرض عصمت کاملہ اور شفاعت کبریٰ کے مناصب کے ساتھ ساتھ آیات زریب عنوان سے ان معانی کا استفادہ بھی ہو گیا کہ اعداء دین نے جو الزامات سرور کائنات ﷺ پر لگائے تھے، ان کا ازالہ بھی حضور ﷺ کی پاک ترین حیات ہی میں ہو چکا تھا۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ معاہدہ کرتے وقت چالاک دشمن نے جن شرائط کو اپنی برتری اور اشاعت اسلام کی مسدودی کا ذریعہ سمجھا تھا، وہ سب بیت العکبوت (مکزی کا گھر) ثابت ہوئیں۔

قریش نے سمجھا تھا کہ جب نو مسلم لوگ اکسٹراڈیشن (تحویل مجرم کا قانون، Extradition) کے مجرم بن جائیں گے تو قریش کے جبر و ستم اور بند و قید کے خوف سے آئندہ کوئی شخص اسلام میں داخل نہ ہوگا۔

نیز جب مرتدین کو یہ سہارا مل جائے گا کہ وہ ترک اسلام کے بعد بھی قریش کی پناہ میں آ کر جملہ حقوق شہریت سے مستمع رہ سکیں گے اور مسلمان ان کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے تو بیسیوں مسلمان بھی مرتد ہو جائیں گے، مگر یہ دنوں خیال جھوٹے نکلے اور صرف اشاعت اسلام نے ان کی جملہ تدابیر کو خاک میں ملا دیا اور عظیم انکبوت نے اسی معاہدہ کو فتح مبین اور نصر عزیز بنا دیا۔

بے شک کوتاہ بین آنکھ تو یہ نہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ دو شخص جو رات کی تاریکی میں گھروں سے نکلے اور غار کی تہہ میں چھپ کر رہے، یہی کل دنیائے روحانیت کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی روحانیت سے شرک کی ظلمت اور جہل کی تاریکیاں دور ہوئیں، توحید کا نور گھر گھر پہنچا اور خلیفۃ الرسول کی روحانیت سے اسود غشی اور سیلہ، سجاج کی نبوت کا ذہب کے دعاوی مفاک ہلاک میں ڈالے گئے اور ہر ایک گمراہ کن کی بنیادیں مستاصل کی گئیں۔

اسی طرح اور بالکل اسی طرح اس معاہدہ کے وقت کوتاہ اندیشان قریش کی عقل اور سمجھ سے یہ بات باہر تھی کہ جو مسلمان مسلمانوں سے بہ طور مجرم حاصل کیے جائیں گے وہی لوگ جس وزندان میں بیٹھے ہوئے مبلغ اسلام کی شان دکھلائیں گے اور بیسیوں کو مسلمان کر سکیں گے۔

جو لوگ "اسلام بزور شمشیر" کا جھوٹا اتہام لگایا کرتے ہیں وہ بھی اس معاہدہ پر غور کر لیں کہ اسلام سے پھر جانے والوں کی حمایت اور پناہ کی ذمہ داری قریش کی زبردست قوم اپنے اوپر لیتی ہے۔ ان کی آباوی اور سکونت کے انتظام کی حامی بنتی ہے اور ہاں ہمہ کوئی ایک شخص بھی نہیں نکلتا، جس سے اس حمایت و حفاظت و جذبہ داری کا فائدہ اٹھایا ہو۔

المختصر آیات زیب عنوان سے نبی ﷺ کی خصوصیات، خوبی آشکار ہیں اور مضمون ہذا کی مناسبت سے اس قدر لکھ دینا کافی ہے۔

وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى نَبِيِّهِ وَحَبِيْبِهِ وَالْاٰلِہِ وَاَزْوَاجِہِمْ وَذُرِّيَّاتِہِمْ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

خصوصیت نمبر 13

﴿ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ﴾ [انفال: 17]

”جب تو نے پھینکا تھا تب تو نے نہ پھینکا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا“

یہ آیت سورہ انفال کی ہے، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حمر الامت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سورہ انفال کا نزول بہ مقام بدر ہوا۔

لہذا ثابت ہو گیا کہ جس واقعہ کی طرف آیت بالا میں اشارہ ہے، وہ بھی غزوہ بدر ہی کے واقعات سے ہے۔

اہل التفسیر و اہل مغازی کا اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے قریش کے لشکر کو دیکھا تو زبان سے کہا، الٰہی! یہ قریش ہیں، فخر و غرور میں

چور، تیرے نافرمان، تیرے رسول ﷺ کے مکذب، میں تیری موعودہ نصرت کا طالب ہوں، جبریل علیہ السلام آئے۔ کہا حضور ﷺ ایک

مشت خاک لیجیے اور قریش کی طرف پھینک دیجیے اور نمود قدرت باری ملاحظہ کیجیے۔

نبی ﷺ نے ننگریوں والی مٹی کی مٹھی بھر لی اور لشکر اعداء کی طرف پھینک ماری۔ اس لشکر خود سر میں ایک ہزار (1000) کے قریب وہ لوگ تھے، جن کے کبر و افتخار کی کوئی حد ہی نہ رہی۔ یہ مٹھی بھر خاک ہر ایک کی آنکھ میں پینچی اور ان بے بصران حقیقت کو بتلا گئی جو رسول پاک ﷺ کی شان سے اندھے ہیں وہ اسی امر کے سزاوار ہیں کہ ان کی آنکھیں پھوٹیں اور خاک راہ ان کے لیے سرمہ بنے۔ واقعہ عجیب تھا کہ مشت خاک اور ایک ہزار (1000) اعمی القلوب کی آنکھوں کو تیرہ کر جائے، اس لیے قرآن مجید نے یہ راز کھول دیا کہ اس میں دست قدرت شامل ہے اور قدرت کے کام ہمیشہ عقل انسانی کے لیے عجوبہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

بعض لوگوں نے دیکھا کہ ﴿مَا رَمَيْتَ﴾ کی نفی اور ﴿إِذْ رَمَيْتَ﴾ کے اثبات میں اور ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى﴾ کے نتیجہ سے اتحاد ذات اور حلول کا مسئلہ نکلتا ہے۔ لہذا یہ سمجھ گئے کہ یہی آیت ہے جو حقیقت محمد ﷺ کے چہرہ سے برقع کشا ہے، مگر ایسی سمجھ میں خوش فہمی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

اس آیت کے حقائق میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے:

کہ نبی ﷺ کے خلق عظیم کو دیکھتے ہوئے حضور ﷺ کی عنقا اور درگزر اور قوم پروری پر نگاہ کرتے ہوئے یہ واقعہ اعداء کی نگاہ میں بھی اس لیے تعجب خیز تھا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ تو کبھی بدی کا بدلہ لینے والے نہ تھے۔ ان کا ہاتھ کسی کی ضرر رسانی کے لیے کبھی اٹھتا نہ تھا، ہم لوگوں نے تیرہ (13) سال تک مکہ میں سن کر دیکھ لیا کہ وہ کبھی مقابلہ میں آف تک نہ کرتے تھے، ہاتھ میں جنبش دینا تو کیا، زبان کو ہمارے خلاف نہیں ہلاتے تھے۔ آخر محمد ﷺ کو کیا ہو گیا کہ اس کی عادت بدل گئی؟ کیا اس کی فطرت میں تبدیلی آگئی؟ کیا اب بھی خلق محمد ﷺ کو دنیا کے لیے نمود بنایا جائے گا؟

رب العالمین کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے حبیب پاک ﷺ کے اخلاق کی نسبت ایسی باتیں رموزاً بھی کہی جائیں، جھٹ اس کی نفی فرمادی اور بتلادیا کہ اخلاق محمد ﷺ تو وہی ہیں جو دنیا بھر میں مسلمہ ہیں، مگر اس واقعہ میں ہمارے نبی کا ذاتی فعل شامل نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے ہمارے حکم کی تعمیل میں وہی کام کیا جو تیر انداز کے ہاتھ میں ایک کمان کا ہے۔ لہذا ہمارے رسول ﷺ کی ذات کے متعلق کوئی لفظ زبان سے مت نکالو اور اسے ہمارے ہی جلال کی شان سمجھو۔

﴿إِذْ رَمَيْتَ﴾ میں فعل کا اثبات اسی حیثیت سے ہے جو کمان کا تیر اندازی میں ہے اور ﴿مَا رَمَيْتَ﴾ فعل نبوی ﷺ کی نفی اسی حقیقت پر ہے جو تیر انداز کے سامنے کمان کی ہے۔ لہذا آیت کا محل اصلی ذات رسول ﷺ ہے اور اہل اسلام کے لیے سبق ہے کہ ہم سب پر بھی اعداء کے ان اعتراضات کی جوابدہی لازم و واجب ہے جو حضور ﷺ کی ذات گرامی پر کوئی مخالف اپنی کم بھری و کوتاہ بینی سے زبان پر لاتا ہو۔

کمان کو تیر انداز اور بندوق کو نشانہ باز کے ساتھ اتحاد و حلول کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ صحیح ہے؟ ہاں! آیت ایک اور حقیقت کا بھی اظہار کرتی ہے، اسی سورہ انفال کو پڑھو کفار مکہ کی درخواست اللہ تعالیٰ سے یہ ہوا کرتی تھی۔

﴿اللَّهُمَّ إِنَّ كَمَا هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمِطِرْ عَلَيْنَا جَحَازَةً مِنَ السَّمَاءِ﴾ [انفال: 32]

”اللہ! یہ محمد ﷺ کی نبوت اور تیر انداز نام لے کر آیات قرآنی کی تلاوت اگر وہ حقیقت تیری ہی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پھراؤ کیا جائے۔“

دیکھو! ان کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے۔ یہ دعا تو کرتے ہیں کہ ہم پر پتھر برسے اور یہ دعائیں کرتے کہ اگر محمد ﷺ سچا ہے، اس کی دعوت سچی ہے تو ہمارے دلوں کو کھول دے اور قبول حق کا جوش ہمارے اندر پیدا کر دے۔ ان پر پتھراؤ کا ہونا ضروری ہو گیا تھا، کیوں کہ حقانیت اسلام کے لیے انھوں نے اسی امر کو شرط ٹھہرایا تھا، لہذا رسول ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ ایک مشت خاک ان پر پھینک دو۔ جب یہ مشت خاک سب کی آنکھوں میں پینچے گی تو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ ہاں اس طرح پتھروں کا آسمان سے برسا بھی بعید نہیں۔ لہذا یہ رمی معجزہ بھی ہے اور منکرین کے لیے ان کی خود منہ مانگی بات کے اصول پر حجت و دلیل بھی۔ اس توجیہ کے ذیل میں یہ یاد رکھنا چاہیے۔

کہ رمی تجارہ سے رامی کا مقصد ان لوگوں سے براءت و بیزاری کا اظہار بھی ہے، جو مغوی اور شرارت پیشہ ہوں جو بوجہ حبش باطن حقانیت و صداقت سے اس قدر دور ہو چکے ہوں کہ بظاہر آثار رشد بھی ان سے معدوم ہو چکے ہوں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بمقام منی مغوی شیطان پر تین بار رمی جمرات فرمانا اور پھر نفاذ حکم الہی پر یکمال طوع و رغبت مستعد رہنا اسی اصول پر تھا۔

فرزند جلیل ﷺ اور دعائے ابراہیم علیہ السلام نے بھی بدر میں اسی نمونہ کا اتباع فرمایا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک شریر انفس کو خائب و خاسر بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔

فخر الانبیاء ﷺ کی ایک ہی مشت خاک نے ایک ہزار (1000) طاغی و باغی فوج اور ان کے ناپاک ارادوں کو خاک نشین فرما دیا۔

محمد عربی کا بدئے ہر دوسرا است
کے کہ خاک درش نیست خاک بر سراو
الغرض یہ آیت حضور ﷺ کے خصائص خاص میں سے ایک خصوصیت کی مظہر ہے۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ



خصوصیات نبوت

خصوصیت نمبر 14

﴿ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ ﴾ [آل عمران: 164]

”نبی لوگوں پر اللہ کی آیات کو پڑھ کر سناتا ہے۔“

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے چاہا کہ خدمت اسلام میں وہ کام کریں جو سخت مشکل ہو، مسلمانوں نے بتلایا کہ سب سے مشکل کام قریش کو قرآن مجید کا سنانا ہے۔ یہ دھن کے پکے تھے، قریش کے مجمع میں پہنچنے اور تلاوت قرآن شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں آئے تو ان کا سارا بدن اہولہان تھا اور زخموں نے چہرہ کو بے پہچان بنا دیا تھا۔ ⁽¹⁾

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو آیات قرآنیہ کا پڑھ کر سنانا کتنا کٹھن کام تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز اسی کام میں لگے رہتے تھے، آبادی مکہ کے اندر ہر ایک مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہنچتے تھے اور قرآن سناتے تھے۔ ہر شخص کو تنہائی میں ملتے تھے اور اسے پیام الہی پہنچاتے تھے۔ آبادی سے باہر بھی جتنے راستے آنے جانے والوں کے تھے، ان سب پر دن کی روشنی میں اور رات کی تاریکی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جا پہنچتے تھے اور قرآن کی تلاوت سے آنے جانے والوں کے کانوں میں حکم الہی ڈالتے تھے۔

عرب کی کوئی مشہور منڈی اور مشہور میلہ ایسا نہ تھا، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ پہنچے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ بذریعہ تلاوت اور اشاعت بذریعہ دعوت نہ فرمائی ہو۔ عکاظ کا ذرہ ذرہ اور طائف کا پتہ پتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا گواہ ہے۔

غور کرو، اس گوہر مقدس کی جرأت و فتوت، نجدت و جلالت پر رزم گاہ عالم میں جملہ افراد عالم بلکہ اقوام عالم کے خلاف اپنی زبان کھولتا ہے، ہر ایک کو انصاف سے ملزم ٹھہراتا ہے۔ ہر ایک کا شیشہ پندار سنگ براہین سے توڑتا ہے، ہر ایک کے بت بطلان کو سندان حقانیت پر چھوڑتا ہے۔

اسے نہ ضرب کا ڈر، نہ ضرر کا غم، نہ خوف و خطر کا اندیشہ۔ اس کا سینہ و جگر نیزہ و تیر سے دل نہیں چراتے، اس کی زبان بیان توحید سے بند نہیں ہوتی، اس کی سرگرمیاں لوگوں کی سردمہری سے ٹھنڈی نہیں پڑ جاتیں۔ مال کی طمع، حکومت کی لچا ہٹ اسے اپنے کام سے روک نہیں سکتی۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ تلاوت آیات کتنا کٹھن، دشوار اور خطرناک کام تھا اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت ہے، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خوش اسلوبی سے پورا کیا کہ اپنی آواز کو ہر ایک غافل تک پہنچایا۔ ہر ایک غفلت زدہ کو خواب سے چوٹکایا اور ہالہ خراب کو ”بیدار“ کر کے چھوڑا۔

آج اگر کوئی شخص تلاوت قرآن کا عمل سہل و آسان سمجھتا ہے تو اسے بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مخالفین کے زمرہ میں تلاوت کا کام فی

الواقع آج بھی آسان نہیں اور اب اگر کسی قدر سہولت پیدا بھی ہوگئی ہے تو یہ اسی تلاوت نبوی ﷺ کی برکت اور اثر ہے، جس کے لیے حضور ﷺ خود گونا گوں مصائب اور بولسوں نوائب کی برداشت کر چکے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تلاوت کی دو صورتیں ہیں:

① خود اپنے لیے پڑھنا، اس کے آداب الگ ہیں، مثلاً حسین صورت، حضور قلب، معانی پر فکر و تدبر، حقائق و معارف کی غواہی۔

② دوسروں کو پڑھ کر سنانا، وہ دوسرے بھی کون؟ مخالفین دین، جن کے کان سننے سے اور دل بچھنے سے سخت منکر ہوں۔

ان کو اس طرح سنانا کہ ثواب ابدی، عذاب اخروی، نعمائے الہی، رضوان ربانی سننے والے کو مشکل نظر آنے لگیں، بدن لرز جائے اور دل کانپ اٹھے، آنکھ کھل جائے اور طبیعت اپنے سابقہ اطوار سے رک جائے۔

یہ کام بے شک بدرجہ کمال حضور ﷺ ہی کے کرنے کا تھا اور قرآن گواہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کام کو حمدی کے ساتھ سرانجام دیا اور اسی لیے حضور ﷺ کا یہ طریق ”خصوصیت“ میں داخل ہوا۔

خصوصیت نمبر 15

﴿وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرة: 151]

”نبی تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔“

آیت کا خطاب جملہ اہل عالم سے ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی شان یہ ہے کہ ساری دنیا کو ان علوم کی تعلیم دیں، جن سے دنیا ناواقف و بے بہرہ ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام جیسے صادق اللہ نے استعداد و تقابلیت مستمعین کا اندازہ کرتے ہوئے اعلان فرما دیا تھا۔
 اِنَّ لِيْ اُمُوْرًا كَثِيْرَةً اَيْضًا لَا قَوْلَ لَكُمْ وَّلٰكِنْ لَا تَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ تَسْمِعُوْا الْاٰنَ وَاَمَّا مَنِيْ جَاةَ ذٰلِكَ رُوْحَ الْحَقِّ فَهُوَ يُرْسِدُكُمْ اِلٰى جَمِيْعِ الْحَقِّ۔ ①
 اردو انجیل کی عبارت یہ ہے:

”میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں، پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ جب وہ یعنی روح حق آئے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتا دے گی۔“ ②

حضرت مسیح علیہ السلام کا قول بالا بتا رہا ہے کہ جتنی تعلیم انہوں نے قوم کو دی، وہ کم تھی بہ نسبت اس تعلیم کے جو باقی رہ گئی تھی۔ اس فقرہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی تعلیم کا سبب یہ نہ تھا کہ سننے والے ایسی ابتدائی حالت میں تھے کہ ان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی طاقت نہ تھی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایم اے پاس استاد کسی پرائمری کلاس کو تعلیم دینے لگے اور وہ ان کو بہت سی علمی باتیں بتا سکے اور نہ سمجھا سکے، اس لیے کہ شاگردوں کی سمجھ ناقص ہے۔

① یونٹ 16 باب۔ نقل از کتاب المقدس عربیہ مطبوعہ آکسفورڈ 1871ء، نقل از بائبل اردو مطبوعہ حرا پور 1870ء، یہ واضح رہے کہ الفاظ ”بتا دے گی“ پر صیغہ مؤنث اس لیے ہے کہ اردو زبان میں درج مؤنث ہے، ورنہ آنے والے کا نام روح الحق ہے اور یہ صیغہ مذکر عربی عبارت میں موجود ہے۔

بہر حال نتیجہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام جیسے نیک استاد کی تعلیم کا حصہ اور بہت بڑا حصہ دنیا کو اس وقت نہ مل سکا۔
اب سوال یہ ہے کہ کیا مسیحی مذہب کی اس کمی کو کسی زمانہ میں پورا کیا گیا، جہاں تک ہم کو عیسائی عالموں سے معلوم کرنے کا اتفاق ہوا، وہ بتاتے ہیں کہ عیسیتی کا سٹ کے دن اس کمی کو پورا کر دیا گیا۔
عیسیتی کا سٹ (Pante Cast) کا ذکر کتاب اعمال کے دوسرے باب میں ہے اور اس کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رفع مسیح سے پچاس (50) دن بعد کا ہے، الغرض پہلے ہی سال کا۔
عیسیتی کا سٹ (Pante Cast) کے معنی کتاب احبار (موسیٰ کی تیسری کتاب) کے باب 22 میں یہ بتائے گئے ہیں کہ عید صبح کے ایام میں نذر کی قربانی کا پیش کرنا۔

ہاں کتاب اعمال سے ظاہر ہے کہ اس عیسیتی کا سٹ کے دن مسیح علیہ السلام کے بارہ (12) کے بارہ (12) شاگرد جمع تھے، ان کو ایک زور کی آواز سنائی دی اور شاگردوں کو جدا جدا آگ کی سی زبانیں (شعلے) دکھائی دیں اور وہ ہر ایک پر بیٹھے اور سب غیر زبانیں بولنے لگے۔ آواز سن کر لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ سب حیران ہوئے۔ ایک دوسرے سے گھبرا کر کہنے لگے کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے اور لوگوں نے دھنسنے سے کہا کہ یہ نئی شراب کے نشے میں ہیں۔ تب پطرس (Peter) نے اپنی آواز بلند کی اور لوگوں سے کہا کہ یہ نشے میں نہیں۔ ﴿16/2﴾
یہ وہ ہے جو یوایل نبی کی معرفت فرمایا گیا کہ

17/2 - خدا فرماتا ہے کہ آخری دنوں میں ایسا ہوگا کہ میں اپنی روح میں سے تم پر بھیجوں گا۔

پطرس (Peter) کی تقریر کے بعد تین ہزار (3000) آدمی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ (خلاصہ از یکم تا 42 درس باب دوم اعمال)
عیسیتی کا سٹ (Pante Cast) کے دن جو کچھ ہوا، اس پر شک کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ غور کی ضرورت ہے۔ سوال تو یہ تھا کہ مسیح کی پیش گوئی جو باقی ماندہ صداقت کی مکمل تعلیم کے متعلق تھی، کب پوری ہوئی؟ عیسیتی کا سٹ (Pante Cast) کے دن تو حضرت پطرس نے عین اس وقت جب کہ وہ روح القدس سے بھر پور تھا، یہ بتلادیا تھا کہ یہ حالت وہ ہے جس کا ذکر یوایل نبی کی معرفت ہوا تھا۔
اب انصاف کا مقام ہے کہ پطرس مع روح القدس ظاہر کر رہا ہے کہ یوایل نبی کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ اور پادری بتلاتے ہیں کہ نہیں، بلکہ مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ کیا پادری کا یہ کہنا کہ پطرس کے سامنے سچ ٹھہرے گا اور پطرس روح القدس اس پادری کے سامنے جھوٹا قرار دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ نہیں، ہرگز نہیں۔ لہذا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسیتی کا سٹ (Pante Cast) کے دن مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی اور مسیحی علماء اس دن کے سوا اور کسی دن کا حوالہ بھی نہیں دے سکتے جب مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی پوری ہوئی ہو۔
ساری دلیل کا لب لباب یہ ہوا کہ عیسائیوں کو بہت زیادہ صداقت کی باقی ماندہ تعلیم کبھی بھی نہیں ملی تھی۔

آیت زریب عنوان بتلاتی ہے کہ ﴿مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرہ: 151] کی تعلیم نبی ﷺ ہی نے دنیا کو دی تھی۔
اس دلیل کی صحت اس اندرونی شہادت سے بھی ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو فرمایا تھا کہ روح الحق اس کامل صداقت کی تعلیم دے گا جو مسیح علیہ السلام نہیں دے سکے تھے اور اس عیسیتی کا سٹ (Pante Cast) کے دن کسی ایک نئی بات کی تعلیم بھی نہیں دی گئی۔

﴿1﴾ (Peter) عیسیٰ علیہ السلام کا حواری تھا۔ جسے 67ء میں پھانسی دی گئی۔

پطرس (Peter) نے اس واقعہ کو یوایل نبی کی پیش گوئی بتلایا یا صلیب مسیح کا واقعہ سنایا، مگر تعلیم کچھ بھی نہ دی گئی تھی۔

اندریں حالات ہماری برہان مکمل ہو جاتی ہے کہ عیسائیوں کو ابھی بہت کچھ سیکھنا تھا۔

اس کے بعد یہودیوں کی حالت سنو۔ وہ یہود جو موسیٰ علیہ السلام کی مسند پر بیٹھنے والے تھے۔

وہ یہود جو غرور کتاب وانی اور نخوت کتاب داری سے سرشار تھے، قرآن مجید نے خود ان کو مخاطب بنا کر فرما دیا تھا کہ

﴿ وَمَا أَوْتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ [نبی اسرائیل: 85] ”یعنی تم کو علم کا بہت تھوڑا حصہ ملا ہے۔“

جب اہل کتاب کے یہ دونوں گروہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شہادت اور قرآن پاک کے اعلان سے بہت تھوڑے علم والے ثابت

ہو چکے تو ضرور تھا کہ دنیا کو کبھی مکمل تعلیم دی جاتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نورانی میں وہ وقت آ گیا کہ

﴿ مَا لَكُمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ [البقرہ: 151] ”جو کچھ آپ لوگوں کے علم میں نہ تھا“ کی کمی کو پورا کیا جائے۔“

یہ بدیہی ہے کہ جب کتاب والے ہی اوصوڑے نکلے تو دیگر اقوام کا تو علمی حیثیت میں ان سے ادنیٰ درجہ پر ہونا بالضرور ثابت ہو

گیا۔ لہذا آیت بالا کے مخاطب جملہ اہل عالم ہیں اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وہ منصب عالی ہوا کہ سب کو ایسی تعلیم دیں

جس سے دنیا آج تک بے بہرہ تھی۔

مسیح صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے متعلق یہ امر بھی شرح طلب ہے کہ اس پیش گوئی میں اسم ”روح الحق“ کا استعمال ہوا ہے اور

اناجیل اربعہ (4) میں اس مقام کے سوا اور کسی جگہ اسم لفظ کا استعمال نہیں ہوا۔ ﴿﴾ دوسرے مقامات پر تو روح القدس کا لفظ آیا ہے۔

عقبتی کا سٹ والے دن بھی پطرس نے روح القدس ہی کا لفظ استعمال کیا اور یہ ہر دو مقامات کا فرق بھی صراحتہ بتا رہا ہے کہ ”روح الحق“

اور ہے ”روح القدس“ اور۔

روح القدس کو پادری صاحبان تثلیث کا جزو ثالث تسلیم کرتے ہیں، تو کیا کریں مگر روح القدس نے تو کبھی کوئی نئی تعلیم کسی کو

نہیں دی۔ چنانچہ خود کسی مسیحی عالم کی شہادت میں بھی یہ موجود نہیں کہ اسے راست بازی کی وہ باقی ماندہ تعلیم ”روح القدس“ سے مل گئی

ہے۔ جسے حضرت مسیح علیہ السلام اوصوڑا چھوڑ گئے تھے۔

آیت زبیر عثمان نے صاف طور پر بتلادیا کہ استاد عالم و عالمیان ہونے کا امتیاز اور خصوصیت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔

قارئین دریافت کر سکتے ہیں کہ امور کثیرہ کیا ہیں؟ جو مسیح کی تعلیم میں نہیں پائے جاتے، بلکہ یہودیوں کی کتابیں بھی ان سے

خالی ہیں۔ اس کا جواب قارئین کو ہمارے دوسرے مضمون ”خصائص القرآن“ سے ملے گا، اسے بغور ملاحظہ فرمائیں۔

اس جگہ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ اور بھی ایسے مقدس بزرگوار ہو چکے ہیں جن کو علم

لدنی عطا ہوا تھا تو کیا اس سے اشتباہ گزر سکتا ہے کہ ان میں سے ہی کسی بزرگ نے اس کمی کو پورا کر دیا ہو جو با عرض ہے کہ ان

سب ایسے بزرگوں کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام سے بہت پیشتر کا ہے۔ پس وہ لوگ مسیح علیہ السلام کی کمی تعلیم کو پورا کرنے والے کسی طرح

نہیں ٹھہر سکتے۔

لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ سریر آراء علوم ہیں جو فرش خاک پر بیٹھے اور خاک کی دنوری، انسی و جانی کو ایسے علوم سے مستفیض فرمایا

﴿﴾ مشہور چار انجیلوں کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿﴾ لوقا ﴿﴾ متی ﴿﴾ برناباس ﴿﴾ یوحنا

کہ یہ خاک کے ذرہ ہائے بے مقدار کو آسمان علوم پر تاباں نجوم بن کر چمکے اور ضیاء بخش عالم و عالمان قرار پائے۔
نبی ﷺ اور سیدنا مسیح علیہ السلام کے تلامذہ میں بھی نمایاں تفاوت ہے۔ مسیح علیہ السلام کے بارہ (12) شاگردوں میں سے شمار کر لو کہ کتنے شاگردان کی تعلیم کے مبلغ ٹھہرے تھے۔ دو تین سے زیادہ کے نام نہیں لیے جاسکیں گے۔ اس قلیل تعداد کا کارنامہ بھی صرف اسی قدر ہے کہ انھوں نے جناب مسیح علیہ السلام کے حالات زندگی کی اشاعت کی ہے اور بس۔

نبی ﷺ کی تیار کردہ جماعات میں ہر قسم و ہر صنف کے کاملین نظر آئیں گے۔

آپ دیکھیں گے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ملک واری و جہاں بانی کی تعلیم

ابوسعید و خالد رضی اللہ عنہما ہنگامہ آرائی و جہاں کشائی کی،

معاذ رضی اللہ عنہ و ابوذر و ابراہیم رضی اللہ عنہم بیان دین و دانش کی،

سلمان رضی اللہ عنہ و ابوذر رضی اللہ عنہ زہد و تقاضت کی،

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہما حقائق علمیہ کی،

عثمان غنی رضی اللہ عنہ و ابن عوف رضی اللہ عنہ پرورش بنیادی کی و اعانت ایامی (بیوگان)۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ و ابی بن کعب رضی اللہ عنہ انصاری فرانس الہیہ کی تعلیم کل دنیا کو دے رہے ہیں، رضی اللہ عنہم!

یہ چند مبارک نام صرف تقریب و تقسیم مدعا کے لیے درج کر دیے گئے ہیں، ورنہ اس بارگاہ اقدس کا وہ کون سا تلمیذ ہے جو کشت زار علوم کے لیے ہار ان رحمت ثابت نہیں ہوا۔

جب ہم دیکھتے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایات کا شمار 2210 اور ابن عمر رضی اللہ عنہما (تعداد: 1630) و انس بن مالک رضی اللہ عنہ (تعداد: 1286) کی روایات بھی اس کے قریب پہنچ جاتی ہیں اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کا شمار 5374 ہے۔ پھر ان کے سوا اور بھی ایسے صحابہ جنی لکھتے ہیں، جن کے نام مکتوبین روایات کے تحت میں درج ہیں۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما (2260) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ (1560) و ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (1170) تو یقین ہو جاتا ہے کہ اس ادب گاہ اقدس کا ہر ایک طالب علم استاد عالم ہونے کی شان رکھتا ہے۔

یاد رکھیے کہ یہ بزرگوار عرب کے باشندے ہیں، وہی عرب جن کی صفت

﴿ اُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ ﴾ [البقرہ: 78] کے الفاظ میں نمایاں ہے، یعنی ان پڑھ اور کتاب سے بے خبر۔

لیکن نبی ﷺ کے طفیل نہ صرف یہی لوگ ذرہ علیائے علوم کو پہنچے بلکہ ان کے شاگرد بھی ﴿وَاٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ کی سند سے مسند آرائے تعلیم ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ ہی کی جود و عطائے علم کو عام بنایا اور اسے رفعت کمال پر بھی پہنچایا۔

یہ حضور ﷺ ہی کے ادنیٰ ترین کفش بردار تھے جنھوں نے چین و غرناطہ، بغداد و سسلی، تیونس و الجزائر، ترکستان و چین و تاتار میں سینکڑوں مدارس و مکاتب کھول دیئے تھے، جن میں جملہ اقوام و مسلم و غیر مسلم کو بلا تفریق مراتب یکساں تعلیم دی جاتی تھی۔ یورپ کو اقرار ہے، انکار نہیں کہ یہی اسلامی ممالک تمام یورپ کے استاد ہیں۔

اگر ہم پادریوں کی اس روش اور طریقہ کو دیکھیں جو علوم جدیدہ کی مخالفت میں ان کا رہا ہے اور پھر مسلمانوں کی اس فراخ دلی و وسعت خاطر کا اندازہ لگائیں جو علوم قدیمہ کی ترویج و اشاعت نیز علوم جدیدہ کی ایجاد و حمایت میں ان کا معمول ہے کہ اس سے بخوبی ہویا ہو جاتا ہے کہ صرف مسلمان ہی ہیں جنہوں نے ابتداءً دنیا میں علوم کو پھیلایا۔

تمام مسلمانوں کا یہ شیوہ اپنے سیدنا و مولانا نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ لہذا ان غلاموں کے افعال بھی حضور ﷺ ہی کے سنن ہدٰی کا بیان اور حضور ﷺ ہی کے اسوہ حسنہ کی برہان ہیں اور یہ ایسی خصوصیت ہے کہ شکوہ کامل و انتقام اعلیٰ کے ساتھ حضور ﷺ ہی میں پائی جاتی ہے۔

عالمیہ بیان نامکمل رہ جائے گا، اگر میں اس مقام پر مختصراً ذکر نہ کروں گا کہ علوم جدیدہ کی ترویج و اشاعت میں مسیحیوں نے تنگ دلی اور اسلامیوں نے فراخ نظری کے کیسے کیسے نمونے دکھلائے۔

ڈی روینس نے ظاہر کیا کہ قوس قزح بارش میں شعاع آفتاب کے انعکاس کا نام ہے اسے اللہ کی کمان جنگ بنانا یا انتقام الہی کی علامت سمجھنا غلط ہے۔ صرف اتنی بات پر وہ قید کر کے رو ما بھیجا گیا۔ وہ جیل میں ہی مرا، اس کے لاشہ کو اور اس کی کتابوں کو جلا دیا گیا جو حکم سوختگی لاشہ کی بابت صادر ہوا تھا۔ اس میں اس سوختگی کا یہ جرم بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ روما کے کنیسہ کی صلح برطانیہ کے کنیسہ سے کرانا چاہتا تھا۔ گویا ساری صالح اسی پاداش کا مستحق تھا۔

برونو (Bruno) کو 1600ء میں لہی قید کے بعد اس لیے زندہ آگ میں جلا دیا گیا کہ اس نے دنیا کو عالم اسباب کہہ دیا تھا یا اس کے قول سے وحدت الوجود کا مسئلہ آشکارا ہوتا تھا۔

کرویت زمین کا مسئلہ خلافت عباسیہ میں معلوم ہوا اور اس انکشاف سے مسلمانوں میں ایک پتہ بھی نہ ہلا۔ مگر یہی مسئلہ جب یورپ میں پہنچا تو قیامت برپا ہوئی اور بیسیوں فلاسفر جو زمین کو گول کہنے لگے تھے قتل کر دیئے گئے۔

چچک کا نیکنہ قسطنطنیہ میں دیر سے رائج تھا۔ 1721ء میں ایک عورت مسماة میری مونٹا (Marymonta) اسے یورپ میں لے گئی تو پادریوں نے اس طریقہ علاج کی بے حد مخالفت کی حتیٰ کہ بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ شاہی اختیارات سے اس کا نفاذ روک دیا جائے۔

امریکہ میں جب یہ طریق نکلا کہ عورت کو ولادت کے وقت مخدر (بے ہوش) کر دیا جائے تو تمام پادری مخالف ہو گئے کہ عورت کو ولادت کے وقت آرام پہنچانا خدا کی لعنت کا مقابلہ ہے۔ جو کتاب پیدائش باب سوم میں عورت ذات کے لیے موجود ہے۔ کردنیال کسی مینس نے 8 ہزار قلمی کتابیں غرناطہ میں اس لیے سوخت کر دیں کہ ان کا مضمون کنیسہ کی رائے کے مطابق نہ تھا۔ پروٹسٹنٹ (Protestant) کو ایک اصلاح یافتہ اور ترقی کر دہ مذہب کہا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس مذہب میں دل و دماغ کو آزادی عطا کی گئی۔ اب اس آزاد مذہب کی حالت بھی سنو۔

کلغان نے سیر فیٹ (Searfiat) کو جلا ڈالنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس کی تحقیقات میں مجلس بیقہ کے انعقاد سے بھی جو شتر دین مسیحی میں بدعت داخل ہو چکی تھی۔

[1] مشہور اسٹالین فلسفی (1600-1548 م) جسے مجھے کے ساتھ ہاتھ کر زندہ جلا دیا گیا۔

اسے زندہ دہکتی آگ میں کباب کی طرح صرف اس گناہ عظیم کی پاداش میں بھونٹا گیا۔
 فاشی (Fabiaw) بھی 1729ء کو اسی جرم میں شہر تلوز میں جلایا گیا تھا۔
 پادری لوتیرا (Lother)، ارسطو (Aristotle) کو ہمیشہ جھوٹا، ناپاک، خنزیر کہا کرتا تھا۔ ﴿٦٤٠﴾
 علم برداران اسلام نے نہ تو اخذ علوم میں اس لیے تنگ چشمی کی وہ علوم اقوام غیر یا ممالک غیر کے ہیں اور نہ علوم کی اشاعت میں
 اس لیے تنگ دلی کی کہ طالب علم غیر مذہب، غیر قوم یا رعایائے غیر ہیں۔
 ان ہر دو اوصاف کے تحت میں وہ ہزاروں واقعات موجود ہیں جو مؤرخین اسلام پیش کرتے ہیں جن میں سے بیسیوں کا ذکر
 دیون پورٹ، لین پول اور ایڈورڈ گین نے بھی کیا ہے۔ مسلمانوں میں یہ روشنی اس منبع نور سے آئی جس کی خصوصیت کے اثبات میں آیت
 ﴿ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ [البقرة: 151] زیب عنوان ہے۔
 ناظرین کو تاریخ عالم کے تخصص سے معلوم ہو جائے گا کہ اس خصوصیت کا تاج حضور ﷺ صاحب معراج ہی کے فرق
 مبارک پر تاباں دورخشان ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
خصوصیت نمبر 16

﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ [البقرہ: 129]

”ہمارا نبی لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔“
 قبل ازیں تحریر ہو چکا ہے کہ کتاب قرآن مجید اور تعلیم الکتاب کے تحت میں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام شامل ہیں۔
 لہذا خصوصیت ہذا کے تحت میں ”تعلیم حکمت“ کا مذکور ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے:
 ﴿ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾ [البقرة: 269]
 ”جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی۔“
 آیت ہالاسے آشکار ہے کہ فضائل محمودہ اور محاسن کثیرہ کا نام ”حکمت“ ہے۔ لفظ حکمت کا اثبات منصب نبوت سے علیحدہ بھی کیا گیا ہے۔
 ﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ ﴾ [لقمان: 12] ”ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی تھی۔“
 قابل غور یہ امر ہے کہ ”الکتاب“ اور ”تعلیم الکتاب“ کے بعد اب کون سی بات رہ گئی تھی جسے حکمت سے تعبیر فرمایا گیا۔
 واضح ہو کہ ہدایات واضح اور بیانات راشدہ پر عمل کرنے کے موقع پر مختلف الامر لوگوں کی حالت بھی مختلف ہوا کرتی ہے۔
 نبی ﷺ نے پیچیدہ معاملات کو عملی طریق پر حل کر کے صحابہ جن رضی اللہ عنہم کو مکمل تعلیم عطا فرمائی تھی۔
 ﴿٦٤١﴾ نبی ﷺ رونق افروز مدینہ ہوتے ہیں تو اول مہاجرین و انصار میں مواخات قائم کرتے ہیں اور پھر یہودان یشرب اور مومنین
 اسلام میں ایک معاہدہ قلم بند فرما کر ان کو بھی اتحاد مدینیت میں شامل فرمالتے ہیں۔ معاہدہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔
 ﴿ هَذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ مِنْ قُرَيْشٍ وَبَثْرَبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ ﴾
 ﴿٦٤١﴾ ارسطو بابائے سائنس و طب 120 کتب کا مصنف (322-384 ق م)

﴿6﴾ ہرقل نے عرب پر حملہ کرنا چاہا، نبی ﷺ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ عرب کو روما کی فوجوں کا آماجگاہ بنا دیا جائے، خود آگے بڑھے اور عرب کی انتہائی سرحد پر جا کر ٹھہر گئے۔

اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ تمام ملک کی امداد لشکر اسلام کو بخوبی پہنچ سکتی تھی۔ ہرقل پر اس پیش قدمی اور جرات کا گہرا اثر پڑا اور اس نے عرب پر حملہ کے خیال کو دماغ سے نکال دیا۔

﴿7﴾ 8ھ میں مکہ فتح ہوا تو وہاں سے تین سو ساٹھ (360) بت تو نکال دیے گئے مگر خود عمارت کعبہ کے متعلق کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ موجودہ عمارت وہ تھی جو حضور ﷺ کی نبوت و بعثت سے پانچ (5) سال پیشتر بنائی گئی تھی۔ اس تعمیر کے وقت قریش نے سامان اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے عمارت کا طول کم کر دیا تھا۔ نبی ﷺ نے اپنا منشا بطور احسان تو ظاہر فرما دیا کہ عمارت کا بناء ابراہیمی پر ہونا بہتر ہے مگر اس حکمت سے کہ ابھی قوم کی دین داری حدیث میں ہے۔ عمارت کو جوں کا توں چھوڑ دیا۔ ابھی وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے اس عمارت کے لیے مالی، بدنی امداد دی تھی۔ اس لیے یہ بعید نہ تھا کہ ان لوگوں کو اسی عمارت کا انہدام شاق گزرتا۔ نبی ﷺ نے دل داری و دل دہی کی بنیاد کو مضبوط فرمایا اور اینٹ پتھر کی عمارت کے لیے زیادہ اہتمام نہ فرمایا۔

امثال بالا اور اس اشباہ و نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کیوں کہ جملہ معاملات تمدن و اخلاق اور مصلحت شناسی میں تعلیم حکمت کو جاری رکھتے تھے۔

ہاں یاد رکھو کہ تعلیم حکمت میں یہ امر بھی شامل ہے کہ نبی ﷺ نے احکام و شرائع کو لعل و حکم پر مبنی ٹھہرایا تھا اور ان احکام کی علت و حکمت کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہ ایک عجیب خصوصیت حضور ﷺ کی حکمت آموزی کی تھی، ورنہ حضور ﷺ سے پیشتر شرائع ماقبل میں بہت کم اس پر توجہ کی گئی بلکہ احکام کی تعمیل و عدم تعمیل کو علامت، اطاعت یا نشان طغیان کے اصول پر منحصر رکھا گیا تھا، جس سے لوگ سمجھنے لگے تھے کہ شریعت کی مثال ایسی ہے کہ ایک آقائے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس پتھر کو ادھر سے اٹھا کر ادھر کر دے۔ اگر غلام نے پتھر اٹھا دیا تو فرمان بردار سمجھا گیا اور نہ اٹھا یا تو نافرمان قرار دیا گیا، حالانکہ اس حکم سے نہ آقا کا کوئی اصل مقصود تھا، اور نہ غلام کا کچھ فائدہ یا نقصان اس کی تعمیل یا عدم تعمیل میں مضمر تھا۔

ہاں دیکھو، کہ نبی ﷺ نے شریعت کو بطور طب روحانی مرتب فرمایا ہے۔ عضو عضو پر وارد ہونے والے امراض روحانیہ کا ذکر فرمایا، پھر ان کا علاج اور علاج میں مفرد و مرکب اشیاء کا استعمال سکھایا ہے۔ صحت قلب کی حفاظت کرنے والی حیات روحانی کو نشوونما دینے والی، روحانیت کے اعضاءے ریکسہ کو قوی و چست بنانے والی ادویہ کا ذکر درجہ بدرجہ فرمایا ہے۔

تکمیل نفس کے بعد حضور ﷺ کی تعلیم حکمت کا دور ثانی شروع ہوتا ہے اور تدریجاً منزل ترتیب عالمہ کے مفصل احکام ملتے ہیں۔ دور ثالث میں سیاست مدن کے دروس کا آغاز ہوتا ہے۔ اقوام عالم اور بلدان جہاں کے واجبات و حقوق سے عالم دو عالم کو روشناس فرمایا ہے۔ حضور ﷺ کے برابر فرض کو اور کسی نے بھی اس حسن تکمیل کے ساتھ ادا نہیں فرمایا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اسماء اللہ الحسنى میں اللہ تعالیٰ کا نام بھی ”حکیم“ ہے اور کتاب اللہ کی صفت میں بھی یہی اسم استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿يَسِّرْهُ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ﴾ [یس: 1-2] اور اس کتاب حکیم نے حضور کو معلم حکمت بتلایا ہے، تو ان حوالہ جات سے

اول تو حکمت و دانش کا درجہ بلند تر ہو جاتا ہے اور پھر نبی ﷺ کے منصب عالی کا ارفع و اعلیٰ ہونا بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔
تعلیم حکمت کے متعلق مجھے نبی ﷺ کی صرف ایک حدیث اس مضمون کے اختتام پر لکھ دینی چاہیے۔ مضمون حدیث کی ہمہ گیری اور صاحب ارشاد کی حکمت آموزی کی وسعت کا اندازہ ناظرین خود فرمائی لیں گے۔

كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ إِذَا وَجَدَهَا أَخَذَهَا۔ [1]
”کہ حکمت کو تم گم شدہ لال سمجھو، جہاں پاؤ، اسے اپنا مال سمجھو۔“

خصوصیت نمبر 17

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ [الاعراف: 157]

”اور ان کا بوجھ ہلکا کر دیتا ہے اور پھندے کھول دیتا ہے جو ان پر پڑے تھے۔“

آیت بالا سے روشن ہے کہ لوگوں کو بھاری بوجھوں نے دبا رکھا تھا اور ان کے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ ان بندشوں، قیدوں، زنجیروں، بندھنوں سے لوگوں کو نبی ﷺ ہی نے آزاد فرمایا تھا اور ایسا کرنا حضور ﷺ کی نبوت عامہ کا لازمہ ہے۔ نبی ﷺ کی نبوت عرب و عجم پر عام ہے اور حضور ﷺ کی دعوت میں سحافة لئناس شامل ہیں۔ لہذا مفہوم آیت بالا کے سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قبل از بعثت نبوی ﷺ دنیا بھر کی ساری اقوام کیسی کیسی قیود بیجا میں گرفتار تھیں۔ ہم مختصر عرب، یہود و نصاریٰ، مجوس و ہنود کا ذکر کریں گے۔ یہی وہ اقوام ہیں جن کو تمدن کے لحاظ سے کوئی منزل دی جاسکتی ہے۔

① عرب

بدکاری و زنا کاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور اپنے افعال قبیحہ پر فخر کرتے ہوئے ان کو اپنے اشعار کے ذریعہ مستہر کیا کرتے تھے۔ شراب اور سخت نشلی عریقات کا استعمال عام تھا۔ مدہوشی میں جو معیوب اور خراب باتیں سرزد ہوتیں۔ ان پر شرمندہ نہ ہوتے تھے۔ لوٹاپوں کو جو قینات کہلاتی تھیں، گانے بجانے، ناچنے کے لیے پالا کرتے تھے۔ ان کی زنا کاری کی آمدنی کو ان کے آقا چچی آمدنی سمجھا کرتے تھے، جو عورتیں لڑائی میں گرفتار ہو کر آتیں ان کو قینات میں داخل کیا جاتا تھا۔ عورت کسی جانور کا دودھ نہیں دھو سکتی تھی۔ اگر کسی گھرانے کی عورت ایسا کرتی تھی تو سارا خاندان حقیر سمجھا جاتا۔ مال وراثت کا حصہ صرف بالغ مرد پاتے تھے، تمام عورتیں اور بچے اپنے والدین اور عزیز و اقارب کے ترکہ سے قطعاً محروم رکھے جاتے تھے۔ بیوہ عورت پر متوفی شوہر کا قریبی رشتہ دار اپنی چادر ڈال دیتا تھا، عورت خوش ہو یا ناخوش، وہ چادر والے کی بیوی بن جاتی تھی، سوتیلے بیٹے بھی اپنی سوتیلی ماؤں پر اسی طرح قابض ہو جایا کرتے تھے۔

عورتیں بے حجاب مجمع عام میں نکلا کرتی تھیں اور اپنے جسم کا مخفی سے مخفی حصہ عوام الناس کو دکھلانے میں عار نہ سمجھتی تھیں۔ مرد و زن جسم کو نیکل سے گودا کرتے، عورتیں مصنوعی بال لگاتیں، دانتوں کو درانتی سے تیز بناتی اور ان مصنوعی طریقوں سے خود کو نوجوان بنا کر جوانوں کو جمل دیا کرتی تھیں۔

جو خاندان زیادہ شریف سمجھے جاتے تھے وہ زندہ لڑکیوں کو زیر زمین دفن کر دیتے یا چاہے عمیق (گہرا کنواں) میں دھکیل کر ہلاک کر دیتے تھے۔ اس فعل پر فخر کیا کرتے اور اسے اعلیٰ شرافت کا نشان سمجھا کرتے تھے۔

ازواج کے متعلق کوئی قاعدہ موجود نہ تھا اور محرم و غیر محرم عورتوں کی تمیز کے لیے کوئی صاف آئین منضبط نہ تھا۔

قمار بازی نہایت دل پسند شغل تھا اور مشہور مشہور لوگوں کے گھر ”قمار خانہ عام“ سمجھے جاتے تھے۔

ارواح خبیثہ (بدروحوں) کا اعتقاد عام تھا اور انسان پر ایسی ارواح کے تصرف تام کو تسلیم کرتے تھے۔ خیالی و وہمی دیوتا اور دیویاں مانی جاتی تھیں۔ ان کی شکلیں اور صورتیں عجیب عجیب بناتے اور اسی کے موافق ان کے بت گھڑے جاتے تھے۔ پھر مندروں میں استاپن کیے جاتے اور پوجے جاتے تھے۔ عموماً ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا بت الگ تجویز کیا کرتا تھا اور اپنی قسمت اسی بت کے قبضہ میں سمجھا کرتا تھا۔ اگر ایک قبیلہ کی عداوت دوسرے قبیلہ سے ہو جاتی تو اس کے بتوں سے بھی عداوت و نفرت کی جاتی تھی۔

گھوڑ دوڑ پر بازی لگانے کا بہت رواج تھا، اسے دھان کہتے تھے، گھوڑ دوڑ میں تین یا سات گھوڑے شامل کیے جاتے تھے۔

گھوڑوں کے نمبر لگانے میں کبھی اتنا اختلاف بڑھ جاتا کہ لڑائی چھڑ جاتی اور برسوں تک جاری رہتی تھی۔

اگر چہ غلاموں کا آزاد کرنا موجب فخر و مہابت سمجھا جاتا تھا، مگر آزاد شدہ غلاموں پر مالک کا حق ملکیت قائم رہتا تھا۔ اس حق کو آقا دوسرے کے پاس فروخت یا ہبہ بھی کر سکتا تھا۔

بتوں اور ارواح کی پرستش کی جاتی۔ ان کو سجدہ کیا جاتا، ان کی منت مانی جاتی، ان کے نام پر قربانیاں کی جاتیں، اونٹ، گائے، بکری، کاپیلوٹا بچان کے نام پر ذبح کیا جاتا۔

زراعت میں زمین کا بہترین حصہ بتوں کے نام پر خاص ہوتا، اگر اس حصہ کی پیداوار کسی ارضی و سماوی حادثہ سے ماری جاتی تو زمین کے دوسرے حصہ کی پیداوار سے اس کی کوپورا کیا جاتا۔

بھوک اور قحط کے وقت مویشی کا خون پی جاتے تھے، زندہ جانور کے جسم سے گوشت کاٹ کر کھا جاتے تھے۔ جانوروں کی حرکات سے یا آوازوں سے شگون لیا کرتے، ٹوکے منتر مانے جاتے تھے، ان کی عقل و فکر پر توہمات کی پوری حکومت تھی۔

انتقام اور کینہ جوئی کو اچھا سمجھا جاتا۔ ایک ایک، دو دو نسل اوپر کے واقعات کا انتقام لیا جاتا اور اسے بہادری کا لازمہ سمجھا جاتا۔

عرب کے ملحق الحد و ملکوں میں جو جو فواجش اور قبائح موجود تھے، ان کو جلد اخذ کر لیا جاتا۔

حسب نسب پر غلو کے ساتھ فخر کیا کرتے، ہر ایک قبیلہ دوسرے قبائل کو ذلیل و حقیر سمجھا کرتا اور یہی بات بسا اوقات عداوت، منافرت اور جنگ کا موجب بن جاتی۔

خاندانی رسوم کی حکومت دل و دماغ پر قانون اور مذہب سے بڑھ کر حکمران تھی۔ رسوم کے مقابلہ میں حریت رائے کا وجود کم تھا۔

اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے قبائل اپنے ملحق الحد و اقوام غیر سے ساز باز رکھا کرتے، فارس، روما، حبش کو اپنے ہی

ملک پر چڑھالانے پر ہوشیاری سے کام لیتے۔

ان کے مشہور مشہور بت مندروں میں تھے۔

ہبل یہ بہت لمبا بت تھا۔ یہ بت خانہ کعبہ کے سامنے والی دیوار کی منڈیر پر نصب شدہ تھا۔ عرب کے تمام قبائل اس کی عظمت کے سامنے سرنگوں تھے۔ جنگ احد میں ابوسفیان نے اُغْلُ هُبْلُ بنی کانعہ لگایا تھا۔ میں نے 1339ھ میں باب السلام سے باہر ایک پتھر کا ایک لمبا ستون دیکھا تھا جس کے اوپر سے قدم رکھتے ہوئے لوگ آتے جاتے تھے۔ عام طور پر مشہور تھا کہ یہ ستون اسی بت ہبل کا ایک حصہ ہے۔ اس کے تین پہلو نمایاں تھے، ان پر کوئی صورت نہ تھی۔ وہ، سواع، یغوث، یعوق، نسر حضرت شیث علیہ السلام کے پوتوں، پر پوتوں کے نام پر لوگوں نے ان کے بت تیار کر رکھے تھے۔

قبیلہ بنو کلب ”ود“ کو بنو مدین ”سواع“ کو بنو مراد ”یغوث“ کو بنو ہمدان ”یعوق“ کو اور بنو ہمدان کی دوسری شاخ نسر کو معبود سمجھا کرتے تھے۔
لات: لفظ اللہ کا مؤنث بنا یا گیا ہے۔ اسے ”رہہ“ بھی کہا کرتے تھے۔

منات: لفظ منان کا مؤنث ہے، کوہ مشلل پر اس کا بت تھا۔ ان دونوں بتوں کی خدائی تمام عرب میں مسلمہ تھی۔ ہڈیل و نزار، اوس و خزرج منات کے خاص پوجا کرنے والے تھے۔

عزّٰی: لفظ عزیز کا مؤنث ہے۔ بنو شیبان خصوصیت سے اس کی پرستش کرتے اور اعتقاد رکھتے کہ موسم گرما میں خدا اس کی استخوان میں رہا کرتا ہے۔ بنو کنانہ بھی اس کے معتقد تھے۔

دوار: نوجوان عورت کا بت تھا، اس کے گرد گرد چکر لگایا کرتے۔

اساف: بن بعلی اور مسامۃ نائلہ بنت زید بن جرہم۔ یمن کے باشندے تھے۔ ان کے باہمی تعلقات گندے تھے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر یہ مرتکب کبیرہ ہوئے۔ ان کو سزا دی گئی اور ان کے لاشے تشہیر و رسوائی کے لیے بلاد فتن رکھے گئے۔ اساف کو کوہ صفا پر اور نائلہ کو کوہ مردہ پر۔ لاشے گل سڑ گئے اور ان کے بت بنا کر رکھ دیے گئے۔ کچھ عرصہ بعد لوگ ان دونوں کی پرستش کرنے لگے۔ [1]

ععب: ایک بڑا پتھر تھا، قربانی چڑھانے کا استخوان۔

عم انس: زراعت کا دیوتا، جیسے یو، پی کے صوبہ میں ایک فرضی نام ماموں اللہ بخش بنا رکھا ہے۔ ایسا ہی یہ ایک بت کا نام تھا۔ ایک بار پیام قضا اس بت کی رضامندی کے لیے ایک سونیل (گاؤنر) اس کی بھینٹ چڑھائے گئے تھے۔ اس کے حالات وفد خولان نے اسلام لانے کے بعد نبی ﷺ کے حضور میں گزارش کیے تھے۔

ذو الکفین: لکڑی کا بت تھا، قبیلہ دوس کا معبود، طفیل بن عمرو بن صمصمہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے بعد اسے آگ لگا کر رکھ بنا دیا تھا۔

فلس: قبیلہ طے کا بت تھا، جلایا گیا۔

سعد: بنی ماکان بن کنانہ کا بت۔

ذو الشرمی: بنو حرث بن شکر کا بت۔

بہم: بنو مزینہ کا بت۔

شعیب: بنو خزرج کا بت۔

ذو الخلصہ: تاج پوش عورت کی شکل میں قبیلہ خشم و بجیلہ کا معبود۔ [2]

[1] ماخوذ از زرقانی و انانہ اللہ اعان

[2] ماخوذ از زرقانی و انانہ اللہ اعان ص: 210

ان بتوں کی پرستش میں جن کا لیلیٰ اور مصائب نے اہل عرب کو اپنا شکار بنا رکھا تھا، انہی کو آیت پاک میں ”اصغر“ اور ”اعظم“ فرمایا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی پاک تعلیم ہی کے طفیل تمام عرب کو ان بندشوں سے نجات ملی تھی۔
اب یہود کا حال بھی معلوم کرو۔

② یہود

یہود اگرچہ صرف اسی قبیلہ کو کہنا چاہیے تھا، جو یہودا پسر یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں، لیکن اب یہ نام بہ عرف عام ان بارہ قبائل کا ہو گیا ہے جو دوازده (12) اسباط بنو اسرائیل ہیں۔

ذیل میں اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے سب فرزندوں کے نام بترتیب ولادت تحریر کیے جاتے ہیں:

نمبر شمار	نام	نام کے معنی	والدہ کا نام
1	روبن	نظر اپنا۔ پشاد کھو	لیاہ بیگم
2	سمعون	ساعت	لیاہ بیگم
3	لاوی	جنت	لیاہ بیگم
4	یہوداہ	تحسین	لیاہ بیگم
5	دان	منصف	مسماة بلہا کنیر۔ راحیل بیگم
6	نفتالی	کشتی گیر یا پہلوان	مسماة بلہا کنیر۔ راحیل بیگم
7	جد	عسکر	مسماة زلفہ کنیر۔ لیاہ بیگم
8	آشر	نصیب	مسماة زلفہ کنیر لیاہ بیگم
9	آشکار	اجرت یا انعام	لیاہ بیگم
10	زبون	رفیق	لیاہ بیگم
11	یوسف	مزید	راحیل بیگم
12	بن یمن	دست راست کا فرزند	راحیل بیگم

یہودیوں کی عزت و شہرت داؤد علیہ السلام کے عہد سے بڑھ گئی تھی۔ ان کے فرزند سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ہزبر یہود اپنی خوشی سے اٹھتا بیٹھتا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کو دنیا سے رخصت ہوئے چند ہی سال ہوئے تھے کہ ان کے فرزند رحعام سے دس اسباط (10) علیحدہ ہو گئے۔
رحعام کی حکومت صرف دو فرقوں پر رہ گئی۔ رحعام کی اولاد شاہان یہودا اور دوسری شاخ شاہان بنو اسرائیل کہلائے۔
وہ یروشلیم جسے اللہ نے اپنا گھر کہہ کر منظور کیا تھا، چالیس (40) سال ہی کے بعد پھر مردود بانی ٹھہرا۔

یہودیوں کی تاریخ کو پڑھو، پھر وہ ہمیشہ کے لیے مصیبتوں کی داستان بن گئی۔ ان میں بت پرستی و بے ایمانی کا آغاز تو عہد سلیمانی کے آخری ایام ہی میں ظہور پذیر ہو گیا تھا۔ بخت نصر نے دونوں شاخوں کا خاتمہ کیا۔ اس وقت سے ان کی تاریخ اسیری، مقلوبی، جلاوطنی، غلامی کے واقعات سے لبریز ہے۔ یہ عہد سلطنت نیرو (بادشاہ روما) یعنی 70ء میں فلسطین یہودیوں سے بالکل خالی تھا، وہ ﴿مَلْعُونَيْنِ أَبْنَمَا لِقْفُؤًا﴾ [احزاب: 61] کے پورے پورے مصداق تھے۔

جب قسطنطین اول عیسائی ہو گیا تو یہودیوں کی حالت آسائے سنگ میں پھنسے ہوئے دانہ کی سی تھی۔ ان کی قومیت کسی جگہ تسلیم نہ کی جاتی تھی۔ ان کو کسی ملک میں بھی آزاد شہری کے حقوق حاصل نہ تھے۔

دینی حالت بد سے بدتر تھی، موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے عہد سے لے کر عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ السلام کے زمانہ تک انہوں نے ہر ایک نبی اللہ کی تکذیب و تذلیل میں ہمیشہ سرگرمی دکھائی تھی۔ کتاب تورات ان میں موجود نہ رہی تھی۔ اس لیے حلال و حرام اور حفظ و رضا کا بیان صرف احبار کے اخبار و اعتبار پر رہ گیا تھا اور یہ لوگ اکل سحت، مردار خواری اور اخذ ربوا (سود خواری) میں اتنے دلیر ہو گئے تھے کہ فتاویٰ شریعہ فروخت ہوتے تھے اور امیر و غریب کے مقدمات و مقدمات رشوت کے مطابق طے ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں رسل و انبیاء علیہم السلام بکثرت و تواتر بھیجے، لیکن اسرائیلیوں نے کبھی ان کی نہ وقعت کی اور نہ نصرت، بلکہ بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے سے بھی نہ ٹپے۔

توہمات نے روحانیت مذہبی کو فنا کر دیا تھا اور من گھڑت زہد و اتقانے شریعت کو ان کے حق میں لعنت ٹھہرایا تھا۔ سیدنا مسیح علیہ السلام ان کو سانپ اور سانپ کے بچے فرمایا کرتے تھے۔

سیدنا مولانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مخذول قوم کے اغلال و اصر کو دور کروانے کا عزم فرمایا اور ازراہ ترم چاہا کہ ان کو بھی دنیا کی دیگر اقوام کی مجلس میں عزت کی جگہ عطا فرمائیں۔ اس مبارک خیال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی ایک معاہدہ بین الاقوامی منعقد فرمایا اور معاہدہ میں یہودیوں کو تمدن کے حقوق مساویانہ سے معزز بنایا۔

ان کی دینی حالت کو درست فرمانے کی طرف توجہ کی گئی۔ یعنی احبار کے خود ساختہ فتاویٰ سے ان کو علیحدہ کر کے اصل شریعت سے روشناس فرمایا اور یہودیوں کے مقدمات باہمی میں تورات کے احکام بینہ کے مطابق فیصلے صادر کیے۔

1] یہ جملہ مذاہب اس قوم کی اغلال و اصر سے رہائی دلانے کے لیے تھیں۔

2] شریعت موسوی کے احکام میں بھی شدت و سختی بہت زیادہ تھی۔ مثلاً توبہ کے لیے خودکشی یا تحریم دیت یا تحریم غنیمت یا سبب کا قطعاً ترک عمل یا نماز کا کنیسہ سے باہر عدم جواز وغیرہ وغیرہ ان احکام میں سہولت و وسعت کا پیدا کر دینا بھی اصر و اغلال سے رہائی دینے کے برابر تھا۔

3] انصاری

مسیح علیہ السلام نے اپنے لیے بارہ (12) شاگرد چن لیے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کے دو از وہ اسباط (12 قبیلے) کے سامنے مسیح علیہ السلام کی تعلیم کے لیے گواہ ٹھہریں۔ ایسے کامل استاد کی موجودگی میں بھی یہ لوگ ایسے کچے نکلے کہ مسیح علیہ السلام نے کئی بار ان سے فرمایا کہ

اگر ان میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو وہ ایسا اور ایسا کر سکتے، مسیح علیہ السلام ان کو ملامت فرمایا کرتے، کیوں کہ مسیح علیہ السلام کے ساتھ ایک وقت بیدار رہ کر بھی وہ دعا و استغفار میں مشغول نہ رہ سکتے تھے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف بری کے بعد ان بارہ (12) شاگردوں کے درمیان عقائد اور اعمال کے متعلق سخت اختلاف نمودار ہو گئے۔

- ① احکام شریعت (توراة) کی پابندی ضروری ہے یا نہیں۔
 - ② اقوام غیر میں تبلیغ عیسائیت جائز ہے یا نہیں۔
 - ③ ختنہ صرف اسرائیلوں کے لیے یا ہر ایک شخص کے لیے جو عیسائیت میں داخل ہو، ان مسائل پر خوب گرم گرم بحثیں ہوا کرتیں۔
- پولوس (Paul) یہودی ④ جو بارہ شاگردوں میں نہ تھا، بلکہ مسیح علیہ السلام کی موجودگی میں خود مسیح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ستانے والا تھا۔ اب عیسائیت میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کی علمی قابلیت، ان بارہ شاگردوں سے بڑھی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ تحریر و تقریر میں خاص شاگردان مسیح علیہ السلام کو ہالیتا تھا اور اس تعلیم کے مقابلہ میں جس کی بابت مسیح علیہ السلام نے ان کو اپنا گواہ ٹھہرایا تھا، ایک نئی تعلیم پیش کرتا رہتا تھا۔

پولوس (Paul) ہی تھا جس نے اپنے خواب کو شریعت سے بالاتر درجہ دیا اور شریعت کی حرام کردہ اشیاء کو نئی نسل کے لیے حلال ٹھہرا دیا۔ پولوس (Paul) نے اپنی زندگی میں ایک ایسی نظیر قائم کر دی تھی جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے شمع راہ بن گئی۔ کونسلوں پر کونسلیں قائم ہوتی تھیں، نئے نئے اعتقاد بنائے جاتے اور منظور کیے جاتے تھے اور پھر جو کوئی اس اعتقاد وحدہ سے اختلاف رائے کا اظہار کرتا تھا، اسے تگوار اور موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔

کونسلوں کے نزدیک زیادہ ضروری فیصلہ طلب مسئلہ مسیح علیہ السلام کی الوہیت و ابنیت کا تھا۔ کسی نے مسیح علیہ السلام کو دو شخصیتوں اور ایک روح والا اور کسی نے مسیح علیہ السلام کو ایک شخصیت اور دو روح والا قرار دیا تھا۔ کسی نے مسیح علیہ السلام کو زندگی دنیوی تک بشر اور صلیب کے بعد ابنیت پر فائز بتلایا۔ بہت تھوڑے لوگ تھے جو قدیم عقیدے پر قائم رہ گئے تھے اور مسیح علیہ السلام کو بشر اور نبی سے بڑھ کر کچھ تسلیم نہ کرتے تھے۔ تثلیث کا اعتقاد بھی کونسلوں نے نکالا۔ اس اعتقاد کو افلاطون کی تثلیث (اللہ، عقل اور نفس کلی) سے لیا گیا تھا۔ افلاطون کے مسائل یونان میں عام تھے۔ اس لیے یونان میں اس تثلیث پر کوئی اعتراض نہ تھا اور یہ عقیدہ جلد پھیل گیا۔

تثلیث کے قائم کی بابت بھی اختلافات ہوئے۔ کسی نے تثلیث کے ارکان، اللہ، مریم اور مسیح کو کسی نے خدا، جون یعنی یوحنا اور مسیح علیہ السلام کو بتایا، کسی نے خدا اور مسیح علیہ السلام کو قائم خلا شہ ظاہر کیا۔ پھر روح القدس کے متعلق اختلافات شدید ظاہر ہوئے۔

- ① کسی نے بتلایا کہ مسیح کی پیدائش خدا اور روح القدس سے ہوئی۔
- ② کسی نے بتلایا کہ روح القدس کی پیدائش، خدا اور مسیح سے ہوئی۔ یہ اختلافات وہ تھے جو شجر عیسائیت کی جڑ میں جراثیم بن کر اسے سچ و بن سے کھوکھلا کر رہے تھے۔

③ پولوس (Paul) یہودی قبیلہ بنیامین کا ایک کمزور فریسی تھا۔ روم کے شہر ترس میں پیدا ہوا مسیحیت اختیار کرنے کے بعد اپنا نام پولوس ہی کے لفظ نظریات کا دور انجام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد نظریات کا اصل بانی ہی شخص ہے۔ جبکہ مسیح علیہ السلام کی الہامی تعلیمات ہرگز نہیں۔

روما و قسطنطنیہ اور مصر و یروشلم کے کلیسیا اپنے اپنے شرف و بزرگی کے مدعی تھے اور ایک دوسرے پر خارج از دین ہونے کے فتوے جاری کر رہے تھے۔

انہی ایام میں مریم علیہا السلام اور مسیح علیہ السلام کا نمونہ بننے کا شوق بھی ان میں پیدا ہو گیا تھا۔ ہزاروں عورتیں اور ہزاروں ہزار مردان اور منک (راہبات و رہبان) بن جاتے تھے۔ ان کا وجود تمدن دنیا کے لیے بوجھ تھا۔ نیز کلیسا اخلاق و اعمال پر ایک بدناما دھبہ تھا۔ کفارہ کے مسئلہ نے اعمال صالحہ کی رغبت کو مٹا دیا تھا اور مسیح علیہ السلام کے لعنتی اور جہمی بن کر نجات دہندہ بن جانے کی مسرت نے وحشیانہ طبائع کی دستکوں کو مطلق العنان کر دیا تھا۔

مقدس جھوٹ کے مسئلہ نے ہر ایک فتنہ کو اپنی اپنی خواہشات اور قیاسات کے مطابق اعلیٰ سندات بنا لینے کے اختیارات کا مل عطا کر دیئے تھے۔ ان تمام خرابیوں نے مسیحیت کو نہایت مکروہ اور قابل نفرت بنا دیا تھا۔ پرسیٹر، آرڈین، ڈیکین بشپ وغیرہ کے ہاتھوں جو جو رستم عیسائیوں پر ہوئے ان کے سامنے ہیر و ڈیس اور نیرو کے مظالم بالکل بچتے تھے۔ یہی حالت تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

اسلام کے ظل حمایت میں آ جانے کے بعد شام و مصر اور عراق کے عیسائیوں کو اپنے اپنے معتقدات پر رہ کر امن مستحکم کی زندگی نصیب ہوئی۔ اسلام کی حفاظت نے ان اغلال و اصر (تھکڑیوں، طوقوں) کو ان کے جسم سے اتارا، جنھوں نے عیسائیوں کے سردوش اور عقل و ہوش کو زیر بار گرا کر رکھا تھا۔

4) ہندو اقوام

اہل اسلام نے دریائے انڈ و یا سندھ کے شرق میں رہنے والوں کو انڈ و یا ہندو تحریر کیا ہے۔ اس ملک اور قوم کی تاریخ قدیم بالکل تاریک تھی۔ تاہم ایسے آثار قوی پائے جاتے ہیں کہ اس ملک میں بھی کسی زمانہ میں علم کی ترقی ہو چکی ہے۔

ہندو قوم اور ملک اور مذہب و علم کا زوال مہا بھارت کی جنگ سے شروع ہوا۔¹

یہ جنگ کم از کم ڈیڑھ ہزار (1500) سال قبل از مسیح ہوئی تھی۔²

بیان کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان میں کوئی ایک شخص ایسا نہ رہ گیا تھا، جو فریقین (کورو پانڈو) میں سے کسی ایک کا جانب دار نہ ہو۔ ہم اندازاً قیاس کرتے ہیں کہ اس وقت ملک کی آبادی پانچ کروڑ (50000000) تو ضرور ہوگی۔ مگر جنگ کا کیا نتیجہ ہوا کہ طرفین میں سے صرف بارہ (12) مرد زندہ باقی رہ گئے تھے۔ فاتحین نے یہ حالت ہوش رہا کبھی تو انھوں نے بھی جلد از جلد اپنی زندگیوں کا خاتمہ کر دیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام سے چھ صدی پیشتر بد مذہب نے ظہور کیا۔³

بد مذہب نے پالی زبان کو اختیار کیا تھا اور شکر پڑھنے پڑھانے کی ممانعت کر دی تھی۔⁴

وید مت کی جگہ بد مذہب قائم ہو جانے سے قدیم مذہب کی کتابیں نیست و نابود ہو گئیں اور ان کا جاننے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔

شنگر اچاریج (Shankar Achary) نے ان لوگوں سے کچھ مناظرے کیے اور اپنی علییت کا رنگ جمایا، مگر وہ 33-34 سال

¹ ستیا رتھ پرکاش ² قدیم ہندوستان مصدقہ رویش چندرت صاحب ³ بد مذہب کا اصلی نام سدھارتھ ہے۔ خاندانی نام کوتم بد مذہب تعظیمی نام ہے، جس کے معنی بیدار ہیں۔ کپل دستونیا کی لڑائی میں مایا کے وطن سے نجانہ سرودا پیدا ہوا۔ اس کا باپ ساکھیا قوم کا سکھران تھا۔ سماؤ سیودا سے شادی ہوئی۔ رادولا نام فرزند پیدا ہوا۔ 29 سال کی عمر میں فقر اختیار کیا۔ سن ولادت 560 قبل مسیح ہے۔ چھ سالہ عمر میں اظلال کیا۔ دنیا کے مشہور ترین اشخاص میں سے ہیں۔ ⁴ چنڈت و سبے نرائن کی کتاب بد مذہب ص 169۔

کی عمر میں مر گیا۔ اس کی مساعی کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ سنسکرت کو پھر دربار میں جگہ مل گئی، مگر اس کے ساتھ ساتھ شاعرانہ نغلوں اور استغراق نے بھی قدم جمالیے اور حقائق و واقعات پر استعارات کا پردہ پڑ گیا۔

قدیم کتابوں میں سے ایک کتاب مہا بھارت پائی جاتی ہے مگر وہ بھی یار لوگوں کے تصرفات سے محفوظ نہ رہی۔ جس ہزار (20000) اشلوک اس کتاب میں جعلی طور پر شامل کر دیئے گئے۔^[1]

بدھ مذہب (Budhism) کا زور راجہ اشوک (Ashoka) کے عہد تک رہا۔^[2] اس کے بعد بدھ ازم رو بہ زوال ہو گیا۔ بدھ ازم کے اصول متمدن دنیا کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ پھلکشوؤں (گدا گروں) کی لاتعداد جماعت جو بدھ مت نے تیار کر دی تھی، وہی زیادہ اس کے زوال اور حدود ملک سے انتقال کا باعث بھی ہوئی۔ گو پران مت نے بھی اس کو نکالنے میں بہت بڑی جدوجہد کی تھی۔

بدھ مت (Budhism) کے بعد ملک کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ فتنے و فتنوں اور فواجش کا دور دورہ ہو گیا۔ چکرانت دام مارگی، سہر بھگ درشان کپتی، شاکت، ہموارک آوک، رام ایاسک ڈنڈی وغیرہ بیسیوں ایسے فرقتے پیدا ہو گئے، جنہوں نے اخلاق و تہذیب کو جلا کر رکھ کر دیا۔^[3]

یہ فرقتے تمام ہندوستان پر چھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے شراب جو، بدکاری کو مذہب کا لباس پہنا کر پوتر قرار دیا تھا۔ ہندوستان کی یہی بدترین حالت تھی جب سندھ اور شمال مغربی حدود اور جنوبی ہند سے مبلغین اسلام پہنچے۔ انہوں نے ملک کو حقائق و معارف سے روشناس کیا۔ تب دیدہ دروں کو اپنی برہنگی نظر آئی۔ اکثر نے خلعت اسلام زیب تن کیا اور اکثر نے اپنی دھوتی کو خود ہی سنبھال لیا

الغرض یہ وہ اصرار و اغلال تھے، جن سے رہائی ہندو ملک اور ہندو قوم کو نبی ﷺ کے خدام اور تعلیم اسلام کی طفیل حاصل ہوئی۔

5) مجوس

ایران میں نہایت قدیم زمانہ سے سلطنت قائم تھی، انہوں نے قریباً ایک ملٹ کرہ ارض پر جو اس وقت آباد تھا حکومت کی۔ حکومت سے امن، امن سے عیش و عشرت کا وجود پیدا ہوا۔ عیاشی نے دل و دماغ کو کوزہ کر دیا اور ایوان سلطنت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔ مانی (Maani's) کے مذہب نے آئین قدیم کو نیست و نابود کر دیا۔ مردوزن کے طبائع میں شوریدگی و آوارگی پیدا کر دی۔ مزدک نے زن و زوزمین پر سے ملکیت اٹھا دینے سے فحش و ظلم اور طغیان و عصیان کا طوفان پھا کر دیا۔ مائیں اپنے بیٹوں کے عشق کا شکار بنیں اور صاحب تخت و تاج شہزادیاں اپنے افسران فوج کے جذبات حیوانی سے تختہ ہائے موت پر لٹائی گئیں۔ محرمات ابدیہ کو مصنات اولیہ بنائے جانے کے دلائل پسند کیے گئے۔ عصمت و پاک دامنی کو ہر وجہ سے کے لیے ناپاک قرار دیا گیا۔ فرہاد جیسے نمک حرام ملازم اپنے بادشاہ کے رقیب بن گئے اور شیر و یہ جیسے ناخلف پر نے جوش بہمت میں باپ کا شکم چاک کر کے شیریں پر قبضہ کیا۔ سپاہ بد بہرام چوہیں ملکہ پوران وخت کی آتش کدہ عشق کا ایندھن بنا۔

سلطنت ہائے روما و ایران کی عدالت قدیم اور آئے دن ایک سلطنت پر دوسری چڑھائی نے ملک کو بے چراغ بنا دیا تھا۔ اصل مذہب کا وجود باقی نہ رہا تھا۔ مقدس کتب سکندر کی تاخت و تاراج میں گم اور بے نشان ہو چکی تھیں۔ یہ حالت تھی جب

[1] ستیا رتھ پرکاش [2] راجہ اشوک کا عہد 466 ق۔ ڈاکٹر مسز ای کی کتاب بدھ مت: 135 [3] ان ذائقوں کے کثوت سیارتھ پرکاش میں دیکھو۔

اسلام نے اس ملک کو اپنی حمایت میں لیا اور نبی ﷺ کی پاک تعلیمات نے اس وسیع ملک کے باشندوں کو جبر و استبداد اور فحش و ظلم کے بندو زندان سے آزاد کیا۔

قارئین ان حالات کو جو عرب، یہود، عیسائی و ہنود اور مجوس کے متعلق مختصر اقلیم بند کیے گئے ہیں مکرر غور سے پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ یہ شاندار قومیں کس طرح پر قبل از اسلام تظاول زمانہ کے جو رستم سے برباد ہو چکی تھیں۔ کیسی کیسی درماندگی و تیرگی ان پر چھائی ہوئی تھی۔

ان جملہ اقوام کو حضور ﷺ ہی کی عبادت و ہمدردانہ و صادقانہ و بے غرضانہ جو دورِ رحم نے غارِ ہلاکت سے نکالا اور تمدن و حسن معاشرت امن عامہ و عافیت کلیہ سے بہرہ اندوز فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (الاعراف: 157) حضور سرور کائنات ﷺ ہی کی ذات ہمایوں پر صادق و منطبق ہوا۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

خصوصیت نمبر 18

﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ ﴾ [انبیاء: 128]

”تمہارے پاس عظیم الشان رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔“

﴿ 1 ﴾ مِنْ أَنْفُسِكُمْ کے مخاطب اہل عرب اور قریش ہیں۔

اہل عرب کو اپنے حسب و نسب پر بے اعتناء، فخر اور بے حد ناز تھا۔ وہ غیر عرب کی وقعت نہ سمجھتے تھے اور ایسے شخص کی اطاعت کو بھی تنگ و عار سمجھا کرتے تھے۔ لہذا اب رب العالمین نے اہل عرب پر یہ بھی اظہارِ منت و احسان فرمایا کہ یہ عظیم الشان رسول ﷺ جس کا اولین فرض عرب کو ہدایت کرنا ہے، تم ہی میں سے ہے، تم سے غیر نہیں۔

صحیح بخاری میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا ارشاد موجود ہے۔

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونٍ بَيْنِي اَدَمَ قُرْنَا فَقَرْنَا حَتَّى كُنْتُ مِنَ الْقُرُونِ الَّتِي كُنْتُ مِنْهَا ﴿1﴾

”اللہ تعالیٰ نے مجھے قبائل کی شاخ در شاخ میں بہترین شاخ سے مبعوث فرمایا حتیٰ کہ میں اس قرن سے پیدا ہوا جو میرا ہے۔“

صحیح مسلم میں بروایت واہلہ بن اسقع حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى كَنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ وَاصْطَفَى قُرَيْشًا مِنْ كَنَانَةَ وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَيْنِي هَاشِمٍ

وَاصْطَفَانِي مِنْ بَيْنِي هَاشِمٍ ﴿2﴾

اللہ تعالیٰ نے نسل اسماعیل سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم

کو برگزیدہ کیا اور مجھے بنو ہاشم میں سے برگزیدہ فرمایا۔

صحیح ترمذی میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ عم رسول ﷺ کی روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ اہل

قریش بیٹھے ہوئے حسب و نسب کا ذکر اور باہمی تعلقات کا بیان کر رہے تھے۔ حضور ﷺ کا ذکر بھی آ گیا تو انہوں نے

حضور ﷺ کو نخل کدہ سے تشبیہ دی۔ ﴿نبی ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ قَرِينِهِمْ وَخَيْرِ الْفَرِيقَيْنِ ثُمَّ تَخَيَّرَ الْقِبَالَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ قَبِيلَةٍ ثُمَّ تَخَيَّرَ الْبُيُوتَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ بُيُوتِهِمْ فَأَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَخَيْرُهُمْ بِيُوتًا ﴿٢﴾
 ”اللہ تعالیٰ نے خلقت پیدا کی اور ان کی شاخیں بنائیں اور مجھے بہترین شاخ میں رکھا۔ پھر قبائل بنائے اور مجھے بہترین شاخ میں رکھا، پھر بیوت (گھرانے) بنائے اور مجھے بہترین گھرانے میں بنایا۔ لہذا میں ان سب سے بہترین ذات اور بہترین گھرانے کا ہوں۔“

﴿٢﴾ مِنْ أَنْفُسِكُمْ کے مخاطب کل اہل جہاں ہیں اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ رسول جو منصب رسالت کے اعتبار سے عظیم الشان ہے، جنس بشر ہی سے ہے، کیوں کہ اگر وہ جنس ملائک سے ہوتے تو اتحاد جنسیت کے فقدان سے اتحاد و یگانگت کی تکمیل نہ ہو سکتی۔ تعلیم و تعلم میں دشواریاں لاحق ہوتیں اور سب سے بڑھ کر نقصان یہ ہوتا کہ اسوہ رسول کا اتباع کرنے والوں کو صفات ملکوتی پر چلنا محال ہو جاتا اور اتباع نہ کرنے والوں کو سب سے بڑا بہانہ ہاتھ آ جاتا اور ایسی ایسی کہاوتیں استعمال کرتے کہ

کار پا کاں را قیاس از خود مکبر چہ نسبت خاک را با عالم پاک
 اب کہ حضور ﷺ کا نسل انسانی اور جنس بشریت سے ہونا ثابت ہو گیا اور جملہ انواع بشر کو عزت و عظمت ہو گئی۔
 گرچہ خوردیم نسبتے بزرگ ذرہ آفتاب تابا نیم
 اور شیدائیان اتباع کے حوصلے بھی بڑھ گئے اور سنت نبویہ ﷺ کا اقتداء سب کو مرغوب و محبوب ہو گیا۔

﴿٣﴾ صاحب معالم التنزیل اور خازن نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زہری دامن مجھس نے ﴿مِنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ کو یہ فتح فاعلی من أَنْفُسِكُمْ تلاوت کیا ہے۔ اس وقت اس کا مادہ نفاست ہوگا اور اس کے معنی پاکی گوہر اور لطافت طبع اور طہارت ذات میں حضور ﷺ کا افضل خلائق ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اور آیت زیب عنوان میں اسی خصوصیت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔
 خصوصیت نمبر 19

﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ [النوبہ: 128]

”تمہاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے۔“

جب عَزَّ يَعِزُّ (فتح عین) ہو، تب اس کے معنی شاق اور سخت ہوتے ہیں، عَنِتُّمْ جس سے عَنِتُّمْ بنا ہے، کے معنی مشقت، نساؤ، بلاکت، خطا وغیرہ ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جو چیز تم کو مشقت میں ڈالنے والی ہے وہ نبی ﷺ کو نہایت ہی شاق و گراں گزرتی ہے۔
 یعنی تمہاری تکلیف سے نبی ﷺ کو ضرور تکلیف ہوتی ہے، تمہارے درد کو وہ درد سمجھتے ہیں۔
 واضح ہو کہ نبی ﷺ کی یہ صفت کفار اور مومنین دونوں کے حق میں تھی۔

﴿١﴾ یعنی مجبور کا وہ درخت جو سنگ لاش زمین میں ہو، اس سے قریش کا اشارہ نبی ﷺ کے فرزند زیدہ سے ہونے کی جانب تھا۔

﴿٢﴾ ترمذی: 3532, 3607، مناقب الشافعی للذہبی: 1/46، اتحاف السعداء للصحیحین: 89/9، الشفاء: 181/1

﴿ نَبِيٌّ مِّنْ آلِ إِبْرَاهِيمَ ﴾ جب کفار کو کفر و شرک میں دیکھتے اور خیال فرمایا کرتے کہ یہ لوگ کس انجام بد کا شکار ہونے والے ہیں۔ یہ لوگ کیوں کر اپنے ہاتھوں اپنے لیے چاہہاں ہلاکت کھود رہے ہیں۔ تب حضور ﷺ کے دل رحم پرور کو نہایت صدمہ گزرتا تھا۔ بسا اوقات یہ کیفیت اس قدر بڑھ جاتی کہ اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کے تسلیہ و تسکینہ کے لیے اپنا کلام و پیغام بھیجتا پڑتا۔ سورہ یس میں ہے: ﴿ فَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ ﴾ [یس: 76] ان کی باتوں سے آپ اپنا جی براندہ کریں۔ سورہ آل عمران میں ہے: ﴿ وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ﴾ [آل عمران: 176] کفر میں بڑھ بڑھ کر حصہ لینے والوں کی حالت سے آپ اندوہ و گیس نہ ہوں۔

واقعات بدر میں مذکور ہے کہ جب حملہ آوران مکہ قید کر لیے گئے تو رات کو نبی ﷺ کو نیند نہ آئی، ادھر سے ادھر کروٹیں لیتے تھے۔ کرب و اضطراب نمایاں تھا۔ ایک انصاری نے عرض کی کہ حضور ﷺ کو کچھ تکلیف ہے، فرمایا نہیں۔ مگر عباس رضی اللہ عنہما کے کراہنے کی آواز میرے کان میں آ رہی ہے۔ اس لیے مجھے چین نہیں پڑتا۔ انصاری چپکے سے اٹھا، اس نے جا کر عباس رضی اللہ عنہما کی منگ بند کی کھول دی، انھیں آرام مل گیا، تو وہ فوراً سو گئے۔ انصاری پھر حاضر خدمت ہو گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ اب عباس رضی اللہ عنہما کی آواز کیوں نہیں آتی۔ انصاری نے بولا کہ میں نے ان کے بندھن کھول دیے ہیں، فرمایا جاؤ، سب قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرو۔ جب حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ سب قیدی اب آرام سے ہیں، تب نبی کریم ﷺ کا اضطراب دور ہوا اور حضور ﷺ خواب شیریں سے استراحت گزریں ہوئے۔ ﴿

ذرا سوچنا ہے، قید وہ تھے جنہوں نے 13 سال تک متواتر اہل ایمان کو ستایا تھا، کسی کو آگ پر لٹایا کسی کو خون میں نہلایا، کسی کو بیماری پتھروں کے نیچے دبایا، کسی کو سخت اذیتوں کے بعد خاک و خون میں سلایا تھا اور پھر ان پر یہ نرمی، یہ سلوک۔ عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے تاپا تھے اور جہاں تک معتبر روایات سے معلوم ہوا ہے وہ بادل ناخواستہ صرف قوم کے اکراہ و اجبار سے بدر میں آئے تھے۔ ہاں ہمہ حضور ﷺ کے عدل و انصاف نے ان میں اور دوسرے قیدیوں میں کوئی امتیازی فرق قائم کرنا پسند نہ فرمایا۔

لیکن حضور ﷺ کی رحم دلی اور طبی شفقت و رافت کا یہ عالم تھا کہ جب تک سب قیدیوں کے بد آرام ہونے کی رپورٹ نہ ملی اس وقت تک حضور ﷺ کو نیند تک نہ آئی۔

﴿ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ کا یہ جلوہ ایسے حملہ آوران و دشمنان جانی و ایمانی کے مقابلہ میں تھا۔

﴿ نَبِيٌّ مِّنْ آلِ إِبْرَاهِيمَ ﴾ ہجرت فرما کر رونق افروز مدینہ ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان ﴿ وَ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيهِمْ ﴾ [الأنعام: 33] کا مفہوم ظاہر فرمایا اور اہل مکہ پر قحط شدید کی آفت کو اتارا۔ قحط اس شدت کا تھا کہ اہل مکہ کی آنکھوں کی روشنی بھی کم ہو گئی تھی۔

ابوسفیان اموی ہمیشہ مسلمانوں سے برسر پر خاش رہا کرتا تھا وہ خود دربار مصطفوی ﷺ میں حاضر ہوا اور نہایت ادب سے عرض گستر ہوا کہ حضور ﷺ ہمیشہ احسان اور صلہ رحم کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ ہم حضور ﷺ کے قرائقی ہیں اور رحم کے جتنی۔ احسان

فرمائیے اور دعا کیجیے کہ اس قحط شدید سے ہم کو نجات ملے۔ ﴿۱﴾

نبی ﷺ نے ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہما سردار نجد کو جو دولت ایمان سے مالا مال ہو چکا تھا، حکم بھیج دیا کہ مکہ میں فوراً غلہ پہنچانے کا بندوبست کرے۔ اس کے علاقہ میں اناج بکثرت تھا۔ اس نے غلہ صرف اس لیے روک رکھا تھا اور منفعت تجارت کو بھی نظر انداز کر دیا تھا کہ اہل مکہ دشمنان رسول ہیں۔ اب حکم نبوی ﷺ کی تعمیل ہوئی اور اہل مکہ کی جان میں جان آئی۔ ﴿۲﴾ یہ بھی دشمنوں کے مقابلہ میں ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ کا ایک ثبوت تھا۔

﴿۳﴾ جنگ طائف ان حملہ آوروں کے ساتھ ہوئی، جن سے حنین و اوطاس میں شدید محاربہ ہوا تھا۔ یہ لوگ ان مقامات سے شکست کھا کر قلعہ طائف میں مستحکم ہو گئے تھے اور ابھی ان کی فوجی طاقت زوروں پر تھی۔ نبی ﷺ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ چند روز کے بعد حضور ﷺ کو معلوم ہوا کہ دشمن محاصرہ کی شدت سے سخت تکلیف میں ہے۔ بھوک نے ان کی ہلاکت کو بہت قریب کر دیا ہے۔ حضور ﷺ نے محاصرہ اٹھا دینے کا حکم دے دیا۔ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے عرض بھی کیا کہ اب تو قلعہ فتح ہی ہونے والا ہے۔ مگر حضور نے ازراہ رحم و کرم جو حکم دیا تھا اس کی تعمیل کرائی۔ یہ ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ کا تیسرا نمونہ ہے۔

ان نظائر سے واضح ہو جاتا ہے اور ایسے نظائر اور بھی بہت ہیں کہ قلب رحیم اور طبع کریم پر اہل محاربہ کی حالت زبوں اور انجام دگرگوں کا کیا اثر ہوا کرتا تھا۔

اہل اسلام کے متعلق حضور ﷺ کی رحمت و شفقت کا بیان بے پایاں ہے۔

عبادات و معاملات میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ امت کو دشواری سے بچانے کے لیے یا امت کی آسانی کے لیے حضور ﷺ کیا کچھ توجہ فرمایا کرتے تھے۔

یعنی امت کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور امت کی راحت کو اپنی راحت قرار دے رکھا تھا۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو جہہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شب معراج کو پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے نبی ﷺ سے کہا: ﴿اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ﴾ (آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں) تب حضور ﷺ نے رجوع الی اللہ فرمایا۔ تخفیف ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی حضور ﷺ کو وہی کہا جو پہلے کہا تھا اور نبی ﷺ ہر بار رجوع الی اللہ فرماتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ ﴿۴﴾

اس واقعہ سے دو نتیجے صاف طور پر برآمد ہوتے ہیں۔

﴿۱﴾ نبی ﷺ فرمانِ رحمن کے کتنے منقاد و مطیع تھے کہ جب پچاس نمازوں کا حکم ہوا تو حضور ﷺ نے اس بارہ میں ذرا بھی لب کشائی نہیں فرمائی۔

﴿۲﴾ حضور ﷺ اپنی امت پر کس قدر مہربان تھے کہ موسیٰ کلیم اللہ ﷺ جیسے تجربہ کار نبی نے ﴿اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ﴾ کو دہرایا تو فوراً اس پاک فطرت کا ظہور ہوا جو ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ کی تحت میں پنہاں تھی اور حضور ﷺ نے بار بار رجوع الی اللہ فرمایا۔

اس حسن ادب اور التماس متواترہ کا ثمرہ یہ ہوا کہ تعداد تو پچاس سے پانچ رہ گئی اور ثواب وہی پچاس (50) کا رکھا گیا۔

﴿۱﴾ بخاری: 1070, 1020 ﴿۲﴾ بخاری: 4580, 4372، مسند الخلفاء: 1/478 ﴿۳﴾ بخاری: 349، دلائل الختمۃ للصحیحی: 159/5، طبرانی فی المعراج: 348/4

میرا خیال ہے کہ اگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام ﴿إِنَّ أَمْتَكَ لَا تُطِيقُ﴾ کے فقرہ کا استعمال نہ فرماتے اور حضور ﷺ کو کسی اور دلیل سے التماس تخفیف پر مائل کرنا چاہتے تو وہ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکتے۔

نبی ﷺ کے کمال عبودیت اور ذوق شوق عبادت کے سامنے تو پچاس (50) نمازوں کی کثرت بھی کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ وہ قلب شا کر اور لسان ذکر جو یاد الہی سے ایک دم کے لیے غافل نہ ہوتے ہوں ان کے لیے محدود وقت میں محدود رکعتوں کا ادا کر لینا کیا دشوار ہو سکتا ہے۔

④ ماہ رمضان تھا، نبی ﷺ مدینہ سے مکہ معظمہ کو تشریف لا رہے تھے، حضور ﷺ روزے رکھا کرتے تھے، جب یہ مقام حسفان پہنچے تو حضور ﷺ نے پانی منگایا اور دست مبارک کو بلند کرتے ہوئے لوگوں کو دکھلا کر پانی پی لیا اور پھر مکہ پہنچے تک روزہ نہ رکھا۔ ⑤ یہ ترجمہ توحیح بخاری کی روایت عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے، لیکن دیگر روایات میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے اس لیے روزہ افطار فرمایا اور ترک صوم کیا تھا کہ اہل لشکر کو سفر میں روزہ کی شدت تکلیف دہ تھی اور امت کی تکلیف سے حضور ﷺ خود تکلیف محسوس فرماتے تھے۔

⑤ صلوٰۃ التراويح کے متعلق صحیحین اور سنن میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دو شب یہ نماز لوگوں کے ساتھ پڑھی اور تیسری شب کو حضور ﷺ مسجد میں اس نماز کے لیے تشریف نہ لے گئے۔ اور پھر صبح کو لوگوں سے فرمایا:

قَدْ رَأَيْتُ صَنِيعَكُمْ فَلَمْ تَمْنَعِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْرُضَ عَلَيْكُمْ ⑥

”اس نماز کے لیے تمہارا آنا، انتظار کرنا وغیرہ میں نے دیکھا، مجھے آنے میں صرف یہ خیال مانع ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے۔“

⑥ صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز تہجد میں تھے، میں حضور کے ساتھ شامل ہوا، حضور ﷺ نے میری اقتداء کو محسوس کیا تو نماز ہلکی کر دی۔ ⑦

⑦ ام المومنین عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے شیوہ عمومی کو ان الفاظ میں روایت فرمایا ہے:

إِنَّ حَمَانَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَدْعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ خَشْيَةً أَنْ يَعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيَقْرُضَ عَلَيْهِمْ ⑧

”نبی ﷺ ایسے عمل کو بھی چھوڑ دیتے تھے جس کا کرنا حضور ﷺ کو پسند ہوتا، اس خیال سے کہ لوگ بھی عمل کرنے لگیں گے اور ڈر ہوتا کہ کہیں وہ عمل فرض نہ ٹھہرا دیا جائے۔“

ان جملہ روایات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ کی صفت حضور ﷺ میں کیسی مستحکم تھی اور امت کی تکلیف کا خیال حضور ﷺ کو کس قدر شاق تھا۔

یہ محبت، یہ شفقت، یہ ترحم یہ بیار تو ماں باپ کو بھی اپنی سب اولاد کے ساتھ یکساں نہیں ہوتا جو حضور ﷺ کو اپنے ہزاروں ہزار اور الوف در الوف افراد امت کے ساتھ تھا۔

① بخاری: 1944، 1948، مسلم: 2604، نسائی: 2312، بخاری: 1119، 2011، مسلم: 1783، ابوداؤد: 1373، نسائی: 2192، کنز العمال: 21542

② بخاری: 1135، مسلم: 1815، ترمذی: 1418، ③ بخاری: 1128۔

بے شک حضور ﷺ کی رحمت رب العالمین کے بعد ہر ایک رحم کرنے والے اور محبت کرنے والے سے برتر اور بڑھ کر تھی۔

خصوصیت نمبر 20

﴿ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ ﴾ [التوبة: 128]

”تمہاری منفعت کے خواہش مند ہیں۔“

جب حرص کا استعمال علی کے صلہ سے کیا جاتا ہے تو اس کے معنی شدت طلب ہوتے ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہوا ”ہمارا نبی ﷺ تم لوگوں کی نفع رسانی کا کمال درجہ طالب و شائق ہے۔“

آیت بالا سے بوضوح ثابت ہے کہ نبی ﷺ کو نبی نوع کے مفاد اور رفاه و صلاح کی آرزو بہ درجہ کمال تھی۔

سورہ یوسف میں ہے: ﴿ وَمَا أَكْفَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ﴾ [یوسف: 103]

”بہت لوگ ہیں جو ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تجھ کو ان سے ایمان لے آنے کی بڑی چاہت ہے۔“

اس آیت سے بھی یہی استفادہ ہوا کہ حضور ﷺ کا منہائے نظر اور کمال آرزو یہی تھا کہ تمام عالم کے سر ایک ہی مالک و وحدہ

لا شریک لہ کے سامنے جھکے ہوئے ہوں۔

رب واحد کا دین واحد ہی تمام اصناف انسانی کو متحد و متفق بنانے والا ہو۔

قریش کے سردار عقبہ نے ایک بار نبی ﷺ سے مل کر یہ عرض کیا تھا۔

① کیا تم مال و دولت چاہتے ہو؟

میرا ذمہ ہے کہ سب سے زیادہ مال و زرتیرے پاس جمع کر دوں گا۔

② کیا تم ریاست کے خواہاں ہو؟

ہم سب تجھے اپنا رئیس تسلیم کر لیتے ہیں۔

③ کیا تم تخت قائم کرنا چاہتے ہو؟

میں سارے عرب سے تیری فرماں روائی کی تصدیق کرادوں گا۔

نبی ﷺ نے فرمایا، مجھے نہ زر و دولت کی ضرورت ہے اور نہ ریاست و حکومت کی آرزو ہے۔ میں تو رب العالمین کا پیغام

لے کر آیا ہوں اور اسی کا ہر ایک سننے والے کان تک پہنچا دینا میرا مقصود اعلیٰ ہے۔ ④

ایک بار ابو جہل لعین نے حضور ﷺ کو مضروب کیا۔ حذرہ عم رسول ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو انھوں نے ابو جہل کو چاہینا اور

پھر نبی ﷺ کو آ کر بتلایا: محمد ﷺ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ میں نے ابو جہل سے تمہارا انتقام لے لیا۔

نبی ﷺ نے جواب دیا، مجھے انتقام وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں، ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔

④ سیر اعلام النبلاء: 1/84، دلائل النبوة للبيهقي: 1/450، عيون الاثر: 1/106، نهاية الارب: 16/211

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات جم گئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔^[1]

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کا دامن اغراض کے گرد و غبار سے بلند تر تھا۔ حضور ﷺ کی تعلیم اور تعلیم کے لیے بے حد سرگرمی کسی ذاتی مفاد پر مبنی نہ تھی۔ انتقام اور دیگر رذائل سے حضور ﷺ کے اخلاق عالیہ پاک صاف تھے، یعنی حضور ﷺ کی آرزو اپنے نفس کے لیے کچھ بھی نہ تھی۔ حضور ﷺ کا پیکر محبت کل تھا اور حضور ﷺ کا وجود منفعت عامہ اور وجود عامہ کی صفات سے مشکل و مجسم تھا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ذرا حضور ﷺ کی ان ادعیہ پر نظر ڈالو جو وقتاً فوقتاً حضور ﷺ نے امت کے حق میں فرمائی ہیں۔ وفات سے ایک ماہ پیشتر ایک خطبہ کے آغاز میں فرمایا:

مسلمانو! اللہ تمہیں سلامتی سے رکھے، تمہاری حفاظت فرمائے، تمہیں شر سے بچائے، تمہاری مدد کرے، تم کو بلند کرے، ہدایت اور توفیق دے۔ اپنی پناہ میں رکھے، آفتوں سے بچائے، تمہارے دین کو تمہارے لیے محفوظ بنائے۔^[2]

ذرا ان الفاظ پر غور کرو، ایک کے بعد دوسری دعا اور دوسری کے بعد تیسری۔ گویا دعا و برکت دیتے تھکتے ہی نہیں۔ یہ اسی صفت حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ کا ظہور ہے۔

اور یہ خصوصیت ذات ہمایوں ہی کی ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى نَبِيِّكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ۔

خصوصیت نمبر 21

﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ﴾

”وہ مومنوں سے بہت زیادہ پیار کرنے والا اور ان پر ہمیشہ رحم کرنے والا ہے“

آیت بالا میں نبی ﷺ کو رؤوف اور رحیم کے اسما سے یاد فرمایا گیا ہے۔

رؤف رافت سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔

رحیم رحم سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو صیغہ مبالغہ کے اوزان^[3] (پر آتے ہیں، وہ معنی کثرت و فراوانی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ اور جو صیغہ صفت^[4]

مشبہ کے اوزان پر آتے ہیں وہ صفت لازم اور معنی ثابت کے مظہر ہوتے ہیں۔

لہذا رؤف کے معنی کامل العطف ہیں اور رحیم کے معنی دائم الرحمت ہیں۔ سورہ حج اور سورہ بقرہ میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرؤُفٌ رَّحِيمٌ﴾ [الحج: 65] ”اللہ تعالیٰ انسانوں پر رؤف و رحیم ہے۔“

[1] حلیۃ الاولیاء، ایویم: 1/40، ابن ہشام: 1/185 [2] تاریخ طبری اردو میں 2/399 [3] مبالغہ کے اوزان دس ہیں اور مندرجہ ذیل لغات ان اوزان پر ہیں: (1) تَجَاوَزَ (2) غَلَامَةٌ (3) صَدِيقٌ (4) مَسْكِينٌ (5) مَسْعَرٌ (6) مِعْطَارٌ (7) نَصِيْرٌ (8) ضَرْوْبٌ (9) جَلْدٌ (10) قَارُوْقٌ مبالغہ ہمیشہ فاعلیت کے معنی دیتا ہے۔ [4] صفت مشبہ فعل لازم سے معنی قائل آتا ہے۔ مندرجہ ذیل لغات اس کے وزن ظاہر کرتے ہیں: (1) حَسَنٌ (2) كَلْبٌ (3) ضَعْبٌ (4) عَيَانٌ (5) ضَخَاعٌ (6) ضَبِيْعٌ (7) مُهْدٌ (8) اَضْيَبٌ (9) عَطَشَانٌ (10) مَجْرِيْمٌ (11) وَفُوْرٌ (12) فَرِحٌ ہے۔ اسے مشبہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بھی معنی اور تصرف میں اسم قائل کے مشابہ ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کے حق میں یہ امر نہایت شرف و عزت اور غایت و کرم و حرمت کا موجب ہے کہ حضور ﷺ کی صفت میں وہ دو نام بہ حالت ترکیبی تجویز فرمائے گئے جو اسی ترکیب کے ساتھ خود ذات پاک سبحانی کے لیے مستعمل ہوئے ہیں۔
ہاں! اللہ اکبر کی رافت و رحمت کو عوام الناس پر عام فرمایا گیا ہے اور حضور ﷺ کو رافت و رحمت و بالخصوص مومنین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ فہم معانی میں اس عموم و خصوص کا امتیاز یاد رکھتے ہوئے مومنین کے شکر و اجتناب کا مقام ہے کہ ان کو المضاہف و عطفوت کا مورد و مصداق بنایا گیا ہے۔

مناسب مقام سے یہ بحث بھی ایک لطیف بحث ہے کہ کیا دیگر اسمائے مبارکہ میں بھی نبی ﷺ کے لیے ایسا شرف و امتیاز موجود ہے۔
حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

وَهَقَّ لَكَ مِنْ اسْمِهِ لِيَجْلَهُ قَدْ وَ الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَ هَذَا مُحَمَّدٌ

اگر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ الموبد بروج القدس کی سنت حسنة کا اقتدار کیا جائے، تب تو حضور ﷺ کے اسی (80) سے زیادہ ایسے اسمائے گرامی نکلیں گے جن کا توافق و تطابق اسماء اللہ الحسنى سے ہو جاتا ہے۔

سیرت نبویہ ﷺ کے ائمہ الاعلام کا شیوہ رہا ہے کہ:

① جس مصدر یا فعل کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی توصیف کتاب جمید میں فرمائی ہے۔ اس سے اسم بنا لیتے ہیں۔

② جس صفت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی توصیف الفاظ حدیث میں آئی ہے، اسے اسم شمار کر لیتے ہیں۔

③ جن اعلان کے ساتھ اشعار میں جو حضور ﷺ کے سامنے پڑھے گئے حضور ﷺ کو مخاطب یا موصوف کیا گیا ہے،

ان کے اسماء کے ذیل میں شامل کر لیتے ہیں۔

ائمہ سیرت کا یہ شیوہ مستحسن ہے اور حسن ادب، نیز کمال ادب پر دل ہے۔ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں اسمائے مبارکہ کی جو

فہرست و ترتیب حروف تہجی درج کی گئی ہے وہ انہی اصول ثلاثہ پر مبنی ہے۔

مندرجہ بالا اصول کی صراحت کے بعد قابل گزارش ہے کہ حضور ﷺ کے جن اسماء کی صراحتاً تطبیق کلام ربانی سے ہوتی ہے،

ان کا شمار بانوے (92) ہے۔ ان اسماء کے معانی کی بحث تو آگے چل کر آئے گی۔ اس جگہ حضور ﷺ کے وصف رافت و رحمت کے متعلق مختصراً کچھ لکھ دینا ضروری ہے۔

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَأَخَّرُ لَنَا بِالْمَوْعِظَةِ مَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا۔ ④

”نبی کریم ﷺ ہم کو گاہ بہ گاہ وعظ سنایا کرتے، اس اندیشہ سے کہ روزانہ وعظ سننا ہم پر گراں نہ گزرے۔“

نبی ﷺ کا یہ اصول ازراہ شفقت و رافت تھا کہ سامعین جس قدر بھی سنیں نشاط طبع اور حضور قلب سے سنیں اور آئندہ کے

لیے شوق تمام باقی رہے۔

عادت مبارکہ تھی کہ جب بہ حالت نماز کسی بچہ کے رونے کی آواز سن پاتے تو نماز بجلی فرما دیتے کہ ماں بچہ کو جلد سنبھال

سکے۔ عادت مبارکہ تھی کہ سوار ہو کر کسی کو پایادہ ہر کاب چلنے کی اجازت نہ فرماتے تھے۔ اگرچہ بہت سے فدائی اس خدمت کے تمنائی رہے، یا تو اسے سوار کر لیتے تھے یا واپس لوٹا دیتے تھے۔ عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی مسلمان مقروض مر جاتا تو اس کا قرض بیت المال سے قفل اذتہ فین ادا فرما دیتے تھے، مگر خود کسی مردہ کا مال قبول نہ فرمایا کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے، کسی کی غیبت میرے سامنے مت کرو، میں نہیں چاہتا کہ کسی کی طرف سے میری صاف دلی میں فرق آئے۔ بارہا ایسا ہوا کہ ساری ساری رات امت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزر جاتی تھی۔ چھوٹے بچوں کو پیار کرتے، ان کو خود سلام کیا کرتے، ان کے سر پر دست شفقت رکھتے، گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں کو اپنی سواری پر آگے پیچھے سوار کر لیتے، غلاموں کے ساتھ سفید زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں شامل ہو جاتے۔

ان سب امور کا نظہور ازراہ شفقت و رافت ہوا کرتا تھا اور اس بلند ترین رافت و رحمت کا نظہور حضور ﷺ پر نور کے خصائص میں سے تھا۔

صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

خصوصیت نمبر 22

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ﴾ [28۶]

”ہم نے تجھے جملہ نوع انسانی کے لیے بھیجا ہے۔“

کتاب فروع، باب سوم میں ہے:

موسیٰ علیہ السلام نے ایک بوٹے میں آگ کے شعلے نکلتے دیکھے اور دیکھا کہ وہ بوٹا جل نہیں جاتا، وہ یہ دیکھنے کو آگے بڑھے، جب اللہ نے بوٹے کے اندر سے پکارا۔ (6)

میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں یقیناً دیکھی، جو فرج کے مصلوں کے سبب سے ہے۔ سنی اور میں ان کے دکھوں کو جانتا ہوں۔ (7)

اور میں نازل ہوا ہوں کہ انھیں مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کر اچھی زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے، کنعانوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرضیوں اور حویوں اور یوسیبوں کی جگہ میں لاؤں۔ (8)

اب دیکھ، بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔ (9)

بس اب توجہ، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں، میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں، مصر سے نکال۔ (10)

مندرجہ بالا فقرات (7، 8، 9، 10) موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے مقصد و مدعا کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کا عمل بھی اسی کی تائید میں ہے کہ انھوں نے بنی اسرائیل کی رہائی اور ان کو وعدہ کی زمین کی جانب لے جانے کے سوا دیگر اقوام عالم سے کچھ سروکار نہیں رکھا۔

کتاب استثناء (موسیٰ کی پانچویں اور آخری کتاب) میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہم کو ایک شریعت فرمائی جو کہ یعقوب کی جماعت کی میراث ہو۔ باب 32 درس 4

اس فقرہ نے شریعت تورات کا خاص اسرائیلیوں کے لیے ہی ہونا ظاہر کر دیا۔ اگر یہ فقرہ نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ کوئی مدعی کہہ سکتا

کہ شریعت تورات سب دنیا کے لیے ہے۔

یہ مسئلہ امر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیائے بنی اسرائیل ہوئے وہ سب اسرائیلیوں کے لیے آتے رہے۔ اب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہم کو صراحتاً ظاہر کر دینا ہے کہ ان کی نبوت کن کن لوگوں کے لیے تھی۔

(الف) انجیل متی کا باب 15 پڑھنا ضروری ہے، جس میں ایک کنعانی عورت کا قصہ موجود ہے۔ یہ عورت اسرائیلی نہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس اس لیے آئی ہے کہ حضور اپنی معجزانہ طاقت سے اس کی بیمار بیٹی کو چنگا کر دیں۔ مسیح علیہ السلام نے فرمایا: میں اسرائیل کے گھر کی کھوٹی ہوئی بیٹیوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ 24/15

”پروہ آئی اور اسے سجدہ کر کے کہا: اے خداوند میری مدد کرو۔“ 25/15

مسیح علیہ السلام نے جواب دیا: مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیں۔“ 25/15

اس تمام واقعہ پر ٹھنڈے دل سے اور پوری سمجھ سے تامل کرنا چاہیے کہ مسیح علیہ السلام نے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ وہ بنی اسرائیل کے سوا اور کسی قوم کے پاس نہیں بھیجے گئے۔ انھوں نے صاف طور پر بنی اسرائیل کو فرزند سے اور دیگر اقوام کو کتوں سے تشبیہ دی اور دیگر اقوام کو اپنی برکات سے محروم ہونا اور محروم کرنا، اس دلیل سے واضح کر دیا کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو نہیں دی جایا کرتی۔

انجیل متی میں ذکر ہے کہ جب مسیح علیہ السلام نے اپنے بارہ (12) شاگردوں کو تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا تو یوں کہا: ”غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا“ 10/5

اس سے ظاہر ہے کہ غیر اقوام میں تبلیغ کی قطعاً ممانعت فرمائی گئی اور اسرائیلیوں میں سے بھی سامریوں کے پاس جانے سے روکا گیا۔ یہ اسناد اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام کی نبوت اور ان کے بارہ (12) شاگردوں کے فرض تبلیغ کا رقبہ صرف اسرائیلیوں کے اندر اندر محدود تھا۔

انبیائے بنو اسرائیل کے بعد دیکھو کہ دنیا میں اور کون سے مذہب میں تبلیغ شان موجود ہے

عام لوگ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ بدھ مت میں تبلیغ عام کا وجود پایا جاتا ہے، لیکن بدھ مذہب کی صد ہا سالہ تاریخ پر عبور کر جاؤ۔ انھوں نے ہندو جاتی کے سوا کبھی اپنے عروج کے زمانہ میں بھی کسی دوسری قوم کو تبلیغ تک نہیں کی اور کسی غیر مذہب اسرائیلی، بابلی، مصری، حجازی، مغربی وغیرہ کے معتقد کو داخل مذہب خود نہیں کیا۔ سلسلہ نکال کی یہ زبردست شہادت بدھ ازم کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لیے خاص بتا رہی ہے اور اگر آریہ سماج کی تحقیقات کسی حقیقت کا انکشاف کر سکتی ہے تب تو یہ بھی ہے کہ بدھ ازم کوئی علیحدہ ازم نہ تھا، بلکہ بدھ مہاراج وید مت کو تازہ کرنے والے تھے۔ ❶

اب وید مت کو لیجیے۔ وید مت کے عروج کا زمانہ مہابھارت کی جنگ سے جو شتر کا ہے۔ وید اور چھ شاستر اور منوسمرتی خاموش ہیں کہ وید مت کو کبھی تبلیغی مذہب بتایا گیا ہو، یا کسی اقوام غیر میں اس کی تبلیغ کی گئی ہو۔ منوجی مہاراج کی سمرتی کو آریہ اور سناتنی صاحبان بالاطفاق قابل سند تسلیم کرتے ہیں، اس سمرتی میں تمام آبادی کو چار دونوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور تحصیل علم و فضل اور قرأت وید کا کام صرف برہمن ورن کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یہ تقسیم، یہ پابندی بتلا رہی ہے کہ منوجی مہاراج اور ان کے ماتحت رشیوں نے جو سمرتی مذکور ❶ سماج کی یہ تحقیقات اس لیے سمجھیں کہ بدھ نے سنسکرت زبان کی تعلیم اور وید کے تعلم سے لوگوں کو روک دیا تھا۔ اس امر کا اقرار خود بدھ ازم کے مصنفین کو ہے۔

کے سیکھنے کے لیے مجتمع ہوئے تھے، ویدمت کو کبھی تبلیغی مذہب نہیں قرار دیا تھا۔
 دنیا کے چھوٹے چھوٹے مذاہب کا ذکر یہاں چھوڑ دیا جاتا ہے۔
 مذکورہ بالا شاندار اقوام کا سلسلہ تعالٰیٰ بھی یہی یقین دلاتا ہے۔
 غور کرو کہ شریعت موسوی کا امام کبھی کسی غیر اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ روما کے کلیسا نے پطرس (Peter) کا جانشین یعنی مسیحی
 برکات کا مخزن کبھی کسی غیر یورپین کو تسلیم نہیں کیا اور ایشیائی نسل کا کوئی شخص کبھی پوپ نہیں بنایا گیا۔
 ہندو قوم میں کبھی کوئی یہودی یا عیسائی یا مغربی نسل کا شخص رشی یا مہارشی بلکہ کسی مندر کا پجاری بھی نہیں بنایا گیا۔
 یہ عملی تجربے ثابت کر رہے ہیں کہ ان مذاہب کے پیشتر بزرگوں نے حقیقتاً اپنے اپنے مذاہب کو محدود درجہ اور محدود قوم کے لیے
 خاص سمجھا ہوا تھا۔

نبی ﷺ کے اس منصب کا کہ حضور ﷺ کل دنیا کے لیے مبعوث ہیں۔ آیت زیب عنوان کی دیگر آیات میں بھی اعلام
 ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [الاعراف: 158]
 ”اے نبی ﷺ کہہ دیجیے کہ اے نسل انسانی کے بچو! میں سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ تو آسمانوں
 اور زمین کا مالک ہے۔“

خصوصیت نمبر 23

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ [التح: 10]

”جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔“
 مباہیت بیعت سے ہے۔ لغت میں بیعت مطلقاً بمعنی مبادلہ ہے۔ شرعاً اخذ ثمن اور عطائے ثمن کو جب کہ بہ تراضی جائین ہو، بیعت
 کہتے ہیں۔

بیعت بمعنی شرا اور شرا بمعنی بیعت بھی مستعمل ہے۔ یہ جائین کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ الغرض مباہیت میں جائین کو کچھ دینا اور
 کچھ لینا ضروری ہے۔

بیعت، اصطلاح میں اس عہد و پیمان کو کہتے ہیں جو اطاعت امام کے متعلق انسان اپنے نفس پر عائد کر لیتا ہے۔ وفائے عہد کا
 التزام بھی اسی لفظ کے اندر شامل ہے۔

جس بیعت کا آیت بالا میں ذکر ہے وہ بمقام حدیبیہ درخت سراء کے تحت میں ہوئی تھی۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [التح: 18]

”اللہ ان سب مومنوں سے راضی ہو گیا جو کہ شجرہ کے نیچے رسول اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔“

اس بیعت کی ضرورت و درحقیقت یہ تھی کہ نبی ﷺ نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ کے لیے اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا، ان کی معیت میں دس (10) صحابہ بھی بھیجے گئے۔ ان کے پہنچ جانے سے ایک دو روز بعد حضور تک ایک اڑتی ہوئی خبر پہنچی کہ قریش نے حضور ﷺ کے سفیر عثمان رضی اللہ عنہ کو قید اور ان کے ہمراہیوں کو قتل کر دیا ہے۔ یہ ایسا واقعہ تھا کہ اگر اس کی صداقت ہو جاتی تو حرمت سفارت اور احترام سفر کے لیے جنگ کرنا اخلاقاً و شرعاً ضروری تھا۔ اس وقت جو لوگ حضور ﷺ کے ساتھ آئے ہوئے تھے وہ صرف ادائے عمرہ و طواف کی نیت سے آئے تھے۔ ان کے علم میں اس امر کا احتمال بھی نہ تھا کہ کسی جنگ سے سابقہ پڑے گا اور مہاجرین کو خود اپنے خویش و تبار اور قرابت داروں کے منہ پر تلوار چلائی ہوگی۔

لہذا یہ بیعت کر لینی پڑی۔

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ اس وقت ان بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو (1400) کس تھی۔ [1] نبی ﷺ انہوں پر رشت کے سایہ میں نور افروز تھے، بیعت لینے کے لیے دست مبارک پھیلا یا ہوا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کو حضور ﷺ کے ہاتھ کا سہارا بنایا ہوا تھا کہ یہ مبارک کونکان نہ ہو۔

لوگ آتے تھے اور یکے بعد دیگر بیعت کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ سلمہ بن اکوع سلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے بیعت علی الموت کی تھی۔ اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے عدم فرار کی بیعت کی تھی۔ ہر دو روایات کی تطبیق سے مستنبط ہوا کہ الفاظ بیعت کو خود بیعت کنندہ کے پسند اور اختیار پر رکھا گیا تھا۔ بے شک حریت اسلام ایسی ہی حریت نفس کی معلم ہے، جس میں اجبار و اکراہ کا شائبہ بھی نہ ہو۔

اس جم غفیر کے اندر صرف ایک شخص جد بن قیس سلمی ایسا تھا جو اپنے اونٹ کی اوٹ میں جا چھپا تھا اور بیعت میں شامل نہ ہوا تھا۔ حریت اسلام کی یہ دوسری دلیل ہے کہ اس پر بھی کچھ سختی نہیں کی گئی۔ البتہ حضور ﷺ نے مباہلین کا شرف جاہ ظاہر کرنے کے لیے یہ ضرور فرمایا:

انتم خیر الأَرْضِ "آج تم روئے زمین کے جملہ موجودہ اشخاص سے بہتر و نیک تر ہو۔" [2]

اس بیعت کا ذکر کلام اللہ کی متعدد آیات میں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے رضوان الہیہ کا تعلق مستحکم اور رابطہ تویم ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ [البقرہ: 111]

"اللہ نے مؤمنین کی جانوں کو خرید لیا ہے اس تبادلہ میں کہ جنت ان کی ہے۔"

فرمایا: ﴿فَاسْتَبِشِرُوا بِبَيْعِكُمْ الَّتِي بَايَعْتُمْ بِهِ﴾ [البقرہ: 111]

"اپنی ایسی بیچ پر تم کو پوری پوری خوشیاں منانی چاہئیں۔"

میں نے اس آیت کا ذکر خصائص النبی ﷺ میں اس لیے کیا ہے کہ اس سے ایک نہایت ہی خاص فضل محمدیہ ﷺ کا ثبوت

حاصل ہوتا ہے۔

غور کرو کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بائعین ذات قرار دیا ہے۔ اور یہ وہ شرف ہے جو کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

آیت زریب عنوان ﴿يَذُ اللّٰهُ فَوْقَ اَيْدِيهِمْ﴾ [التح: 10] کے الفاظ ہیں۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ لفظ يَذُ ہر دو جگہ میں یا تو بمعنی واحد مستعمل ہوا ہے یا الگ الگ معانی ہیں۔

① اگر "يَذُ" کے معنی ہر دو جگہ ایک ہی ہیں، تب معنی آیت یہ ہیں کہ احسان الہی تمہارے احسان سے برتر و اعلیٰ ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِذٰلِكَ اَنْتُمْ اَبْرٰءٌ﴾ [الحجرات: 17]

”بلکہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت فرمائی۔“

نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو جو نصرت و تائید منجانب اللہ حاصل ہے۔ وہ اس تائید و نصرت سے بہت برتر و اعلیٰ ہے جو حضور ﷺ کو منجانب صحابہ رضی اللہ عنہم حاصل ہے۔

لفظ يَذُ یہ معنی غلبہ و نصرت و قوت زبان عرب میں بخوبی مستعمل ہے۔ محاورہ ہے کہ اَلْيَدُ لِفُلَانٍ اب فلان شخص کا غلبہ ہے۔ ② يَذُ کا استعمال الگ الگ معانی میں ہے۔ تب يَذُ اللّٰهُ کے معنی حفظ الہی ہیں اور اَيْدِيهِمْ سے مراد بائعین کے ہاتھ (یہ جارح جسمانی) ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نصرت ہمیشہ ان بائعین کے ساتھ ہوگی۔

اس کی تائید اسی سورہ مبارکہ میں تھوڑی دور آگے چل کر ان الفاظ پاک میں پائی جاتی ہے۔

﴿فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَنَّا نَبَهُمْ فَتَنَّا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّا خُذُوْنَهَا﴾

”اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کے دلوں کی اندرونی حالت کو جان لیا۔ ان پر سکینہ اتارا، ان کو فتح قریب عطا فرمائی

اور وہ بڑی فتوحات بھی ان کے لیے خاص کر دیں جن کو وہ حاصل کریں گے۔“ [التح: 18-19]

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے ماتحت عمال و گورنر و جرنیل و قاعدین لشکر اور فاتحین کشور انہی بیعت کرنے والوں میں تھے۔ حضرموت، عمان، عراق و فلسطین، شام و مصر، افریقہ و سوڈان، نیوس و الجزائر، مالٹا اور کریٹ، ایران و خراسان کی فتوحات و مغامرات انہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے حکم برداروں کو حاصل ہوئی تھیں۔

ہاں یہی وہ بزرگ ہیں جو مفہوم آیت اور اس بشارت عظمیٰ کے مظہر ہیں۔ انہی کے دلوں کا امتحان لیا گیا اور انہی پر نزول سکینہ ہوا، وہ سکینہ جس کے نزول کا ذکر احوال موسیٰ علیہ السلام میں بھی ہے۔

انہی کے ہاتھوں میں وہ طاقت تھی کہ کل دنیا کے ہاتھ ان کے سامنے پست تھے۔ کبھی کسی سلطنت کی قواعد و ان اور باقاعدہ مسلح افواج ان پر غالب نہ آسکیں۔ ﴿كَفَّتْ اَيْدِي النَّاسِ عَنْكُمْ﴾ [التح: 20] ”لوگوں کے ہاتھ تم سے روک لیے“ کا ایک نظارہ یہ بھی تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضل و شرف، جاہ و احتشام، دولت و اقبال مادی اور رحمت و برکات روحی کا سبب، ذریعہ کیا تھا؟ یہی بیعت نبوی ﷺ

③ اہل حدیث لفظ يَذُ کی کوئی تاویل نہیں کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ کو جسم و لوازم جسم سے پاک و برزخ تسلیم کرتے ہیں اور جسم و معطلہ سے علیحدہ ہیں۔ صفات میں ان کا مسلک ہر ایک صحیح سے پاک و صاف ہے۔

یہی اجاع محمدی ﷺ، یہی صدق و اخلاص جو انھیں پیارے رسول ﷺ کی ذات اور تعلیم کے ساتھ تھا۔
لہذا وہ سب طفلی تھے۔ ان خصوصیات کا اصل تعلق نبی ﷺ ہی کی ذات مبارک سے ہے۔
اور نبی ﷺ کا یہ شرف حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

خصوصیت نمبر 24

﴿ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ﴾ [احزاب: 40]

”بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی ان کو ختم کر دینے والے ہیں)“
خاتم اور ختم ① دونوں کے ایک معنی ہیں۔ النبین کا الف لام جنس جملہ انبیاء و رسل پر جاری ہے۔ کلام اللہ کی یہ آیت اعلان کر رہی ہے کہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود باوجود پر نبوت کا خاتمہ کر دیا گیا۔
یہ ایک عجیب پیش گوئی ہے اور اس کے اندر ایک عجیب طاقت منجانب اللہ موجود ہے۔
ایران کو دیکھو، وہاں ہزاروں سال تک متواتر سردی آسانی کی آواز بیسیوں پاک سرشت بزرگوں کو سنائی دیتی رہی۔
ہندوستان کا دعویٰ ہے کہ یہاں کروڑوں سال تک مہارشی ایسے ہوئے، جن پر آکاش بانی کا پرکاش ہوتا رہا۔
بنی اسرائیل کے حالات پڑھو، جہاں ایک ایک وقت دو دو، چار چار نبی موجود پائے گئے۔
مصریوں، چینیوں نے بھی سینکڑوں سال تک اپنے اندر نبوت و رسالت ہونے کے دعاوی کو بلند کیا۔
لیکن جب سے کلام اللہ میں آیت زیب عنوان کا اعلان ہوا اور ختم نبوت کا فرمان سنا دیا گیا ہے اس وقت سے ان سب مذاہب و ادیان نے بھی اپنے اپنے دروازوں پر قفل ڈال دیئے ہیں۔
مجوس اب کیوں کسی شخص کو جائے اسپ و زرتشت کے اورنگ پر نہیں بٹھلاتے۔ آریہ دت اب کیوں آکاش بانی کا ایک حرف بھی نہیں سنتا۔

بنی اسرائیل کیوں اپنی قوم اور اپنے ملک میں کسی کا نبی ہونا تسلیم نہیں کرتے۔
پیارے قارئین! یہ سب قدرت الہیہ کا روشن کارنامہ ہے، جس نے نبی ﷺ کو خاتم النبیین بتانے کے بعد تمام دنیا کے جملہ مذاہب کے دماغوں اور طبیعتوں سے بھی یہ بات نکال دی ہے کہ خود ان کے مذاہب کے اندر بھی کسی کو پیغمبر، نبی، رسول، اوتار کہا جائے۔
دنیا بھر کا یہ عملی فیصلہ یا طبعی میلان، بلکہ فطری وجدان ظاہر کرتا ہے کہ قدرت ربانی نے اس خصوصیت کو وجود اقدس نبویہ سے خاص رکھنے میں کیسی زبردست حفاظت فرمائی ہے۔

کوئی غیر مسلم یہ نہیں کہہ سکتا کہ نبی ﷺ نے اپنی ذاتی توصیف کے لیے ایسا فرما دیا ہے۔
① اس لیے کہ دعویٰ کرنا آسان ہے، مگر زمان مستقبل پر حکومت کرنا دشوار ہے، یہاں تو چودہ صدیوں کا

① خاتم بفتح بمعنی عتم الفارس - منتهی الارب - المنجد وغیرہ۔

زمانہ اور مختلف و متعدد مذاہب کا متفقہ رویہ اس کی تائید میں موجود ہے۔ جس شے کی تائید میں خود نیچر ہو وہاں تصنع کا کیا دخل رہ جاتا ہے؟
 [2] اگر نبی ﷺ کو اپنا ذاتی فخر بھی قائم کرنا مقصود ہوتا تو حضور ایسا کر سکتے تھے کہ اپنے تبعین کو نبوت کے منصب سے ممتاز بناتے اور موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر اپنی اتباع کرنے والے انبیاء کی شان اور تعداد کا اظہار کرتے۔

بعض مسلمان صوفیا کی نسبت یہ بات زبان زد عوام ہے کہ انہوں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اول تو ان روایات کی صحت بالکل مشکوک ہے۔ دوم اگر ثابت بھی ہو جائے کہ کسی شخص نے آنا الحق بھی کہا یا سُبْحَانِي مَا أَعْظَمَ شَانِي بھی کہا تب بھی یہ نتیجہ تو صاف نکلتا ہے کہ خدا بننا تو ان کو سہل نظر آیا مگر نبی کہلانے کی جرأت وہ بھی نہ کر سکے۔ ایسے ہی لوگوں میں یہ مصرعہ بہت شہرت یافتہ ہے۔

ع باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

ذیل میں ان اسلامی روایات کا اندراج ضروری ہے، جو آیت زبیر عنان کی تفسیر میں نبی ﷺ سے باسناد صحیح ثابت ہیں۔

[1] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ كَمَثَلِي قَضَى أَحْسَنَ بِنْيَانَهُ وَتُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعٌ لِبَنِيهِ وَحَافٍ بِهِ النَّظَارُ يَتَعَجَّبُونَ مِنْ حُسْنِ بِنْيَانِهِ إِلَّا مَوْضِعٌ تِلْكَ اللَّيْنَةُ فَكُنْتُ أَنَا سَدَدُكَ مَوْضِعَ اللَّيْنَةِ حَيْثُمَا بِي الْأَنْبِيَاءُ وَحَيْثُمَا بِي الرَّسُولُ وَفِي ذَوَابِئِهَا فَأَنَا اللَّيْنَةُ وَأَنَا حَاتِمُ النَّبِيِّينَ [2]

”امام بخاری رحمہ اللہ و امام مسلم رحمہ اللہ نے بالاتفاق ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری مثال اور دیگر سب انبیاء کی مثال ایک محل کی سی ہے، جسے خوب بنایا گیا تھا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ دیکھنے والے آتے تھے۔ مکان کی عمدگی اور اس خالی جگہ کے متعلق تعجب ظاہر کرتے تھے۔ اب میں ہوں۔ جس نے اس خالی جگہ کو بھر دیا ہے۔ میرے ذریعہ ہی سے عمارت ختم ہوئی اور میری وجہ ہی سے رسول ختم کیے گئے اور وہ اینٹ میں ہوں اور میں سب انبیاء ﷺ کا ختم کرنے والا ہوں۔“

[2] عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ أَنِّي لِي أَسْمَاءٌ أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِي الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحَشِّرُ النَّاسَ عَلَيَّ قَدَمِي وَأَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ [3]

”صحیح بخاری و صحیح مسلم میں متفقہ روایت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما سے ہے کہ میں نے نبی ﷺ کی زبان سے سنا ہے کہ حضور فرماتے تھے میرے کئی نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں۔ اللہ نے میرے ذریعہ سے کفر کو محو کر دیا۔ میں حاشر ہوں کہ لوگ قیامت کو میرے بعد اٹھائے جائیں گے۔ میں عاقب ہوں، عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی اور نہ ہو۔“

[3] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتَّةِ أَعْظَمْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُجِلَّتْ لِي الْعَنَابِمْ وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهْرًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَحَيْثُمَا بِي النَّبِيُّونَ [4]

[1] 9 ربیع الاول 1347ھ کو یوم ولادت مطہرہ سے پورے چودہ سو (1400) برس ہو جاتے ہیں۔ یعنی 5ھ میں 53 سال حضور ﷺ کی عمر بوقت ہجرت کو جمع کر لینا چاہیے۔ [2] بخاری: 3534، ترمذی: 1553، ابن ماجہ: 567، مسند احمد: 412/2، [3] اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنے پانچ نام فرمائے۔ محمد و احمد اور ان کے معانی نہیں فرمائے۔ ماحی، حاشر، عاقب۔ ان کے معانی تھائے، اس سے واضح ہوا کہ محمد و احمد رضی اللہ عنہما ذاتی نام ہیں اور ماحی، حاشر، عاقب و ملی نام ہیں۔ بخاری: 3532، مسلم: 6105، ترمذی: 2840 [4] مسلم: 1167، ترمذی: 1553، مسند احمد: 412/2، اس حدیث کی شرح ہم آگے جا کر لکھیں گے۔

”صحیح مسلم میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سب انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت ہے۔ (1) مجھے کلمات جامد عطا فرمائے گئے۔ (2) مجھے رعب سے مدد دی گئی۔ (3) مال غنیمت ہم پر حلال کیا گیا، (4) روئے زمین کو ہمارے لیے مسجد اور سب طہارت بنایا گیا اور (5) مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا۔ (6) میری ذات پر انبیاء کا خاتمہ ہو گیا۔“

④ عَنْ أَبِي أَسَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِي خُطْبَةُ الْوَدَاعِ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ ①

”ابن جریر و ابن عساکر نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ الوداع میں فرمایا تھا۔ لوگو! یاد رکھو، میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔“

⑤ رَوَى أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ عَنْ أَنَسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَرَّةً فَوْعًا أَنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبِيَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ ②

”زرقاتی (شرح المواہب اللدنیہ) میں ہے کہ امام احمد رضی اللہ عنہ امام ترمذی رضی اللہ عنہ امام حاکم رضی اللہ عنہ نے صحیح اسناد کے ساتھ انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے، لہذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی ہوگا۔“

⑥ عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَابًا كُلُّهُمْ يَزْعَمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمَ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي ③

صحیح مسلم میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت میں تیس (30) شخص ایسے ہوں گے جو کذاب ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کا گمان یہ ہوگا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

⑦ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ④

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔“

سب جانتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی نہ تھے۔ ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

⑧ جنگ تبوک کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِثْلَ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي ⑤

”کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میرے لیے ویسے ہی بنو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے

① الطبرانی فی الکبیر: 136/8، کنز العمال: 12922، مجمع الزوائد: 263/8، تہذیب و تہذیب: 419/6، ترمذی: 2272، کنز العمال: 41407.

② جمع الجوامع: 5566، مستدرک: 267/3، حاکم: 391/4، مسلم: 2889/19، ابوداؤد: 4252، ترمذی: 2176، ابن حبان: 7238، مستدرک: 278/5.

③ مسلم: 3686، اسد الغابہ: 151/4، بخاری: 4416، مسلم: 6218، ترمذی: 3731، ابن ماجہ: 115.

موسیٰ علیہ السلام میقاتِ ربی کے لیے طور پر چالیس (40) یوم ٹھہرے اور اپنے بعد ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غزوہ تبوک میں قریبا پچاس (50) یوم مدینہ سے باہر رہنے کا اتفاق ہوا۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس واقعہ میں خلافت بعد وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ نہیں، کیوں کہ ہارون علیہ السلام کی وفات موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے ہوئی تھی۔

﴿سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما﴾ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری غسل دے رہے تھے تو اپنی زبان سے یوں فرما رہے تھے۔

بَابِي وَ اُمِّي لَقَدْ اَنْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا يَنْقَطِعُ بِمَوْتِ غَيْرِكَ مِنَ النَّبُوَّةِ وَالْاَنْبَاءِ وَاَنْخَبَارِ السَّمَاوَاتِ۔ ﴿۱﴾

”میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت سے وہ چیز ختم ہوگئی جو اور کسی شخص کی موت سے ختم نہ ہوئی تھی۔ یعنی نبوت اور اخبارِ غیب اور آسمان سے خبروں کا آنا ختم ہو گیا۔“

ان صحیح ترین روایات اسلامیہ کی تصدیق قاہرہ نے جملہ مذاہب کی زبان بندی سے فرمادی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت وہ خصوصیت خاصہ ہے جو بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات اقدس کو حاصل ہے۔

اس آیت کے ساتھ آیت ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ کی تفسیر بھی پڑھ لینا چاہیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ختم نبوت کا منصب اس کو شایان ہے جو کمال دین اور اتمامِ نعمت کی بشارت سے بھی مبشر ہو۔

الغرض آیت زبیب عنوان نہایت مستحکم دلائل اور قطعی براہین کے ساتھ حضور کی خصوصیت ختم المرسلین کو واضح کر رہی ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک!

اب اگر اہل اسلام کے اندر کوئی شخص ایسا ہے، جسے اپنی نبوت کا زعم ہو تو اسے مناسب ہے کہ صحیح مسلم کی روایت کو پیش نظر رکھ کر اگر چاہے تو تمہیں (30) کے شمار میں داخل ہو جائے یا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے زعم باطل کو چھوڑ کر تائب و مومن بن جائے۔

خصوصیت نمبر 25

﴿وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الانبیاء: 107]

دنیا میں ہزاروں نامور اشخاص گزرے ہیں جو آسمانِ شہرت پر روشن انجم ہو کر چمکے۔ ان کے خطابات سے ان کی شخصیتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

کسی کا لقب مہاراجہ اور حیراج ہے،

کوئی شہنشاہ کہلاتا ہے،

کوئی مہادیو، کوئی مہابلی، کوئی جہتمن، کوئی رومین تن، کوئی گنوپال، کوئی فرزند نور، کوئی یودھا (بمعنی بیدار) کوئی سولہ کلاں

سپہورن، کوئی چندر بنسی، کوئی سورج بنسی وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اس جیسے دیگر خطابات اس شخص کی اپنی ذات و اوصاف کے متعلق ایک نمایاں خصوصیت کے مظہر ہیں، لیکن ایسے خطابات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ دنیا بھر کی مخلوقات سے اس ہستی کی کیا نسبت ہے؟

لیکن رحمۃ اللعالمین ﷺ ایسا خطاب ہے جو صرف اسی نسبت اور تعلق کا مظہر ہے جو ممدوح الوصف کو مخلوقات کے ساتھ ہے۔ رحمت کے معنی پیار، ترس، ہویا، ہمدردی، نمکساری، محبت اور خبرگیری ہیں۔ ان الفاظ کے معانی اس لفظ کے اندر پائے جاتے ہیں۔ کوئی شخص ہے، جو یہ کہہ سکتا ہے کہ اسے مندرجہ بالا اخلاق کی کچھ ضرورت نہیں اور وہ ان اوصاف کے فیوض سے مستغنی رہ سکتا ہے۔ غالباً کوئی بھی ایسا شخص نہیں نکلے گا۔

عالم طبیعت کی صفت سے بنا ہے، یعنی وہ ہر ایک شے جس میں نمودار ہونے، ظہور پکڑنے، اپنی ہستی کو نمایاں کرنے اور اپنے وجود کی نمود رکھنے کی قابلیت ہے۔ وہ لفظ عالم سے موسوم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اس لفظ کا استعمال انواع و اقسام و اجناس کے ممیز کرنے میں اکثر کیا جاتا ہے۔ عالم جمادات، عالم نباتات، عالم حیوانات، عالم علوی عالم سفلی اور جذبات و ذہنیات و کوائف کے لیے بھی استعاراً اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ عالم وجد، عالم شوق، عالم شباب وغیرہ۔ الغرض لفظ عالم کا استعمال مخلوق مادی و ذہنی تک وسیع ہے۔ عالمین صیغہ جمع ہے اور جملہ عوامل پر اس کا احاطہ ہے۔

اب اندازہ کرو اس مقدس ہستی کا، جس کا سب سے پیار ہے جو سب پر ترس کھاتا ہے، جو ہر ایک کا ہمدرد و نمکسار ہے۔ جس کی محبت عام ہے جو ہر ایک مقتضیات کو اپنی تعلیم سے پورا کر سکتا ہے، جو ہر ایک وسوس کو اپنے حقائق سے ہمدرد دوست بنا سکتا ہے، جس کے فیوض سے مادیات و ذہنیات تصورات و تصدیقات کو شادابی و ورستی، صحت و صداقت حاصل ہوتی ہے۔

رب العالمین نے سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ اللعالمین فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ جس طرح پروردگار کی الوہیت عام ہے اور اس کی ربوبیت سے کوئی ایک چیز بھی لاپرواہ نہیں رہ سکتی، اسی طرح رسول کریم ﷺ کی تعلیمات و مہیمات سب کے لیے اور سب کے فائدہ کے لیے ہیں اور کوئی شے بھی حضور ﷺ کی رحمت سے خود کو مستغنی ثابت نہیں کر سکتی۔

شاید کسی بے فکرے کو یہ کہہ دینا آسان ہو کہ اسے سورج اور گرمی کی احتیاج نہیں، لیکن ایک عالم اور صاحب دماغ کے لیے یہ کہنا سخت دشوار ہے کہ اسے تعلیمات محمدیہ ﷺ کی مطلقاً حاجت نہیں۔ دنیا اور دنیا کی قومیں غور کریں کہ نبوت محمدیہ کے بعد کیوں کراہوں نے حضور ﷺ کی تعلیمات کا اقتباس بالواسطہ یا بے واسطہ طریق سے کیا ہے اور کیا کیا بھیس بدل بدل کر اس خرم حیات سے خوش چینی کی ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت پر غور کرو اور حضور ﷺ کو رحمۃ اللعالمین ہونے کا مفہوم اس سیرت سے سمجھنے کی سعی کرو۔

① رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس نے 14، 15 سال کی عمر میں حרב الحجاز کو دیکھا اور اس وقت سے ایک قوم کا دوسری قوم پر حملہ آور ہونا، انسان کا انسان کو شکار غضب و وحشت بنانا ناپسند فرمایا۔

② رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس کی فطرت سلیمہ اور طبیعت طیبہ نے حلف الفضول کے عہد و پیمان کو مستحکم استوار بنایا اور ایک شریف انفس کے لیے دادخواہی مظلوموں اور دغلیوں مظلوماں، حفاظت مسافراں اور اعانت بے چارگاں کے اوصاف کا حاصل کرنا لازم ٹھہرایا۔ ③

③ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے دشمن کو بھی دوست بنا لینے کی تدبیر سکھائی۔

﴿ادْفَع بِالْيَمِينِ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ [مجادلہ: 34]

”برائی کی مدافعت خوبی و نیکی سے کرو۔ پھر تو تمہاری عداوت والا بھی تمہارا گرم جوش دوست بن جائے گا۔“

④ نعل از نبوت محمدیہ مکہ مظہر میں ایک انجمن قائم کی گئی تھی، جس کے ممبر جم کھایا کرتے تھے کہ وہ مظلوموں کی امداد کیا کریں گے، عورتوں اور یتیموں پر ظلم نہ ہونے دیں گے۔ نعل و نارت گری کے روکنے کی سعی کیا کریں گے۔ اس انجمن میں فضل نام کے کئی ممبر شامل تھے۔ اس لیے اس انجمن کا نام حلف الفضول ہو گیا تھا۔

(بخاری: 3، ابن ہشام: 91/1، الرؤف: 155/1)

﴿4﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے عداوت کرنے والے دشمنوں، حقوق جائز سے محروم کرنے والے دشمنوں، عبادت سے روکنے والے دشمنوں کے ساتھ بھی ہر ایک انتقامی کارروائی کرنے سے اہل ایمان کو روکا، اس وقت جب کہ اہل ایمان میں انتقام لینے کی طاقت و قوت بھی موجود تھی۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا﴾ [المائدہ: 2]
 ”اس قوم کا بغض جس نے تم کو حرمت والی مسجد سے روک دیا تھا، اس امر کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان سے خلاف انصاف کرنے لگو۔“

﴿5﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے کانہوں کی ترہب کو، ہندوؤں کے جوگ اور سنیاں کو، یہودیوں کے فرقہ لامساس کو، یونانیوں کے گروہ کلیہ کو، عیسائیوں کے نن اور منک کو اور ان سب کے افسوسناک اور عبرت خیز نتائج کو دیکھا۔ اور:

﴿وَرَهْبَانِيَّةٍ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاَهَا عَلَيْهِمْ﴾ [الہد: 27]
 ”رہبانیت تو لوگوں کی خود ساختہ گھڑت ہے، اللہ نے تو اسے انسان کے لیے کبھی مفید نہیں فرمایا۔“

﴿6﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو یہودیوں کی ایک خاص نسل ہی کے افراد کو اللہ کے برگزیدہ قوم کے لقب سے مخصوص نہیں کرتا۔ جو کاتھولیکوں کی طرح آسمان کی سنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا۔ جو گنگا اور بیہویا کے برہمنوں ہی کو بزرگ (دورخ) اور سرگ (جنت) میں آدم انسانی کے دھکیل دینے کی طاقت کا ٹھیکہ دار نہیں بناتا۔ جو چین والوں کی طرح کسی خاص رقبہ میں پیدائش کی بنیاد پر ان کو فرزند ان آسمانی کا خطاب عطا نہیں کرتا۔ جو زرتشتیوں اور لاماؤں کی طرح پیروان خاص کے سوا باقی سب پر رحمت و افضال سے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔

﴿7﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس کی نگاہ میں رومی، یونانی، مصری و سوڈانی سب مساوی ہیں۔ جس کے دربار میں مدغم، سوڈانی، بال، حبشی، فیروز خراسانی، سلمان فارسی، صہیب رومی، اٹامہ نجدی اور عدی طائی جی اذکار پہلو پہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔ جہاں جندل کا بادشاہ اکیلا نہیں بلکہ عمان کا حکمران حقران آل حمیر کا مدعی الوہیت ڈو الکلاخ اور یمن کا بڑا کاہن ضاد، غلامان بارگاہ سے بہت پیچھے صف نعال (جو توں) میں خرم و شادمان موجود ہے۔

﴿8﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو یہودی جیسی مخدول و مغضوب قوم کو جسے نہ صرف عیسائیوں نے بلکہ بت پرستوں نے بھی ذلیل و خوار ٹھہرایا تھا، مستقل قوم ہونے کا درجہ عطا فرماتا اور معاہدات میں ان کو مساویانہ حقوق کے عطیہ سے شاد کام فرماتا ہے۔

﴿9﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو جملہ عیسائی اقوام کی اس وقت حفاظت فرماتا ہے جب کہ دوسری مذہبی کونسل پہلی مذہبی کونسل اور تیسری مذہبی کونسل کو کفر و لعنت کا تختہ پیش کرنے کے بعد اپنی مذہبی کارروائی کیا کرتی تھی۔

وہ عیسائیوں کے جان و مال کو اس وقت محفوظ فرماتا ہے، جب کہ مسیح کے جسم ایک روح یا دو روحوں کے ہونے کے مسئلے نے یروشلم اور روما اور مصر میں خون ریزی کو عام کر رکھا تھا۔

﴿10﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہی ہے، جس کی تعلیم لوٹھر (Luther) کی رہنمائی کرتی ہے، اس کے مخالف اسے خفیہ مسلمان ہونے کا الزام

بھی لگاتے ہیں مگر رحمۃ اللعالمین ﷺ کے فیوض سے استفادہ کرنے میں نہیں جھجکتا اور بالآخر یورپ کو الوہیت سے انسانیت پر لے آتا ہے اور ظاہریت پرستی کو گر جاؤں سے دور کر دیتا ہے۔

(11) رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جو جملہ اقوام و ممالک عالم کو دین صحیح کی تعریف سے روشناس فرماتا ہے۔

﴿فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ [الرہم: 30]

”اللہ کی پیدا کردہ فطرت جس پر انسانی سرشت بنائی گئی ہے، اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں، اسی کو دین قیّم کہتے ہیں۔“

اہل روم نے اپنی اپنی مقدس کتابوں سے اور فلسفی اپنے بہتر رہنماؤں کی تعلیمات میں سے نکال کر دکھائیں کہ دین صحیح کی یہ تعریف بھی کبھی کسی اور جگہ بتلائی گئی ہے؟

دین صحیح کے متعلق ایک دوسرا اصول سکھایا گیا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: 78]

”دین کے متعلق ارادہ الہی یہ نہیں کہ وہ انسان کو تکلیف اور دشواری میں رکھے۔“

تیسرا اصول، جس پر شریعت مصطفویہ ﷺ کے احکام کا نفاذ ہوا۔

﴿وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَرِيَّتُمْ نِعْمَتَهُ، عَلَيْكُمْ﴾ [المائدہ: 6]

”ہاں! شریعت سے ارادہ الہی کا مقصود یہ ہے کہ انسانوں کو پاک و صاف ٹھہرائے اور ان پر اتمام نعمت بھی فرمائے۔“

تعریف بالا اور اصول بالا کو مسلم رکھتے ہوئے بھی یہ ارشاد ہے:

﴿لَا اِكْرَاهَةَ فِي الدِّينِ لَمَّا قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ [البقرہ: 156]

”دین کے بارے میں کسی پر زور اور زبردستی نہیں، ہدایت اور ضلالت کو کھلے طور پر واضح کر دیا ہے“

(12) رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے، جس کی تعلیم اختلاف الوان اور تہلیل زبان اور تباہی نگلی سے بہت بلند ہے۔ جس کی تعلیم میں حسب و نسب کا خالی و عمومی صداقت سے عاری ہے۔

(13) رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس نے سب سے پہلے ﴿هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ کے دین واحد کی دعوت یکساں طور پر خویش و بے گانہ کو دی۔ جس نے سب سے پہلے احمر و اسود، غربی و شرقی، مبتدین و غیر مبتدین کو قوم واحد بنایا اور ایک ہی کلمہ زبان پر، ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی ارادہ و لولوں میں قائم کر دیا۔

(14) رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس نے تڑپ اور تھل میں تفریق کی۔ جس نے ایک گریہتی گریہت میں رہ کر سنیا سی بنایا اور جس نے مصائب دنیوی کے خوف سے قطع تعلق کرنے والے کو ناخوشنودی رحمن کا کام مسور دبتلایا جس نے قلب سلیم کی تعریف فرمائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

(15) رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے۔ جس نے قلب سلیم کی تعریف فرمائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

(16) رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے دیکھا کہ کہیں عورت کو اناج، غلہ، روپیہ، پیسہ کی طرح دان میں دیا جاتا ہے (ہندومت) اور

کہیں عورت کو بے روح بتایا جاتا ہے، یا کبھی عورت کو مجسم شیطان تعبیر کیا جاتا ہے (سترہویں صدی سے پہلے پہلے کی عیسائیت) کہیں اسے صرف اغراض شہوانی کا آلہ قرار دیا گیا ہے۔ (یہودیت) اور کہیں بے جان زمین کی طرح اسے سب مردوں کا لنگد کوب ہونا تجویز کیا ہے۔ (ایران کے مژدکیہ دمانویہ) اور جملہ حالات میں اس کی شخصیت و ذہنیت اور حقوق کا ذرہ بھی پاس دلچاظ نہیں رکھا گیا۔ ان جملہ مصائب کو دور کرنے کے لیے یہ حکم سناتا ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ﴾ [البقرہ: 228]

جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔
علمِ نجوم میں لام استحقاق و تخصیص و تملیک کے لیے آتا ہے۔ لہذا لہُنَّ کا لام عورتوں کو بہت کچھ حقوق عطا کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا: "النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرَّجَالِ" [1]

عورتیں مردوں ہی کی ایک جزو اور حصہ ہیں یا عورتیں مردوں کے لیے گل وریحان ہیں۔

ارشاد فرمایا: فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ عورتوں کے معاملات میں تقویٰ الہی سے کام لینا۔ [2]

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے رسوم کی زنجیروں اور اندھی تقلید کی جزیروں اور آبائی مراسم کی جھکنیوں سے انسان کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ان کارناموں کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ [الاعراف: 157]

"بوجھ اتار دیے اور زنجیر و طوق کو ان سے اتار کر دور پھینک دیا۔"

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو قوموں کو قوموں کے ساتھ موالات کے اصول سکھاتا ہے اور عدم موالات کی حدود کو بھی قائم کر دیتا ہے تاکہ موالات کی تعریف جامع ہو جائے اور مانع بھی۔ حضور ﷺ نے یہ فرمان سنایا:

﴿تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ م وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِنْفِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدہ: 2]

"جملہ اقسام نیکی میں اور جملہ انواع خداترسی میں تم سب کے ساتھ تعاون کیا کرو اور جملہ اصناف گناہ میں نیز جملہ اشکال عدوان میں تم کسی کی مدد نہ کیا کرو۔"

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس کا کام جملہ خصائلِ رذیلہ اور اخلاقِ مکوہیدہ (اخلاقِ رذیلہ) سے انسان کو پاک و صاف کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَيُزَكِّهِمْ﴾ وہ ان کے میل کچیل کو دور کر کے ان کو پاک و صاف بناتا ہے۔

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو انسانیت کے درجہ رفیع کو نہ تو زور و دولت کے لباس میں دیکھتا ہے اور نہ فقر و تنگی و تنگی کے وقت اس کی نفی فرماتا ہے، بلکہ انسانیت کا مدار اور ابن آدم کہلانے کا استحقاق وہ صرف ایمان اور علم پر مبنی کرتا ہے۔

لفظ ایمان فرانسز الہیہ پر اور لفظ علم و اجہات وجود پر پوری طرح سے حاوی ہے۔ فرمان ذیل پر غور کرو۔

﴿يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ لَا وَالَّذِينَ آمَنُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ [البجادہ: 11]

"اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے، ان کے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے۔"

[1] ابوداؤد: 236، مسلم: 2950، ابوداؤد: 1905، ابن ماجہ: 3074، ترمذی: 1163، داری: 1906

فضیلت علمی کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کے لیے فرمایا:

﴿۱۱﴾ فَضِّلِ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى آذَانِكُمْ۔ ﴿۱۲﴾ ”عالم کی عابد پر فضیلت اتنی ہے جتنی نبی کو ادنیٰ امتی پر ہوتی ہے۔“
 ﴿۱۳﴾ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس نے أَبْغَضُ الْحَالِلِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقِ ﴿۱۴﴾ کے راز سے دنیا کو واقف بنایا اور سمجھایا کہ طلاق کا وجود خاص خاص دشواریوں کے حل کرنے کے لیے ضروری ہے اور اس وقت طلاق کی ضرورت ایسی ہی ہو جاتی ہے، جس طرح ایک عضو میں سمیت آجانے کی وجہ سے اس کا جسم انسانی سے بذریعہ قطع و برید جدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اگرچہ قطع عضو بہر حال ناپسندیدہ سمجھا جائے۔

ہاں یہ حکم طلاق دینے والے کو سمجھایا جاتا ہے کہ اب وہ ایسے خطرناک فعل کا اقدام کرنے لگا ہے جو اللہ تعالیٰ کو صرف ناپسند ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بغض بھی ہے۔ لہذا جب تک یہ مسلم نہ ہو جائے کہ صرف یہی ایک صورت مرد کی بقا و صحت و حفاظت ایمان و عزت کے لیے رہ گئی ہے، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

﴿۱۵﴾ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس نے طلاق کے روکنے کے لیے ایسی تدابیر کو ضروری ٹھہرایا، جن پر عمل کرنے سے ہر ایک جلد باز اور ہر ایک انجام سے بے پروا اور ہر ایک مغلوب الغیظ کو طلاق کی برائی سے محفوظ فرمایا ہے۔

﴿۱﴾ زوجین کے اختلاف و شقاق کے مٹانے کے لیے پہلی تدبیر یہ بتائی گئی کہ دو ثالث مقرر کیے جائیں۔ ایک مرد کے گھرانے کا، ایک عورت کے گھرانے کا، وہ دونوں ان زوجین کے حالات و شکایات کو سنیں اور فیصلہ کریں۔

﴿۲﴾ اب بھی اگر اصلاح نہ ہو اور قصور کا بوجھ عورت پر ہو تو مرد کو لازم ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے ہم بستری ترک کر دے، یہ تدبیر بہت مؤثر ہے۔

﴿۳﴾ اب بھی کوئی درستی نہ ہو تو تادیب کے طور پر ہلکی سی مار مارے، ہلکی ماریہ ہے کہ چہرہ پر نہ مارے، ایسی ضرب نہ مارے جس سے جلد پر نشان نمایاں ہو جائے۔ یہ تدبیر بھی پست درجہ کی سمجھ والیوں میں مؤثر ہوتی ہے۔

﴿۴﴾ یہ تدبیر بھی نا کافی ثابت ہو، تب ایک طلاق دے سکتا ہے۔ اس ایک طلاق دینے کے لیے شوہر کو اس وقت تک انتظار کرنا چاہیے جب وہ ماہواری ایام سے پاک ہو جائے، ان ایام کا یہ انتظار بھی پہلی طلاق کی روک کے لیے ہے۔

اس طلاق کے بعد ضروری ہے کہ خاوند بیوی ایک ہی گھر میں رہیں۔ ایک ہی جگہ خواب کریں۔ اس سکونت یک جائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کو پھر اپنی خصلت و عادت اور فعل پر جس کی طفیل نوبت بحدے رسید ہو گئی ہے، غور کرنے اور اصلاح کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اسی طرح پراگر وہ رل مل بیٹھے، ایک نے دوسرے کی ہم بستری کا موقع حاصل کر لیا تو وہ ایک طلاق ان کو خاوند بیوی کی معاشرت سے ذرا روک نہیں۔

﴿۵﴾ ایک مہینہ گزر گیا عورت کو دوسرے مہینے کے ایام بھی دیکھنے پڑے، ان کے بعد پھر مرد کو دوسری طلاق دینے کا اختیار ہے، لیکن اس دوسری طلاق کے بعد بھی زوجین کو ایک ہی جگہ رہنا سہنا، سونا بیٹھنا ہوگا۔ اب پھر ایک مہینہ کی ایسی میعاد ان کے درمیان ہے ﴿۱۶﴾

﴿۱﴾ ترمذی: 2685، دارمی: 77/1، ﴿۲﴾ ابوداؤد: 2178، ابن ماجہ: 2018، ﴿۳﴾ بدر ہے کہ ایک طلاق کے بعد مدت قرآنی تین (3) قروہ (قریبا تین ماہ) ہے۔

جذبات انسانی، جموئے غصہ، بے جا بدگمانیوں اور فضول شکایتوں کو جلد مغلوب و معدوم کر دیا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر یہ جوڑامیاں اور بیوی کا ہے اور دونوں طلاقوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں۔

﴿۶﴾ اب تیسری طلاق کا موقع آ جائے گا۔ اس وقت جب عورت ماہواری مرض سے فارغ ہو، اب شریعت اسے بتلاتی ہے کہ دیکھ، یہ ہاتھ سے نکلنے والی ہے، پرنداز جاتا ہے تو کف افسوس ہی ملتا پڑتا ہے، سمجھ لے، اور تیسری طلاق سے رک جا۔ ان ہدایات سے بھی اگر نفرت و شقاق کی بنیاد ایسی مضبوط ہے کہ مرد اب تک طلاق ہی پر تلتا ہے، تب شریعت اسے مجبور نہیں کرتی اور معاہدہ شادی کی اہنت زندگی کا طوق نہیں بنا دیتی۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی تعلیم نہ تو یہ گوارا کر سکتی ہے کہ کسی وفادار بیوی کو محض کسی بیرونی جاہل کے طعن پر یکبارگی گھر سے نکال دے۔ جیسا کہ سیتاجی کا معاملہ ہے یا یہودیوں کی طرح جن کے نزدیک بیوی کا درجہ ایک ملازم کے برابر بھی نہیں۔ بلاوجہ اور بے سبب شریک زندگی سے قطع تعلق کر لیا جائے، علیٰ ہذا یہ بھی گوارا نہیں کہ عورت پر تہمت زنا لگانے کے بغیر اس کی بد مزاجیوں، گستاخیوں یا امراض مخصوصہ کے باعث بھی اس سے گلو خلاصی نہ ہو سکے۔ جیسا کہ انجیل کی تعلیم کو سمجھ لیا گیا ہے۔ ہاں حقوق زوجین کا از حد خیال رکھتے ہوئے رحمۃ للعالمین ﷺ نے ایک ایسی سڑک تیار کر دی ہے، جس میں نہ تفریط کی گھانٹیاں آتی ہیں اور نہ افراط کے پہاڑ حائل ہیں۔

﴿۷﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے عرب کے اس رواج کو توڑا کہ میت کا ورثہ خاندان کے صرف ان لوگوں کو ملے گا جو گوارا دینے والے تھے۔ عورت اور معصوم بچے، بیٹی، بہن کا کوئی حق نہیں، بلکہ وہ ایک عورت کو باپ کی جائداد سے بوجہ بیٹی ہونے کے، بھائی کی جائداد سے بوجہ بہن ہونے کے، شوہر کی جائداد سے بوجہ زوجہ ہونے کے اور اولاد کی جائداد سے بوجہ والدہ ہونے کے متعدد حصے دلاتا ہے اور حضور ﷺ کی تعلیم کردہ قانون تو ریٹ کو اصولاً بہت سی غیر مسلم قوموں نے بھی لے لیا ہے۔

﴿۸﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے وقف علی الاولاد کے آئین سے اولاد کو فقر و تنگدستی سے اور جائداد کو تباہی سے اور خاندان کو ہلاکت سے محفوظ بنایا۔ اس مسئلہ سے دنیا کلیہً ناواقف تھی۔

﴿۹﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے جواز جنگ کے لیے مظلوم ہونے، حقوق ملی و قومی سے بلاوجہ محروم کر دیئے جانے، دین حقہ کی حفاظت کرنے والوں کی جان و مال کے غیر محفوظ ہو جانے یا امن عامہ کا قیام مفقود ہو جانے اور مذاہب عالم اور ان کے امانت عبادت کے معرض تلف میں آ جانے کو بطور شرط اولین قرار دیا۔

یہ حقیقت آیات ذیل سے آشکار ہے:

﴿۱۰﴾ اذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِمَا نُهُمْ عَنْ ظُلْمٍ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۗ۝۱۰۱ الَّذِيْنَ اَخْرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَقُوْلُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ ۗ وَلَوْ لَا دَفَعُ اللّٰهُ النَّاسَ بَعْضُهُمْۢ بَعْضًا لَّفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَرِجَالُهَاۙ فَاصْلَوْا اللّٰهَ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۗ۝۱۰۲ [سجۃ ۳۹-۴۰]

”جنگ کرنے والوں کو اذن دیا گیا کیوں کہ وہ مظلوم تھے اور بے شک اللہ ان کی مدد کی ضرورت رکھتا ہے، یہ وہ ہیں جو اپنے وطن سے بلا سبب نکالے گئے۔ صرف اس بات پر کہ انھوں نے اللہ کو اپنا پروردگار مان لیا تھا، ہاں اللہ تعالیٰ اگر کچھ لوگوں کی دوسرے اشخاص کے ذریعہ مدافعت نہ کرتا تب یہودیوں کے معبد، عیسائیوں کے گرجا، صابئین کی عبادت

گا ہیں، نیز مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے ضرور گرا دی جائیں۔“
 ﴿۱۲۸﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے شراب کو قطعی حرام ٹھہرایا اور اسے ام النجاست بتلایا اور اس تھوڑی سی رعایت کا بھی (جو بالآخر اجازت تک پہنچ جاتی ہے) جو یولوس (Paul) نے مرعی رکھی تھی کہ تہذیبی مزہ کے لیے پانی میں تھوڑی سی شراب ملا کر، سدباب کر دیا۔
 ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [المائدہ: 90]
 ”شراب اور قمار کو شرک منہیہ کے برابر برابر بیان فرما کر اسے شیطانی فعل بتایا اور پھر اس سے بچنے کا حکم محکم الفاظ میں صادر کیا، تاکہ تم خلاصی پاؤ۔“

اس حکم کے ساتھ یہ تفسیر بھی شامل کر دی: ﴿كُلُّ مَا اسْكُرَ كَثِيرًا وَقَلْبِيْدُهُ حَرَامٌ﴾ ”جس کی بڑی مقدار میں نشہ ہو اس کی ادنیٰ مقدار بھی حرام ہے۔“

﴿۱۲۹﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے زنا کے جملہ اقسام کو جس کے عرب اور ہندوستان اور دیگر ممالک میں عجیب عجیب نام اس کی قباحتوں کو چھپانے کے لیے رکھ لیے گئے تھے اور اس حکم کو حرام ٹھہرایا، منبر و محراب میں خوب شائع کیا۔

﴿وَالَّذِينَ هُمْ يَلْعَنُوْنَ هُمْ يَلْعَنُوْنَ ۗ اِلَّا عَلَىٰ اِزْوَاٰجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝
 فَصْنِ اِنْتَعٰى وَرَاٰ ذٰلِكَ فَاَوْلٰىكَ هُمْ الْعَادُوْنَ﴾ [المومنون 5-7]

”فلاح والے وہ ہیں جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، بیویاں اور وہ جن کے مالک ان کے داہنے ہاتھ ہوئے اس سے مستثنیٰ ہیں اور ان کی بابت ان پر کوئی ملامت نہیں مگر جو کوئی اس کے سوا اور عورت کی تلاش کرتا ہے تو وہ لوگ اللہ کی حدود سے بڑھ جانے والے ہیں۔“

﴿۱۳۰﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے اسیران جنگ کی جان بخشی و رحم فرمائی کے اصول واضح فرمائے، تورات میں دشمنوں کی جان تو کیا ان کے حیوانوں اور عورتوں کی جانوں کا بچانا بھی حرام اور موجب غضب الہی بتایا گیا ہے۔

﴿فَاِذَا لَقِيْتُمْ الْكٰفِرِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبُ الرِّقَابِ ۗ حَتّٰى اِذَا اَخْتَمْتُمُوْهُمْ فَسَلُّوْا الرِّوَابِقَ لَا فَاِمًا مِّنَّا بَعْدُ وَاِمًا فِدَاًۭءً﴾
 ”جب کافروں سے ٹکھ بھینٹ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو اور جب ان کو چور چور کر دو، تب مضبوط طریقہ سے ان کو باندھ لو اور پھر بعد ازاں ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ لے لو۔“ [محمد: 4]

حملہ آور دشمن پر، مغلوب اور اسیر ہونے کے بعد احسان نمائی یا فدیہ گیری کا اصول ایسا ہے کہ دنیا بھر کی تمام اقوام اس سے نااہل رہی ہیں اور عملاً کسی نے ایسے کارنامہ کی نظیر پیش نہیں کی، لیکن نبی ﷺ نے بدر واحد، مکہ و حنین کی فتوحات سے ہر موقع پر اسیران جنگ اور دشمنان دین اور قاتلان مومنین اور محاربین رسول ﷺ کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا۔

﴿۱۳۱﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے بے پردھی لکھی قوموں کے سامنے جو اپنے ان پڑھ ہونے پر فخر کیا کرتے اور ان پڑھ رہنے کو نوزائیدہ امی بچہ کی معصومی کا چہرہ سمجھا کرتے تھے علم سے روشناس کیا۔ علم کا درجہ ان کے دلوں میں قائم کیا، علم کا شائق بنایا، پھر ان

کو معلم اور مقرر کے منصب پر بلند فرمایا۔

آیات ذیل پر غور کرو:

﴿ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ [البقرة: 151]

”اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا عظیم الشان رسول بھیجا، جو انہی میں سے ہے۔ وہ ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا اور پاک بنانا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ لوگ تو اس رسول سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔“

﴿30﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے جس نے قلب سلیم کی تعریف بتائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

﴿31﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے گناہ گار انسان کو اسرار توبہ کی تعلیم دی۔ توبہ کے اجزاء بتائے۔ ہر ایک جزو کی جداگانہ خاصیت اور ترکیبی ماہیت کو تفصیل سے سمجھایا۔

﴿32﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے تزکیہ نفس، تصفیہ باطن کو جداگانہ ابواب میں مرتب فرمایا، جس نے اخلاق فاضلہ اور ابواب احسان کو الگ الگ کر کے بتایا۔

﴿33﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے تقویٰ اور خشیت من اللہ، انقطاع تمام اور انس کامل، مدارج رجوع، مراتب احسان، حقیقت و روح و توکل اور روح اخلاص و صدق اور مقامات قرب و رضا کا عرفان عطا کیا۔

﴿34﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے عبد اور معبود کے درمیان ایک حَبْلُ اللَّهِ الْمُحَيِّينَ (اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی) کا نشان دیا اور چاہ و ضلالت میں گرے ہوؤں کو آسانی ہدایت پر پہنچ جانے کی تدبیر بتائی۔

﴿35﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے رہزنوں کو چوپانی اور بادشاہوں کو انخوانی سکھائی، جس نے غلاموں کو سلطانی دی۔ جس نے بساط کیانی پر اونٹ چرانے والوں کو بھلا دیا۔

﴿36﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے علوم مابعد الطبیعیہ کو آثار نفسی و آفاقی سے مبرہن کیا۔ جس نے اعمال اور اعمال کا روح سے تعلق، جس نے میزان اور حق و باطل کا توازن بتلایا۔

﴿37﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے شمالی عرب کو روما کی غلامی سے اور جنوبی عرب کو ایران کی غلامی سے آزاد کیا، جس نے طوائف السلو کی کاخاتہ کر دیا، جس نے قتل و غارت گری کو قتل و غارت کر دیا۔ جس نے خون انسانی کی قدر و قیمت کو سارے جہاں کی قیمتی اشیاء سے بڑھ کر قیمتی بتایا، جس نے ایران کو فواحش سے، اور روما کو حیوانی قییش سے نجات دی، جس نے تمام دنیا کی طرف امن کا ہاتھ پھیلا دیا۔ جس نے ایوان صلح کو مرتفع کیا۔ جس نے

﴿ حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ﴾ [محمد: 4] (یہاں تک کہ جنگ اپنے سلاحتوں کو رکھ دے) لیے جملہ مساعی کو ختم کر دیا۔

﴿38﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے غلامی کے نقائص دور کرنے کی تدابیر کیں، غلاموں کو برابر کا کھانا، برابر کا پہننا، ان کی

استطاعت سے بڑھ کر کام نہ لینا فرض ٹھہرایا اور اس طرح پر غلاموں کو خاندان کا ایک جزو یا ممبر بنا دیا۔

﴿39﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے غلام کو حق مکاتبہ بخشا، جس کا مطالبہ وہ عدالت میں کر سکتا ہے اور آقا مجبور ہے کہ اسے مقررہ قیمت پر آزاد کرے۔

﴿40﴾ رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے مکاتبہ غلام کو چندہ دینے کا حکم سب کو دیا، حتیٰ کہ وہ آقا بھی چندہ دے جس کی غلامی سے اسے آزاد ہوتا ہے۔

﴿41﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے اسلامی سلطنت کی آمدنی صدقات میں سے 1/8 حصہ خزانہ میں غلامی کے مٹانے کے لیے مقرر فرمایا۔ وَفِي الْمِرْقَاتِ - [9/التوبہ: 60]

﴿42﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے قانون شریعت میں آزادی غلاموں کے لیے مواقع نکالے۔ اس کی تفصیل مسائل طہارت و صوم و حج کے ابواب میں دیکھنی چاہیے۔

﴿43﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے آقاؤں کو عناق من النوار کا ذریعہ آزادی غلام بتایا۔

﴿44﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے آزاد کو آقا کے برابر حقوق عطا فرما کر آقا کو غلام کا مولیٰ اور غلام کو آقا کا مولیٰ ٹھہرایا۔

﴿45﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے آزادی غلام کے بعد بھی آقا و غلام میں ایک ایسی نسبت، ایک ایسا علاقہ پیدا کر دیا، جو صرف خون کے رشتہ میں ہوتا ہے۔ یعنی آقا کے لا وارث ہونے پر غلام کو اور غلام کے لا وارث ہونے پر آقا کو اس کا وارث ٹھہرایا۔

﴿46﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے غلاموں پر حصول قربت و صہریت اور اخذ امارت و حکومت اور نصب و امامت و ولایت اور اعداء کو عطائے صلح و امام کے حقوق سے مالا مال فرمایا۔

اسلام سے پیشتر غلامی جملہ ممالک میں اور جملہ اقوام میں اور جملہ ادیان میں موجود تھی کیا حضور رحمۃ للعالمین ﷺ سے پیشتر کسی نے غلامی کے محور کو زائل کرنے اور غلاموں کو ایسے بلند مناصب تک پہنچانے میں بھی کوئی کارروائی کی؟ یہ ہندوستان ہے جہاں آج تک اچھوت اقوام کی تعداد برہمنوں، کھتر یوں اور ویش قوموں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے اور اچھوت ہونے کی بیڑی اور طوق اس طرح ان کا لازمیہ جسم و روح ہو گیا ہے کہ سینکڑوں نسلوں، ہزاروں، لاکھوں سالوں کی امتداد مدت بھی ان کو رہائی نہیں دلا سکی، اچھوت قومیں ہندو لاء کے حکم سے معاشرت تمدن، علم اور مذہب کے جملہ حقوق سے قطعاً محروم رکھی گئی ہیں۔ برہمنوں کو شودروں کے مال کا مالک بنا دیا گیا ہے اور کوئی برہمن کسی شودر مقتول کے قتل میں مستوجب قصاص نہیں سمجھا گیا۔

اسلام میں کوئی انسان بھی اچھوت نہیں، سب کی جان و مال کو یکساں حرمت و احترام کے حقوق حاصل ہیں۔ معاشرت اور تمدن میں سب برابر ہیں۔ ہر ایک ادنیٰ شخص سلطنت و نبوی یا امامت دینی تک فائز ہو سکتا ہے۔

ہمارا یہ مضمون طویل ہو رہا ہے اور کتاب طحا کا موضوع یہ نہیں کہ ہر ایک مسئلہ کو پورے بسط سے تحریر کیا جائے۔ لہذا اس دلچسپ و دل رہا مضمون کو ہم اس جگہ ختم کرتے ہیں اور آپ سے یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین صرف حضور ﷺ کی خصوصیت ہی نہیں بلکہ یہ بطور اسم اور علم بھی مستعمل ہے اور یہ نام کسی غیر کا تجویز کردہ نہیں۔ ماں باپ کا رکھا ہوا نہیں۔ کسی شاعر کے تخیل کا نتیجہ نہیں، کسی فدائی کا جوش محبت میں کہا ہوا نہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کا انکشاف حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ایک صداقت کا گنجینہ ہے اور

اس سنجیدہ کا نشان خود ہادی مطلق نے دیا ہے۔ یہ ایک بشارت ہے جسے قدرت ربانی ہر ایک مخلوق کے کان تک پہنچانا چاہتی ہے۔ یہ ایک نوید ہے جو عالم عالمیان کو حقیقہ احسانات الہیہ بتاتی ہے۔
خصوصیت نمبر 26

﴿ فَبِهَدَاهُمْ اَقْتَدِهٖ ﴾ [الانعام: 90]

”تو بھی ان سب کی ہدایت کی موافقت کر“

اقتدا کے معنی اصل لغت میں شخص ثانی کا شخص اول سے موافقت کرنا ہے۔

آیت بالا پر جو کوئی شخص بھی سرسری نظر ڈالے گا، وہ سمجھے گا کہ حضور ﷺ کو کسی دوسرے شخص کے مقتدی (پیرو) ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی کا فدا اہل اسلام کے اس مسلمہ اعتقاد کے خلاف ہیں کہ حضور ﷺ امام الانبیاء ہیں۔ لہذا آیت بالا شرح طلب ہے اور شرح معانی کے بعد واضح ہو جائے گا کہ آیت بالا نبی ﷺ کی فضیلت کا ثبوت ہے۔ ناظرین کو آیت ﴿ وَكَذٰلِكَ نُبَيِّنُ اٰيٰتِنَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴾ [الانعام: 75] سے فوراً شروع کرنا چاہیے، اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ (18) انبیاء کا ذکر فرمایا اور اس ذکر ترتیب زمانی یا ترتیب مدارج کو چھوڑ کر ایک اور ترتیب بدیع اختیار کی گئی ہے۔

اول ترتیب اصول نسب

اس صنف میں نوح و ابراہیم و اسحاق و یعقوب ﷺ کا ذکر فرمایا گیا ہے، کیوں کہ جملہ انبیائے عالم کے انساب انہی پر منتہی ہوتے ہیں اور اکثر اقوام کا انتساب نسلی انہی کی جانب ہے۔

دوم ترتیب ملک و قدرت

اس صنف میں داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

ترتیب بلحاظ مراتب صبر و شکر

اس صنف میں ایوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

ترتیب بلحاظ معجزات و ظہور آیات

اس صنف میں موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کے نام مذکور ہوئے ہیں۔

ترتیب بلحاظ زہد و اعراض عن الدنیا

اس صنف میں زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس علیہم السلام کا ذکر ہوا۔

ترتیب بلحاظ تبلیغ امم

اس صنف میں اسماعیل و یسع و یونس و لوط علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان انبیاء مذکورہ کے مختصر حالات بھی لکھ دیے جائیں۔

حضرت نوح علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: نوح بن مالک بن متوشلح بن خنوخ بن یارو بن مہلل ایل بن قینان بن آئوش بن شیث بن آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر پانچ سو (500) سال کی تھی جب سام، حام اور یافث ان کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کی عمر کے چھ سو (600) سال بعد دوسرے مہینے کی سترہویں تاریخ کو طوفان شروع ہوا۔ چالیس (40) دن تک پانی اوپر سے برستا اور زمین سے ابلتا رہا۔ پھر بڑھنا بند ہوا اور ڈیڑھ سو (150) دن میں پانی کم ہوا۔ ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ تھی کہ کشتی اراراط کے پہاڑ پر رک گئی۔ (601) میں عمر نوح کے دوسرے مہینے کی ستائیسویں تاریخ کو حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی چھوڑ کر زمین پر قدم رکھا۔ (ایک سال 11 یوم کشتی میں رہے۔ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام 350 سال زندہ رہے۔) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش طوفان نوح علیہ السلام سے 5375 سال بعد ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

ان کا نسب نامہ حضرت نوح علیہ السلام تک یہ ہے: ابراہیم بن آذر (تاریخ) بن ناحور بن سروج بن رعو بن قانج بن عابر بن شالح بن آرقشاد بن سام بن نوح علیہ السلام۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا زمانہ 2585 سال پیشتر کا ہے۔ 75 سال کی عمر میں اپنے وطن سے ہجرت فرمائی اور کنعان کے ملک میں پہنچے۔ (کنعان بن حام بن نوح علیہ السلام کا ملک) اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ یہ ملک تیری اولاد کو دیا جائے گا۔ پھر مصر گئے، مصر سے واپس آ کر کنعان میں ٹھہرے، یہاں سے ان کے برادر زادہ لوط علیہ السلام جو ہجرت میں ان کے ساتھ تھے علیحدہ ہوئے اور دریائے پاروں کے پرلے کنارہ پر آباد ہوئے۔ یہ علاقہ شاہ صدوم کا تھا۔ شاہ صدوم پر شاہ عیلام نے مع اپنے تین اتحادیوں کے حملہ کیا اور حضرت لوط کو بھی اسیر کر کے لے گئے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے خلاف جہاد کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو چھڑا لیا اور بہت سامان قیمت حاصل کیا۔ اسی (80) سال کی عمر تھی، جب آپ کے گھر میں اسماعیل علیہ السلام (ازبطن ہاجرہ خاتون جو بادشاہ مصر کی دختر تھیں) پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 99 سال کی تھی جب فتنہ کا حکم نازل ہوا۔ اسی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ خود کیا اور اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ بھی کرایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 100 سال کی تھی جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب ظلیل الرحمن ہے اور لقب عمود عالم اور آدم ثالث، کنیت ابو محمد اور ابوالانبیاء ایک سو چھتر (175) سال کی عمر تھی جب ”ظلیل الرحمن“ نے انتقال فرمایا۔ خانہ کعبہ اور مناسک حج حضور علیہ السلام کی نبوت کی دائمی یادگار ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو کوئی نبی ہوا، خواہ کسی ملک میں ہوا، وہ انہی ہی کے خانوادہ اور نسل کا تھا۔

حضرت اسحاق علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو (100) سال کی تھی، جب ان کے ہاں اسحاق علیہ السلام اڑھن سارہ خاتون پیدا ہوئے۔ سارہ خاتون علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دادا کی نسل سے ہیں اور اول الاسلام ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی عمر چالیس (40) سال کی تھی جب ان کی شادی رقبہ خاتون سے ہوئی۔ رقبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر حقیقی نحر کی پوتی ہیں۔

رقبہ سے دو توام بچے پیدا ہوئے: عیسو و یعقوب علیہ السلام۔

حضرت اسحاق علیہ السلام نے ایک سو چالیس (140) سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

انہی کا لقب اسرائیل بھی ہے۔ ان کے گھر میں لیاہ بیگم سے چھ فرزند، راحیل خاتون سے دو فرزند، زلفہ لونڈی سے دو فرزند اور باہہ لونڈی سے دو فرزند پیدا ہوئے۔

جب یوسف علیہ السلام نے ان کو مصر میں مع افراد خاندان طلب کیا، تب ان کی عمر ایک سو تیس (130) سال تھی۔ سترہ (17) سال مصر میں قیام کے بعد انہوں نے مصر میں وفات پائی۔ یوسف علیہ السلام ان کا جنازہ شاہانہ نزک و احتشام کے ساتھ کنعان لائے اور وہ حضرت ابراہیم و اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات ق۔ م 1686 سال اندازہ کی گئی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

راحیل خاتون کے پہلے بیٹے ہیں، یوسف علیہ السلام کے معنی عربی میں ”مزید“ ہیں۔ ان کی پیدائش کے وقت ماں نے کہا تھا کہ اللہ مجھے اور بھی بیٹا دے گا۔

17 سال کے تھے جب چاہ میں گرائے گئے۔ تین شب چاہ میں رہے۔ چھ سال عزیز مصر کے گھر قیام فرمایا، سات (7) سال زندان میں بسر کیے۔ 30 سال کی عمر میں مصر کے حاکم مطلق ہاختیار ارات شامی مقرر ہوئے۔ 40 سال کی عمر تھی جب یعقوب علیہ السلام سے مصر میں 23 سالہ فراق کے بعد ملاقات ہوئی۔ ہشتاد (80) سالہ فرمانروائی کے بعد 110 سال کی عمر میں وفات پائی۔ پوتے اور پڑپوتے دیکھے۔ ان کی شادی ملک مصر کے شہر ”اون“ کے کاہن کی دختر مساقہ آساتھ سے ہوئی تھی۔ ان کے ہر دو فرزند منسی و فرام اسی خاتون سے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: داؤد بن یسی (یشاہ) بن عوید بن سوئجر بن سلما (سلمون) بن نجسون بن عمدا ب بن ارام بن حصرون (حصروم) بن فارص بن یہوداہ بن یعقوب علیہ السلام۔ یہ اپنے باپ کے ساتویں بیٹے تھے۔ چھ بھائی ان سے بڑے تھے۔

ان کی ابتدائے شہرت کا باعث وہ جنگ ہوئی جو فلسطینی اسرائیلیوں سے کر رہے تھے، فلسطینی فوج میں ایک بہادر جو لیت (جالوت) تھا، جس کا قد چھ ہاتھ اور ایک بالشت تھا وہ پتیل کی نو داؤد زروہ اور موزے پہنا کرتا تھا۔ چالیس (40) دن تک وہ میدان جنگ میں نکل کر مبارز طلب کرتا رہا۔ اسرائیلیوں میں سے کسی کا حوصلہ نہ ہوا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے تین بڑے بھائیوں کی (جو شامل جنگ

تھے) خبر لانے کو رزم گاہ میں گئے۔ وہاں انھوں نے سنا کہ ساؤل شاہ بنی اسرائیل نے اس شخص کے قاتل کے لیے اپنی بیٹی کا رشتہ مع دیگر انعامات دینے کا اعلان کیا ہوا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ سے اجازت لے کر جالوت کے مقابلہ کو نکلے۔ انھوں نے فلاخن سے پتھر چلایا اور وہ پتھر اس کی پیشانی کے اندر اتنا گھس گیا کہ پیشانی کے اندر جا چھپا۔ فلسطینی گر پڑا، داؤد علیہ السلام نے اسی کی تلوار اس کی کمر سے نکالی اور اس کا سر کاٹ لیا۔ بعد ازاں حضرت داؤد علیہ السلام ترقی کرتے کرتے سپہ سالار فوج ہو گئے۔ اور پھر بادشاہ کے داماد بن گئے۔ بادشاہ ان کے روز افزوں اقبال سے حسد کرنے لگا اور حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ سے جان بچاتے پھرتے۔ آخر ساؤل بادشاہ نے فلسطینیوں سے ایک مقام پر شکست کھا کر خودکشی کر لی اور اس کے ولی عہد نے بھی خودکشی کر لی۔ تب بنی اسرائیل کے اتفاق سے حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے۔ انھوں نے چالیس (40) سال تک نہایت کامرانی و اقبال کے ساتھ سلطنت کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ازواج اور حرموں کی تعداد ننانوے (99) تھی۔ ان کے اٹھارہ (18) فرزند اور سترہ (17) لڑکیاں تھیں لیکن وراثت داؤد صرف سلیمان علیہ السلام ہی کو ملی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً 1856 سال پہلے ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ستر (70) سال کی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

بنت سبع دختر انعام کے بطن سے یروشلم میں پیدا ہوئے، جب کہ داؤد علیہ السلام سلطنت حاصل کر چکے تھے۔ انھوں نے شاہ مصر کی بیٹی سے شادی کی۔

انھوں نے اپنے جلوس کے چوتھے سال کے دوسرے مہینہ میں بیت المقدس کو بنا کر شروع کیا۔ اصل مسجد ساٹھ (60) ہاتھ طویل بیس (20) ہاتھ عریض اور بیس (30) ہاتھ بلند تھی اور اس کے ارد گرد بہت مکانات تھے۔ یہ عمارت سات سال میں ختم ہوئی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چالیس (40) سال سلطنت پورے عروج اور اقبال و دولت کے ساتھ کی۔ ان کا عہد بالکل امن کا عہد تھا۔ ان کی بیگمات کی تعداد سات سو اور لونڈیوں کی تعداد تین سو (300) ہے۔ ان کا انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً 1546 سال ماقبل ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: ایوب بن آموس بن رازح بن روم بن عیص (عیسو) بن اخیل علیہ السلام۔ یہ ارض عومس (ایشیائے کوچک) میں رہتے تھے۔ ان کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔

یہ سات ہزار (7000) بھیڑوں، تین ہزار (3000) اونٹوں، پانچ سو (500) جوڑی بیلوں اور پانچ سو (500) خرماچہ (گدھے) کے مالک تھے۔ نوکر چاکر بہت تھے۔ اہل مشرق میں ان جیسا کوئی مالدار نہ تھا۔

جب مصیبت آئی تو ایک دن ایسا ہوا کہ ان کے سب بیٹے بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے گھر کھانا کھا رہے تھے کہ سخت آندھی آئی۔ اس نے مکان کی چھت کو اٹھایا اور ان پر گرا دیا۔

اسی وقت ایک دوسرے شخص نے اطلاع دی کہ بیلوں اور گدھوں کو ملک کے سب لوگ لوٹ کر لے گئے، نوکروں کو قتل کر گئے۔ صرف میں بچ رہا ہوں۔

اسی وقت ایک دوسرے نے آ کر اطلاع دی کہ آسمان سے آگ پڑی اور سب بھینٹوں کو اور نوکروں کو چا کر لوٹ کر خاک کر گئی۔ اکیلا میں بچ نکلا۔

اسی وقت ایک اور شخص آیا، اس نے بتلایا کہ قوم کس دی کے لوگوں نے تین طرف سے حملہ کیا۔ اونٹوں کو لے گئے اور نوکروں کو تلوار کی دھار سے قتل کیا۔ فقط میں بچ رہا ہوں۔

ایوب علیہ السلام نے سب کچھ سنا اور پھر سجدہ میں گر پڑے۔ کہا میں اپنی ماں کے پیٹ میں سے نکلا پیدا ہوا تھا اور اس کے حضور میں ننگا ہی پیش ہوں گا۔

بعد ازاں ان کے جسم میں خارش ہوئی، وہ کھجالتے تو وہاں پھوڑے بن جاتے، اسی طرح سارا جسم پک گیا، لیکن اب بھی ان کی زبان سے کوئی خطا کی بات نہ نکلی۔ اس وقت ان کا بستر صرف راکھ کا ہوتا تھا۔

یہ مصیبت چند سال تک رہی۔ آخر حضرت ایوب علیہ السلام کے توبہ و استغفار پر رحمت الہی نے ان پر توجہ کی، وہ تندرست ہو گئے۔ ان کے مال و مویشی کی مقدار پہلے سے دو چند ہو گئی۔

ان کو پھر اللہ تعالیٰ نے سات (7) بیٹے اور سات (7) بیٹیاں عطا فرمائیں۔ انھوں نے اپنی اولاد کی چار (4) پشتیں دیکھیں اور مصیبت کے بعد ایک سو چالیس (140) سال تک دولت و شہرت اور آرام و فراغت میں بسر کر کے انتقال فرمایا۔

ان کا زمانہ نبی ﷺ سے تقریباً اکیس صدی پیشتر کا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہٹ بن لادی بن یعقوب علیہ السلام۔ بعض نے عمران (عمرام) کو قاہٹ کا بیٹا بتلایا ہے۔ درمیان میں یصہر کا نام درج نہیں کیا۔ ان کے حالات قرآن پاک اور تورات میں بہت تفصیل سے ملتے ہیں۔ انھوں نے ایک سو بیس (120) برس کی عمر پائی اور وادی موآب میں فوت ہو کر دفن ہوئے۔ ان کا زمانہ انتقال نبی ﷺ سے تقریباً 2022 سال پیشتر کا ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ ایک سال بڑے تھے۔ انھوں نے موسیٰ سے تقریباً تین (3) سال پیشتر کوہ حور پر وفات پائی تھی۔

حضرت زکریا علیہ السلام

مجموعہ بائبل میں کتاب زکریا شامل ہے، یہ زور بائبل کے ہم عصر ہیں اور مسیح علیہ السلام سے پانچ صدی پیشتر ان کا سب زمانہ معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ مریم و آل عمران میں جس زکریا کا ذکر ہے وہ یحییٰ کے والد ہیں۔ ان کے گھر میں مسیح علیہ السلام کی خالہ تھیں۔ مسیح کا اصطلاح حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوا تھا۔ اس لیے وہ زکریا نہیں ہو سکتے، جن کا ذکر بائبل میں ہے۔ ہر دو بزرگوں میں صرف

وحدت اکی پائی جاتی ہے۔

ذکر یا علیہ السلام جن کا مذکور قرآن حکیم میں ہے۔ بیت المقدس کے امام و متولی تھے اور مریم صدیقہ علیہا السلام کے کفیل و مربی ان کا اور ان کے فرزند کی پیدائش کا واقعہ انجیل لوقا کے باب اول میں مذکور ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

ان کو پائیل میں یوحنا پتسمہ دینے والا نکھا جاتا ہے۔ حضرت ذکر یا علیہ السلام کے بیٹے ہیں، انہی کی پیدائش کا ذکر سورہ آل عمران و سورہ مریم میں ہے۔ ان کا نام بھی منجانب اللہ رکھا گیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد بیابان ہی میں رہے۔ جنگلی شہد اور ٹڈ کو خوراک بنا رکھا تھا۔ بیابان میں وعظ و تذکرہ کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ توبہ لینے کے وقت تائب کو پانی میں غسل دلایا کرتا تھے۔ پتسمہ کی رسم ہمیں سے جاری ہوئی۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چھ ماہ بڑے تھے مگر انھوں نے مسیح علیہ السلام سے چھ سال پیشتر تبلیغ شروع کر دی تھی۔

ان کے وقت میں جو تھائی ملک کا حاکم ہیرودیس رومی تھا اور اس کے ناجائز تعلقات اپنے بھائی فیلیوس کی بیوی سے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام حاکم کے افعال پر کتہ چینی کرتے تھے۔ حاکم نے ان کو قید کر دیا تھا۔

حاکم کی بھانجی کا نام ہیرودیاں تھا۔ وہ ہمیشہ حاکم کو یوحنا کے خلاف بھڑکایا کرتی تھی مگر حاکم اس کی بات نہ سنتا تھا۔ اتنے میں ہیرودیاں کی ساگرہ کا دن آیا۔ مسماۃ ہیرودیاں کی لڑکی اپنے چچا کے سامنے خوب ناچی گائی اور حاکم نے قسم کھائی کہ جو کچھ وہ مانگے اسے وہی کچھ دیا جائے گا۔

لڑکی نے اپنی ماں کی سکھاوٹ پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مانگا۔ حاکم نے جلاؤ کو حکم دیا اور اسی وقت ان کو جیل میں جا کر قتل کیا اور ان کا سر لڑکی کے حوالے کیا گیا، جسے اس نے اپنی ماں کی خدمت میں تھمہ پیش کر دیا۔ یہ واقعہ 30 یعنی ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے 541 سال پہلے کا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام عبرانی میں یسوع ہے۔ ان کے خاندان کے افراد کے نام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خاندانہ عالی کے افراد کے مطابق تھے۔ ان کا نام یسوع تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اول یوشع بن نون علیہ السلام کی یادگار میں رکھا گیا تھا۔ ان کی والدہ کا نام مریم علیہا السلام تھا جو خواہر موسیٰ علیہ السلام کا نام تھا۔ ان کے ماموں کا نام ہارون تھا۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی کا نام تھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام عمران تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے والد کا بھی یہی نام تھا۔

قرآن مجید میں ہے کہ جب مریم صدیقہ علیہا السلام اپنی ماں کے پیٹ میں تھیں۔ تب ان کی والدہ نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنے پیٹ کے پھل کو مخر، آزاد، یا تدبیر یا بیت المقدس کی خدمت کے لیے مخصوص بنائے گی۔

لیکن جب لڑکی (مریم علیہا السلام) پیدا ہوئی تو وہ حیران رہ گئی کیوں کہ لڑکی کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے قبول نہیں کیا جاتا تھا، لیکن وہ نیک خاتون اپنی نیت اور نذر کے مطابق مریم علیہا السلام کو بیت المقدس میں لے گئی اور یروشلیم کے اراکین نے فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کو خدمت کے لیے لے لیا جائے۔ حضرت ذکر یا علیہ السلام کو ان کا متکفل بنایا گیا۔

پھر جب مریم علیہا السلام جوان ہوئیں، تب فرشتہ نے ان کے سامنے آ کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بشارت سنائی کہ ان کے پیٹ میں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ اگرچہ ان کو کسی مرد نے نہیں چھوا۔ بشارت کے مطابق مولود پیدا ہوا تو بشارت ہی کے موافق ان کا نام (عیسیٰ علیہ السلام) بیسوع رکھا گیا۔ انھوں نے طفولیت مصر میں بسر کی اور تیس (30) سال کی عمر تک یہودیوں کی حالت پر غور کرنے کے بعد انھوں نے اپنی نبوت کی تبلیغ شروع کی۔ تبلیغ میں اتنے سرگرم تھے کہ ایک رات سے زائد ایک مقام قیام نہ فرماتے تھے۔ انھوں نے فلسطین میں بنی اسرائیل کی ہر ایک بستی میں اپنی آواز کو پہنچایا۔ تین سال بعد ان کو رفع الی السماء حاصل ہوا۔ اس عرصہ میں ان کو صرف بارہ (12) شاگرد ملے جن میں سے ایک نذار نکلا۔ کتاب الاعمال کے مصنف لوقا کا خیال ہے کہ کل 124 تعداد ایسے اشخاص کی مل جاتی ہے جو ان کے معتقد تھے۔

آج تحریر مضمون ہذا کے وقت 11 ستمبر 1929 سال عیسوی کی تاریخ ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ سنہ عیسوی ولادت مسیح علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے، لیکن اب تخصص و تحقیق سے ثابت ہوا کہ مسیح علیہ السلام کی ولادت اسی سنہ سے چار سال پیشتر تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و نزول کے علمی مباحث ہماری کتب "فایت المرام" و "تائید اسلام" میں ملاحظہ طلب ہیں۔

حضرت الیاس علیہ السلام

حضرت اوریس کا دوسرا نام الیاس علیہ السلام بھی ہے مگر اس آیت میں ان سے وہ مراد نہیں کیوں کہ اس آیت میں ذریت نوح کا ذکر ہے اور اوریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے آباء کرام میں سے ہیں۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے: الیاس بن نابین فخاص بن عمیراء بن ہارون۔ لہذا ان کا زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً 19 صدی پیشتر کا ہے۔ بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ الیاس ابھی زندہ ہیں مگر ان کی حیات کی بابت کوئی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ لہذا یہ خیال محض بے بنیاد ہے۔

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام

سیدنا ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ سیدہ ہاجرہ خاتون علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے۔ فلسطین ان کا مولد اور مکہ ان کا دارالہجرت اور مصر ان کا تھیالی ہے۔ حجاز و یمن و حضرموت ان کا رقبہ تبلیغ تھا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں اپنے والد بزرگوار کے کہیم کار تھے (ذبیح اللہ کے گھر کے محافظ) ان کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً 2240 سال پیشتر ہے۔ مصری، بابلی، فلاسٹینی، عربی زبان کے ماہر کامل تھے۔ ان کی ایک شادی مصر میں اور ایک شادی عرب میں ہوئی۔

اولاد عرب شہزادی سے ہوئی۔ بارہ (12) بیٹے ہوئے۔ ہر ایک اپنے اپنے قبیلہ کا سردار اور جداگانہ علاقہ کا حکمران تھا۔ ان کی دختر کی شادی حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند کھاں عیسو سے ہوئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سردار قیدار فرزند دوم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ جن کا نام بائبل میں بکثرت آتا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام برکات الہی میں برابر ہیں تاہم حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چند فضائل حاصل ہیں:

- ① یہ بیت الحرام کے بانی اور محافظ ہیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام کسی بیت الحرام کے بانی و محافظ نہ تھے۔
- ② یہ ذبیح اللہ ہیں، گو مسلمانوں اور اہل کتاب میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے مگر آثار قدیمہ کی شہادت انہی کے حق میں ہے۔

3) یہ وہ فرزند ہیں کہ جس روز اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے عہد باندھا۔ یہ اسی روز عہد میں شامل ہوئے۔ اہل حق علیہ السلام ہنوز پیدا بھی نہ ہوئے تھے، لہذا عہد کے فرزند یہی ہیں (کتاب پیدائش 17 باب)

4) ان کا رقبہ نبوت بہت وسیع تھا اور انہوں نے اپنی تبلیغ کو عرب العرباء کے سب خاندانوں تک پہنچا دیا تھا، لیکن حضرت اہل حق علیہ السلام کے رقبہ تبلیغ کے متعلق ہم کو ایسی معلومات اسرائیلی روایات یا اسلامی روایات میں کچھ نہیں دستیاب ہوئی ہیں۔ قیاساً کہا جاسکتا ہے کہ ان کا رقبہ تبلیغ بہت محدود تھا۔ واللہ اعلم عند اللہ۔

حضرت الیسع علیہ السلام

میں سمجھتا ہوں کہ الیسع علیہ السلام سے مراد یسعیاہ ہوں گے جن کی کتاب مجموعہ بائبل میں موجود ہے اور بہت سی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔ ان کا زمانہ شاہان لوز و بوتام کے برابر ہے۔ لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ 1320 سال پہلے ہوئے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام

ان کا ذکر قرآن مجید کی سورہ صافات و انعام و نساء میں بھی ہے اور ایک سورت بھی ان کے نام سے نامزد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عداس نیلوزی کے سامنے ان کو یونس بن متی فرما کر اپنا بھائی فرمایا تھا۔ انہی کو سورہ ہج میں صاحب الحوت بھی فرمایا گیا ہے۔ ان کا واقعہ بہت مشہور ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے، سفر و ہجرت کے رفیق۔ مصر سے واپس آنے کے بعد یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے علیحدہ ہو کر آفریے یارڈن دریا پر رہتے تھے اور یہی علاقہ ان کی تبلیغ کے لیے تھا۔ ناپاک اور نافرمان قوم نے نبی اللہ کی تحقیر کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا اور ان پر آسمان سے پتھراؤ کیا گیا۔

ہاں آیت بالا پر غور کرو۔

اصول نسب کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف خاص حاصل ہے کہ قیامت کے دن جملہ حسب و نسب منقطع ہو جائیں گے۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتساب باقی رہے گا۔

اصول حکمت کی بنیاد پر غور کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے عرب کو پنچا غیار سے چھڑایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے عرب کو فرمان فرمائی پر پہنچایا۔ آیت بالا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم کی صفات عالیہ اپنے اندر جمع کر لینے کا حکم ہے۔ کیوں کہ موافقت اخلاقی اسی طریق سے حاصل ہو سکتی ہے۔

گویا یہ فرمایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حسب و نسب میں خود صاحب عمود عالم ہونا چاہیے اور لوگوں کو نوح و ابراہیم اور اہل حق و یعقوب صلی اللہ علیہم وسلم کی جانب انتساب سے مستغنی کر دینا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے کہ داؤد کی طرح عرب کے قبائل متعددہ اور شعوب مختلفہ کو متحد بنا دیں تاکہ وہ سب مل کر قوم واحد بلکہ شخص واحد کی شان پیدا کر لیں۔ **هُم يَدُّ وَاٰحَدٌ عَلٰی مَنْ سِوَاهُمْ** اور کے مصداق بن جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلیمان علیہ السلام کی طرح امن محکم اور صلح استوار سے ملک کو سرسبز و شاداب بنا دینا چاہیے۔ نیز عبادت الہی کے لیے ایک ایسا معبد تیار کر دینا چاہیے جو تقدیس میں بیت المقدس سے بڑھ کر اور اعداء کی دست برد سے بالاتر ہو۔

نبی ﷺ کو صبر ایوبی کا وہ نمونہ دکھانا چاہیے کہ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ تَوَقُّعِ خَاصِ حَضُورِ ﷺ کے صادر ہو جائے۔ اور عفو یوسف علیہ السلام کا نمونہ بعید ترین اعداء اور سنگین ترین اشقیاء کو بھی ایسا دکھانا چاہیے کہ ان کے کینہ اور غل کا پورا پورا درمان ہو جائے اور آئندہ کے لیے ان کے دل حضور ﷺ کی محبت اور ذوق اطاعت سے پر نور ہو جائیں۔

نبی ﷺ کا کام تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح براہین صادقہ اور آیات باہرہ سے فرعون سرشت لوگوں کی اصلاح فرماتے اور سحرکاران ماہرین پر باب نجات کھول دیتے۔ حضور ﷺ کا کام تھا کہ ایک آتشیں سرشت کی جگہ نور آگیں شریعت سے اتمام فرمادیتے۔ حضور ﷺ کی شان ہے کہ ہارون علیہ السلام کی طرح منبر کو اپنے خطاب اور مخراب کو اپنی امامت سے سر بلند فرمایا۔ بے جانوں میں جان ڈالی اور سوکھی ہوئی نخلوں کو درجعت کا شناسا بنا دیا۔

نبی ﷺ ہی کا کام ہے کہ ذکر یا علیہ السلام کی طرح دنیا کو دعا کی طاقت سے باخبر فرمایا اور مزید آداب دعا و اوقات دعا والفاظ دعا اور مراتب دعا سے اپنی امت کو حقیقت شناس بنا دیا۔

نبی ﷺ ہی ہیں کہ جنگلی شہد اور بیابانی بلخ پر گزران کرنے والے یحییٰ علیہ السلام کی طرح خشک کھجوروں اور آب مقطر کو اپنی اور اپنے اہل بیت کی مستقل غذا قرار دیا۔ اہل و عیال والے نبی ﷺ کے گھر میں بھی مہینوں تک چولہا روشن نہ ہوا۔

الیاس علیہ السلام خشک لبوں اور بیابان نوردوں کو سیراب کرنے میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ نبی ﷺ ہی ہیں کہ سنگلاخ زمینوں پر معرفت کے چشمے بہا دیئے اور ہر ایک تشناب کے سامنے جام کوثر لے کر خود آگے بڑھتے۔

اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی عمارت کو مکمل کیا۔ حضور ﷺ نے کعبہ کو قبلہ بنا کر جن وانس و ملائک کا مرکز عبادت اور مسطر عبادت قرار دیا۔

یونس علیہ السلام تین (3) دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے اور نبی ﷺ تین شبانہ روز غار کے پیٹ میں سکون پذیر ہوئے۔

یونس علیہ السلام کی زبان پر استغفار تھا اور حضور ﷺ کی زبان معیت الہی کے عرفان سے گہر ریز تھی۔

لوط علیہ السلام کے مواعظ تحریم خباث پر مشتمل تھے۔ نبی ﷺ نے بھی اس بارہ میں سعی بلیغ اور کوشش کامل فرمائی۔ مقدمات زنا کو بھی حرام ٹھہرایا اور ان اسباب و ذرائع کو بھی جو فسق و فناء تک پہنچانے والے ہیں داخل محرمات کیا۔ حتیٰ کہ امت کے سامنے تقویٰ کا وہ بلند ترین مقام رکھ دیا کہ ہر ایک بندہ رحمن امام المستقین بننے تک اپنی ہمت و ارادہ اور عزم اور سعی کو ترقی دے سکے۔

قارئین جب دیکھیں گے کہ آیت زیر عنوان نبی ﷺ کو ان جملہ صفات عالیہ کا جامع بتلا رہی ہے تو انھیں بوٹوق تام اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ مقام جامع بھی نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الکریم

خصوصیات نبویہ از احادیث مصطفویہ ﷺ

صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَيْنِ أَحَدٌ قَبْلِي نُصْرَتٌ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةٌ شَهْرٌ وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهْرًا فَأَيْتَمَارُ جُلِي مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكْتَهُ الصَّلَاةُ فَلْيَصِلْ وَأَحَلَّتْ لِي الْغَنَائِمَ وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ مِنْ قَبْلِي وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يَبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَيُبْعَثُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً. [1]

مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں۔ ① ابھی ایک ماہ کی مسافت ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے۔ ② ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ③ قیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا۔ ④ مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ ⑤ پہلے نبی اپنی قوم کے لیے خاص ہوا کرتے تھے مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔“

صحیح مسلم کی روایت میں جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ہے فَضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بَسِيًّا [2] فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث میں أُعْطِيتُ بِجَمَاعِ الْكَلِمِ نمبر 1 پر اور حُجَّتِ بِي النَّبِيُّونَ نمبر 6 پر ہیں۔ نمبر 2 میں نُصْرَتٌ بِالرُّعْبِ اور نمبر 3 أَحَلَّتْ لِي الْغَنَائِمَ نمبر 4 پر جُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهْرًا نمبر 5 پر أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَمَا قَدْ هِيَ۔

صحیحین کی ایک متفق علیہ روایت عن ابی ہریرۃ میں جو ام الکلم اور نصرت بالرعب کے بعد خزائن الارض کی مفتاح کا خواب میں حضور ﷺ کے سامنے رکھا جانا بیان ہوا ہے۔

جملہ روایات پر اجماعی غور کرنے سے آٹھ امور حاصل ہو جاتے ہیں۔

- ① نصرت بالرعب ② روئے زمین کا مسجد و طہور ہونا ③ حلت غنائم ④ عطائے منصب شفاعت ⑤ بعثت عامہ ⑥ عطیہ جو ام الکلم ⑦ ختم نبوت ⑧ خزائن الارض کی کلید ہا کا حضور ﷺ کے سامنے خواب میں رکھا جانا۔ لہذا ہر ایک کے متعلق مختصر گزارش کیا جائے گا۔

① نُصْرَتٌ بِالرُّعْبِ

نبی ﷺ کے 23 سال عہد نبوت پر نظر غائر ڈالو۔ سرور عالم ﷺ تبلیغ و دعوت کے لیے شہر مکہ کے اندر اور آہادی مکہ سے باہر یکہ و تنہا تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مگر کسی شخص کو حضور ﷺ پر جاں ستاں حملہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ منڈیوں اور میلوں میں جہاں ہزار ہا اشخاص اور پچاسوں مختلف قبائل کا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ حضور ﷺ جاتے اور کلمہ توحید کا اعلان فرماتے۔ دیوتا دیوی کے ماننے والوں میں سے کوئی بھی حضور ﷺ پر حملہ آور نہ ہو سکتا تھا۔

مکہ سے دور دراز قبائل میں جو خشونت اخلاق اور خون ریزی و بے باکی میں بہت زیادہ مشہور تھے۔ حضور ﷺ نے تبلیغ کے

[1] بخاری: 335، مسلم: 1163، نسائی: 430، 735، مسلم: 1167، ترمذی: 1553، کنز العمال: 31932، ماہن لہجہ: 567، احمد: 412/2، مجمع الزوائد: 269/8

لیے متعدد چکر لگائے۔ اس سفر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی بھی حضور ﷺ کے ہمراہ نہ ہوتا تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بھی ان قبائل کو کچھ تعارف نہ تھا۔ حضور ﷺ ہر جگہ دعوت فرماتے، ہر ایک پر حجت الہیہ ختم کرتے اور کوئی بھی حضور ﷺ کے سامنے برسر پیکار نہ آتا۔ آغاز سفر ہجرت سے تین روز پہلے ایک ایک قبیلہ کا بہادر دشمنوں نے جمع کر لیا تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا، لیکن ہر ایک کے دل پر کتنا عجب تھا کہ تختے تو ڈکرا ندر داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ ساری رات اس انتظار میں پوری کر دی کہ حضور ﷺ خود ہی باہر تشریف لائیں تو یہ حملہ کریں۔ جب حضور ﷺ تنہا باہر بھی نکلے تو شہادت الوجوه لا یتصورون ﴿۱﴾ کے کلام سے ان کو غصہ بھی دلایا اور مٹھی بھر خاک اٹھا کر ان کے سروں پر بھی پھینک دی۔ ہاں ہمہ کسی نے سر نہ اٹھایا اور حضور ﷺ کے چہرہ تاباں کی طرف کوئی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔

طائف کا حکمران اور تمام باشندے حضور ﷺ کے خلاف ہیں مگر ان کی سنگ باریا اور شرارت صرف اسی حد تک محدود ہے کہ حضور ﷺ کی تقریر نہ ہو سکے۔ آخر وہی اہل طائف ہیں اور وہی ان کا حکمران ابن عبد یامیل کہ خود مدینہ میں حاضر ہوتے اور داخل اسلام ہو جاتے ہیں۔

نصرت بالرب کی مثالیں اس زمانہ کی بڑی بڑی سلطنتوں کے حالات سے بھی ہو سکتی ہیں۔ یمن سلطنت ایران کے قبضہ سے نکل جاتا ہے اور کسی جنگ کے بغیر مطیع اسلام ہو جاتا ہے۔ مگر یمن کی سلطنت ایران یمن کی طرف منہ بھی نہیں کرتی۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کا رعب ان کے دل و دماغ پر مستولی تھا۔

شمالی عرب سلطنت روما کے اقتدار سے نکل جاتا ہے اور روما کا شہنشاہ فراہمی افواج اور حملہ آوری کا حکم بھی جاری کر دیتا ہے اور اسی کی مدافعت کے لیے حضور ﷺ عرب کی سرحد تک تشریف لے جاتے ہیں مگر ایک مہینہ کی راہ پر (یروشلم میں) بیٹھے ہوئے ایچہر کا دل خوف سے بھر جاتا ہے اور سابقہ احکام جنگ کو منسوخ کر کے دم بخود ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

عرب کی قدیم ترین سلطنتیں حیرہ و غسان قائم ہیں۔ انہی کے دربار کے شعراء نے خاص حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور کعب انصاری رضی اللہ عنہ تاج پوش بادشاہوں کو چھوڑ کر بوریائیں رسول ﷺ کے آستان پر حاضر ہو گئے ہیں مگر ان سلطنتوں میں سے کسی کو یہ حوصلہ نہیں پڑتا کہ اپنے شعراء نے خاص کو واپس لینے کے لیے ہی اظہار طاعت کریں اور دربار عالی کے خدام تک کوئی دھمکی سے ملا ہوا فقرہ بھی پہنچا سکیں۔ ذی ظلم، ذی یزین کی حکومتیں یمن کی جانب اور مکہ سے متصل قائم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حکومت کے پاس باقاعدہ فوج بھی موجود ہے اور خزانے بھی معمور ہیں۔ وہ گھر بیٹھے حضور ﷺ کا کلمہ پڑھنے لگے ہیں۔ عدوان و سرکشی کا خیال تک بھی ان کے دماغ میں نہیں آتا۔

ذوالکلاع حمیری اپنے گھر میں بیٹھا پندرہ ہزار (15000) غلاموں سے سجدہ کروانا اور خدا کہلاتا ہے لیکن ایسے رسول ﷺ سے وہ بھی دل ہی دل میں ڈر رہا ہے۔ جس نے کئی ایسے دعاوی فرعونیت کو غرقاب کر دیا ہے۔ عَبْدُہُ وَرَسُوْلُہُ کہلانے کا رعب موجود و معبود بننے والے کو مغلوب کیے ہوئے ہے۔

نبی ﷺ کی یہ صفت خاص نزدیک و دور ہر جگہ مستتر تھی۔ امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فقرہ مَنْ رَاہُ بَدِيْہَةً هَابَہُ ﴿۲﴾

جو کوئی حضور ﷺ کے سامنے یکا یک آجاتا وہ دہشت زدہ ہو جاتا۔
یہ وہ نصرت الہیہ تھی جو رحب بن کر حضور ﷺ کی شہمت و عظمت کو دوبا لاکر رہی تھی۔
و صلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد و آلہ و بارک وسلم۔

﴿۱﴾ روئے زمین کا مسجد و طہور ہونا

یہ وہ اپنے کنبہ اور عیسائی اپنے کلیسا کے بغیر نماز نہ پڑھا کرتے تھے۔ مجوسی بھی پاک آگ کے آتش کدہ کے بغیر سرگرم عبادت نہ ہوا کرتے تھے۔ ہنود کا یہی حال مندروں کے متعلق تھا۔

مسلمانوں کی نماز نہ محراب عبادت کی محتاج اور نہ کسی نبی ہادی کی قبول تو بہ کی ان کو حاجت ہے۔ ان کا گرمایا ہوا دل اور روشن آنکھیں آگ کی حرارت اور ضیا سے بے نیاز ہیں۔ اس لیے روئے زمین کا ہر ایک بقعہ اور ایک ایک قطعہ ان کی سجدہ ریزی کے لیے موزوں ہے۔ ان پر ﴿يَذُكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾ [آل عمران: 191] کھڑے، بیٹھے، اور لیٹے لیٹے ذکر کی حالت طاری ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کو حضور ﷺ کی مسجد بنا دیا۔

زہار کہ بیرون دم از سجدہ گم خویش
آنجا کہ خداہست مرا سجدہ رواہست

یہ شرف اسی حقائق شناس کو ملا جس کی نگاہ میں کائنات کا پتہ پتہ توحید کے ترنم میں ہے۔ جس کے سامنے ریگستان کا ذرہ ذرہ انوار قدسی کا آئینہ دار ہے۔ جسے ہر شے مظہر جمال لم یزلی اور مرآة جلال قدسی نظر آتی ہے۔ جس کے کانوں میں پتھروں کی تسبیح اور سبزہ کی تمغید ہر وقت گونج رہی ہے۔ جسے آسمان وزمین کی فضا، نعرہ بکبیر و زمزمہ جلیل سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اسی لیے تمام روئے زمین مسجد بنا دی گئی۔

طہور سے مراد وضو ہے۔ اطراف بدن کا ہدایت شرعی کے مطابق پانی سے دھونا وضو کہلاتا ہے۔ وضو نماز کے لیے شرط ہے، مگر نماز کا ترک کسی حالت میں روا نہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ شرط کے نہ ہونے سے مشروط بھی مفقود ہو جانا چاہیے اور جہاں وضو کے لیے پانی میسر نہ ہو وہاں نماز بھی معاف ہو جانی چاہیے۔

لیکن کیا نماز ان لوگوں پر معاف ہو جاتی ہے جو گھاس کے پتے پتے سے وحدہ لا شریک لہ سننے والے اور درخت کے پتے پتے کو دفتر معرفت جاننے والے ہیں۔

ضروری تھا کہ انسان حصول طہارت کے لیے کوئی دوسری تدابیر اختیار کرتا، انسان مٹی ہی سے بنا ہے، مٹی ہی اس کی اصل ہے اور مٹی ہی اس کو بن جانا ہے۔ مٹی ہی مخلوقات کا گہوارہ ہے اور مٹی ہی سے کائنات ارضی اپنی خوراک حاصل کرتی ہے۔ اس لیے اس مٹی ہی کو طہور بھی بنا دیا گیا۔

ہندوؤں میں سندھیا کے لیے ہون ضروری ہے اور ہون کے لیے 30 چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں سے ایک گھی بھی ہے۔ گھی کے سولہ (16) چمچے آگ میں ڈالنے ضروری ہیں۔ ہر ایک چمچے 6 ماش کا ضرور ہو۔ (ستیا تھ پرکاش)
سندھیا کے لیے ہون کی شرط نے ہون کے لیے چھبیس (26) چیزوں کی موجودگی کی شرط نے ہندو قوم کے افراد کو سندھیا سے

محروم کر دیا ہے۔

مٹی کہاں نہیں مل سکتی؟ جہاں پانی نہ ہوگا، وہاں پر مٹی تو ضرور مل جائے گی۔ خاک آلود ہاتھوں کا چہرے پر پھر لینا اس عجز و تفرقہ کو ہی ظاہر کرتا ہے، جس نے طہور تراب پر ایماندار کو مجبور کیا۔
الغرض یہ خصوصیت نبی ﷺ ہی کی ہے کہ حضور ﷺ نے تراب روئے زمین کو ہمارے لیے طہور بنا دیا اور حضوری بارگاہ ربانی سے کسی حالت میں بھی دور و مجبور نہ ہونے دیا۔

﴿حلت مغنم﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی فتوحات میں جس قدر مغنم حاصل ہوتے تھے ان کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا تو رات میں جانوروں تک کو جلادینے اور بستیوں میں آگ لگا دینے کا ذکر ملتا ہے۔
نبی ﷺ کے غزوات میں سب سے پہلے غزوہ بدر میں غنیمت حاصل ہوئی۔ مال غنیمت جمع بھی ہوا اور تقسیم بھی کیا گیا۔ لیکن پھر بھی لشکر میں ایسے لوگ موجود تھے جو شریعت موسوی کی نظیر پر مال غنیمت کا لینا خطرناک امر سمجھتے تھے۔
اللہ تعالیٰ نے انہی کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿لَوْ لَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا وَلَا حَرَامًا﴾
”اگر اللہ کی طرف سے پہلے کتاب میں ایسا نہ ہوتا تب جو کچھ تم نے وصول کیا ہے اس کے لیے تم پر بڑا عذاب ہوتا۔ اب تم غنیمت کو حلال طیب سمجھو اور کھاؤ۔“ [الأنفال: 68-69]

دوسری جگہ ہے:-

﴿وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَأُخْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا﴾ [الفتح: 20-21]

”اللہ نے تم سے مغنم کثیرہ کا وعدہ کیا جن کو تم حاصل کرو گے لہذا یہ تو تم کو جلد ہی دے دی (خیر) اور دشمنوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا ہے تاکہ مؤمنین کے لیے یہ ایک نشان ہو اور تم کو اللہ صراط مستقیم پر چلائے گا اور بھی مغنم بہت ہیں تم کو ان پر قدرت نہیں مگر اللہ نے ان پر احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے۔“

یہ مغنم کثیرہ ہی ہیں جو سلطنت ہائے ایران اور روم پر فتوحات حاصل کرنے پر مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔ چونکہ یہ وعدہ مؤمنین کو مخاطب فرما کر کیا گیا تھا اس لیے اس وعدہ کا ایفا بھی خلافت راشدہ کے وقت میں ہوا۔ جب کہ سرور کائنات ﷺ عالم بقا کو سدھار گئے تھے۔

واضح ہو کہ یہ ایک وعدہ نہ تھا بلکہ مؤمنین سے تین وعدے کیے گئے تھے۔ دوسرا وعدہ یہ تھا کہ دشمن کے ہاتھ تم سے کوتاہ رہیں گے۔ اس وعدہ کے مطابق خلافت راشدہ کے وقت میں کوئی دشمن اسلامی فوجوں پر غالب نہیں آسکا تھا۔

﴿يَا شَاهِدُ سوره نساء کی آیت ﴿فَإِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا فَذَرُوهُمْ إِنَّا لَمُؤْمِنُونَ﴾ [النساء: 94] کی طرف ہے۔

تیسرا وعدہ برائیت صراطِ مستقیم کا تھا اور وہ بھی اپنی ظاہری و باطنی برکات کے ساتھ اسی طرح پورا ہوا جس طرح پہلے دو وعدے۔ اس آیت سے مجاہدین عہدِ خلافت راشدہ کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

﴿۴﴾ عطاے منصب شفاعت

﴿۱﴾ شفاعت شفع سے ہے۔ شفع کے معنی ہیں ایک شے کو دوسری شے کے برابر جو اس کی جنس سے ہو، شامل کر دینا۔ اکثر اوقات کسی اعلیٰ مرتبت شخص کو کسی ادنیٰ کے ساتھ مل کر کوئی کام سرانجام دینے کے معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ مسئلہ شفاعت کفار عرب میں بھی مسلم تھا اور یہود و عیسائیوں میں بھی تسلیم کیا جاتا تھا۔ کفار اور عیسائی یہ سمجھتے تھے کہ شفع اپنی عزت و وقار اور ذاتی اقتدار و اختیار سے جسے چاہے اسے اللہ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ شفع ان سب کو جو اسی کے ہو کر رہیں، نعمائے اخروی و دنیوی عطا فرما سکتا ہے۔ ان عقیدہ والوں کو اللہ کی ہستی اور اس کی قدرت کا انکار نہ تھا، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ الٰہی اقتدار ان اشخاص کو بھی حاصل ہے جو ان کے شفع ہیں۔ لہذا شفع کی عبادت کرنا اللہ کی عبادت سے مستغنی کر دیتا ہے۔ شفع کی رضامندی اللہ کی رضامندی سے مقدم تر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر غضب ناک بھی ہو اور اس کا شفع راضی ہو تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچالے گا۔ لیکن اگر شفع غضب ناک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس شفع کو بندہ پر مہربان نہ کر سکے گا۔ اسی عقیدہ کو کسی بے دین و مشرک پنجابی شاعر نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

بَرُّ رُوخِے تَب تھوڑ ہے، گورو روخِے نہیں تھوڑ

ہر روخِے گورو میل سی، گورو روخِے ہر ناہ

خدا روٹھ جائے تب پناہ کی جگہ باقی رہتی ہے مگر مرشد کے روٹھ جانے سے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔ خدا روٹھ جائے گا تب مرشد ملاوے گا، لیکن اگر مرشد روٹھ جائے تب خدا نہیں ملا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْصُرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاءُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ [یونس: ۱۸]

”یہ لوگ اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ فائدہ کر سکتے ہیں یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ تو ہماری شفاعت کرنے والے ہیں، اللہ کے پاس۔“

انہی لوگوں کے حق میں دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ [الزمر: ۳]

”جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اولیاء بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قرب میں لے جائیں گے۔“

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا شفع بناتے ہیں اور پھر اسی کو اپنا خداوند (مثل) خدا کہتے ہیں۔ اسی کو دعا اور مناجاتوں میں پکارتے، اسی سے مرادیں مانگتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تخت پر اس کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہے، جو کوئی اسے پکارتا ہے اس

سے مدد مانگتا ہے، اسے اپنا کارساز جانتا ہے، اس کو سچ خود ہی اپنے باپ خدا سے بچا لیتا ہے اور بخشوا لیتا ہے۔
قرآن مجید نے اول تو کافروں اور عیسائیوں وغیرہ کے اس عقیدہ کا بطلان فرمایا ہے اور اس کے رد و بطلان کے لیے مختلف اسلوب کے ساتھ کلام الہی نازل ہوا اور پھر شفاعت کبریٰ کا اثبات فرمایا اور اس اثبات کو دو اصول پر منحصر رکھا۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ [البقرہ: 255]

”کون ہے وہ ایسا جو اللہ کے پاس اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے؟“

نیز فرمایا:

﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰئِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ اِلَّا مَنْ اٰذَنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ [النبا: 38]

”اس دن سب فرشتے اور جبریل صف باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بولے گا مگر وہی ایک جس کو اذن ملے گا۔“
اصول اولین سے ثابت ہوا کہ اذن الہی کا قبل از شفاعت حاصل ہونا ضروری ہے۔

﴿وَقَالَ صَوَابًا﴾ [النبا: 38] وہ شفیع ٹھیک ٹھیک بات کہے گا۔

یہ اصول دوم ہے کہ شفیع نہایت صادق، راست باز، پوری پوری بات کہنے والا ہوگا۔
آیت مَنْ اٰذَنَ لَهُ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ شفیع صرف ایک ہوگا۔

ہمارا ایمان ہے اور یہ ایمان قرآن وحدیث کے اخبار پر مبنی ہے کہ وہ شفیع سیدنا ومولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

﴿عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقٰمًا مَّحْمُوٰدًا﴾ [بنی اسرائیل: 79]

”تیرا رب تجھے مقام محمود پر ضرور کھڑا کرے گا۔“

مقام محمود ہی وہ مقام شفاعت ہے کہ جب نبی ﷺ اس مقام پر ایستادہ ہوں گے تو جملہ اولین و آخرین حضور ﷺ کی تعریف کریں گے (تفسیر خازن) اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث صحیح موجود ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی تفسیر میں بروایت انس رضی اللہ عنہ درج فرمایا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا، تب ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی کہ ہم اگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کو شفاعت کے لیے پیش کریں (تو خوب ہے) تا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس جگہ سے نجات دے۔ تب لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ پھر جنت میں ٹھہرایا، پھر فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے جملہ اسماء کی تعلیم آپ کو دی۔ لہذا آپ ہماری شفاعت کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے نجات (راحت) دے۔ وہ کہیں گے: نہیں، میں نہیں کر سکتا۔ پھر وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کر کے کہیں گے کہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ پہلے رسول ہیں۔ تب لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ نوح علیہ السلام کہیں گے: نہیں، میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کریں گے اور فرمائیں گے، تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ وہ کہیں گے: نہیں، میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کو یاد کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کریں گے۔ کہیں گے موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کی اور انھیں تورات بھی دی۔ وہ کہیں گے: نہیں، میں نہیں۔ وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور حیا کا۔ پھر کہیں گے کہ عیسیٰ رضی اللہ عنہ روح

اللہ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ عیسیٰ روح اللہ و کلمہ اللہ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ کہیں گے: میں نہیں۔ تم محمد علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب کچھ معاف کر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب لوگ میرے پاس آئیں گے اور تب میں اپنے رب سے اذن حاصل کروں گا۔ مجھے اذن دیا جائے گا۔ پھر جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھے دعا سکھائے گا وہ جو کچھ چاہے گا میری زبان سے کہلائے گا۔

حب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ - قُلْ تَسْمَعُ ، سَلِّ تَعْطُ ، اِشْفَعُ تَشْفَعُ۔

”اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ۔ بولو، تمہاری سنی جائے گی۔ مانگو تم کو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔“

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں سر اٹھاؤں گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا۔ وہ تمہیں مجھے اللہ تعالیٰ ہی سکھلا دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں اتنے لوگوں کو آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا۔^[1]

انس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ تیسری دفعہ یا چوتھی دفعہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں کہہ دوں گا: اے رب اب تو آگ میں وہی رہ گیا ہے جس کو قرآن نے روک رکھا ہے۔ یعنی وہی جس پر غلو دو واجب ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے پھر یہ آیت ﴿عَلَسَىٰ اَنْ يَّتَعَنَّكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ [بنی اسرائیل: 79] پڑھی اور فرمایا کہ مقام محمود جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی سے کیا ہے، وہ یہی مقام ہے۔^[2]

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ منصب شفاعت بالخصوص نبی ﷺ ہی کو عطا ہوا آدم و نوح و موسیٰ و عیسیٰ ﷺ بھی شفاعت کی جرأت نہ کریں گے اور بالآخر سب کے نزدیک حضور ﷺ ہی اس منصب علیا اور شفاعت کبریٰ کے اہل ثابت ہوں گے۔ لوگوں کا حضور ﷺ سے پہلے دیگر انبیاء اولوالعزم ﷺ کی خدمت میں جانے سے یہ نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ کسی شخص کو یہ شبہ باقی نہ رہے کہ اگر ہم سرور عالم ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے پاس جاتے تو ممکن تھا کہ وہ بھی شفاعت کر ہی دیتے۔ اب جب ہر جگہ صاف جواب مل جائے گا تو سب کو یہ یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ منصب شفاعت میں کوئی نبی، کوئی مرسل، کوئی اولوالعزم بھی حضور ﷺ کا ہمیم و شریک نہیں اور یہی امر حضور ﷺ کی خصوصیت خاصہ کا مظہر ہے۔

﴿بِعِثْتِ عَامَهُ﴾

اس کے متعلق قبل ازیں خصوصیت ﴿وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ [اسہ: 28] کے تحت میں لکھا جا چکا ہے۔ قارئین اس کتاب میں اسے ملاحظہ فرمائیں۔

﴿جوامع الکلم کا عطیہ﴾

بعض اہل قلم نے ”جوامع الکلم“ سے مراد قرآن مجید کو سمجھا ہے۔ کون ہے جو قرآن مجید کے جامع ہونے سے انکار کر سکے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ وہ کلام قدسی نظام مراد ہے، جسے ”حدیث نبوی“ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہا جاتا ہے۔

[1] بخاری: 4712، 741، مسلم: 193، احمد: 116/3 [2] بخاری: 741، مسلم: 193، مسند احمد: 116/3

جب کوئی شخص ان الفاظ پاک پر غور کرے گا، جو حضور ﷺ پر نور کے دل و زبان سے گوش عالمیان تک پہنچے، اسے یقین ہو جائے گا کہ بے شک یہ کلام ”کلام نبوت“ ہے۔ مختصر، سادہ، صاف، پر صدق معانی کا خزینہ، ہدایت کا گنجینہ۔
اس کتاب کے متعدد مقامات پر احادیث پاک کا اندراج کیا گیا ہے، ناظرین کو تدبر اور نظر کے بعد کلام نبوی ﷺ کی جامعیت کا حال کھل جائے گا اور بخوبی سمجھ آ جائے گا کہ یہ کلام صدق نظام صرف مطلع نبوی ﷺ ہی سے جلوہ گر ہو سکتا ہے۔ تیمنا و تمنا کا ایک حدیث درج کی جاتی ہے:

أَبَاكُمْ وَالظَّنُّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسُّسُوا وَلَا تَجَسُّسُوا لَا وَتَنَاقَشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا كَمَا أَمَرَكُمُ اللَّهُ تَعَالَى۔ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ بِحَسَبِ امْرُؤٍ مِنْ إِشْرَاكٍ يَحْقِرُ أَخَاهُ الْمُسْلِمِ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ مَالُهُ وَدَمُهُ وَعِرْضُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَجْسَادِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔ التَّقْوَى هُنَا التَّقْوَى هُنَا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ أَلَا لَا يَبِيعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ وَأَخْرَجَهُ السِّتَةَ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ۔^[1]

① ”خبردار بدگمانی کو عادت نہ بنانا، بدگمانی تو بالکل جھوٹی بات ہے۔ ② لوگوں کی عیب جوئی نہ کرنا۔ ③ اور نہ ایسی باتوں کو اپنے کان تک پہنچنے دینا۔ ④ بڑھنے کے لیے مت جھگڑنا ⑤ باہمی حسد نہ کرنا ⑥ باہمی بغض نہ رکھنا ⑦ کسی کی پس پشت برائی نہ کرنا۔ ⑧ اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہنا جیسا کہ تم کو اللہ کا حکم ہے۔ ⑨ مسلم مسلم کا بھائی ہے۔ بھائی پر نہ کوئی ظلم کرے ⑩ نہ اسے رسوا کرے نہ حقیر جانے ⑪ انسان کے لیے یہی برائی بہت زیادہ ہے کہ اپنے مسلم بھائی کو وہ حقیر سمجھے ⑫ مسلم کا خون، عزت دوسرے مسلم پر بالکل حرام ہے ⑬ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور جسموں کو بالکل نہیں دیکھتا۔ وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ ⑭ دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تقویٰ یہاں ہے۔ تقویٰ یہاں ہے۔ ⑮ خبردار ایک کی خرید پر دوسرا شخص خریدار نہ بنے۔ ⑯ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بنو۔ ⑰ مسلم پر حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے (نسائی کے سوا صحاح میں ہے۔)“

خصوصیت معراج

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہٖ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ [نبی اسرائیل: 1]

معراج نبوی ﷺ کا ذکر اس کتاب کی جلد اول میں کیا جا چکا ہے اور جلد دوم میں بھی۔ ہر دو مقامات پر واقعہ الگ الگ

[1] یہ حدیث مختلف احادیث میں موجود ہے۔ حوالہ جات درج ذیل ہیں: بخاری: 6951, 2442, 6077, 6066; مسلم: 2580, 58, 2560, 25, 2563, 28; ابوداؤد: 4213

4213; ابوداؤد: 4882, 4893, 4914, 4911, 4917; ترمذی: 1927, 1426, 1932; نسائی: 7291, 9161; ابن ماجہ: 4213

اب اس مضمون خصائص النبی ﷺ میں بھی اس عنوان کا شامل ہونا ضروری تھا۔ الحمد للہ کہ اس جگہ تیسرے طرز بدیع میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قارئین یاد رکھیں کہ معراج نبی ﷺ ان خصوصیات میں سے ہے جس میں اور کوئی نبی در رسول حضور ﷺ کا سہم نہیں۔ لفظ معراج کا مادہ ”عرج“ ہے۔ چونکہ احادیث میں الفاظ عرج کی استعمال فرمائے گئے ہیں، لہذا اس واقعہ مبارک کے لیے لفظ معراج خاص ہو گیا۔

لفظ معراج کے معنی زینہ بھی ہیں، چونکہ عروج و ارتقاء منزل بہ منزل ہوا تھا۔ لہذا اس واقعہ باطنی کے لیے یہ تشبیہ ظاہری بھی خوب ہے۔

تعدد معراج

علماء میں سے بعض تعدد کے قائل ہوئے ہیں اور لفظ ”اسری“ و لفظ معراج کے معانی کا فرق بتلایا ہے اور اسی لیے انہوں نے ان واقعات کے لیے مختلف سالوں اور مہینوں کا ذکر کیا ہے مگر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے جو بڑے محقق ہیں اپنی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ تعدد معراج کا قول مطلقاً بے سند ہے اور احادیث صحیحہ کے مفہوم کے بھی مخالف ہے۔

تعیین زمانہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات تین سال قبل از ہجرت تھی۔ دوسری روایت ہے طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات فرضیت نماز، ٹنگانہ سے پیشتر تھی۔ (بخاری عن عائشہ) نتیجہ یہ ہوا کہ واقعہ معراج کے بعد از وفات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تھا اور اس واقعہ کو ہجرت سے تین سال زیادہ کا تاخیر نہیں دے سکتے۔

ذکر ہجرت کا آغاز عقبہ کی اس اولین ملاقات سے جس میں انصار کے صرف چھ (6) اشخاص حضور ﷺ سے ملے تھے شروع ہو جاتا ہے لہذا واقعہ معراج کو ہجرت سے قریب ترین تعلق ہے۔ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ معراج کو بیباچہ الاستیجاب میں 52 ولادت نبوی کا بتلایا ہے۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ اس کی تفصیلی بحث انہوں نے کتاب ”التمہید“ میں کی ہے۔ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ و امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام نووی (جعال لکرائفی) نے معراج کے لیے ماہ رجب کا تعین کیا ہے۔

حافظ عبدالقنی بن عبدالواحد بن علی بن سرور المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی 13 ربیع الاخر 600ھ) نے ستائیسویں (27) رجب کو جملہ اقوال پر ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ ہمیشہ سے عملاً اسی تاریخ پر اتفاق کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا اقوال کا نتیجہ ہے یہ ہوا کہ معراج ستائیسویں (27) رجب 52 ولادت نبوی ﷺ کو ہوا تھا۔

میں نے نبی ﷺ کی سیرت مبارک کے متعلق 23 سالہ جستری خود تیار کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہ رجب 52 کا پہلا دن جمعہ تھا۔ لہذا ستائیسویں (27) رجب کی شب کے بعد طالع ہونے والا دن چہار شنبہ (بدھ) تھا اور اسلامی طریق سے شب معراج

[1] امام محمد الدین ابو اللہ امام اسماعیل بن عمر بن کثیر قرطبی، دمشقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 774ھ) بہت بڑے عالم و اچھے اور مصنف کتب کثیرہ تھے۔ الہدایہ والنہایہ اور تفسیر ابن کثیر انہیں کے مشہور علمی شاہکار ہیں۔

بھی چہار شنبہ (بدھ) تھی۔

راویان احادیث معراج مع حوالہ کتب احادیث

ذیل میں دکھلایا جاتا ہے کہ احادیث معراج کن کن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کن کن دوادین حدیث میں مروی ہے۔

① حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری وابن جریر	بطریق شریک بن عبداللہ عن انس رضی اللہ عنہ	①
صحیح مسلم	بطریق ثابت عن انس رضی اللہ عنہ	②
نسائی وابن ماجہ	بطریق یزید بن مالک عن انس رضی اللہ عنہ	③
ابن ابی حاتم	بطریق دیگر از یزید بن مالک	④
ابن جریر وابن مردویہ	بطریق عبدالرحمن بن ہاشم عن انس رضی اللہ عنہ	⑤
احمد و ترمذی، بیہقی، عبد بن حمید، ابن جریر ابن مردویہ، ابو نعیم	بطریق قتادہ عن انس رضی اللہ عنہ	⑥
ابوداؤد و احمد	بطریق عبدالرحمن بن جبیر عن انس رضی اللہ عنہ	⑦
ابن مردویہ	بطریق قتادہ و سلیمان النخعی و علی بن زید عن انس رضی اللہ عنہ	⑧
ابن سعد، سعد بن منصور، بزار، بیہقی، ابن عساکر	عن ابی عمران الجونی عن انس رضی اللہ عنہ	⑨

② حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: صحابی بن صحابی

صحیح بخاری و صحیح مسلم	عن جابر رضی اللہ عنہ	①
------------------------	----------------------	---

③ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ

صحیحین	من طریق قتادہ عن ابی العالیہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ	①
صحیح مسلم	ایضاً عن ابن عباس رضی اللہ عنہ	②
احمد و ابو نعیم، ابن مردویہ، بسند صحیح	من طریق قابوس عن ابیہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ	③
احمد، ابو نعیم، ابو نعیم، ابن مردویہ	من طریق عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ	④
احمد، نسائی۔ بزار، طبرانی، بیہقی، ابن مردویہ	من طریق شہر بن حوشب عن ابن عباس رضی اللہ عنہ	⑤

④ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری	من طریق علقمہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ	①
------------	---	---

②	صحیح مسلم	من طریق مرة الہمدانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما
③	صحیح مسلم و بیہقی و ابویعیم	من طریق زر عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما
④	احمد، ابن ماجہ، سعید بن منصور و حاکم صحیحہ	من طریق موثر بن غفار عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما
⑤	ترمذی، وحشہ و ابن مردویہ	من طریق عبد الرحمن عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما
⑥	بزار - ابویعلیٰ، حارث بن ابی اسامہ، طبرانی، ابویعیم، ابن عساکر	من طریق عاتقہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما

⑤ حدیث مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہما ①

⑥ حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہما

①	صحیحین	من طریق الزہری عن انس قال کان ابو ذر یحدث بسندہ عن ابی ذر رضی اللہ عنہما
---	--------	--

⑦ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما

①	صحیح مسلم و احمد و ابن مردویہ	من طریق ابی سلمہ
②	احمد، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ	من طریق ابی الصلت
③	ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بزار، ابویعلیٰ و بیہقی	من طریق ابن العالیہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما
④	ابن مردویہ	من طریق سلیمان بن ابی
⑤	سعید بن منصور ابن سعد	عن ابی وہب مولیٰ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما
⑥	صحیح بخاری و مسلم و احمد مالک حدیث	من طریق قتادہ عن انس رضی اللہ عنہما

⑧ حدیث حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما

①	احمد بن ابی شیبہ - ترمذی، حاکم صحیحہ و نسائی و ابن جریر و ابن مردویہ، بیہقی	عن حذیفہ رضی اللہ عنہما
---	---	-------------------------

① نہایت قلیل الرواے ہیں۔ یہی ایک حدیث ان سے بطریق صحیح محفوظ ہے جو نہایت اتفاق سے مروی ہے۔

9) حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

ابن مردویہ	عن سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ
------------	------------------------------

10) حدیث سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

ابن عساکر	عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ
-----------	----------------------------

11) حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ

ابن ابی حاتم، بیہقی، وصحیحہ، بزار، طبرانی، ابن مردویہ	عن شداد بن اوس رضی اللہ عنہ
---	-----------------------------

12) حدیث صہیب رضی اللہ عنہ

طبرانی، ابن مردویہ	عن صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ
--------------------	------------------------------

13) حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ

ابوداؤد، طبرانی (اوسط)، بیہقی	عن ابی عمر رضی اللہ عنہ
-------------------------------	-------------------------

14) حدیث ابن عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ

ابن مردویہ	عن عمرو بن شعیب عن ابيه عن جدہ
------------	--------------------------------

15) حدیث عبداللہ بن سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ: صحابی بن صحابی

بزار، ابن قانع، ابن عدی، لغوی، ابن عساکر	عن عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ
--	--------------------------------

16) حدیث ابویوب رضی اللہ عنہ

ابن ابی حاتم - ابن مردویہ	عن ابی یوب رضی اللہ عنہ
---------------------------	-------------------------

17) حدیث ابی حبیہ رضی اللہ عنہ

طبرانی، ابن قانع، ابن مردویہ	عن ابی حبیہ رضی اللہ عنہ
------------------------------	--------------------------

18) حدیث ابی العمراء رضی اللہ عنہ

طبرانی، ابن قانع، ابن مردویہ	عن ابی العمراء رضی اللہ عنہ
------------------------------	-----------------------------

19) حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عساکر	ابن ہارون العبیدی
--	-------------------

②	ابن مردويه	من طريق ابى نصره عن ابى سعيد
③	ابن مردويه من وجه آخر	عن ابى نصره
④	ابن مردويه من وجه آخر	من طريق حمه عن ابى سعيد

②٥ حدیث ابى يعلى بن عمار

①	طبرانی (اوسط) ابن مردويه	من طريق محمد بن عبدالرحمن
---	--------------------------	---------------------------

②٦ حدیث عائشه صدیقہ رضی اللہ عنہا

①	ابن مردويه، حاکم وصحیحہ بیہقی	من طريق زهرى عن عروه
---	-------------------------------	----------------------

②٧ حدیث اسماء بنت الصديق رضی اللہ عنہا

②٨ حدیث ام ہانی بنت ابى طالب رضی اللہ عنہا

①	ابن اسحاق، ابن جریر	عن انكس عن ابى صالح عن ام ہانی رضی اللہ عنہا
---	---------------------	--

②٩ حدیث عمر فاروق رضی اللہ عنہ

①	احمد	عن عبید بن آدم عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ
②	ابن مردويه	من طريق مغیره بن عبدالرحمن

③٠ حدیث ابى سفیان اموی رضی اللہ عنہ

①	ابو نعیم عن محمد بن كعب القرظی	عن سفیان بطریق ایسیا (موقوف)
---	--------------------------------	------------------------------

③١ حدیث امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ

①	طبرانی	من طريق الحسين عن ابيه
②	ابو نعیم	من طريق محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ
③	ابن مردويه	من طريق زيد بن علی بن آباءه عن علی

③٢ حدیث عبدالرحمن بن قرط الشمالی رضی اللہ عنہ

①	سعید بن منصور، طبرانی، ابن مردويه، ابو نعیم (فی المعروف)	عن عبدالرحمن بن قرط
---	--	---------------------

③٣ حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ

①	ترمذی، حاکم، صحیحہ ابو نعیم، ابن مردويه، بزار	عن بریدہ رضی اللہ عنہ
---	---	-----------------------

صحابہ رضوان اللہ علیہم جس قدر روایان حدیث ہیں، ان میں کی مہاجر بھی ہیں اور مدنی انصار بھی۔ واقعہ معراج مکہ معظمہ میں ہوا لیکن یہ خیال غلط ہے کہ انصار اصحاب رضی اللہ عنہم نے بعد میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ مہاجرین سے سنا ہوا تھا۔

اول تو راوی نے صحابہ کی خودصراحت کہ انھوں نے حدیث کو نبی ﷺ تک پہنچایا۔ اس بارے میں کافی دلیل ہے۔

دوم یہ قدرتی امر ہے کہ جب انصار کہارنے معراج کے متعلق اپنے مہاجر بھائیوں سے کچھ سنا تو ان کے شوق و ذوق کا تقاضا یہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ خود سرور عالم ﷺ کی زبان سے سننے کی درخواست کرتے، جیسا کہ محدثین میں ہمیشہ علو اسناد کے حاصل کرنے کا شوق پایا گیا ہے۔ یہ صرف قیاس ہی نہیں بلکہ بعض روایات میں صریحاً اس کی بابت الفاظ موجود ہیں۔ حدیث شداؤ بن اوس رضی اللہ عنہ میں ہے۔

فَلَمَّا بَارَسُوهُ اللَّهُ تَخَيَّفَ مُسْرِي بَكَ ﴿١﴾ لَفْظٌ فَلَمَّا بِرَغْوَرٍ كَرْنَا چاہیے کہ یہ درخواست ایک مجمع صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے تھی۔

صحیحین کی روایت مالک بن صعصعہ میں ہے: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُمْ ﴿٢﴾ ”خود نبی کریم ﷺ نے ان

سے حدیث بیان فرمائی۔“

لہذا معراج کی احادیث مرفوعہ خواہ ان کے راوی مہاجرین ہیں یا انصار سب کی سب نبی ﷺ سے سنی ہوئی ہیں۔

بعض صحابہ مثلاً ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم ایسے بھی ہیں جنھوں نے نبی ﷺ سے روایت براہ راست بھی کی ہے اور بالواسطہ کسی دوسرے صحابی سے بھی۔ ان کی طرف سے ہر دو گونہ روایات ہیں۔ اس تیز کو قائم رکھنا بھی ثابت کرتا ہے کہ انھوں نے مرسل کو مرفوع کہنے کی جرأت کبھی نہیں کی۔ یہ امر اور بھی موجب اطمینان ہے کہ صحیحین کی احادیث واقعہ معراج کے متعلق زیادہ مکمل اور زیادہ مفصل ہیں۔

اب واقعات معراج کو بیان کیا جاتا ہے

﴿١﴾ صحیح مسلم کی حدیث میں طریق ثابت عن انس رضی اللہ عنہ میں ہے: ”میں سواری پر سوار ہوا اور بیت المقدس پہنچا۔ سواری کو اسی حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ مسجد میں جا کر میں نے دو رکعت نماز ادا کی اور وہاں سے آسمان کی طرف عروج ہوا۔ ﴿٢﴾“

﴿٢﴾ ابن ابی حاتم کی ایک روایت عن یزید بن ابی مالک عن انس میں نماز بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ:

”میرے پہنچ جانے کے بعد وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ اذان دی گئی اور اقامت کہی گئی۔ میں درست ہوئیں۔ میں انتظار میں تھا کہ نماز کون پڑھائے گا۔ جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کھڑا کر دیا۔ بعد از نماز جبریل علیہ السلام نے پوچھا آپ کو معلوم ہے کہ

آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی؟ میں نے کہا نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ سب انبیاء ہیں جو منجانب اللہ مبعوث ہو چکے۔“ ﴿٣﴾

﴿٣﴾ امام احمد کی روایت عن عیاد بن آدم میں بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ

”جب امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس پہنچے، تب کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مجھے نماز کہاں پڑھنی چاہیے، اس نے کہا صحرہ کے

بیچھے۔ امیر المؤمنین نے کہا، نہیں۔ میں وہاں پڑھوں گا جہاں نبی ﷺ نے پڑھی تھی۔“

مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث من طریق انس رضی اللہ عنہ بھی موجود ہے۔

مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ نہایت قلیل الروایت ہیں۔ حتیٰ کہ اکثر محدثین کا خیال ہے کہ اس ایک حدیث کے سوا ان سے اور کوئی حدیث مروی نہیں ہے، ایسے بزرگوار نے حدیث کو نہایت ہی اتقان کے ساتھ یاد رکھا اور روایت کیا ہوگا، کیوں کہ ان کی ساری عمر کی کمائی یہی ہے اور غالباً یہی پختہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے خود مرفوعاً روایت کرنے کے بعد بھی بزرگوار ابن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا اپنے لیے موجب فخر و سرت سمجھا۔ اب مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا (قنادہ نے لفظ ”حطیم“ کی جگہ کہیں لفظ ”حجر“ بھی استعمال کیا ہے۔ دونوں نام ایک ہی مقام کے ہیں۔ یعنی خانہ کعبہ کے اندر کی وہ زمین جسے قریش نے باہر چھوڑ دیا تھا۔ جب آنے والا (جبریل علیہ السلام) میرے پاس آیا۔ اس نے اپنے ساتھی (میکائیل علیہ السلام) سے کہا کہ ان تین میں سے درمیان والے نبی ﷺ ہیں۔ پھر وہ میرے پاس آیا، سینہ سے لے کر زمریناف تک میرا جسم شق کیا۔ پھر سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان و حکمت سے پر تھا۔ میرے قلب کو دھویا اور ایمان و حکمت سے بھر دیا۔ پھر زخم درست کر دیا۔ پھر میرے لیے سواری لائی گئی جس کا قد نجر سے کم اور حمار (گدھا) سے اونچا تھا۔ اس کا قدم اس کی حد بصر تک پڑتا تھا۔ مجھے سوار کیا گیا۔ جبریل علیہ السلام میرے ساتھ چلا۔ آسمان دنیا تک مجھے لے کر پہنچایا گیا۔ دروازہ کھلوا دیا، اندر سے پوچھا کون ہے؟ کہا جبریل علیہ السلام۔ کہا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد ﷺ۔ انھوں نے کہا کیا آپ کو بلوایا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے مرحبا کہا اور کہا خوب تشریف لائے۔ دروازہ کھلا۔ میں اندر گیا تو وہاں آدم تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ تمہارے ابا آدم علیہ السلام ہیں، سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور ابن صالح و نبی صالح فرما کر مرحبا بھی کہا۔

پھر جبریل علیہ السلام دوسرے آسمان تک پہنچا۔ دروازہ کھلوا دیا (وہی گفتگو پہلے آسمان والی ہوئی) میں اندر گیا تو وہاں یحییٰ و عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ یہ دونوں خالہ زاوہ ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ یحییٰ و عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور اخ صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا بھی کہا۔

پھر تیسرے آسمان پر گئے۔ (وہی گفتگو ہوئی، دروازہ کھلا) وہاں یوسف علیہ السلام تھے۔ سلام و جواب کے بعد انھوں نے بھی اخ صالح و نبی صالح کے الفاظ میں مرحبا کہا۔

پھر جبریل علیہ السلام چوتھے آسمان تک بلند ہوا۔ دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا کون؟ کہا جبریل علیہ السلام۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد ﷺ۔ پوچھا کیا بلوائے گئے ہیں؟ کہا: ہاں۔ فرشتوں نے مرحبا کہا اور میرے آنے پر خوشی کا اظہار کیا۔ اندر گئے تو وہاں اور یس علیہ السلام تھے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور اخ صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔

اسی طرح پانچویں آسمان والے فرشتوں کی بات جبریل علیہ السلام سے ہوئی۔ میں اندر گیا۔ وہاں ہارون علیہ السلام ملے۔ سلام کا جواب دے کر مجھے اخ صالح و نبی صالح کے ساتھ مرحبا کہا۔

اسی طرح چھٹے آسمان پر جبریل علیہ السلام اور فرشتوں کی گفتگو ہوئی۔ میں اندر گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام ملے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور اخ صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔

میں ان سے آگے کو چلا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے، پوچھا گیا کہ تم کیوں روئے؟ کہا یہ تو جوان میرے بعد نبی ہوا اور اس کی امت

کے لوگ میری امت سے بہت زیادہ تعداد میں داخل جنت ہوں گے۔
 پھر ساتویں آسمان پر جبریل علیہ السلام پہنچا۔ فرشتوں سے گفتگو ہوئی اور وہاں میں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام موجود ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور ابن صالح و نبی صالح کہہ کر مر جا کہا۔
 پھر مجھے سدرة المنتہی تک اٹھایا گیا۔ اسکا پھل بڑی چائوں جیسا اور اسکے پتے ہاتھی کے کان جیسے بڑے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ سدرة المنتہی یہی ہے۔ وہاں چار نہریں دیکھیں، دو اندر بہتی تھیں، دو کھلم کھلی۔ جبریل نے بتایا کہ اندر اندر چلنے والے دریا تو بہشت کے دریا ہیں اور کھلے چلنے والے نیل و فرات۔

پھر سامنے "بیت المعمور" نمودار ہوا۔ (قنادہ جو راوی حدیث ہیں انھوں نے کہا کہ حسن رضی اللہ عنہ نے ہم کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت المعمور میں ستر ہزار (70000) فرشتے روزانہ داخل ہوتے ہیں اور پھر لوٹ کر نہیں آتے۔ اس قدر بڑی کے بعد قنادہ رضی اللہ عنہ نے پھر حدیث انس کی طرف رجوع کیا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر میرے سامنے شراب اور دودھ اور شہد کے برتن پیش کیے گئے، میں نے دودھ لے لیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہی وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔ پھر پچاس (50) نمازیں فرض کی گئیں۔ روزانہ پچاس (50) نمازیں۔ پھر میں نیچے آیا اور موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تو انھوں نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا: پچاس (50) نمازیں روزانہ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ کی امت میں اس کی استطاعت نہ ہوگی اور میں قبل ازیں لوگوں کا امتحان کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کی تدبیر کرتا رہا ہوں۔ آپ اپنے رب کی طرف واپس جائیں اور امت کے لیے تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں واپس گیا، دس (10) نمازیں کم کر دیں گئیں۔ میں لوٹ کر یہی موسیٰ علیہ السلام کو بتایا وہ بولے کہ پھر واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں واپس گیا، اور دس (10) نمازوں کی تخفیف کر دی گئی۔ میں نے پھر موسیٰ علیہ السلام کو یہی آ کر بتلایا۔ انھوں نے کہا کہ پھر واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں واپس گیا۔ تب دس نمازوں کی اور تخفیف کر دی گئی۔ انھوں نے پھر کہا کہ واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں اسی طرح جاتا رہا۔ حتیٰ کہ پانچ نمازوں کا حکم ہو گیا اور میں نے موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا۔ انھوں نے کہا کہ آپ کی امت میں استطاعت بھی نہ ہوگی۔ مجھے لوگوں کا خوب تجربہ ہے اور میں نے بنی اسرائیل کے لیے بڑی بڑی تدبیریں کی ہیں لہذا واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا کرتا شرمسار ہو گیا ہوں۔ اب تو میں اس کو خوشی سے مانوں گا اور تسلیم کروں گا۔ اس وقت پکارنے والے کی ایک آواز آئی کہ میں نے اپنے فریضہ کو جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف بھی کر دی۔ ﴿۱﴾
 شیخین کی حدیث عن انس میں مزید یہ ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت کیا کرتے تھے کہ:

آدم علیہ السلام جب دائیں جانب دیکھتے تب ہستے اور جب بائیں جانب دیکھتے تب روتے۔ جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر بتلایا کہ دائیں بائیں اولاد آدم کی ارواح ہیں۔ دائیں جانب اہل جنت ہیں اور بائیں اہل نار۔ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو انس

پڑتے ہیں اور بائیں جانب کو دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں۔^[1]

[6] زہری کہتے ہیں کہ ابن حزم نے مجھے بتلایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو جریہ الانصاری یہ بھی کہا کرتے تھے کہ:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے بلندی پر لے جایا گیا اور میرے سامنے مستوی آ گیا، میں صریف الاقلام سنتا تھا۔

پانچ نمازوں کی تعیین کے بعد موسیٰ علیہ السلام بھی میرے ساتھ چلے۔ میں سدرۃ المنتہیٰ پر واپس آیا۔ اس پر ایسے رنگا رنگ الوان پڑ رہے تھے کہ جن کی صفت بیان سے باہر تھی۔ پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا، جس کی کنگریاں آبدار موتی ہیں اور جس کی زمین مشک خالص کی ہے۔^[2]

ساتوں آسمانوں پر آٹھوں انبیاء کی ملاقات کا راز

مختلف آسمانوں پر الگ الگ انبیاء صلی اللہ علیہم کی ملاقات بہت ہی انصاف دینی پر مشتمل ہے:-

- [1] پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح شاہان عالم معزز مہمان کے اکرام کے لیے اپنی سرحد خاص سے لے کر دربار خاص تک درجہ بدرجہ امراء عظام کو مقرر کیا کرتے ہیں۔ اس طرح ان انبیاء کرام صلی اللہ علیہم کا تعیین بھی آسمان اول سے آسمان ہفتم تک کیا گیا۔
- [2] آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ اول الانبیاء ہیں۔ اس لیے ان کا تعلق آسمان اول سے ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ آدم علیہ السلام ہیں جن کو ترک جنت کا الم اٹھانا پڑا۔ مگر جب زمین پر آئے اور خلافت الارض کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا اور ان کی اولاد اور نقاسے زمین آباد ہو گئی تب ان کا وہ الم تبدیل بہ سرور ہو گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی احسب انبلاہ عند اللہ^[3] کو ترک کرنے والے تھے، لیکن اقامت مدینہ طیبہ اشاعت اسلام اور نشر علوم کا سبب تھی۔ یہیں سے نصرت و فتح کے اعلام بلند ہوئے اور یہی بلکہ طیبہ حضور کے خلفاء کا بھی مستقر ثابت ہوا۔

[3] یحییٰ و عیسیٰ صلی اللہ علیہم میں قرابت بھی ہے۔ مسیح نے اصطبار بھی یحییٰ علیہ السلام سے پایا تھا۔ احوال زہد و محنت میں بھی دونوں متحد الاحوال ہیں۔ اس لیے وہ دونوں ایک ہی مقام پر جمع تھے اور دونوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد و توکل اور اعراض عن الخلق و مستقبل کا دکھانا بھی مقصود تھا۔ یحییٰ علیہ السلام نے اپنا کام عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑا تھا اور عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکمال صداقت اور اتمام حقانیت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے پورا ہونا بتلایا تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ دونوں بزرگوار اپنی بہترین تمناؤں کو مکمل شدہ حالت میں دیکھ لیتے۔

[4] یوسف علیہ السلام کے احوال مبارک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مماثلت کلی ہے۔ دونوں صاحب الجمال و الکمال ہیں۔ دونوں کو امتحانات ساتھ دینے پڑے۔ دونوں میں غفور و کرم کا دُور ہے۔ دونوں نے اخوان جفا پیشہ کو لا تشریب علیکم الیوم کے مزدہ سے جان بخشی فرمائی ہے۔ دونوں صاحب امر و حکومت ہیں اور دنیا سے پوری کامرانی و حکمرانی اور جاہ و جلال کے ساتھ رخصت ہوئے ہیں۔

[5] چونکہ فلک پر اور یس علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ کثرت درس اور توکل تعلیم اور شغف تدریس میں اور یس علیہ السلام کا خاص درجہ ہے اور یہی کیفیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی ﴿لَوْ كُنْهُمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [البقرہ: 2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے القاب گرامی میں داخل ہے۔

[6] پانچویں پر ہارون علیہ السلام ملے۔ ہارون علیہ السلام اپنی قوم و امت میں ہر دل عزیز اور محبوب قلوب تھے۔ ہارون مسجد کے امام تھے۔ ہارون علیہ السلام تفرقہ بازی کو سب سے برا سمجھتے تھے اور یہ وہ صفات عالیہ ہیں جن کے انوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں واضح و آشکار ہیں۔

[7] چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب شریعت بھی ہیں اور صاحب کتاب بھی ہیں۔ غازی و مجاہد ہیں، مہاجر و

[1] بخاری: 3342، مسلم: 163/263، بخاری: 34، 1636، 3342، مسلم: 163، تفسیر ابن کثیر: 192/3

[2] مسلم: 1528، ابن خزیمہ: 1293، کنز العمال: 20719

مناظر بھی۔ نبی ﷺ کے ساتھ ان محاسن میں مشابہتیں ہیں۔ ان کا رتبہ ان مجموعی محاسن کی وجہ سے پانچوں آسمانوں والے انبیاء سے بڑھ کر خاص امتیاز رکھتا ہے۔

﴿۱۸﴾ ساتویں آسمان پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نظر آئے۔ یہی بانی کعبہ مقدسہ ہیں اور یہی کعبہ آسمانی (بیت المعمور) کے مہتمم ہیں۔ یہی امام خلق ہیں، خلیل الرحمن ہیں۔ نبی ﷺ نے کعبہ کو ار جاس اوٹان سے پاک کیا۔ نبی ﷺ کی مرضی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیے کعبہ کو قبلہ نماز بنایا۔ نبی ﷺ ہی نے ملت حنیفیہ کو زندہ کیا۔ نبی ﷺ ہی نے مناسک حج کو سنت ابراہیمیہ کے مطابق محکم فرمایا۔ نبی ﷺ ہی نے درود پاک میں اپنے نام کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پاک کے نام کو شامل فرمایا۔ نبی ﷺ علیہ کے لحاظ سے بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نہایت مماثل تھے۔

رفعت، حضور ﷺ کو مقام ابراہیم (بیت المعمور) سے اوپر حاصل ہوئی۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ حضور ﷺ ہی مقام محمود والے ہیں اور حضور ﷺ ہی ادم و من ذونہ، تحت یوانی فرمانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ ﴿۱۹﴾

قرآن کریم اور معراج شریف

قرآن کریم نے واقعہ معراج کو دو سورتوں میں ذکر فرمایا ہے:

﴿۱﴾ سورہ بنی اسرائیل جس کے آغاز ہی میں یہ آیات ہیں:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْآيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [بنی اسرائیل: 1]

کلمہ سبحان تزییہ کے لیے آتا ہے اور شروع کلام میں اس لیے لایا جاتا ہے کہ جن واقعات کا ذکر آئندہ کیا جائے گا اللہ کی قدرت اور طاقت اس کو ظہور میں لانے سے عاجز و در ماندہ نہیں۔ لیلۃ کی تینوں رات کی مقدار قلیل کو ظاہر کرتی ہے۔ ﴿بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾ اسی مقام کے قرب و جوار میں اشجار مشرہ اور انہار جار یہ اور شجرہ مبارکہ زیتون کی کثرت ہے۔ اسی کا حوالی انبیاء کثیر کا مہبط وحی اور معجزات باہرات کا مصدر رہا ہے۔

﴿مِنَ الْآيَاتِنَا﴾ سے مراد وہ نشانات ارضی بھی ہیں جو بنی اسرائیل کے اقبال و ادبار اور شرف و ذلت کی زندہ زبان ہیں۔

اور وہ نشانات عظمیٰ بھی اسی لفظ میں شامل ہیں جو حضور ﷺ نے مسجد اقصیٰ سے عروج کے بعد ﴿مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ملاحظہ فرمائے۔

﴿۲﴾ سورہ نجم میں ذکر ہے۔ مندرجہ ذیل آیات پر تہر کر۔

﴿لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ﴾ [نجم: 18] "اس نے اپنے رب کی ان آیات کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ

میں "کبریٰ" بزرگ ترین ہونے کی صفت سے موصوف ہیں۔"

اس کے تحت میں جبریل علیہ السلام کا بصورت اصلی یا سدرۃ المنتہیٰ اور اس پر چھا جانے والے انوار قدسیہ کا بصورت تجلی یا جنت و نار

کا بہ ہیت موجودہ یا عجائبات ملکوت کا تفصیل سے معائنہ کچھ بھی لکھ دیا جائے، لیکن یہ سب کے سب اپنی مجموعی شان میں بھی لفظ کبریٰ کے

سامنے کم ہی ہوں گے۔ اس لیے ان کا حصر و تعقل دشوار ہے۔

2 ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى﴾ [انجم: 17] اس آیت میں نبی ﷺ کے شوق دید کا بھی بیان ہے اور مراعات حسن ادب کا ذکر ہے اور نبی ﷺ کے ثبات و وقار اور تحمل و استعداد رویت کا بھی تذکرہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے حال میں فرمایا گیا ہے ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا﴾ (7، الامراف: 143) جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی، تب پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ سیدنا حضرت محمد ﷺ خوب آنکھیں بھر کر ان انوار کو دیکھ رہے ہیں۔ مشتاق آنکھ نہ جھپکتی ہے نہ ادھر ادھر تکتی ہے۔ قوت رہانیہ متوجہ نمائش ہے اور بصارت محمدیہ کمال قوت و نظارہ کے ساتھ وقف دید۔

3 ﴿مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى﴾ [انجم: 11] ”جو کچھ آنکھوں نے دیکھا، دل نے اسے نہیں جھٹلایا“ بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ روشن صاف آنکھیں ایک شے کو دیکھتی ہیں اور دل آنکھ کی دیکھی ہوئی حالت کو جھٹلاتا ہے۔ مثلاً ہم صبح کو دیکھتے ہیں کہ سورج ایک زریں طشت کی صورت میں مشرق سے نمودار ہوتا ہے۔ اس کا قد و قامت اس وقت اتنا چھوٹا نظر آتا ہے کہ کہہ کرہ ارض سے کروڑوں حصے کم ہو گیا، لیکن دل کہہ دیتا ہے کہ ایسا سمجھنا آنکھ کی غلطی ہے۔ یہ تو زمین سے کروڑوں حصے بڑا ہے اور یقیناً بڑا ہے۔ ہم پانی کے اندر گری ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ابھری ہوئی نظر آتی ہیں حالانکہ آنکھ کا اسے ایسا دیکھنا غلط ہوتا ہے۔ ہم سورج کی روشنی کو دیکھ کر اسے صرف ایک صاف، سفید روشنی سمجھتے ہیں حالانکہ دل بتلاتا ہے کہ اس روشنی میں سات (7) رنگوں کا اجتماع ہے۔

جب دیدہ و دل میں ایسا اختلاف پایا جاتا ہے تب یہ سمجھنا کہ آنکھ حقیقت اصلیہ کو دیکھ رہی ہے، غلط ہوتا ہے، لیکن حقائق کی اصلیت اور انکشافات کی حقیقت پر دل و دیدہ کا یقین، وثوق اور اعتبار مجتمع ہو جائے تو شک نہیں کہ یہ نظارہ بصیرت افروز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہی مقصود ہے کہ نبی ﷺ کے نظارہ پاک کو جملہ ظنون و شکوک سے برتر اور جملہ صدقاتوں اور حقیقتوں پر حاوی یقین کرنا چاہیے۔

4 ﴿فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِ عَبْدُهُ مَا أَوْحَى﴾ [انجم: 10] ”پھر اپنے بندہ پر جو وحی بھی بھیجی تھی وہ بھیجی۔“ آیات بالا میں دیدہ و دل کی کیفیات کا ذکر تھا۔ اس آیت میں گوش و دل کے حقائق کا ذکر ہے۔ مَا أَوْحَى کا لفظ اجمال کے لیے نہیں بلکہ تنصیم کے لیے ہے۔ اس سے تنصیم وحی بھی مقصود ہے اور يُوحَى إِلَيْهِ کی تعظیم بھی اور ان کی عظمت اصلیہ تو لفظ عبد میں پنہاں ہے۔ پنہاں بھی ہے اور عیاں بھی۔

کچھ شک نہیں کہ واقعہ معراج نبی ﷺ کے مقامات اعلیٰ سے ایک برترین مقام ہے اور اس واقعہ کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں بھی اور سورہ انجم میں بھی لفظ عبدی کا استعمال فرمایا ہے تاکہ مخلوق الہی خوب سمجھ لیں اور اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ اس مقدس ہستی کے لیے بھی جس کی شان ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ سے آشکار ہے۔ سب سے بلند ترین مقام عبودیت ہی کا ہے اور ہم سب کو اسی مقام عبودیت میں ارتقا (بقدر قابلیت و استعداد) کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ ﴿فَاعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ [الزمر: 2] ”اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسی کے لیے دین کو خالص کرو“ بیشک الصلوٰۃ معراج المومنین کے معانی بھی اس نکتہ سے صل ہوتے ہیں کیوں کہ اظہار عبودیت و بیان عجز و اقتدار اور تشکل بندگی و اجتنال کے لیے نماز سے بڑھ کر اور کوئی صورت متحقق نہیں۔

بیداری و خواب کی بحث

بعض علماء کو آیت سے ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي اَرَبْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ ﴾ [بنی اسرائیل: 60] اور ہم نے آپ کو جو خواب دکھایا وہ لوگوں کے لیے ماسوائے فتنہ کے کچھ نہیں سے یہ خیال ہوا ہے کہ اس آیت کا اشارہ معراج کی طرف ہے اور چونکہ اسے رؤیا سے تعبیر کی گیا ہے لہذا معراج کے واقعات خواب میں نظر آئے تھے۔ اس اشکال کو امام لغت ابن و جبہہ رحمہ اللہ نے حل کر دیا ہے کہ رویت و رؤیا کا استعمال بمعنی واحد ہوتا ہے۔ لغت کا قول ہے: رأیت رؤیة و رؤیا قربة و قربة اب یہ وہم اٹھ گیا رؤیا صرف خواب ہی کے لیے مستعمل ہے۔

زحتری رحمہ اللہ نے جو امر لغت و معانی و بیان میں سے ہیں، اپنی تفسیر میں پر آیت بالا کے تحت میں لکھا ہے کہ اس رؤیا کا تعلق بدر سے ہے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کافر کے گرنے کا نشان و مقام بھی بتلا دیا تھا اور کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو استہزاء ہی بتاتے رہے۔ بعد ازاں لفظ قبل کے ساتھ اس نے یہ بیان کیا ہے:

انَّمَا سَمَّاهَا رُؤْيَا عَلَى قَوْلِ الْمُكْذِبِينَ حَيْثُ قَالُوا لَهُ، لَعَلَّهَا رُؤْيَاءُ رَأَيْتَهَا وَخِيَالَ خِيَالَ اِلَيْكَ۔ [1]

لفظ رؤیا کا استعمال مکذبین کے استعمال کے موافق ہے۔ وہ معراج کا حال سن سن کر کہتے تھے کہ شاید یہ ایک خواب ہے یا پھر خیال جو اس کے دماغ میں آیا۔

اس کی مثال ان آیات میں ہے: ﴿ قَرَأَ عِ الْهِبْتُمْ ﴾ [الصافات: 90] ”یعنی آپ (ابراہیم علیہ السلام) چپ چاپ ان کے معبودوں کے پاس چلے گئے“ ﴿ اَيْنَ شَرِّ كَانِي ﴾ [القصص: 62] ”کہاں ہیں میری ہمسری کے دعویٰ اور“

﴿ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴾ [الدخان: 49] ”چکھ (عذاب) بلاریب تو تو بزرگ اور عزت والا بننا تھا۔“ اب محدثین کی سنی، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں آیت ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي اَرَبْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ ﴾ [1] کے تحت میں بروایت عمرہ بن ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ الفاظ تحریر کیے ہیں۔

ہی رؤیا عینی اربہا رسول اللہ لیلۃ اُسری یہ یہ آنکھ کا نظارہ تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شب اسری دکھلایا گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بہتر امت محمدیہ اور بد دعائے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہترین مفسر قرآن ہیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ وہ لغت و ادب کے بھی ائمہ عظام میں سے ہیں۔ ان کا قول:

”میرا ایمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج بیداری اور جسم کے ساتھ تھا“ یہی اعتقاد اکثر ائمہ اہل سنت محدثین و فقہائے تابعین و صحابہ کا ہے جو لوگ واضح ثبوت کے بعد بھی معراج کو خواب ہی سمجھا کریں وہ حدیث ذیل پر ذرا غور کریں۔

عَنِ الشَّيْخَيْنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمَّا كَذَّبْتَنِي قُرَيْشٌ حِينَ أُسِرِي بِي اِلَى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ قُمْتُ فِي الْحَجْرِ فَجَلَى اللَّهُ لِي بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفَّقْتُ اخْبِرُهُمْ عَنْ اَيَاتِهِ وَاَنَا

[1] کشف جلد دوم: 191

[2] میرے سامنے جو صحیح بخاری موجود ہے وہ بمقام پہلی 1268ھ میں لکھی گئی اور 1270ھ میں چھاپی گئی، اس میں لفظ رؤیہ (بالاء) ہے۔ آیت میں بھی اور تفسیر ابن عباس کے الفاظ میں بھی۔ اس لیے میں نے اس جگہ بال نقل کیا ہے مگر میرے پاس ایک پرانی قلمی صحیح بخاری ہے اس میں ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا كورم الفاظ قرآنی کے مطابق لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔ بخاری: 3888، ترمذی: 3134، ابن حبان: 56، احمد: 374/1، سیر اعلام النبلاء: 130/1

أَنْظُرُ إِلَيْهِ - ۱۱

”صحیح بخاری و مسلم میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کفار نے میرے بیت المقدس تک جانے کو جھٹلایا (اور نشانات پوچھنے لگے) تب میں حطیم میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا۔ میں عمارت کو دیکھتا جاتا تھا اور جو نشان وہ پوچھتے تھے، میں ان کو بتاتا جاتا تھا۔“

یہ ظاہر ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات معراج کو خواب کے رنگ میں بیان کیا ہوتا تو کفار بیت المقدس کے نشان پتے دریافت کرنے کا کیا حق رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھی کیا ضرورت تھی کہ بیت المقدس کو حضور کے سامنے ظاہر و جلوہ گر کر دے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ دیکھ کر سب نشانات کے جوابات بھی دیتے ہیں۔ خواب کے لیے تو اتنا ہی جواب کافی تھا کہ میں تو اپنا خواب بیان کر رہا ہوں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو اپنی آیات کبریٰ دکھلائیں اور وراء الوراء کی سیر کرائی۔

طے کنم ایں نامہ را گر کنم چہ کنم !
حوصلہ خامہ نیست تاب رقم داشتن



معجزات نبویہ ﷺ

لفظ ”عجزہ“ عجز سے بنا یا گیا ہے۔ عجز کا استعمال لفظ قدرت کے مقابلہ میں کیا جاتا ہے۔ دراصل عجز سے یہ مفہوم لیا گیا ہے۔ عجز انسان کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں: ﴿تَحَاثُّهَا أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعَةٍ﴾ [القر: 20] میں یہی معنی ملحوظ ہیں۔ پھر اس عجز سے کسی کام میں مؤخر رہنے کا مفہوم اور پھر اس سے در ماندگی کا مفہوم لیا جاتا ہے۔

”عجز“ اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جو پیرانہ سالی کی وجہ سے بہت سے امور کرنے سے در ماندہ و عاجز رہ جائے۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب قاتیل کے سامنے ایک کوئے نے دوسرے کوئے پر مٹی ڈال کر اسے زیر خاک کیا۔ تب قاتیل بولا: ﴿يَا وَيْلَتَى أَعْمَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ﴾ [المائدہ: 31] ”(افسوس میں تو اس کوئے جیسا بھی نہ ہوا) کوئے جیسا بننے میں عاجز رہ گیا۔“

اللہ تعالیٰ نے سرکش کفار سے فرمایا ہے: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ﴾ [الب: 2] ”یا درکھو کہ تم لوگ اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے۔“ اس لغوی معنی کے بعد لفظ عجزہ کا استعمال عام طور پر انبیاء اللہ کے ان افعال نبوت پر کیا جانے لگا ہے جو ان کی شان نبوت کے مظہر ہوتے ہیں۔

بروئے تواریخ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لفظ عجزہ کا استعمال اس خاص معنی میں کس زمانہ سے ہونے لگا اور وہ پہلا کون شخص ہے جس نے اس مفہوم میں اس کا استعمال کیا۔ مگر اس امر کا مجھے اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یا نبی ﷺ کے کلام میں یا کسی دوسرے نبی کے کلام میں اس لفظ کا اس معنی میں استعمال کہیں بھی نہیں ہوا۔ اب لفظ عجزہ کی تعریف کی طرف آئیے۔

”عجزہ“ کو معنی معینہ بالا میں عجزہ کہنے والے کہتے ہیں کہ عجزہ وہ ہے جو خارق عادت ہو۔ اس تعریف کے بعد ہی وہ اس بحث میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا خرق عادت ممکن بھی ہے یا نہیں؟ عادت کے معنی کیے جاتے ہیں: ”استمرار تو انین فطرت“ اور خرق کے معنی کیے جاتے ہیں: ”بطلان استمرار مذکورہ“ بحث کے اس مقام پر پہنچ کر اہل قلم چند اصناف پر منقسم ہو جاتے ہیں۔ وہ جو فطرت کے لیے کسی مقررہ قانون کا ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے۔ ان لوگوں پر بازار معقولات میں خوب خوب آوازے کے جاتے ہیں۔

① وہ جو قانون فطرت کو تسلیم کرتے ہیں اور ایسے قانون کی تنسیخ (یعنی خرق) جائز نہیں سمجھتے۔ یہ قسم بھی دو اصناف پر مشتمل ہے۔

② جو خرق عادت کو نہ مانتے ہوئے کسی ثابت شدہ واقعہ کا وجود یا امکان بھی نہیں مانتے۔

② وہ جو کسی ثابت شدہ واقعہ کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے خرق عادت کا ہونا صحیح سمجھا جائے۔
 ③ وہ ہیں جو قانون فطرت میں مستثنیات کا اندراج بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس لیے ہر ایک ثابت شدہ واقعہ کو خود قانون فطرت ہی مان لیتے ہیں اس لیے کہ استثنائے قانون کا وجود بھی پہلے سے اس قانون کے اندر موجود تھا۔
 معجزات کے منکرین مؤولین یا قائلین کا شمار انھیں اقسام ثلاثہ میں آجاتا ہے۔
 ان اقسام ثلاثہ کا تعلق متعلقین لفظ خرق عادت سے تھا، لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو لفظ معجزہ کی تعریف خرق عادت سے نہیں کرتے اور لفظ خرق عادت کا استعمال ہی نہیں کرتے۔

وہ صرف یہ کہا کرتے ہیں کہ ”معجزہ نبی اللہ کے اس فعل کو کہتے ہیں جو اس وقت دوسروں کو ویسا فعل کرنے سے عاجز بنا دے۔“
 ان تمام لفظی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے علمائے محققین نے یہ راہ اختیار کی کہ جب صحف سماویہ میں لفظ ”معجزہ“ اور لفظ ”خرق عادت“ آتے ہی نہیں تو اس خازن میں دامن الجھانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟
 قرآن مجید تو لفظ ”آیت“ کا استعمال کرتا ہے اور انجیل و تورات میں بھی لفظ شان ہی کا استعمال ہے۔ اس لیے ہم بھی لفظ ”آیت“ ہی کا استعمال کریں گے۔

استعمال خذا میں چند فوائد اور بھی ہیں:

① لفظ ”آیت“ نہایت وسیع المعنی ہے۔

② اس کا استعمال مادیات پر بھی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح کو آیت بتلایا۔

﴿فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الحکمت: 15]

”پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو سب کے لیے ایک نشان بنایا۔“

اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو آیت بتلایا:

﴿وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ﴾ [س: 37] ”ان کے لیے رات ایک نشانی ہے۔“

﴿وَمِن آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ﴾ [فصلت: 37] ”دن اور رات اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔“

انسانوں کا مٹی سے بنایا جانا بھی آیت بتلایا:

﴿وَمِن آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ﴾ [الروم: 20] ”اللہ کی نشانیوں میں سے کہ تم کو مٹی سے بنایا۔“

بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک کو بھی آیت بتلایا:

﴿وَمِن آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبُرُوقَ﴾ [الروم: 24] ”اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے“

آسمان و زمین کی موجودہ بناوٹ و استقامت کو بھی آیت بتلایا:

﴿وَمِن آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ﴾ [الروم: 25]

”اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس کے حکم سے آسمان اور زمین ٹھہرے ہوئے ہیں۔“

اسن عامہ کشائش و آسودگی ترف اور سرسبزی کو بھی آیت بتلایا

﴿ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْأَلِهِمْ آيَةً ﴾ [سبا: 15] "سبا والوں کو اپنے وطن میں نشانی تھی۔"

فرعون کی مردہ لاش کو بھی جو عبرت بخش عالم ہے۔ آیت بتلایا:

﴿ لَنُكُونَنَّ لِمَنْ خَلَقْنَا آيَةً ﴾ [یونس: 92]

"تا کہ تو پچھلے آنے والوں کی نشانی بنے۔ اس لیے تیرا لاش باہر پھینکا جائے گا"

سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو بھی آیت بتلایا:

﴿ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ﴾ [الاعراف: 73] "یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے۔"

یہی لفظ اللہ تعالیٰ نے عصائے موسیٰ علیہ السلام اور ید موسیٰ علیہ السلام کی نسبت بھی جب کہ ان کا شعبان اور بیضا ہوجانے کا امتحان کرا دیا

گیا، فرمایا:

مادہ پرست پہلی آیت کون کران اشیاء مادی کا آیت یا نشان ہونا قابل توجہ بھی نہ خیال کریں گے، لیکن اگر ان واقعات کے

مقابلہ میں کوئی ایسا واقعہ جس میں ذرا سی ندرت ہو، بیان کیا جائے تو جھٹ اس کا انکار کر نہیں گے اور اسے خرق عادت قرار دیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ ہر ایک وہ واقعہ جسے بزبان عوام معجزہ کہا جاتا ہے فی الواقع آیت ہے جیسا کہ یہ واقعات بھی آیات ہیں جن کو

فہم کی نارسائی یا عدم تدبر سے آیت نہیں سمجھا گیا۔

ذرا غور کرو کیا کشتی نوح آیت الہی نہیں۔ غور سے معلوم ہوگا کہ وہ ضرور آیت ہے۔ ایک ایسے طوفان میں جس نے طوفان

زدہ رقبہ کے پہاڑوں کو بھی چھپالیا ہوا ایک معمولی کشتی کا بیچ رہنا اس کی ساریوں کا جاتیر ہونا جیسا کہ قبل ازیں ان کو یقین دلایا گیا تھا

حقیقت آیت ہے۔

کیا شب و روز کا وجود آیت نہیں؟ رات، اس کی تاریکی، اس کی دہشت، اس کا سکون، رات کو چرند و پرند انسان و حیوان کا طبعاً

استراحت پذیر ہوجانا کیا قدرت کا بڑا نشان نہیں؟ دن اس کی روشنی، اس کی چمکی، اس کے اشغال، زندگی کی ہنگامہ آرائیاں، ہر جاندار شے

کا اپنے اپنے مسکن سے نکلنا، طلب روزی وغیرہ کا انہماک کیا قدرت کا نشان نہیں؟

کیا انسان کا منی سے مخلوق ہونا آیت قدرت نہیں، انسان اپنے لیے ہر ایک چیز منی سے بناتا ہے یا ہر ایک چیز منی سے پاتا

ہے۔ معدنیات، فلزات، جواہرات، اینٹ، پتھر، سیم و زر، گھاس پات، رزق و فواکہ مکان و ایوان سب کچھ منی ہی کے ہیں۔ اگر انسان خود منی

کا نہ ہوتا تو منی میں اس کے اتنے حقوق بھی نہ ہوتے۔

کیا بجلی کی چمک آیت نہیں؟ دن صاف کھرا ہوا ہے، ہوا الکی ہوئی ہے، اتنے ہی میں کون سی طاقت ہے جو چلتی ہوئی ہوا کو بند کر

دیتی ہے؟ سمت مقابل سے دوسری ہوا آتی ہے۔ وہ بادل کو ساتھ ساتھ لاتی ہے۔ بادل سورج کو چھپا لیتے ہیں۔ آبادی پر چھا جاتے ہیں

نکراتے ہیں، غراتے ہیں، گویا میووں شیریں جو جنگل میں منگل بنا رہے ہیں۔ انسان کے بچے ہم رہے ہیں، دہل گئے ہیں، لوگ کاروبار

کو مختصر کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جانے کی کوشش کرتے ہیں کہ بجلی بھی کوند نے لگتی ہے، وہ چمکتی ہے تو سینکڑوں کوس تک روشنی پھیل

جاتی ہے۔ مسافر ڈرتا ہے اور زمین دار بے اختیار خوشی سے ہنس رہا ہے کہ اب خوب برسے گا۔ غلہ آئے گا، قحط ٹوٹے گا، قرض ادا ہوگا، بیٹے

ایک ہی چیز ہے جس نے خوف و طمع کے مختلف تاثرات پیدا کر دیے۔ اب وہی بجلی ہے جو ٹیلی گراف (Telegraph) میں کام کرتی ہے جو لاسکی اخبار کے لیے تجربہ میں آ چکی ہے۔ وہی بجلی ہے جس نے روٹن بن کر گوشت کے نیچے چھپے ہوئے اعصاب اور استخوان کو آنکھ کے سامنے کر دیا ہے۔ ابھی معلوم نہیں کہ یہ کیا کیا نشان دکھلائے گی اور کن کن علوم میں ”آیت“ بن کر درخشاں ہوگی۔

کیا اس زمین کا قیام آیت نہیں؟ اگر زمین کی حقیقت یہی ہے کہ وہ سورج میں سے ٹوٹا ہوا ایک ٹکڑا ہے تو اس کا یہ عہد ماضی سورج ہی کا جزو اور جزو ہو کر گرم و درخشاں ہونا ضرور ایک نشان تھا اور پھر اس گرمی سے درخشندگی سے قطعی جدا ہو کر ایک اور صورت میں جلوہ گر ہو جانا ضرور دوسرا نشان ہے۔ کیا یہ نشان لاشمی سے سانپ اور سانپ سے لاشمی کے نشان سے کم ہے۔

کیا عالم بالا کا وجود اور اس وجود کا قیام آیت نہیں۔ ہزاروں ہزار ثابت و سیار کا مقررہ دور، مقررہ انضباط کے ساتھ چلنا پھرنا، موسموں کا تغیر اور لیل و نهار کا انقلاب ظہور میں آنا کیا آیت نہیں؟

ہاں! قدرت الہیہ کی ہر شے آیت ہے اور جب عوام کے اذہان افہام اسے آیت سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں تو انبیاء کرام کے بیان سے ان کا آیت ہونا مسلم ہو جاتا ہے۔

مجھے ان سب معجزات کے تسلیم کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں، جن کا ثبوت قطعی ہوا اگرچہ کسی سائنس دان کا فہم اس کی علت و اسباب کے سمجھنے میں عاجز بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات (غیر مادی) میں جس قدر خواص پیدا کیے ہیں۔ ان سب کا احاطہ نہ انسان سے ہو سکتا ہے اور نہ کبھی کسی انسان نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں پر اسرار کائنات کا انکشاف کر دیتا ہے، وہ کیسا ویں تدبیر جو قلت کو کثرت سے بدل دے یا ہوا کو پانی بنا دے، ان کے علم و تجربہ میں ہوتی ہیں۔ نیز ان کا علم، تجربہ اور تدبیر اہل دنیا کی طرح آلات یا مشق یا تدبیر کی معلومات کا منت پذیر نہیں ہوتا۔

ہم یہ سب باتیں معجزات انبیاء کو قریب بہ فہم کے لیے کہہ رہے ہیں، لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ کُنْ فَيَكُونُ ارشاد کرنے والے کی طاقت اور قدرت انبیاء اللہ کی تائید و نصرت میں ہوتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ کسی مقدس ہستی کا برگزیدہ بارگاہ ربانی کا ہونا عوام پر ثابت کر دے تب اسی طاقت و قدرت کو انبیاء اللہ کے توسط سے ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ اسی کو آیات الہی کہتے ہیں اور اسی کو معجزات۔ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے جو معجزات بروایات صحیحہ ثابت ہیں ان کا شمار بہت زیادہ ہے اور ہر ایک نبی کے معجزات سے ان کی تعداد بھی افزوں ہے اور قدرت میں بھی ان کا شان اعلیٰ ہے۔

ذیل میں چند معجزات کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اہل ایمان کی ترقی ایمان کا موجب ہو اور نبی کریم ﷺ کی عظمت اور عظمت کے ساتھ محبت بھی زیادہ دل نشین ہو جائے۔

میرا ارادہ معجزات پر ایک جداگانہ کتاب لکھنے کا ہے۔ اس وقت مختلف عنوانات کے تحت مختصر واقعات لکھ دینا کافی ہیں۔

نَبْعُ الْمَاءِ..... پانی کا معجزہ

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ نَضْرًا ۚ﴾
 ”جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی سیرابی کے لیے دعا کی تو ہم نے کہا کہ پتھر کو اپنا عصا مارو۔ تب پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔“ [البقرہ: 60]

سورہ اعراف رکوع 20 میں بھی یہی مذکور ہے۔ فرق یہ ہے کہ سورہ اعراف میں ﴿فَاسْبِغْ بِهَا﴾ ہے اور بقرہ میں ﴿فَاسْقِطْ﴾ ہے۔ لفظ انجاس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پانی پہلے تھوڑا تھوڑا نکلنے لگا تھا اور لفظ انجاس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پھر پانی خوب بہ نکلا تھا۔

آیات بالا سے یہ مستفیض ہے کہ جب پانی کا فقدان ہو اور ساتھ کی تمام جماعت پانی نہ ملنے کی وجہ سے زندگی اور آرام سے مایوس ہو جائے تب لوگ نبی اللہ کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں اور اس وقت نبی اللہ کی دعا اور برکت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پانی مل جایا کرتا ہے۔

توراة کی کتاب الخروج کے ملاحظہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ بیابان سور میں تین دن تک سفر کرنے کے بعد رونما ہوا تھا۔ 15/21 خروج۔ کتاب مذکور میں 12 چشموں کا عصائے موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے برآمد ہونا نہیں بتلایا گیا بلکہ ظاہر کیا ہے کہ مقام ایلیم میں ان کو وہ جگہ مل گئی جہاں پانی کے بارہ (12) چشمے اور سبز درخت کجور کے تھے۔ خروج۔

اہل اسلام میں جو لوگ معجزات کی تاویلات کرنے میں مشاق ہیں انھوں نے معجزہ موسوی میں تاویل اس طرح کر دی کہ پہاڑ میں سے پانی کا رستا، بہنا ایک معمولی امر ہے۔ کسی چشمہ کا اور سوت کا بیرونی رکاوٹوں سے بند ہو جانا بھی ایک معمولی بات ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پانی مانگا تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھر ملی زمین میں دبے ہوئے چشموں کا نشان بتلادیا۔ چشموں کو عصا سے پھر نکال لیا گیا اور چشمے بہنے لگے۔

یہ تاویل خواہ الفاظ قرآنی سے کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو مگر نفی معجزہ پھر بھی نہیں ہوتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم سے ہدایت ملنا اور موسیٰ علیہ السلام کے فعل سے برکت کا ظاہر ہونا پھر بھی مسلمہ رہتا ہے۔

اب عہد سرور کائنات ﷺ کی فضیلت بھی آشکار ہو جائے، پتھر ملی زمین کی جگہ اب گوشت پوست میں سے پانی کے نکلنے کا عجیب ترین معجزہ ظہور میں آتا ہے

واضح ہو کہ فوراً ان ماء و فیضان آب کے واقعے نبی ﷺ کی ذات اقدس سے بار بار اور مختلف اسلوب سے ظہور میں آئے ہیں۔ احادیث کے تتبع سے واقعات کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

محرم 7ھ

① جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں بھراحت مذکور ہے کہ ہم غزوہ ذات الرقاع اور وادی اُحس میں تھے کہ نبی ﷺ نے وضو کے لیے پانی

طلب فرمایا۔ جابر ڈھونڈ آئے۔ لشکر میں ایک قطرہ پانی نہ ملا۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے جابر رضی اللہ عنہ اس انصاری کے پاس پہنچے جو حضور ﷺ کے پینے کا پانی رکھا کرتے تھے۔ وہاں بھی دیکھا تو ایک پرانی مشک (شج) کے دہانہ پر ایک قطرہ آب نظر آیا اور پس حکم دیا وہی لے آؤ۔ پھر کاسٹھ کا کٹہرہ منگا یا گیا۔ نبی ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ انگلیاں پھیلا کر رکھ دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے حکم کے مطابق بسم اللہ کہہ کر وہ قطرہ آب اس بجر سخا کے دست مبارک پر ڈال دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ کی یعنی شہادت ہے کہ سب انگلیوں میں سے پانی فوارہ وار نکلا۔ پانی نے لکڑی کے کٹہرے کو بھی چکر دے دیا۔ سب کو بلایا گیا اور سب نے سیرابی حاصل کی۔ جب حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا لیا تب بھی وہ کٹہرہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔^[1]

رحمۃ للعالمین جلد دوم کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائے گا کہ اس غزوہ میں چار سو غازی ہر کاب مصطفوی ﷺ تھے۔

ذی قعدہ 6ھ

[1] صحیح بخاری میں جابر بن عبد اللہ الشہید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں نبی ﷺ نے وضو کیا۔ پانی ایک رکوعہ (کوزہ) میں تھا۔ مسلمان اسے دیکھ کر ٹوٹ پڑے۔ نبی ﷺ نے پوچھا کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ پانی نہ وضو کے لیے ہے نہ پینے کے لیے۔ بس یہی کوزہ آب ہے جو حضور ﷺ کے سامنے رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے اسی کوزہ میں ہاتھ رکھ دیا۔ تب پانی حضور ﷺ کی انگلیوں میں سے پھوٹ پڑا اور تمام لشکر سیراب ہو گیا۔ سب نے وضو بھی کر لیے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے سالم ابن ابی جعد کے سوال پر بتلایا کہ اس وقت ہم پندرہ سو (1500) تھے۔ یہ بھی کہا کہ اگر ایک لاکھ (100000) بھی ہوتے تب بھی وہ پانی سب کو کفایت کر جاتا۔^[2]

[2] مقام حدیبیہ ہی کا دوسرا واقعہ بھی جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔ چونکہ حدیبیہ میں نبی ﷺ کا قیام ایک ہفتہ تک رہا تھا اس لیے جمع بین الاحادیث کے قاعدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ اول پہلے روز کا ہے۔ اس کے بعد پانی کی پھر ضرورت لاحق ہوئی۔ تب نبی ﷺ اس چاہ پر تشریف لے گئے جس کا نام حدیبیہ تھا اور یہ مقام اسی چاہ کے نام سے معروف تھا۔ چاہ کا پانی خشک ہو چکا تھا۔ بخاری کی روایت بالا میں ہے: فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَفِيرِ الْبَيْتِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ وَمَسَّحَ فِي الْبَيْتِ فَمَكَّنْفَنَا غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ اسْتَقْبَلْنَا۔ یعنی نبی ﷺ چاہ کی منڈیر پر آ بیٹھے پانی منگا یا کھلی کی اور چاہ میں ڈال دی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم چاہ سے پانی لینے لگے اور سیراب ہوئے۔^[3]

ڈیڑھ ہزار (1500) کے لشکر کے لیے یہ مستقل انتظام تھا۔ امام بخاری نے اس واقعہ کو براہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: ثُمَّ إِنَّهَا أَصْدَرْنَا مَا شِئْنَا نَحْنُ وَرِجَالُنَا۔^[4]

امام احمد رضی اللہ عنہ کی روایت سے ظاہر ہے کہ چاہ کا پانی اٹل پڑا۔ ہم سے آخری شخص چادر لے کر بھاگا کہ کہیں ڈوب نہ جائے اور پھر یہ پانی بہ نکلا۔^[5]



[1] مسلم: 1203/74 [2] بخاری: 169,3575 [3] بخاری: 4151,4150,3577 [4] بخاری: 4151,4150,3577

[5] مستدرک: 18148,18111 ذوالکمالہ: 3508، مجمع الزوائد: 14105

﴿4﴾ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سفر میں تھے (معارض النبوة میں اسے سفر تہوک بتایا گیا ہے) صبح کی نماز دن چڑھے پڑھی گئی کیوں کہ سب سوتے رو گئے تھے۔ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے آگے چلنے کا حکم دیا ہم کو سخت پیاس لگی۔ راہ چلتے ہوئے ہم کو ایک عورت ملی جس کے ساتھ پانی کے دو مشکیزے تھے اس سے معلوم ہوا کہ پانی اس گاؤں سے ایک دن ایک رات کی مسافت پر ہے۔ صحابہ اس عورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ وہاں عورت نے یہ بھی کہا کہ وہ قیہوں کی ماں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مشکیزوں کو ہاتھ سے چھو دیا۔ فمسح عنزلابن پانی بہ نکلا۔ چالیس (40) صحابہ نے جو سخت پیاس تھے سیر ہو کر پانی پی لیا اور مشکیزے جتنے ساتھ تھے وہ بھی بھر لیے۔ اونٹوں کو وہ پانی نہیں پلایا۔ عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت وہ مشکیزے پانی سے ایسے بھرے دیکھے جاتے تھے گویا اب پھوٹ پڑیں گے۔ وَهِيَ تَكَادُ تَنْقُضُ مِنَ الْمَاءِ۔

اس عورت نے گھر جا کر لوگوں سے کہا کہ میں سب سے بڑے جادوگر سے مل کر آئی ہوں یا اسے نبی کہنا چاہیے، جیسا کہ اس کے ساتھیوں کا یقین ہے۔

اس عورت کی اس اطلاع پر یہ دور افتادہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور وہ بھی اسلام لے آئے۔ ﴿4﴾

عجب معجزہ ہے کہ دیکھنے والی اس وقت غیر مسلمہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر أَمْسَحُوا النَّاسِ کے لفظ کے ساتھ کرتی ہے مگر سننے والی قوم فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ سحر میں یہ طاقت کہاں کہ پیاس سے سیر بھی ہو جائیں اور مشک مشکیزے بھی پر کر لیں۔

سحر تو صرف نظر بندی کا نام ہے۔ ساحر قوت مسمریزم (Mysmerism) سے ناظرین کی قوت متخلیہ پر اور نظر پر اثر ڈالتا ہے اور ایسا معمول کسی شے کو اس کی حقیقت کے خلاف کچھ اور شے سمجھنے اور دیکھنے لگ جاتا ہے۔ یہ تغیر صرف دیکھنے والے معمول کی نگاہ اور تخیل پر ہوتا ہے ورنہ وہ شے جوں کی توں اپنی اصلیت پر موجود ہوتی ہے۔ سحر کی قریب تر مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص ایک رسی کو اندھیرے میں سانپ سمجھ لیتا ہے اور اپنی سمجھ کی وجہ سے اس پر آخار خوف و ہراس وغیرہ ویسے ہی طاری ہو جاتے ہیں جیسے اصل سانپ کی موجودگی سے ہوتے۔ حالانکہ وہ رسی ہی ہوتی ہے اور اس ڈر پوک پر وہ بذات خود کسی طرح متاثر نہیں ہوتی۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں حقیقت اصل یہ ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو نبی کو ساحر سے بلند و ارفع و اعلیٰ اور پاک و برتر ثابت کرتی ہے۔

قرآن مجید میں ساحر ان موسیٰ کا قصہ موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے فن میں کمال رکھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَاءُ وَيَسْحَرُ عَظِيمٌ﴾ [الاعراف: 116] اب یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ سحر عظیم کیا تھا؟

﴿فَإِذَا جَاءَهُمْ وَعَصِبَهُمْ يَخِيبُ لِيُذِيقَهُمْ سِحْرَهُمْ أَنَّهُمْ تَسْلَى﴾ [طہ: 66]

”ان کی رسیاں اور ان کی لائٹھیاں ان کے سحر کی وجہ سے دوڑتی ہوئی خیال کی جاتی تھیں۔“

ساحروں کی اس نمائش کا نتیجہ کیا ہوا ﴿وَاسْتَرْهَبُوهُمْ﴾ [الاعراف: 116] ”لوگوں کو ڈرا دیا۔“ بس ساحروں کی سب سے

﴿4﴾ یہ قوم خزاعہ سے ہیں اور فضلاء صحابہ میں سے ہیں۔ سحر میں مسلمان ہونے اور 8 5ھ میں بمقام بصرہ وقات پائی۔ بخاری: 344-3571

بڑی کائنات یہی تھی کہ لوگوں کو یہ تماشا دکھا کر ڈرا دیا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے وہ اپنا عصا پھینک دیتے ہیں۔ وہ اثر دہا بن جاتا ہے اور جادو گروں کی سب لاشیاں اور رسیوں کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ اگر مجزہ موسیٰ کی حقیقت صرف اتنی ہی ہوتی کہ وہ عصا صرف ساحروں کی نگاہ میں اثر دہا نظر آنے لگ جاتا ہے تو ساحروں کے دلوں پر بھی اتنا ہی اثر ہوتا ہے جتنا فرعون کے دل پر ہوا تھا یعنی: اِنَّهُ لَكَيْسٌ مُّكْمٌ (یہ تمہارا بڑا گروہے) مگر ساحر تو فوراً سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کام ان رسیوں اور لاشیوں کو ہڑپ کر جانے کا تھا وہ صرف تخیل ہی نہ تھا بلکہ حقیقتاً تھا اور بہترین صداقت رکھتا تھا۔ اسی اصلیت پر فائز ہو جانے کے بعد وہ ساحر لوگ جھٹ سحر سے تاب ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا۔ وہ انکشاف حقیقت کے بعد فرعون کی پھانسی سے ڈرے اور نہ دست و پا کی قطع و برید کا عذاب ان کو اسلام سے مرتد کر سکا۔ رحمت الہیہ کو دیکھیے کہ یہ ساحر میدان مقابلہ میں آئے تھے۔ اس وقت بارگاہ روحانیت کے مقہور و مخذول تھے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد آستان رحمانیت کے منظور و مقبول بن گئے تھے۔ یہی حال اس عورت اور اس کے قبیلہ کا ہوا جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے۔ حدیث بالا کو صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں نے روایت کیا ہے ہم نے بخاری کے الفاظ کو یہاں لیا ہے۔

تبعی کی روایت میں اس قدر اور متزاہد ہے کہ راویان حدیث کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ اس طرف کو جاؤ۔ تمہیں ایک ایسی عورت ملے گی۔ اندریں صورت یہ روایت نہ صرف ایک مجزہ پر بلکہ ایک اور پیش گوئی پر بھی (جو اقسام مجزہ سے ہے) مشتمل ہے۔

⑤ صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نماز کا وقت آ گیا۔ جن لوگوں کے گھر قریب تھے وہ گھروں میں جا کر وضو کر آئے، جو باقی رہ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پتھر کے پیالہ میں پانی لایا گیا، وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا ہاتھ نہ پھیل سکتا تھا۔ اسی پانی سے 80 سے زیادہ لوگوں نے وضو کیا۔ ①

② تبعی کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالہ میں اپنی چار انگلیاں ڈالی تھیں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت دیکھا کہ انگلیوں سے پانی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ یہ واقعہ مقام قبا کا ہے۔ ②

③ صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت مقام زدراء کی بابت بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ میں ہاتھ رکھ دیا اور نیچے مبارک سے پانی بہ نکلا۔ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں کی تعداد تین سو (300) کس تھی۔ ③

④ صحیح بخاری میں ایک روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی ایسی ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں ہاتھ رکھ دیا اور پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے پھوٹ نکلا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے فرمایا: حَسَىٰ عَالِي الطُّهُورِ الْمُبَارِكِ وَالْبُرُكَةِ مِنَ اللَّهِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس پانی سے سب ہی نے وضو کر لیا تھا۔ ④

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کو طہور و مبارک فرمایا ہے۔ علمائے امت کا اتفاق ہے کہ برکت و عزت میں آب زمزم سے بڑھ کر وہ پانی تھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے نکلا تھا۔ ایسے ہی واقعات اور بھی ہیں اور روایات کی خصوصیتوں پر غور کرنے سے واضح

ہو جاتا ہے کہ انگلستان مبارک سے پانی پھوٹ پڑنے کے واقعات بار بار ہوئے بہ کثرت ہوئے۔ بے شک عرب جیسے گرم اور خشک ملک میں اور غزوات کے سفر ہائے طول و طویل میں اگر یہ معجزہ نہ ہوتا تو اس بے سروسامانی کی حالت میں جو بے جہد نبوی ﷺ اسلامی لشکروں میں پائی جاتی تھی ضرورت تھا کہ مجاہدین ہلاک ہو گئے ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس معجزہ کی مثال عہد موسوی میں نزول من اور حصول سلوی کی صورت میں پائی جاتی ہے، لیکن پھر بھی معجزہ نبوی ﷺ کا درجہ عہد موسوی کے معجزات سے اسی قدر زیادہ بڑھا ہوا ہے جس قدر بقائے حیات میں پانی درجہ طعام پر فائق ہے۔

میں یہ بھی عرض کروں گا کہ نبی ﷺ کے اس معجزہ اور اس خصوصیت لائٹانی کی خبر پر بھی انبیائے پیشین کے مبارک کلام میں دے دی گئی تھی۔

یسعیاد میں ہے:

”خداوند خشک بیابانوں میں پانی کے چشمے بہائے گا۔“

ہم کو ان الفاظ کی تاویل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ فی الواقع ان خشک میدانوں میں جہاں پینے کو پانی نہ ملتا تھا تبع السماء کے معجزات متواترہ نے چشمے جاری کر کے دکھلا دیے تھے، واللہ الحمد۔

دودھ کی برکت

پانی کے بعد جس شے کا درجہ ہے وہ دودھ ہے۔ شب معراج کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے دودھ اور شراب کے پیالے آسمان پر پیش کیے گئے اور حضور ﷺ نے ان میں سے دودھ کو پسند فرمایا اور جبریل امین علیہ السلام نے یہ نظارہ دیکھ کر کہا: اخْتَصَرْتُ الْفِطْرَةَ حضور ﷺ نے فطرت کو پسند کیا۔ اسی لیے اسلام کو بھی دودھ کے ساتھ تشبیہ دی جایا کرتی ہے۔^[1] انسان کا ہر ایک بچہ دودھ سے پلا ہے، مگر ایک بچہ بھی دنیا میں ایسا نہیں جس کی رضاعت شراب سے ہو اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ دودھ فطرت انسانی کا راز دار ہے۔

داعی ایمان و ہادی اسلام ﷺ نے اپنی امت کو تعلیم پاک کے دودھ سے بھی پرورش کیا اور ان کے لب و کام کو معجزانہ دودھ سے بھی ذوق آشنا بنایا۔ ایسے واقعات بہت ہیں۔

[1] امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے کہ نبی ﷺ اور حضور ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی گزران کا کیا حال تھا؟ اس باب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے۔ جو معجزات نبوی ﷺ کی بھی مظہر ہے اور یہ حقیقت بھی ظاہر کرتی ہے کہ سرور کائنات و فخر موجودات ﷺ کی حیات طیبہ اس دنیا میں کیسی زاہدانہ تھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھوک کے مارے کبھی ایسا ہوتا کہ جگر کو تھام کر زمین پر گر جاتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ پیٹ پر پتھر باندھ لیتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں سرراہ آبیٹھا جہاں سے لوگ آیا جایا کرتے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور میں نے ان سے قرآن پاک کی ایک آیت کی بابت دریافت کیا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ شاید وہ مجھے کچھ کھلا بھی دیں گے۔ وہ یونہی چلے گئے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ ان سے بھی ایک آیت کا مطلب پوچھا غرض وہی تھی کہ کچھ کھانے کو دیں گے۔ وہ بھی یونہی چلے گئے۔ اتنے میں ابوالقاسم رضی اللہ عنہم تشریف

لائے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ میرے جی کی بات سمجھ گئے۔ میرے چہرہ کو تازہ لیا، ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما ساتھ ساتھ چلے آؤ۔ میں پیچھے پیچھے ہولیا۔ حضور ﷺ گھر میں گئے۔ وہاں حضور ﷺ نے پیالہ میں دودھ دیکھا۔ گھر والوں نے حضور ﷺ کو اس شخص کا نام بتلایا جس نے دودھ کا یہ ہدیہ بھیجا تھا۔ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما جاؤ، اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ اہل صفہ وہ لوگ ہوتے تھے جن کا کوئی گھربار نہ ہوتا تھا۔ جن کو کسی شخص کا کوئی سہارا نہ ہوتا یہ اَصْفَاءُ الْاِسْلَام (اسلام کے مہمان) ہوتے۔ نبی ﷺ کی سیرت پاک یہ تھی کہ کوئی صدقہ آتا تو سب کا سب ان کو دے دیتے تھے اور ہدیہ آتا تو ان کو اپنے ساتھ شامل فرمالتے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے سمجھا اہل صفہ میں اس دودھ کی حقیقت کیا ہوگی۔ اگر مجھے ہی مل جاتا مجھ میں کچھ سکت آ جاتی۔ اب دیکھیے اس میں کچھ ملتا بھی ہے یا نہیں۔ یہی حالات تھے اور اطاعت اللہ اور رسول کے بغیر چارہ کار نہ تھا۔ میں سب کو بلا لایا۔ آ کر بیٹھ گئے۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما یہ پیالہ لو اور سب کو پلاؤ۔ میں نے پیالہ لے لیا۔ ہر ایک کو دینا جاتا تھا۔ جب ایک شخص پی پی کر سیراب ہو جاتا تب دوسرے کو وہی پیالہ دیتا تھا۔ اسی طرح سب سیر ہو گئے، تو میں نے آخر میں نبی ﷺ کے سامنے پیالہ پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے لے کر اسے دست مبارک پر رکھ لیا۔ مجھے دیکھا اور مسکرائے اور فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اب تو میں رہ گیا یا تو رہ گیا۔ میں نے کہا حضور ﷺ سچ ہے۔ فرمایا اچھا اب تو پی لے۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے دودھ پی لیا فرمایا اور پیو۔ میں نے اور پی پھر حضور ﷺ یہی فرماتے رہے: پیو، پیو۔ آخر میں نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اب تو گنجائش بالکل نہیں رہی۔ فرمایا لاؤ۔ پیالہ میں نے پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے اللہ کا شکر کیا۔ بسم اللہ پڑھی اور پیالہ ختم کر دیا۔^[1]

یہ حدیث تو ایک ہے لیکن آیات و علامات نبوت کی اتنی جامع ہے کہ دودھ کی نہریں بہ رہی ہیں۔

- ① سرور عالم و عالمیان ﷺ کا گھر ہے اور اس میں جسمانی غذائے نام و نشان کو بھی نہیں۔
- ② کسی نے ہدیہ کچھ بھیجا بھی ہے تو دودھ کا ایک پیالہ۔
- ③ پیالہ کتنا بڑا تھا؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کہتے کہ صرف ایک آدی کے پی لینے کا۔
- ④ نبی ﷺ اتنی سی خوراک پر ان سب کو بلا لیتے تھے جو گھربار کو توجہ نہ دیا اور عیال کو چھوڑ کر جو مال و منال سے منہ موڑ کر دیستان نبوت میں پہنچ گئے تھے۔

یہ حالات و اخلاق محمدی ﷺ کے مظہر ہیں۔

- ④ اب آیات نبوت ملاحظہ ہوں کہ ایک شخص نے سیر ہو کر دودھ پی اور پیالہ بھرا کا بھرا رہ گیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے تو یہاں تک پیا کہ حلف کرنا پڑا کہ اب گنجائش ہی نہیں رہی۔

- ⑤ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس پیالہ کو کوئی بڑی سے بڑی تعداد ختم کر سکتی تھی؟ ہرگز نہیں۔ لاکھ (100000) ہوتے تو کیا اور دس لاکھ (1000000) ہوتے تو کیا۔ سب ہی اس سے سیراب ہو سکتے تھے۔ اس پیالہ کو ختم کرنے کی طاقت بھی اسی میں تھی جس کی برکت دیکھنے سے وہ چیز سب کے لیے کفایت کر گئی تھی۔

- ⑥ حدیث پر مکرر غور کرو کہ پیالہ ہاتھ میں لے کر اللہ کی حمد کی۔ یہی وہ چیز ہے جو تعلیم نبوت ﷺ کی روح رواں ہے۔

7 ممکن ہے کہ کوئی غیر نبی ایسے مجوہ کو دیکھ کر اپنی بڑائی کا خیال کر بیٹھے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص اسے ذاتی کمالات میں شمار کرنے لگے مگر اللہ کا نبی ہر وقت اپنے مالک و قادر کو یاد کیا کرتا اور جملہ عطیات کو اسی کی جانب سے قرار دیا کرتا تھا جس کی ربوبیت اس شکل میں جلوہ گر ہوتی تھی۔

2 سفر ہجرت میں نبی ﷺ کا گزر رام معبد عاتکہ بنت خالد بن خلید خزاعیہ کے خیمہ پر ہوا۔ یہ عورت عمر رسیدہ تھی اور خیمہ کے سامنے بیٹھی رہتی۔ آئے گئے کو پانی پلاتی۔ کھجوریں وغیرہ فروخت کر لیا کرتی تھی۔ اس وقت نبی ﷺ کے ساتھ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے جو حضور ﷺ کے ساتھ کچھل نشست پر سوار تھے۔ دوسری سواری پر عامر بن فہرہ رضی اللہ عنہ تھے 3 یا ابن اریطہ رضی اللہ عنہ تھا۔ جو اس راہ کا واقف تھا اور اسے اجرت پر ساتھ لے لیا گیا تھا۔ یہ مبارک قافلہ اس خیمہ پر سنانے، آرام لینے کے لیے ٹھہر گیا۔ بڑھیا سے پوچھا گیا کہ اس کے پاس کچھ کھانے پینے کو بھی ہے۔ وہ بولی نہیں۔ اگر کچھ ہوتا تو میں خود پیش کر دیتی۔ (ان ایام میں قحط بھی سخت پڑا ہوا تھا)

ام معبد کے بھائی جیش بن خالد (قتیل الطحطا) 4 کا بیان ہے کہ خیمہ میں ایک دہلی کزور بکری کھڑی تھی۔ نبی ﷺ نے اس بکری کی بابت پوچھا۔ ام معبد نے جواب دیا کہ یہ کزور بہت ہے۔ روپڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ اس لیے یہاں رہ گئی۔ نبی ﷺ نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم اسے دھولیں۔ وہ بولی اگر آپ کو دودھ نظر آتا ہے تو دھو لیجیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ایک بڑا برتن لاؤ۔ پھر بسم اللہ کہہ کر بکری سے دودھ نکالنا شروع کیا۔ برتن بھر گیا تو سب کو پلایا۔ دوبارہ دودھ نکالا، برتن بھر گیا تو دوبارہ پھر سب کو پلایا گیا۔ آخر نبی ﷺ نے پیا۔ سہ بارہ دودھ نکالا اور گھروالوں کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ 5

آیت نبوت نے دودھ پلایا اور خلق محمدی ﷺ نے بھی اپنا معجزہ دکھلایا کہ رفتائے راہ کو حضور ﷺ پہلے سیراب فرماتے ہیں اور خود سب کے بعد نوش جان فرماتے ہیں اور اہل خانہ کے لیے کافی ذخیرہ چھوڑتے ہیں۔

تکثیر طعام

تکثیر طعام سے مراد وہ معجزہ ہے کہ تھوڑا سا طعام بہت کے لیے کافی ہو جائے۔ انجیل کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معجزہ کا ظہور مسیح علیہ السلام سے بھی ہوا۔ انھوں نے چار (4) روٹیوں اور تین (3) مچھلیوں سے بہت بڑی جماعت کو سیر کیا۔

نبی ﷺ کی آیات نبوت میں بھی ایسے واقعات کا ذکر احادیث صحیحہ میں بکثرت ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واقعہ خندق کے ایام میں میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے پیٹ کو بانٹھ رکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے بھوک کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ اسی حالت میں حضور ﷺ اہل صفحہ کو سورہ نساء کی تعلیم دے رہے تھے۔

1 انس رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ (شوہر والدہ) کو بتلایا۔ انھوں نے کچھ مزدوری کی اور جو حاصل کیے۔ ان کی والدہ نے ادھ سیر جو پیش لیے۔

1 ینام تھے۔ اسلام لے آئے۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید اور آزا کر دیا تھا۔ 4ھ کو واقعہ بدر معونہ میں شہید ہوئے ان کی لاش نہیں ملی۔
2 حج مکہ کے دن یہ جیش اور کرز بن جابر فہری شہید ہوئے تھے۔ اس لیے ان دونوں کو قتیل الطحطا کہتے تھے۔ 3 سیر اعلام النبلاء، 168/1، السیرۃ لابن کثیر، 258/2، مستدرک، 1129/3، دلائل النبوة للبیہقی، 237، 228/1، الامنیات، 498، 495/4، الخصائص الکبریٰ للسیوطی، 188/1، السیرة لابن ہشام، 225/2، طبقات ابن سعد، 330/1، النسب الاشراف، 262/1، و صحیحہ البیہقی و ابن عبد البر وابن شاہین وابن السکن والطبرانی وغیرہم (زرقاتی جلد 1 ص 340)

روٹی پکانی کہ نبی ﷺ اکیلے تشریف لے آئیں تو بخوبی سیر ہو سکتے ہیں۔ ایک آدھ کوئی ساتھ آ گیا تب بھی کفایت سے کام چل جائے گا۔ انس رضی اللہ عنہ کو ماں باپ نے بھیجا۔ اچھی طرح سمجھا دیا کہ لوگوں کے سامنے کچھ نہ کہنا۔ جب حضور ﷺ اٹھ کر اندر گھر میں جانے لگیں تب عرض کر دینا کہ ہمارے ہاں تشریف لے چلے۔

انس رضی اللہ عنہ پہنچے تو نبی ﷺ انبؤہ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا تجھے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے۔ عرض کی ہاں۔ فرمایا کھانے کے لیے۔ عرض کی ہاں، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگو! چلو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ انس رضی اللہ عنہ نے لپک کر باپ کو اطلاع دی۔ اس نے بیوی سے کہا کہ ام سلیم! رسول اللہ ﷺ تو پوری جماعت کے ساتھ آ رہے ہیں۔

یہ خاتون بلند پایا سمجھ گئی کہ کیا ہوگا۔ بولی: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔ نبی ﷺ کو ابو طلحہ نے آگے بڑھ کر بتلا بھی دیا کہ ایک نکلیا موجود ہے۔ حضور ﷺ نے وہاں پہنچ کر فرمایا کہ (علہ) گھی کی کچی لے آؤ۔ کچی سے چند قطرے گھی کے نکلے۔ نبی ﷺ نے انگشت مبارک سے روٹی چڑوی۔ روٹی پھولنے لگی۔ برتن سے اونچی ہو گئی۔ نبی ﷺ نے مردانہ مکان کھلویا۔ روٹی رکھ دی اور زبان سے فرمایا: بِسْمِ اللَّهِ الْكَلْبُ الْعَظِيمُ فِيهَا الْبُرْسُكَةُ دَسْ دَسْ آدی روٹی پر بیٹھتے جاتے اور سیر ہو کر اٹھتے جاتے تھے۔ اسی طرح اسی (80) شخصوں نے اس روز کھانا کھایا۔

﴿2﴾ جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد عزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور بھاری قرض چھوڑ گئے تھے۔ جب کھجور کی فصل آئی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ چلیں تاکہ قرض خواہ حضور ﷺ کو دیکھ کر مجھ سے رعایت کریں۔ فرمایا تم چلو۔ ہر قسم کی کھجوروں کی ڈھیریاں الگ الگ لگا دو۔ میں نے تعمیل کر دی۔ اتنے میں سرور عالم ﷺ آ گئے۔ حضور ﷺ نے بڑے ڈھیر کو تین بار پھر کر دیکھا اور بعد ازاں وہیں بیٹھ گئے۔ فرمایا قرض خواہوں کو بلاؤ۔ وہ آ گئے تو ہر ایک کو ناپ ناپ کر حضور ﷺ نے کھجوریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ سب قرض وار پٹ گئے اور وہ ڈھیر مجھے جوں کا توں نظر آتا تھا۔ گویا ایک دانہ بھی اس میں سے کم نہیں ہوا۔

میں تو اتنے ہی پر خوش تھا کہ ساری پیداوار قرض خواہ لے لیں اور مجھے گھر لے جانے کو ایک کھجور بھی نہ ملے۔

﴿3﴾ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب قرض داروں کو چکا دینے کے بعد پھر ایک یہودی بھی آ گیا۔ اس کا قرض 30 وبق کھجور کا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو ڈھیریاں باقی ہیں انھیں یہودی لے لے۔ یہودی نے انکار کر دیا۔ نبی ﷺ ایک بار ان ڈھیروں میں سے گزر گئے پھر حکم دیا کہ یہودی کو ناپ کر دو۔ چنانچہ اس کے 30 وبق پورے ہو گئے اور 17 وبق ابھی اور بھی باقی رہ گئے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور ﷺ ڈھیروں میں سے ہو کر نکلے تھے میں تب ہی سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں برکت ڈال دے گا۔

﴿4﴾ صحیح مسلم میں ہے کہ ام مالک کے گھر ایک کچی گھی کی تھی۔ وہ اس میں سے نبی ﷺ کے لیے گھی نکال نکال کر بھیجا کرتی تھی۔ اس کے بچے جب سائے مانگتے اور سائے نہ ہوتا تو اس کچی میں سے گھی نکال کر ان کو دیا کرتی۔ تو یہی طریقہ جاری رہا۔ ایک روز ام مالک نے اس کچی کو نچوڑ لیا۔ بعد ازاں اس میں سے گھی نہ نکلا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَوْ تَرْتُحِيهَا مَا زَالَ قَائِمًا۔

ٹایا: ”اگر تم نچوڑ نہ لیتیں تو اس میں سے ہمیشہ گھی پایا جاتا۔“

⑤ ابن ابی شیبہ اور احمد اور طبرانی اور ابن سعد نے خواب ﷺ کی نبی سے روایت کیا ہے کہ ان کا والد جہاد پر چلا گیا۔ نبی ﷺ ان کے گھر آتے اور بکری کا دودھ دھو جاتے۔ گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ سے بھر جاتا۔ جب خواب ﷺ واپس آ گئے انھوں نے دودھ نکالا تو اتنا ہی نکلا جتنا پہلے اس بکری کا ہوا کرتا تھا۔ ⑥

⑥ صحیح بخاری میں عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک سفر میں 30 افراد نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب منزل پر اترے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کسی کے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے۔ ایک صحابی کے پاس قریباً دو سیر آٹا تھا۔ وہ گوند لیا گیا۔ پھر ایک شخص ریوڑ لیے ہوئے وہاں پہنچا۔ اس سے ایک بکری خرید لی گئی۔ بکری کی بلیگی آگ پر بھون لی گئی اور سب حاضرین کو تقسیم کر دی گئی۔ بعد ازاں وہی بلیگی دو برتنوں میں ڈالی گئی۔ سب نے اسے سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی وہ ختم نہ ہوئی تو اسے ہم نے اونٹ پر رکھ دیا۔ ⑦

نباتات پر اثر

حنین جذع

حنین لغت میں مشتاق کی اس آواز کو کہتے ہیں کہ جو فراق محبوب میں اس کے منہ سے نکلے۔ جذع کھجور کے کٹے ہوئے تکا کو کہتے ہیں۔ ہم اس جگہ جس روایت کا اندراج کرنے والے ہیں اسے دو اوین حدیث میں سے صحیح بخاری صحیح مسلم صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان اور مسند شافعی و مسند احمد و سنن نسائی و ترمذی و ابن ماجہ و مستدرک حاکم و بیہقی و طبرانی اور ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام میں اس روایت و روایت معنی کے بیان کرنے والے: سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (المتوفی 19ھ) و جابر بن عبد اللہ اشہد رضی اللہ عنہ (المتوفی 72ھ) و خادم الرسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ (المتوفی 92ھ) و عاشق السنہ عبد اللہ بن عمر الفاروق (المتوفی 73ھ) و ابن عم النبی عبد اللہ بن عباس (المتوفی 88ھ) و سہل بن سعد الساعدی (المتوفی 91ھ) و ابوسعید سعد بن مالک الخدری (المتوفی 78ھ) و بریدہ بن الخطاب السلمی (63ھ) و ام المومنین ام سلمہ (المتوفیہ 59ھ) اور مطلب بن ابورواہ القشیری رضی اللہ عنہم میں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کی گئی تو شروع شروع میں کوئی منبر نہ تھا۔ ① نبی ﷺ خطبہ کے وقت کھجور کے خشک ٹنڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد تمیم داری رضی اللہ عنہ ② نے نبی ﷺ کی اجازت سے کرباقوم نجار سے جو ایک انصاریہ کے غلام تھے منبر تیار کرا لیا۔ وہ تین زینہ کا تھا۔ یعنی دو زینے اور تیسری نشست کی جگہ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب پہلی دفعہ نبی ﷺ نے منبر پر خطبہ شروع فرمایا اور کھجور کا ٹنڈ حضور ﷺ کے ٹیک لگانے کی عزت سے محروم رہ گیا۔ تب اس سے آواز گریہ آئی شروع ہوئی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ صَاحِبِ النَّخْلَةِ صَاحِ الصَّيْبِ (یعنی وہ بچوں کی طرح چلایا) اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: سَمِعْنَا لِذَلِكَ الْجَذْعِ صَوْتًا مَخْشَوْتِ الْعَشَارِ (دس ماہہ حاملہ اونٹنی کی آواز ہم نے اس کی سنی) نبی ﷺ منبر سے اترے، اس پر دست شفقت رکھا تو دو چپ کر گیا۔ ③ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ پھر نبی ﷺ نے اسے منبر کے متصل دفن کرا دیا (زیادہ تفصیل راقم کے سفر نامہ حجاز میں درج ہے)

① ابن کثیر 2/112، دلائل النبوة للبيهقي: 136/6، بخاری: 5382، 2216، منبر: آواز بلند کرنا، منبر آواز بلند کرنے کی جگہ۔ ② تمیم بن اوس بن خازم۔ دار ایک قبیلہ بن تمیم کا قبیلہ ہے۔ قبل از اسلام یہ عیسائی عالم تھے۔ ③ بخاری: 3585، 3584، 2095، 918

ابن ابی حاتم نے کتاب مناقب الشافعیؒ میں درج کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے ایک دفعہ فرمایا ہمارے نبی ﷺ نے جو عطیات عطا فرمائے تھے وہ کسی نبی کو نہیں ملے۔ کسی شخص نے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ احیاء موتیؒ کے بالمقابل حضور ﷺ کو کیا عطا ہوا تھا؟ امام نے فرمایا کہ حسین جذع کا واقعہ موجود ہے جس کا تھر تھرا (روایت نسائی) اور روونا چلانا (بروایت صحیحین وغیر ہم) سے ثابت ہے۔

1) محمد بن ادریس القرظی المصنفی کے ازاد اربعہ ولادت 150ھ وفات 202ھ۔ مصر میں مدفون ہیں۔ ازروئے نسب جملہ ائمہ دین کے اندر نبی ﷺ سے سب سے قریب تر ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس معجزہ ربانی کی طاقت عطا فرمائی تھی کہ وہ ہاڈن اللہ کی مردہ کا احیاء فرمائیں۔ ان کی اس خصوصیت کا ذکر قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں ہے: ﴿و اوحی الموصی بآذان اللہ﴾ اب یہ بات رو جاتی ہے کہ کبھی عملاً اس کا تصور بھی ہوا۔ معالم التنزیل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے چار شخصوں کو زندہ کیا تھا۔

2) ماڈرن سرجن کا دوست جسے تین دن کے بعد قبر سے نکالا۔ 3) ایک بڑھیا کا بیٹا جس کا جنازہ لے جا رہے تھے اور لوگوں کے کدھوں سے اتر کر گھر آ گیا۔ 4) ایک چوٹی کے حصول لینے والے کی بیٹی، ایک دن کی مری ہوئی گھر میں پڑی تھی۔ 5) ام بن نوح۔ واضح ہو کہ صاحب معالم التنزیل نے اس روایت کو باسند روایت کیا ہے۔ لہذا محدثین کے نزدیک ساقط الاعتبار ہے۔ اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مصنفین اناجیل اربعہ نے بھی ایسا کوئی واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درج کیا ہے یا نہیں۔

(الف) اللہ رکاوڈ کر صرف انجیل یوحنا میں ہے۔ وہ اس عورت کا بھائی ہے جس نے مسیح علیہ السلام کے قدموں پر قدرتی عطراں لیں دیا تھا۔ یوحنا کہتا ہے کہ یہ واقعہ یروشلیم سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہوا تھا اور اسی وقت مشہور ہو گیا تھا۔ تب ہے کہ مصنفین اناجیل دیگر سے یہ واقعہ کیوں کر پوشیدہ رہا۔

(ب) بڑھیا کے بیٹے کا ذکر اناجیل میں مطلق نہیں۔

(ج) ابن عباس کی روایت میں جسے بنت العاشر کہا ہے اس کا ذکر لوقا مرقس نے کیا ہے اور اسے عبادت خانہ کے سردار کی بیٹی بتلایا ہے۔ انجیل نگار لکھتے ہیں کہ سردار کے گھر سے اطلاع آئی کہ لڑکی مری اور مسیح علیہ السلام نے کہا کہ وہ نہیں مری۔ مسیح علیہ السلام ان کے گھر گیا۔ لوگ اور بھی تھے۔ مسیح علیہ السلام نے لڑکی کو دیکھ کر کہا کہ وہ نہیں مری۔ لڑکی کو فرمایا کہ وہ اٹھ بیٹھے۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ ہم مسلمان مسیح علیہ السلام کے منہ کے لفظ کو سچ سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ لڑکی کی مری تھی بلکہ اس پر سکتہ یا ضعف طاری ہو گیا تھا اور مسیح علیہ السلام کی برکت سے اس نے شفا پائی۔

(د) سام بن نوح کے زندہ کرنے کا قصہ بھی اناجیل میں نہیں۔ میرا مقصود اناجیل کے ان حوالہ جات کا اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کی قوت احیاء موتی پر اناجیل خاموش ہیں اور ادھر شہادت اور روایت اور تو اتر میں بڑھا ہوا واقعہ شہن جذع ہے۔

ہاں اناجیل کی صحت سے زیادہ صحت اور نبوت والی روایت ہمارے دہاؤں میں بھی موجود ہے۔ جسے طبرانی اور ابوصمیم وان منہ اور ابن ابی الدنیائے انس بن مالک سے روایت کیا ہے اس روایت کو امام ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب میں اور قاضی میاں نے کتاب الشفا میں اور قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں درج کیا ہے کہ زید بن خالد کا بچہ خلافت عثمان ذوالنورینؓ سے مراد تھا جو چلنے ہوئے گزر کر انتقال ہو گیا تھا۔ عمر کے وقت ان کے کوچہ میں سے مردہ اٹھایا گیا اور گھر پہنچایا گیا۔ مغرب و مشاء کا درمیانی وقت تھا۔ ان کی لاش سر پر رکھی ہوئی تھی۔ کپڑا بڑا ہوا تھا۔ گھر کی عورتیں جمع ہوئیں کہ انھیں صومالی آواز آئی سب چوکے ہو گئے کہ یہ آواز کدھر سے آئی۔ دیکھا تو کپڑے کے نیچے سے آواز آ رہی ہے۔ مرد و عورت جمع ہو گئے۔ زید کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا گیا تو انھوں نے مندرجہ ذیل کلام کیا:

محمد [ﷺ] رسول اللہ النبی الامی و خاتم النبیین کان ذلک فی الکتاب الاول صدق صدق۔ السلام علیک یا رسول اللہ و رحمته و برکاته، احمد احمد فی الکتاب الاول۔ ابو بکر ن الصدیق الضعیف فی نفسه القوی فی امر اللہ فی الکتاب الاول صدق صدق عمر بن الخطاب القوی الامین فی الکتاب الاول صدق صدق عثمان غنی منہاجہ مضت الرابع و بقی سنتان انت الفتن و کل الشدید الضعیف قامت الساعۃ و سبائبکم خیر بیبر اریس و ما بیبر اریس۔ [2]

”اللہ کے رسول محمد (ﷺ) ہیں وہ نبی الہامی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دینے والے ہیں۔ سچ لوج محفوظ میں اسی طرح ہے۔ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر اللہ کا صلہ و سلام اور برکتیں ہوں۔ میں اللہ کی حمد کتاب اول میں کرتا ہوں، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم میں کمزور مگر اللہ کے حکم میں بہت مضبوط۔ کتاب اول میں اسی طرح ہے۔ سچ عمر رضی اللہ عنہ قوی مضبوط اور امین ہے۔ کتاب اول میں اسی طرح ہے۔ سچ عثمان تمہیک راستہ پر تھے۔ چار سال اگل گئے، دورہ گئے تھے اور مضبوط کمزور کا گل جانا آ پہنچا۔ قیامت قائم ہوگی۔ تم کو چاہا اریس کی خبر ملے گی۔ خبر بھی کبھی کبھی۔“

واضح ہو کہ اس روایت کی صحت اندازا جات انجیل سے ضرور بڑھ کر ہے۔ زید بن خالد، باپ بیٹا دونوں صحابی رضی اللہ عنہما اور سرداران انصار میں سے ہیں۔ فقط۔

[3] ان الفاظ کو شرح شفا معتز ملاطی قاری اور کتاب الاستیعاب سے نقل کیا گیا ہے۔

[4] اس واقعہ میں بھی ایک چیز کوئی موجود ہے جسے چاہا اریس کا واقعہ بتلایا ہے۔ نبی ﷺ کی آگشت پاک کی خاتم مبارک حضور ﷺ کے بعد صدیق رضی اللہ عنہ اور صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد فاروق رضی اللہ عنہ اور فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد ذوالنورین رضی اللہ عنہ (دو بار بدو) انتقال خلافت کے بعد پہنچا کرتے تھے۔ آخر ایام خلافت میں ذوالنورین رضی اللہ عنہ چاہا اریس پر بیٹھے ہوئے تھے وہ خاتم اس میں گر گئی اور تلاش کرنے سے پھر نہ ملی۔ اسی دن سے اختلاف خلافت کا آغاز ہوا۔ اسد الغابہ: 345/2

راقم عرض کرتا ہے کہ احیائے موتی سے مراد جسم موتی میں اس وقت حیات کا اعادہ ہے۔ جو شخص میت میں پہلے کبھی حاصل تھی۔ مگر گر یہ نخل تو اس سے بھی عجیب تر ہے۔ یعنی ایک نباتی جسم کے اندر ایک ایسی صفت کا پیدا ہو جانا جو خاص انسانی صفت ہے۔ یہ انسانی صفت نہ صرف تھر تھرانا، کپکپانا اور رونا ہے بلکہ فراق محبوب کا احساس اور فقدان شرف کا علم بھی اس کے اندر حاصل ہے۔ بلکہ یہ تو ایک عاشقانہ رنگ ہے جو ایک کجور کے ٹنڈ میں نظر آیا۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کا ذکر فرمایا کرتے تو کہا کرتے تھے، اے دعویٰ داران بشر! بطریق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک ٹنڈ کا یہ حال تھا تو اب اپنی حالتوں کا بھی اس سے مقابلہ کرو۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس واقعہ کو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ و دیگر محدثین کرام نے مشہور دستاویز تسلیم کیا ہے۔ میرا فہم ناقص یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نخلہ کو دفن کر دینا غالباً اسی لیے تھا کہ وہ صفات انسانی کا مظہر بن گیا تھا۔ اس نکتہ کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل میں اور زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

حیوانات پر اثر

① مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک غزوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب گیا تھا۔ میرا اونٹ پیچھے رہ گیا تھا اور چل نہ سکتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے راہ میں مل گئے۔ پوچھا اونٹ کو کیا ہے؟ میں نے کہا: بیمار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو ڈانٹا اور دعا بھی فرمائی، وہ سب سے آگے چلنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھ سے پوچھا تو میں نے عرض کر دیا کہ اب وہ اچھا ہے اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کا حاصل کیا ہے۔۔۔ ②

② مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بلایا اس نے حاضر ہو کر کہا کہ میری اونٹنی ایسی ہو گئی ہے کہ مجھے حاضر ہونے میں دیر لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کے ایک ایزد لگائی وہ سب سے آگے نکلے گی۔ ③

③ مسند احمد میں خواب رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے روایت ہے کہ خواب رضی اللہ عنہ جہاد پر گئے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری خبر گیری فرماتے اور ہماری بکریاں دھو جاتے اور گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ کا بھر جاتا۔ جب خواب رضی اللہ عنہ واپس آ گئے تو بکریوں کا دودھ بھی اتار دیا گیا۔ جتنا پہلے ہوا کرتا تھا۔ ④

④ بیہقی نے جمیل سے روایت کی ہے کہ میں ایک غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میرے پاس ایک کمزور دہلی سی گھوڑی تھی اور میں سب سے پیچھے رہا کرتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آئے۔ فرمایا گھوڑی والے چلو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو دہلی بھی ہے اور کمزور بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چابک اسے لگایا اور یہ الفاظ بھی زبان سے فرمائے: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهٗ فِيْهَا۔ پھر تو وہ ایسی تیز ہو گئی کہ مجھے اس کی لگام سنبھالنا اور سب سے آگے نکل جانے سے روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ بعد ازاں میں نے اس کے حکم کے دس چھڑے بھی فروخت کیے۔ ⑤

⑤ ابن سعد ابو یعلیٰ برادر ابن مندہ رضی اللہ عنہ و بیہقی و ابو نعیم اور حاکم نے (مع الصحیح) سفینہ رضی اللہ عنہ سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کی ہے کہ انھوں نے بحری سفر کیا۔ کستی ٹوٹ گئی اور ایک تختہ پر بستے ہوئے ایک ساحل پر پہنچ گئے۔ جس کے ساتھ جنگل تھا۔ اس میں شیر تھے۔ ایک شیر میری طرف آیا، میں نے کہا! او شیر! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں، شیر دم ہلانے لگا اور میرے برابر برابر چلنا ہوا مجھے رستہ پر ڈال گیا۔ جب میں اس سے الگ ہوا تو وہ دھاڑتا تھا گویا مجھے رخصت کر رہا تھا۔ ⑥

① امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، ایضاً نام ولادت 21ھ و وفات کیم رجب 110ھ۔ ② بخاری: 2097، مسلم: 1089، ابن حبان: 7143، نسائی: 299/7۔

③ بخاری: 2969، 2867، مسلم: 2307/48۔ ④ ابن کثیر: 102/2، دلائل النبوة رحمۃ اللہ علیہ: 138/6۔ ⑤ کنز العمال: 35384، الطہرانی: 315/2۔

⑥ الطہرانی: 46/6، مصدر رک حاکم: 606/3۔

افلاک پر اثر اور معجزہء شق قمر

نبی ﷺ کے اشہر معجزات میں سے شق قمر کا معجزہ ہے۔ کفار نے علمائے یہود سے دریافت کیا تھا کہ ہم کو محمد ﷺ سے اس کی صداقت کا کیا نشان طلب کرنا چاہیے انھوں نے کہا کہ سحر کا اثر صرف زمین تک محدود ہے۔ تم کہو کہ ہم کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلاوے۔ امید ہے کہ محمد ﷺ کچھ نہ دکھلا سکے گا۔ انھیں کی سکھلاوٹ سے کفار نے شق قمر کا سوال کیا تھا۔ ①

احادیث شق القمر کے راوی عبد اللہ بن مسعود، امیر المؤمنین علی المرتضیٰ، جبیر بن مطعم، نوفلی، انس بن مالک، عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہم ہیں۔ صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

إِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةٌ فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةٌ دُونَهُ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِشْهَدُوا ②

”رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور دوسرا اس سے نیچے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیکھو، گواہ رہنا۔“

اس روایت میں لفظ اِشْهَدُوا اس لیے ہے کہ شق قمر کا وقوع طلب کفار کے بعد بطور معجزہ رسول اخیار واقع ہوا تھا۔ ورنہ تاکید شہادت کے کیا معنی؟

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیحین میں ہے:

إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ شَقَّتَيْنِ حَتَّى
رَأَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا ③

اہل مکہ (کفار) نے نبی ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان کو کوئی بڑا نشان دکھایا جائے نبی ﷺ نے انھیں چاند کا پھٹنا دکھلایا، اس کے دو ٹکڑے تھے۔ کوہ حرا ان دونوں کے درمیان تھا۔

صحیحین کی ایک روایت عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں یہ بھی صراحت ہے کہ یعنی انْفَلَقَ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب چاند پھٹا ہے تو اس وقت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی مع دیگر صحابہ کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ④

علیٰ ہذا اتبعنی اور ابو نعیم نے جو روایت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اس میں بھی یہ صراحت ہے کہ انْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ بِمَكَّةَ ہم مکہ میں تھے جب شق قمر کا واقعہ ہوا۔ ⑤

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تین بزرگوں سیدنا علی و عبد اللہ بن مسعود و جبیر بن مطعم نوفلی رضی اللہ عنہم کی شہادت چشم دید ہے اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت مرسل صحابی ہے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ ہر دو احتمال ہو سکتے ہیں اور غالب ظن یہ ہے کہ

① مسلم: 2802، احمد: 163/3، ترمذی: 3286 مجھے خیال گزرتا ہے کہ یہود نے موسیٰ علیہ السلام کے سب سے بڑے معجزے لفق بخر سے شق قمر کا ٹھیل پیدا کیا تھا۔ وہ قطعاً جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا معجزہ دکھلائی دوسرے کے لیے محال ہے۔ چہ جائیکہ ایسا معجزہ جو پہلے معجزہ کے مقابلہ میں زمین و آسمان کا فرق رکھتا ہو۔ ② بخاری: 3636، 3869 مسلم: 7072 ③ بخاری: 3868، 3637 مسلم: 7077، 7076 ④ بخاری: 3869، مسلم: 7074، 7072، ترمذی: 3285 ⑤ ترمذی: 3289

وہ بھی چشم دید راوی ہیں۔ کیوں کہ ان کے آخری لفظ یہ ہیں: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللَّهُمَّ اشْهَدْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اللہ گواہ رہنا (کہ میں نے کفار کو یہ نشان دکھلا دیا ہے۔) (۱)

اس معجزہ کی توثیق

قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۗ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ [القمر: 1-2]

”وقت آ گیا اور چاند پھٹ گیا اور کفار جب کوئی بڑا نشان دیکھتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہوتا رہا ہے۔“

علماء جانتے ہیں کہ قرب کی بجائے اِقْتَرَبَ کا استعمال وقوع کی تاکید کے لیے ہے الساعۃ سے مراد خواہ قیامت ہے اور شق قمر جیسے واقعات اس تغیر عظیم کے قریب ہونے کی خبر دینے والے ہیں جیسا کہ شمس و قمر اور نجوم و کواکب اور جبال و ارض سب کے سب ہی تلف ہو جائیں گے۔

خواہ الساعۃ سے مراد وقت مقررہ ہے جو علم الہی ہی واقعہ شق قمر کے لیے تھا۔ اس معنی کا اطلاق قرآن مجید میں مندرجہ ذیل

آیات سے ثابت ہے۔

﴿ لَمْ يَكُنُوا إِلَّا سَاعَةً ۖ ﴾ [زمر: 45] ﴿ ۲ ﴾ ﴿ مَا لَهُمْ إِلَّا سَاعَةٌ ۖ ﴾ [احقاف: 35] لیکن ان مقامات پر معارف بالام نہیں۔

شہ کرنے والے بیان شہ سے نہیں چوکا کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ دراصل قمر میں انشقاق نہ ہوا تھا بلکہ روایت انس رضی اللہ عنہ میں لفظ اَرَاهُمْ واقع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کفار کی آنکھوں کو چاند کا دو ٹکڑوں میں ہو جانا دکھلایا گیا تھا۔

کاش یہ لوگ اسی روایت میں اور اسی لفظ اَرَاهُمْ سے پہلے کے الفاظ مَسَالُوا اَنْ يُّرِيَهُمْ آيَةً كَوَيْدٍ لِّئَلَّا يَكْفُرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ بھی یہی تھا کہ ”چاند خواہ شق ہو یا نہ ہو مگر ہم کو شق شدہ نظر آ جائے۔ یقیناً ان کا یہ سوال نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ لہذا اَرَاهُمْ تو اس يُّرِيَهُمْ کے وقوع کی اطلاع ہے۔

دوسروں کا شہ یہ ہے کہ یہ تو زمان مستقبل کے متعلق اطلاع ہے کہ چاند پھٹ جائے گا لیکن اِقْتَرَبَتْ اور اِنْشَقَّ دونوں لفظ

صیغہ ماضی کے ہیں۔

اور مزید برآں خود کفار نے اسے دیکھ کر سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ کہا ہے۔ اگر اس کا تعلق مستقبل سے ہوتا تو وہ اس واقعہ کو سحر مستمر سے

کیوں تعبیر کرتے۔

الغرض شک و شہ کے شبہات پیدا کرنے کے بعد بھی واقعہ ہذا بکمال صحت ثابت ہے۔

پرانے زمانے کے متشکک جو قیاسی ہیئت سے روشنی گیر تھے۔ خرق و التیام، اجرام سماوی کے امکان و عدم امکان پر بھی بحث

کیا کرتے تھے۔ لیکن اب نہ تو ان کی وہ زمین باقی ہے اور نہ آسمان اس لیے وہ اعتراضات بھی پا رہا ہو گئے۔

کاش ان لوگوں کو زلزلہ ارضی سے سبق ملتا کہ کس طرح زلزلہ کے جھٹکے سے ہموار زمین میں غار پڑ جاتے ہیں اور کیوں کروہی غار

(۱) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے 73 ھ میں ہجر 86 سال انتقال کیا۔ یعنی ان کی عمر ابتدائے ہجرت کے وقت 13 سال کی تھی۔ ان کا اسلام اپنے والد کے ساتھ 6 نبوت میں تھا

اور واقعہ شق قمر 9 نبوت کا ہے۔ لہذا شہادت چشم دید ہے۔

دوسرے جھکے میں پھر ہموار شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

ہم کو اپنے زمانہ میں جو اعتراض سننا پڑتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر چاند پھٹ گیا ہوتا تو کیا ہندوؤں اور عیسائیوں کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور نہ ہوتا۔

ہندوؤں کا اعتراض تو صحیح ہوتا ہے ان کے ہاں تواریخ کی کتابیں بھی پائی جاتیں جس ملک میں سرے سے کوئی تاریخ ہی موجود نہ ہو جہاں واقعات ملک و قوم کی کوئی یادداشت موجود نہ ہو، ان کو دوسرے ملک کی بابت کہنا کہ ہماری کتابوں میں اس کا ذکر نہیں کہاں تک زیبا ہو سکتا ہے۔

مصریوں کو دیکھو یہ بھی تہذیب قدیم کے بلند دعاوی میں ہندوؤں سے بڑھے ہوئے ہیں مگر ان کی کتابوں میں واقعات موسیٰ علیہ السلام کا کہیں نشان نہیں ملتا جس ملک کی تاریخ ایسے ایسے واقعات ارضی سے خالی ہو۔ ان سے یہ توقع کہ ان کے ہاں جملہ واقعات سماوی بھی ضروری درج ہونے چاہئیں کیوں کر درست ہو سکتی ہے۔

ہاں یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھیے کہ وہ کتاب یسوع 12/10 کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔

”یسوع نے کہا اے آفتاب جیون پر ظہر ارہ اور اے ماہتاب تو واوی ایلوں کے مقابل 10/13 تب آفتاب نے درنگ کیا اور ماہتاب کھڑا رہا یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنے دشمنوں سے انتقام لیا۔“
10/13 قریب دن بھر کے سورج چچم کی طرف مائل نہ ہوا۔“

کیوں جناب سورج اور چاند کا 12 گھنٹے کے لیے اپنی رفتار سے رک جانا کس قدر عجیب ہے۔ شق القمر کا واقعہ تورات کا تھا۔ ہزاروں مقامات پر لوگ سو رہے ہوں گے۔ ہزاروں انسان گھروں کے اندر ہوں گے۔ لیکن سورج کا 12 گھنٹے رک جانا تو سارے جہاں میں تہلکہ ڈال دینے والی بات تھی۔ مگر اس کا ذکر یسوع کی معاصر کتابوں میں کہیں بھی نہیں ملتا اور ہاں ہم آپ اس واقعہ کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر اب ہم آپ کو دکھانا چاہتے ہیں کہ اگر مکہ معظمہ میں یہ واقعات کے 9 بجے وقوع پذیر ہوا تو اس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے اوقات کیا تھے؟⁽¹⁾

نام ملک	گھنٹے	منٹ	نام ملک	گھنٹے	منٹ
ہندوستان	12	50-شب	انگلستان آئرلینڈ فرانس	6	دن
ماریشس	12	20-شب	بلجیم، سپین، پرتگال	6	دن
رومانیہ بلغاریہ ترکی یونان	8	20-دن	جبل الطارق، البجیریا	6	دن

(1) یہ نقش اوقات سینڈ رڈ نام کے حساب سے ہے۔

جرمنی (1933ء)، ڈنمارک	8	20-دن	پیر و تہامہ، جمیکا، بھارت	1	20-نیم شب
سوئڈن	8	20-دن	امریکہ	1	// // //
آئس لینڈ، ٹھریا	5	20-دن	سوا	6	20-دن
مشرقی برازیل	2	20 بعد نیم شب	نیوزی لینڈ	6	50-دن
متوسط برازیل و چلی	2	20-20	تسمانیہ، وکٹوریہ نیوساؤتھ	5	22 صبح
برٹش کولمبیا	10	20 قبل دوپہر	جنوبی آسٹریلیا	4	50 صبح
کولون	9	// // 24	جاپان-کوريا	4	20 بعد دوپہر
برہما	1	50 بعد نیم شب	مغربی آسٹریلیا، شمالی بورنیو	3	// // 20
سال لینڈ ٹھریا	10	20-شب	جزائر فلپائن، ہانگ کانگ	3	// // 20
ریاستہائے ملایا	2	// // 20	چین	3	// // 20
جزائر سنڈوک	7	50-دن			

معجزات کی قسم دوم

یعنی اطلاع اخبار مستقبلہ و واقعات آئندہ

عہد مستقبل کا علم کسی انسان کو حاصل نہیں ﴿ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ﴾ [نہان: 34] "کسی شخص کو بھی یہ پتا نہیں کہ آنے والے کل کو وہ کیا کیا کرے گا۔"

علم غیب کا مالک صرف رب العالمین ہے ﴿ لَمْ يَكُنِ لَهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ [الف: 26] رب العالمین ہی اپنے گزیدہ انبیاء و رسل پر علم غیب کا اس قدر حصہ ظاہر فرماتا رہا ہے جس کی ان کو ضرورت ہوگی یا جس کی ضرورت ان کی صداقت و رسالت کا یقین دلانے کے لیے پائی گئی۔

﴿ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ﴾ [الحج: 27-28]

"وہ غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول سے وہ خوش ہو۔"

معجزات مادی کا انکار کرنے والے اور شکوک و اوبام کے دام میں گرفتار تو بہت پائے جاتے ہیں، مگر اخبار مستقبلہ کی اطلاع صحیح کی تاویل ایسے لوگ بھی نہیں کر سکتے، لہذا یہ بھی معجزات میں داخل و شامل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کے نزدیک اظہار اخبار غیب کا درجہ بڑا ہے۔

صدیقہ بنت صدیق ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے کہ نزول وحی سے پیشتر حضور ﷺ پر رویائے صادقہ کا باب کھولا گیا تھا۔ حضور ﷺ پر نور جو کچھ خواب میں دیکھ لیتے، بیداری میں وہ واقعہ اسی طرح ظہور پذیر ہوتا۔ [1] انبیاء علیہم السلام کے رویا کو دیگر اکابر صالحین کے رویا پر یہی فوقیت ہے کہ اوروں کے خواب تمشلی رنگ میں بھی ہوتے ہیں مگر انبیاء علیہم السلام کا

رؤیا میں جلوہ حقیقت ہوتا ہے۔ ذبح پر کے متعلق امام الخلائق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ حضور اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں: ﴿يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ آتِيًا بِكُفْرٍ كَرِيمٍ ۚ لَقَدْ فَتَنَّاكَ بِهِ فَوَدَّعَيْنَاكَ ۚ لِيُكْفِرَ ۚ وَلَٰكِنَّكَ جَاهِلٌ بِمَا نَعْمَدُ ۚ وَإِنِّي لَأَرَىٰكَ نَبِيًّا ۚ وَرَوَّيْنَاكَ لِلْعَالَمِينَ ۚ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۚ﴾ [الصافات: 102] ”پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تم غور کرو کہ اس میں تمہاری رائے کیا ہے؟“

ظہیل الرحمن علیہ السلام کا فرزند ذبح اللہ علیہ السلام کا منصب پانے والے کا آرزو مند نبی بن نبی جو اب دیتا ہے

﴿يَا بَيْتِ افْعَلْ مَا تُلْمُؤُومُ﴾ ”بزرگ باپ جو حکم آپ کو ملا اس پر عمل کیجیے۔“

غور کرو کہ صورت مرئیہ منام کا نام انہوں نے امر الہی رکھا ہے۔ چنانچہ اس کی تعمیل ٹھیک اسی صورت کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ایک خواب کا ذکر سورہ الفتح میں فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الْوُيُؤَا بِالْحَقِّ لَنُدْخِلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِينَ مَخْلِقِينَ رُؤُؤُسَكُمْ وَمُقْصِرِينَ﴾ [الف: 27]

”اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کو پوری حقانیت کے ساتھ پورا کر دیا کہ تم ان شاء اللہ کعبہ میں داخل

ہو گے۔ اس وقت بعض مسلمانوں نے سرمنڈائے ہوئے ہوں گے اور بعض نے بال کٹوائے ہوئے۔“

یہاں بھی مسجد الحرام اور حلق و قصر اپنے اصلی معنی میں تھے۔

خواب کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مشاہدات اور علامات ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر دنیا کو

مطلع فرمایا ہے۔ عنوان بالا کے تحت ہم ایسے ہی واقعات کا ذکر بالا اختصار کرتے ہیں۔

اطلاع اخبار مستقبلہ

① حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک بات جو قیامت تک

ہونے والی تھی بیان فرمادی۔ جسے یاد ہے اسے یاد ہے، جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ میرے سامنے بھی جب وہ ایسا واقعہ آ جاتا ہے جو میں بھول

چکا تھا تو اسے دیکھتے ہیں سمجھ جاتا ہوں۔ جیسے ہم کسی شخص کو بھول جایا کرتے ہیں اور پھر اس کا منہ دیکھ کر اسے پہچان لیا کرتے ہیں ②

صحیح مسلم بروایت ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت بالا کے متعلق یہ مزید صراحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد نماز ظہر تک خطبہ

فرمایا۔ نماز پڑھ کر پھر خطبہ شروع کر دیا۔ غروب شمس تک یہی ہوتا رہا۔ اس خطبہ میں واقعات تا قیامت کا ذکر فرمایا تھا جسے وہ خطبہ زیادہ

مخفوظ رہ گیا ہے وہ ہم میں سے زیادہ عالم ہے۔ ③

جہاز بحری کی اطلاع

④ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر آرام فرمایا۔ جب بیدار ہوئے تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے وجہ پوچھی، فرمایا: مجھے میری امت کے وہ عازی دکھائے گئے جو سمندر میں جہاد کے لیے

سفر کریں گے۔ وہ اپنے جہازوں پر ایسے بیٹھے ہوں گے جیسے لوگ اپنے اپنے تخت پر نشست کرتے ہیں۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی میرے

لیے بھی دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کر دی اور پھر لیٹ گئے۔ پھر بٹتے ہوئے بیدار ہوئے

فرمایا: مجھے میری امت کے دوسرے غازی جہازوں پر سوار ہو کر جہاد کرنے والے دکھلائے گئے۔ ام حرامؓ نے کہا، دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل فرمائے۔ فرمایا نہیں تو پہلے لوگوں میں سے ہے۔

امیر معاویہؓ کے زمانہ میں جب عبادہ بن صامتؓ بحری جہاد کو گئے تو یہ ام حرامؓ بھی اپنے شوہر کیساتھ گئیں۔ غزوہ سے واپسی کے وقت ام حرامؓ کے لیے سواری لائی گئی، وہ سوار ہونے لگیں تو جانور نے لات ماری اور ان کا وہیں انتقال ہو گیا۔ ﴿۱﴾

پیش گوئی

﴿۳﴾ صحیح بخاری میں عدی بن حاتم طائیؓ کی روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے حضور میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے فاتحہ کی شکایت کی، دوسرا آیا اس نے ذکیتوں کی شکایت کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”کہ اے عدیؓ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھ لو گے کہ ایک بڑھیا حیرہ سے اکیلی چلے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی، وہ اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتی ہوگی۔“ (میں نے اپنے دل میں کہا کہ طے کے ذکیت کدھر چلے جائیں گے، جنھوں نے تمام بستیوں کو اجاڑ رکھا ہے۔ پھر فرمایا: ”اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانوں کو جا کھولو گے۔“ میں نے پوچھا کیا کسریٰ بن ہرمز؟ فرمایا: ”ہاں کسریٰ بن ہرمز۔“ پھر فرمایا: ”اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تو دیکھ لے گا کہ ایک شخص زکوٰۃ کا سونا اور چاندی لیے ہوئے پھرے گا اور اسے کوئی نہ ملے گا جو زکوٰۃ کا پیسہ لینے والا ہو۔“

عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسی بڑھیا کو بھی حج کرتے دیکھ لیا جو کوئٹہ سے اکیلی حج کو آئی تھی اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ تھا اور خزان کسریٰ کی فتح میں بھی شامل تھا۔ تیسری بات بھی تم اے لوگو! دیکھ لو گے۔ ﴿۲﴾

امام بیہقیؒ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی سلطنت میں تیسری بات بھی پوری ہو گئی کہ زکوٰۃ دینے والے کو تلاش سے بھی کوئی فقیر نہ ملتا تھا اور وہ اپنا مال گھر واپس لے جایا کرتا تھا۔

پیش گوئی متعلق فتوحات ممالک

﴿۴﴾ تہائیؒ ابو نعیمؒ نے براء بن عازبؓ سے روایت کی ہے کہ خندق کھودتے ہوئے ایک بہت بڑا اور بہت سخت پتھر نکل آیا جس پر کدال کا اثر نہ ہوتا تھا۔ ہم نے نبی ﷺ سے یہ حال عرض کیا حضور ﷺ نے پتھر کو دیکھا کدال کو ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ کہہ کر ضرب لگائی۔ ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا: ”اللَّهُ أَكْبَرُ إِنِّي أُعْطِيتُ مَقَاتِيحَ الْفَارِسِ وَاللَّهُ لَا بُصْرَ قَصْرَ الْمَدَائِنِ الْأَبْيَضِ“ (مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا کی گئیں اور میں اس وقت مدائن کے سفید محل کو دیکھ رہا ہوں)۔ پھر دوسری ضرب لگائی اور ایک تہائی پتھر پھر ٹوٹ گیا پھر فرمایا: ”اللَّهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَقَاتِيحَ الشَّامِ“ (مجھے ملک شام کے خزانے اور کنجیاں عطا کی گئیں)۔ پھر تیسری ضرب لگائی اور سارا پتھر چکنا چور کر دیا اور فرمایا: ”اللَّهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَقَاتِيحَ الْيَمَنِ وَاللَّهُ إِنِّي لَا بُصْرَ أَبْوَابِ صُنْعَاءَ مِنْ مَكِّيَّةِ السَّاعَةِ“ (مجھے ملک یمن کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ واللہ! میں یہاں سے اس وقت شہر صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں)۔ ﴿۳﴾ یہ پیش گوئی اس وقت فرمائی تھی جب مدینہ پر کفار کے عساکر

﴿۱﴾ بخاری: 2788، احمد: 423/6، اسد الغابہ: 305/7، بخاری: 1413-3595، شرح السنہ: 5/31، سنن ابی داؤد: 3176، ابوداؤد: 4302،

دلائل النبوة والصحیح: 421/3، سنن الکبریٰ للبخاری: 65/2، ابن ہشام: 173/3

حملہ آور ہو رہے تھے اور ان سے بچاؤ کے لیے شہر کے گرداگرد خندق کھودی جا رہی تھی ایسے ضعف کی حالت میں اتنے ممالک کی فتوحات کی اطلاع دینا اللہ کے نبی ہی کا کام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرف بہ حرف پورا فرمایا۔

فتح مصر کی پیش گوئی

ﷺ نے فرمایا:

إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُونَ أَرْضًا يُذَكِّرُ فِيهَا الْفِرَاطُ فَاسْتَوْصُوا بِأَهْلِهَا خَيْرًا فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِمًا فَإِذَا رَأَيْتَهُمْ رَجَلَيْنِ يَقَاتِلَانِ عَلَى مَوْضِعٍ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا۔^①

”تم عنقریب اس ملک کو فتح کر لو گے جہاں سکہ قیراط ہے۔ تم وہاں کے لوگوں سے بھلائی کرنا کیوں کہ ان کو ذمہ اور رحم کے حقوق حاصل ہیں (پھر ابوذر سے فرمایا) جب تم دیکھو گے کہ دو شخص ایک اینٹ برابر کی زمین پر جھگڑ رہے ہیں تب وہاں سے چلے آنا۔“ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فتح مصر کو بھی دیکھا اور وہاں بود و باش بھی اختیار کی اور یہ بھی دیکھا کہ (ربیعہ اور عبدالرحمن بن شریحیل) اینٹ برابر زمین کے لیے جھگڑ رہے ہیں تب یہ وہاں سے چلے بھی آئے۔ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ لَهُمْ ذِمَّةٌ وَرَحِمًا کی تفسیر بیہقی و ابو نعیم کی حدیث عن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ میں موجود ہے کہ باجرہ ام اسماعیل رضی اللہ عنہم اور مار یہ قبیلہ رضی اللہ عنہم ام ابراہیم بن رسول اللہ رضی اللہ عنہم مصریہ ہیں۔ حدیث بیہقی و ابو نعیم میں ملک مصر کا نام صراحہ ہے۔

ملک عرب سے ممالک مفتوحہ کے قطع تعلق کی پیش گوئی

ﷺ نے فرمایا:

مَنْعَتِ الْعِرَاقِ دِرْهَمَهَا وَ قَفِيْزَهَا وَ مَنْعَتِ الشَّامِ مَدْيَهَا وَ دِينَارَهَا وَ مَنْعَتِ الْمِصْرَ أَوْدُبَهَا وَ دِينَارَهَا وَ عُدَّتُمْ مِنْ حَيْثُ بَدَأْتُمْ۔^②

”عراق نے اپنے درہم و قفیز کو شام نے اپنے مدو دینار کو اور (مصر نے) اپنے اودب و دینار کو روک لیا اور تم ویسے کے ویسے رہ گئے جیسے شروع میں تھے۔“ □

بیہقی بن آدم کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس حدیث میں صیغہ ماضی کا استعمال فرمایا۔ حالانکہ اس کا تعلق عہد مستقبل سے تھا اس لیے کہ حکم الہی میں ایسا ہی مقدر ہو چکا تھا۔

حدیث بالا اس زمانہ کے متعلق پیش گوئی ہے، جب مدینہ منورہ میں خلافت راشدہ کا زمانہ ختم ہو گیا اور دمشق میں سلطنت امویہ کا قیام ہو گیا تھا کہ پھر حجاز میں ان ممالک سے مالینہ بہ شکل سکہ اور نہ بہ شکل جنس کبھی تجاز کو حاصل نہ ہوا۔ یہ پیش گوئی اب تک بارہ صدیوں سے اسی طرح چلی آتی ہے۔

① مسلم: 6493، 6494، کنز العمال: 31767، دلائل النبوة: 321/2، سنن ابی نعیم: 206/9، ② مسلم: 7277، ابوداؤد: 3035، احمد: 262/2

□ تفسیر، مدو اور اودب اناج کے پٹانے ہیں۔ تفسیر، سکوک کا مدو اور 1/13 رطل یا قبول بعض 2 رطل کا اور اودب 24 صاع کا ہوتا ہے، مجمع البحار۔

پیش گوئی کہ شہنشاہ ایران کے نکلن سراقہ اعرابی کو پہنائے جائیں گے

﴿۲﴾ نبی ﷺ نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

كَيْفَ بَلَكَ إِذَا لَبَسْتَ سَوَارِي كِسْرَى-

”تیری کیا شان ہوگی جب تجھے کسریٰ کے نکلن پہنائے جائیں گے۔“

بیہقی کی دوسری روایت میں ہے کہ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس فتح ایران کے مال غنیمت میں کسریٰ کے نکلن پہنچے تو

انہوں نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اسے وہ نکلن پہنائے جو سراقہ کے بازوؤں کے اوپر تک پہنچے۔

فاروق رضی اللہ عنہ نے نکلن پہننا کر زبان سے کہا: اللہ کا شکر ہے جس نے کسریٰ بن ہرمز سے جو اپنے آپ کو رب الناس کہلاتا تھا یہ

نکلن چھین لیے اور آج سراقہ رضی اللہ عنہ بن مالک اعرابی مدلیٰ کو پہنائے۔ ﴿۱﴾

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا ہے کہ یہ نکلن سراقہ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی پیش گوئی کی تعمیل میں پہنائے گئے تھے۔

حدیث بالا کے مختصر فقرہ پر غور کرو جو تین پیش گوئیوں پر مشتمل ہے:

﴿۱﴾ خلافت فاروق رضی اللہ عنہ کی صداقت پر جس نے نبی اللہ کے ارشاد کو پورا کیا۔

﴿۲﴾ فتح ایران کو۔

﴿۳﴾ فتح ایران تک سراقہ کے زندہ رہنے پر۔ کتاب الاستیعاب سے واضح ہے کہ سراقہ نے ۲۰ھ میں وفات پائی۔ یعنی فتح ایران سے

صرف چند سال بعد وہ زندہ رہے۔

معجزات قسم سوم

اب ایسی پیش گوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا اندراج کتب احادیث میں پہلے سے ہو چکا تھا اور ان کتب کو عالم اسلام میں

مداول بین الناس اور شاعت نام کا درجہ حاصل تھا، پھر ان پیش گوئیوں کا ظہور دنیا کے سامنے بعد میں ہوا۔

اس سے ثابت ہوگا کہ ایسی پیش گوئیوں کی نسبت تصنع یا ساخت کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا نیز ان سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ

قرب قیامت کی علامات و شرائط جن احادیث میں بیان فرمائی گئی ہیں اور جن کا ظہور آج 1348ھ تک نہیں ہوا۔ ان کا ظہور بھی یقیناً

اپنے اپنے اوقات پر (جو علم الہی میں مقرر ہے) اپنے ظاہری الفاظ اور کمال تطابق کے ساتھ بصیرت افزاے مؤمنین ہوگا۔

393 سال پیشتر کی پیش گوئی

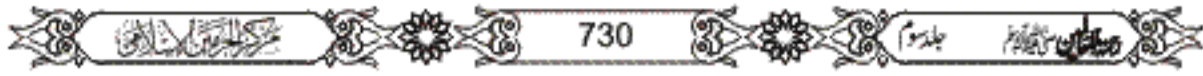
سنن نسائی و بیہقی میں غزوہ ہند کی پیش گوئی ہاں الفاظ درج ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وَعَدَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ الْهِنْدِ. ﴿۱﴾

”رسول اللہ ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ مسلمان ہندوستان میں غزوہ کریں گے۔“

﴿۱﴾ ساری تفصیل درج ذیل کتب میں دیکھیں: الاستیعاب للقاتنی: 1/674، الاستیعاب رقم: 721، الاصابہ رقم: 3122، اسد الغابہ: 2/414

﴿۲﴾ نسائی: 3175، مستدرک: 3/514، دلائل النبوة: 67/336، بیہقی: 9/176



یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حدیث امام نسائی نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ امام نسائی 215ھ کو پیدا ہوئے اور 303ھ کو وفات پائی۔ نسائی طاہر 215 ہزار دو روز جہاں فیروز 303 رفت ہند پر سب سے پہلے سلطان محمود نے 393ھ کو حملہ کیا تھا۔ یعنی اشاعت کتب سنن نسائی سے قریباً ایک صدی بعد، جب کہ سن ہجرت 393 تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اہل اسلام کی کتابوں میں ہندو یائے انک کا نام ہے اور اسی مناسبت سے انہوں نے ماورائے انک کے رہنے والی قوم کا نام ’ہندو‘ رکھا تھا (انگریزی میں ہندوستان کا نام انڈیا بھی اسی مناسبت سے ہے) لہذا حدیث بالا کا مصداق وادی غزوہ ہو سکتا ہے، جسے انک سے عبور کیا گیا۔

654 سال پہلے کی پیش گوئی

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِّنَ الْحِجَازِ تُضِيءُ أَعْنَاقَ الْإِبِلِ بِبُصْرَى۔ ①
 ”قیامت نہیں آئے گی جب تک حجاز میں ایسی آگ نمایاں نہ ہو جو بصری کے اونٹوں پر اپنی روشنی نہ ڈالے گی۔“
 یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں موجود ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ 256ھ کو امام مسلم بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ نے 261ھ کو انتقال فرمایا تھا اور ان ائمہ کبار کی ہر دو کتب و صحیحین ان کی زندگی ہی میں جملہ ممالک اسلام میں داخل درس و تدریس ہو چکی تھیں اور روز افزوں اشاعت کی وجہ سے یہ کتابیں ہر ایک اسلامی علاقہ میں کثرت کے ساتھ پائی جاتی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ الفاظ کا ظہور جمادی الثانی 654ھ کو ہوا۔ یعنی صحیحین الحدیث کی وفات سے بھی چار صدیوں کے بعد۔ گواہان یعنی نے اس آگ کے متعلق جس کی ابتداء پہاڑ کی آتش فشانی سے ہوئی۔ جداگانہ کتابیں تحریر کی ہیں۔ شیخ صفی الدین رحمۃ اللہ علیہ مدرس مدرسہ بصری کی شہادت موجود ہے کہ جس روز اس آگ کا ظہور حجاز میں ہوا اسی شب بصری کے بدوؤں نے آگ کی روشنی میں اپنے اپنے اونٹوں کو دیکھا اور شناخت کیا۔

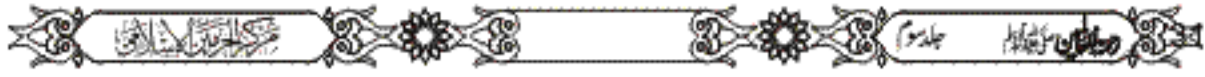
یہ آگ تکمیل جمادی الثانی کو پہاڑ سے پھوٹ پڑی تھی۔ دوسری تاریخ کو زلزلہ کی رفتار تیز محسوس ہوتی تھی۔ تیسری کو زلزلہ کی شدت اور بڑھ گئی۔ چوتھی کو زلزلہ کے ساتھ گرج کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ گویا رعد فلک زور زور سے کڑک رہا ہے۔ پانچویں کو دھومیں نے زمین و آسمان اور آفاق کو چھپا لیا۔ آگ کے شعلے بلند ہونے لگے، پتھر پگھلنے لگے۔ ایسا نظر آتا تھا کہ پہاڑ پر سے نہرِ احمر کی آبشار گر رہی ہے۔ روز بروز آگ کا رخ جانب شہر مدینہ تھا۔ باشندگان مدینہ نے جمعہ کی شب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہ کر بسر کی اور تمام شب تضرع و زاری کرتے رہے۔ صبح کو دیکھا کہ آگ کا رخ پلٹ گیا ہے۔

تعب خیز امر یہ تھا کہ اس شدت نار کے وقت بھی مدینہ میں جو ہوا آتی تھی وہ شہنڈی نسیم ہوتی تھی۔

656 سال پہلے کی پیش گوئی

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقَاتِلُوا التُّورَكَ صِغَارَ الْأَعْيُنِ حُمْرُ الْوُجُوهِ زُلْفَتِ الْأَنْوَابِ كَأَنَّ وُجُوهُهُمْ الْمَجَانُّ الْمَطْرَقَةُ۔ ②

① بخاری: 7118، مسلم: 2902، ابن حبان: 6839، مسند احمد: 144/5، بخاری: 3585، 2928، حمیدی: 1101، 4304، کنز العمال: 38404، 530/2، صدرک: 474/4



”قیامت قائم نہ ہوگی (کئی ہاتوں کے بعد فرمایا) جب تک تم ان ترکوں سے جنگ نہ کر لو گے جو چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے، سرخ چہرے والے، پست ناک والے ہوں گے۔ ان کے چہرے ڈھال جیسے چوڑے ہوں گے۔“
یہ فتنہ تاریکی کی خبر ہے۔ ہلاکو خاں کے لشکروں نے خراسان و عراق کو تباہ کیا، بعد کو لوٹا تھا اور بالآخر ان کو بھی ایشیائے کوچک میں شکست عظیم ہوئی تھی۔ یہ واقعہ 656ھ کا ہے۔ اور صحیحین میں پانچ صدی پیشتر سے درج چلا آتا تھا۔

700 برس پہلے کی پیش گوئی

طبرانی و ابونعیم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اَتْرَكُوا التُّرِكَ مَا تَرَكَوْكُمْ بِأَنَّ أَوَّلَ مَنْ يُسَلِّبُ أُمَّتِي مُلْكُهُمْ۔^①
ترکوں کو نہ چھیڑنا جب تک وہ تم کو نہ چھیڑیں کیوں کہ یہی وہ قوم ہے جو سب سے پہلے میری امت سے ملک چھین لے گی۔

855 سال پیشتر کی پیش گوئی

مسند امام احمد میں اور صحیح مسلم میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سنن ابی داؤد میں بروایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فتح قسطنطنیہ کا ذکر موجود ہے۔^②
امام ہمام احمد بن ضہیل رضی اللہ عنہ کا انتقال 241 میں ہوا۔ مہموران کی کتاب مسند تاریخ تدوین سے ہمیشہ علمائے امت اور ائمہ محدثین کے پیش نظر رہی۔

محمد فاتح سلطان رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کو 855ھ (1353ء) میں فتح کیا۔ یعنی کتاب مسند سے چھ صدیوں اور سال ہجرت سے ساڑھے آٹھ صدیوں کے بعد دنیائے نعم الامیر اور نعم الخلیفہ کا نظارہ دیکھ لیا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

1348 سال کی پیش گوئی

فتح مکہ کے دن (پنج شنبہ 20 رمضان 8ھ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ کی کلید عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

خُذْهَا خَالِدَةً تَابِدَةً لَا يَنْزِعُهَا يَا أَيُّهَا طَلْحَةُ مِنْكُمْ إِلَّا ظَالِمٌ۔^③
لو یہ کنجی سنبال لو، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ تم سے یہ کلید کوئی نہ چھینے گا مگر وہی جو ظالم ہوگا۔
ان مختصر الفاظ میں تین پیش گوئیاں مندرج ہیں:

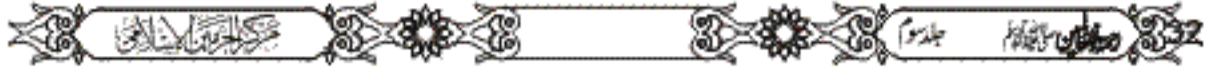
① خاندان ابوطلحہ کا دنیا میں برابر باقی رہنا، نسل قائم رہنا۔

② کلید بیت اللہ کی حفاظت و خدمت کا انہی کے متعلق رہنا۔

① ابوداؤد: 4302، کنز العمال: 10934، مجمع الزوائد: 304/5، بتکلی: 176/9

② مسلم: 7278، ابوداؤد: 4295، 4294، مسند امام احمد: 576، 535/2

③ قرطبی: 256/5، تحف السعداء: 128/3



ان کے ہاتھوں سے کلید چھیننے والے کا نام ظالم ہوتا۔

نمبر 2,1 کی بابت اب تک کل دنیا کو معلوم ہے کہ یہ کلید بنو شیبہ میں آج تک موجود ہے اور یہ نسل اب تک جاری ہے۔
نمبر 3 کی بابت مؤرخین کا بیان ہے کہ یزید پلید نے ان سے یہ کلید چھین لی تھی۔ اس کے بعد پھر یہ 1333 سال کا زمانہ شاہد
صدق ہے کہ کسی اور شخص نے اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے ظالم کہلانے کی جرأت نہیں کی۔

پیش گوئی جس کی تصدیق زمانہ حال ہمارے سامنے بھی کر رہا ہے

صحیح مسلم میں ابو مستور قرشی رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے کہ انھوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر کے سامنے یہ بیان کیا کہ
آخری زمانہ میں یورپین عیسائیوں کا دنیا میں زور ہو جائے گا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسے روکا اور کہا کہ دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟ انھوں نے
کہا میں تو وہی کہہ رہا ہوں جو میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔ عمرو بولے تب تو درست ہے۔

قارئین غور کریں کہ یہ روایت صحابی رسول ﷺ نے اس وقت بیان کی جب عساکر اسلام جملہ اطراف عالم میں مظفر و منصور
تھے۔ جب ان کو عراق و شام و مصر خراسان و ایران و سوڈان کی فتوحات میں کہیں ایک جگہ بھی شکست نہ ہوئی تھی۔ عیسائی مسلمانوں کے
سامنے جملہ ممالک میں پیچھے ہٹ رہے تھے اور عقل دوہم و قیاس کے نزدیک یورپین اقوام کی کثرت و غلبہ کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آ سکتی تھی۔
دنیا نے اسلام کی یہی حالت امام مسلم (انتونی 261ھ) کی زندگی تک موجود تھی مگر صحابی رضی اللہ عنہ روایت کرتا ہے اور امام الحدیث
اسے اپنی کتاب میں ایمان و ایقان صحت کے ساتھ درج بھی کر دیتا ہے۔ آج دنیا دیکھ لے کہ امریکن (جو اپنی اصلی زاد و نہاد کے اعتبار
سے یورپین ہیں) برطانیہ، اطالیہ، پرٹگال، سویڈن، ناروے، سوئٹزر لینڈ، چین، جرمنی وغیرہ کی حالت کیا ہے؟

پیش گوئی جس کی صداقت کی شہادت موجودہ زمانہ ادا کر رہا ہے

تہنی وحاکم نے ابو ہریرہ و معاویہ رضی اللہ عنہما اور طبرانی نے عوف بن مالک اشجعی سے نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ (یسی روایت میں)

بیان کیے ہیں:

تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى فَلَائَةٍ وَ سَبْعِينَ فِرْقَةً "میری امت میں تہتر فرقے بن جائیں گے۔"

نزول قرآن پاک کے وقت امت محمدیہ کے جملہ افراد کا منفرد و مجتمعاً ایک ہی نام تھا یعنی مسلم جیسا کہ قرآن پاک میں ﴿هُوَ
سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمِينَ﴾ [الحج: 78] "تمہارے باب ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔" امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی
خلافت کے آغاز تک یہی واحد اور جامع نام سب کا معرفہ رہا۔ لیکن خروج خوارج کے بعد نئے نئے فرقے اور ان فرقوں کے نئے نئے نام
نکلنے شروع ہو گئے۔ ہر ایک فرقہ کو اپنے مختص نام پر ناز ہے۔

یہ پیش گوئی ایسی ہدایت اور صداقت کے ساتھ پوری ہوئی اور ہو رہی ہے کہ کروڑوں مسلمانوں کے متحد و موہیہ دعاوی اس کی
تصدیق میں موجود ہیں۔

جامع کتاب کا مقصد صرف سیدنا و مولا نا محمد رسول اللہ ﷺ کے معجزات (اخبار عن الغیب) کی شکل میں بیان کرنا ہے۔ الحمد

① مسلم: 7229

② ابوداؤد: 4596، ترمذی: 2640، ابن ماجہ: 3991، ابن حبان: 6247، 6731، مسند احمد: 332/2

لہذا کہ جو کچھ اس بارہ میں لکھا گیا ہے وہ ثبوت مقصد کے لیے کافی ہے۔ ہر چند کہ حصر دشوار ہے۔

قسم چہارم از معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

بندوں کی دعاؤں کا قبول فرمانا رب العالمین کے صفات علیا میں سے ہے۔ وہ رؤف الرحیم ہر ایک بندہ کی دعا کو بشرطیکہ پورے اشتعار و اضطراب سے کی گئی ہو، قبول فرماتا ہے۔

﴿ اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ ﴾ [المحل: 62]

”کون ہے (اللہ کے سوا) جو مضطر کی پکار کو قبول فرماتا ہے۔“

وہ رحمٰن الدنیا ورحیم الآخرة اہل اطاعت کی دعاؤں کو خصوصیت سے منظور فرماتا ہے

﴿ اَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ﴾ [البقرہ: 186]

”جب مجھ سے مانگنے والے مجھ سے مانگتے ہیں تو میں ان کی پکار کو سن لیتا ہوں اور درخواست کو منظور کر لیتا ہوں۔“

وہ عزیز الکیم اپنے عہد اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور بزرگی کو جہاں و جہانیاں کے دلوں میں مستحکم و استوار کرنے کے لیے ان کی دعاؤں کو بہ سرعت و بہ کثرت منظور فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ علامت بجائے خود ایک معجزہ (دنیا کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کرنے والی) ایک نشان (طالبان ہدایت کو راہ ہدایت پر ملانے والی) ایک آیت (اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچانے والی) بن جاتی ہے۔

سینکڑوں ایسے نفاذ موجود ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان صدق سے جو الفاظ نکلے وہ پورے طور پر اسی طرح منجانب اللہ پورے کیے گئے جیسا کہ ان الفاظ کے معانی لغوی کا اقتضا تھا۔

ایسے نفاذ کا حصر دشوار ہے، مگر سیرت نگار کا فرض ہے کہ اس چمن فردوس بہار کی شمیم سے قارئین کے دماغ کو منہر آگین بنانے کی سعی کرے۔

① صحیح بخاری صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ① کہ عہد نبوی میں قحط پڑا۔ انہی ایام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ منبر پر بیان کر رہے تھے کہ ایک اعرابی اٹھا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مال تباہ ہو گیا اور عیال بھوک سے نڈھال ہے۔ ہمارے لیے دعا فرمائیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے۔ اس وقت آسمان پر کوئی بدلی بھی نہ تھی۔ اللہ کی قسم ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ نیچے بھی نہیں کیے تھے کہ پہاڑوں جیسے بادل جمع ہو گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی منبر سے نہ اترے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک پر قطرات بارش نظر آنے لگے۔ اس روز سارا دن برستار رہا۔ پھر اگلے دن بھی اور اس سے اگلے دن بھی۔ غرض دوسرے جمعہ تک یہی حال رہا اور پھر وہی اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا۔ کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اب تو مکانات گرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر یہ الفاظ کہے: اَللّٰهُمَّ حَوِّ اَلَيْنَا لَا عَلَيْنَا اَلٰہِیْ غَرَدُوْنَا حِیْثُ مِیْتُ بَرَسَ، ہم پر نہ برسے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جدھر کے بادلوں کی طرف اشارہ فرمادیتے تھے۔ وہی پھٹ جاتے تھے حتیٰ کہ مدینہ صاف نکھر گیا اور شہر سے باہر محل نقل کا منظر ہو گیا اور باہر سے بھی جتنے لوگ آئے سب نے بارش کا ہونا بتلایا۔ ②

① بخاری: 1021، مسلم: 1897، ابوداؤد: 1174، ابن ماجہ: 2858، 2859، مسند احمد: 194/3.....

② تثنیٰ و ابن عساکر نے اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے استسقاء کے یہ الفاظ روایت کیے ہیں: اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا عَيْنًا مَّيْمِنًا حَبِيبًا مَرِيْنَا عَدَقًا طَبَقًا عَاجِلًا غَيْرَ لَا يَبِثْ نَافِعًا غَيْرَ صَافٍ تَمَلُّا بِه الصُّرُوعُ وَ تَنْبِثْ بِه الزُّرُوعُ وَ تُنْخِ بِه اَلْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ كَذٰلِكَ تُخْرِجُوْنَا (خصائص الکبریٰ ج 3 ص 163)۔

قل سے مصون رہنے کی دعا

② طبرانی نے اوسط میں روایت کی ہے کہ ضمیر بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آئے اور درخواست کی کہ میرے شہید ہونے کی دعا فرمائی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُحْرِمُ دَمَ ابْنِ ثَعْلَبَةَ عَلٰى الْمَشْرِىْمِ يَحْيٰى "الہی میں مشرکین پر ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا خون حرام کرتا ہوں۔" ①
یہ بزرگ جہاد میں دشمن پر بے دھڑک حملے کیا کرتے اور ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے اور پھر صحیح سلامت واپس آ جاتے۔

وعائے عفت

③ امام احمد رضی اللہ عنہ نے اور شعب الایمان میں بیہقی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے زنا کی اجازت مل جائے۔ لوگ سنتے ہی اسے دیکھنے اور جھڑکنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب آؤ اور بیٹھ جاؤ۔ وہ جوان قریب ہو کر بیٹھ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اپنی ماں کے لیے یہ پسند کرتا ہے؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی شخص بھی اپنی ماں کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی شخص بھی اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم اپنی بہن کے لیے یہ چیز پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی بھی اپنی بہن کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم اپنی پھوپھی کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی انسان بھی اپنی پھوپھی کے لیے پسند نہیں کرتا۔

پھر پوچھا: تم اپنی خالہ کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی بشر بھی اپنی خالہ کے لیے اسے پسند نہیں کرتا۔

بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک اس پر رکھا اور یہ الفاظ زبان سے کہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَ اَحْصِنْ قَرْبَهُ

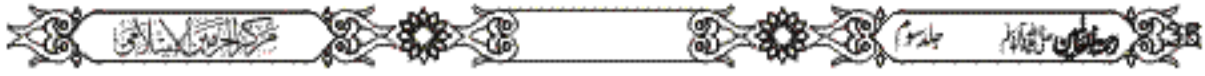
"الہی اس کا گناہ دور کر دے، اس کا دل پاک کر دے اور اس کا ستر محفوظ کر دے۔" ②

اس دعا کے بعد یہ جوان کبھی ایسی بات کا خیال بھی نہ کیا کرتا تھا۔

① صحیح ترجمہ: اسے اللہ! تو ہم پر ایسی بارش نازل فرما جوہم کرنے والی ہو، خوشگوار ہو، آسانی والی ہو، مسلسل اور موسلا دھار ہو، جلدی آئے، نہ کہ دیر سے۔ فائدہ بخش ہو، نہ ضروری۔ جس سے (دودھ والے جانور کے) دودھ بھر جائیں اور کھیتیں اگ آئیں اور زمین کو خنجر ہو جانے کے بعد اس کو زندہ کر دے۔

② طبرانی 368/8

③ شعب الایمان للبیہقی: 5415، 257/5، تیسرا ابن کثیر 70/5، کنز العمال 4661، جامع الہم: 9876



قبل از دعا نبی ﷺ سے استدلالاً سمجھانا چاہتے تھے کہ اگر زنا کی اجازت دی جائے تو زانیہ بہر حال کسی نہ کسی کی بیٹی، یا بہن، یا ماں یا خالہ یا پھوپھی وغیرہ ہوگی اور یہ رشتے ایسے ہیں کہ خود سائل اور جملہ دیگر اشخاص بھی فطرتاً ہی کو پسند نہیں کرتے کہ ان کی ایسی قرابت میں زنا کا وجود پایا جائے۔ لہذا جواز زنا کی درخواست جیسا کہ ایک فیور انسان کی فطرت کے خلاف ہے، اسی طرح وہ جملہ نوع بشری کی غیرت و حمیت کے خلاف ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی انسان زنا کو پسند نہیں کر سکتا۔ یہ نکتہ سمجھانے کے بعد پھر حضور ﷺ نے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

④ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کسریٰ (خسر و پرویز) نے نبی ﷺ کے فرمان دعوت کو پڑھ کر چاک کر ڈالا تھا۔

نبی ﷺ نے اس کے حق میں فرمایا: مَزَقُوا كَلَّ مَمَزَقِي "وہ خود پارہ پارہ ہو گئے۔" ⑤
 قوم پارسی کو دیکھو اور وطن سے ان کی جدائی کا خیال کرو اور دیکھو کہ اب وہ کیسی تفریق اور پراگندگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔
 تہذیبی نے بروایت عبدالرحمن بن عبدالباری بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: مَمَزَقِي كَسْرِي مُلْغَمٌ، کسریٰ نے اپنی سلطنت کو چاک کر ڈالا۔ ⑥ صفحہ امان پر تلاش کرو کہ جب سے آخری کسریٰ خلیفہ راشد عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ہلاک کیا گیا اس کے بعد کوئی کسریٰ بھی ہوا؟ پارسی قوم میں حکومت یا سلطنت کا نام و نشان بھی کہیں پایا جاتا ہے؟ خسر و کا انجام بہت ہی حسرت ناک ہوا۔ اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں "شیریں" پر عاشق ہو گیا۔ باپ کو رشک رقابت میں خنجر سے ہلاک کر دیا۔

چاک فرمان نبی کی ہے سزا چاک شکم دیکھ اے خسر و پرویز یہ بیداد نہیں
 ⑤ تہذیبی نے بروایت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کیا ہے کہ بھیر بن بھیرہ رضی اللہ عنہ نے جو قوم طے سے تھا، واقعہ دومۃ الجندل کے متعلق اپنا شعر
 رسول اللہ ﷺ کو سنایا۔ حضور ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا: تو نوے (90) برس کی عمر تک پہنچے۔ لَا يَفْضُضُ اللَّهُ فَاكًا ان کی سب
 ڈازحمیں اور دانت سالم تھے۔ ⑥

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

⑥ صحیح بخاری میں جعد بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سائب بن یزید 94 سال کے ہو کر فوت ہوئے اور بائیں ہمد مضبوط و متعادل تھے انھوں نے کہا کہ یہ نبی ﷺ کی دعا کا ثمرہ ہے کہ میری بینائی و شنوائی اب تک درست ہے۔ ⑦

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما أَحَدُ الْعَشْرَةِ مَبَشِّرَةِ كَلِّ لِي دعا

⑦ صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عبدالرحمن کو بَسَّارَكَ اللَّهُ لَكَ فرمایا تھا۔ عبدالرحمن کہتے ہیں کہ اس کی برکت سے اب تک یہ ہے کہ اگر میں پتھر اٹھاتا ہوں تو تو قلع ہوتی ہے کہ یہاں سے مجھے سونا یا چاندی دستیاب ہوگی۔ ⑧

① بخاری: 4424، 64

② دلائل النبوة للبيهقي: 388/4

③ کنز العمال: 30276، دلائل النبوة للبيهقي: 251/5، ابن کثیر: 17/5، ابن ہشام: 139/4 شعر یہ ہیں۔

بِسَارِكَ سَائِقِ الْبَقَرَاتِ إِنِّي وَأَيْتِكَ اللَّهُ يَهْدِي كُلَّ هَادٍ

فَمَنْ يَكُ عَابِدًا مِنْ ذِي تَبَوُّكِ فَإِنَّا قَدْ أَمَرْنَا بِأَنْجِحِهِ

④ بخاری: 5670، 3540، مسلم: 6087، ترمذی: 3643، بخاری: 5167، 2049، مسلم: 2540، 1967، احمد: 11/3، دلائل النبوة: 218/6، مسند العلاء: 478/3

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

① صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے ان الفاظ میں دعا دی تھی: اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهُ وَاَزِدْهُ وَبَارِكْ لَهُ مَا رَزَقْتَهُ ”اے الہی! اس کے مال اس کی اولاد کو بڑھا اور جو کچھ تو اسے عطا فرمائے اس میں برکت دے۔“ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بخدا! میرے پاس مال کثیر ہے اور میرے بیٹوں اور پوتوں کا شمار ایک سو (100) کے قریب تک ہے۔ ②
ترمذی اور تہذیبی میں ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک باغ تھا جس کے درخت سال میں دو دفعہ پھل دیا کرتے۔ اس باغ کا ایک ایسا پھول تھا جس کی خوشبو کستوری جیسی تھی۔ ③

مالک بن ربیعہ سلولی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

④ ابن عساکر اور ابن مندہ نے یزید بن ابومریم سے روایت کی ہے کہ میرے والد مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا تھا کہ نبی ﷺ نے میرے لیے کثرت اولاد کی دعا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی (80) فرزند ان نرینہ عطا فرمائے۔ ⑤

تکبیر کی سزا

⑥ صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”وائیں ہاتھ سے کھاؤ“ وہ بولا، میں نہیں کھا سکتا۔ یہ جواب اس نے صرف غرور میں آ کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”تو نہ کھا سکے“۔ بعد ازاں اس کا داہنا ہاتھ منہ تک نہ اٹھ سکتا تھا۔ ⑦

شکستہ استخوان کی درستگی کا معجزہ

صحیح بخاری میں براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ قتل ابورافع کے بعد زینہ سے اترے تو گر پڑے اور ان کی پنڈلی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ انھوں نے نبی ﷺ سے ذکر کیا۔ فرمایا: پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے پھیلا دیا۔ حضور ﷺ نے اس جگہ دست مبارک رکھ دیا۔ فوراً میں ایسا تندرست ہو گیا گویا کبھی کوئی شکایت ہی نہ تھی۔ ⑧



① بخاری: 1982، مسلم: 6372، ترمذی: 3829، مسند احمد: 188، 108/3، ② ترمذی: 3833، دلائل النبوة للہیثمی: 195/6

③ الاصابہ: 345/3، ④ مسلم: 5268

⑤ بخاری: 4039، مصنف عبدالرزاق: 5383، مطالب العالیہ لابن حجر: 4350، مجمع الزوائد: 201/6، مستدرک: 434/6، بیہقی: 256/3



اسماء الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہمارے سیدنا و آقا خویہ ہر دوسرا کا مقدس نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہ نام قدرت الہیہ کی طرف سے خود آیت عظیم ہے کہ اس کا مسی ضرور امام الانبیاء اور سرتاج کائنات و مافیہا ہے۔ اس کی شرح آیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحت میں موجود ہے۔

ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند بزرگوں کے اسماء پر غور و لانا ضروری ہے۔ ان اسماء کو ”ارہاس نبوت“ قرار دینا صحیح ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد بزرگوار کا نام عبد اللہ ہے والدہ مکرمہ و معظمہ کا نام آمنہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دایہ (ثنا) کا نام حلیمہ ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ایسے مقدس ہیں، جن کا پیکر اطہر عبودیت کے خون سے بنا۔ جنہوں نے امن کے لطن میں مراتب وجود کو مکمل فرمایا، جن کی تربیت علم، بردباری کے شیر سے ہوئی۔

کیا ایسے اسماء کا اجتماع محض اتفاق ہے؟ نہیں بلکہ قدرت اس مولود مسعود کی شان رفیع کی آئینہ داری فرماری ہے اور تظار ہی ہے کہ جس بچہ کے پیکر عنصری میں ایسے فضائل کی جامعیت نمودار ہو ضرور ہے کہ وہ بچہ حقیقتاً محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو۔

اب غور کرو کہ لغوی معنی کے تحت میں ایک پیش گوئی بھی شامل ہے اور عالم الغیب و الشہادۃ کی جانب سے جملہ عوامل و اہل عالم پر یہ راز آشکار کیا گیا ہے کہ اس اسم کے مسنی کی مدح و ثناء دنیا میں سب سے بڑھ کر، سب سے زیادہ توالی و تواتر کے ساتھ کی جائے گی۔

وہ کون ہے؟ جس کا مقدس نام آج کروڑوں اشخاص کی زبان پر جاری اور قلوب پر ساری ہے، وہ کون ہے جس کے مقدس نام کی نوبت شاہانہ مساجد کے بلند ترین میناروں سے سامعہ نواز ہے۔

وہ کون ہے؟ جس کی سیرت پاک انسانی زندگی کے ہر لمحہ و ہر ساعت میں اور ہر درجہ اور ہر مقام پر رہنما ہے۔

وہ کون ہے؟ جو اپنے افعال میں محمود ہے اور اپنی تعلیم میں محمود ہے۔

وہ کون ہے؟ جس کی رفعت فرش سے عرش تک ملی ہوئی ہے۔

وہ کون ہے؟ جس کی تعلیم کی وسعت بروبحر پر چھائی ہوئی ہے۔

بے شک وہ ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ ہے۔ اسم بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسنی بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور حمد کو اس کی ذات ہمایوں سے نسبت خاص ہے۔

﴿۱﴾ اس کے مقام شفاعت کا نام ”مقام محمود“ ہے اور اسی کی امت ”حمادون“ کے لقب سے روشناس ہے۔ اس کی لائی ہوئی

کتاب کا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے افتتاح ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ ہاں اسی کا نام ”احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ ہے۔ یہ بھی اسی سرچشمہ ”حمد“ سے نکلا ہے۔ دونوں نام اپنے منبع و ماخذ کے اعتبار سے اتحاد

تمام رکھتے ہیں اور اشتراک کلیہ کے ساتھ ساتھ انوار و برکات خاص سے مختص بھی ہیں۔

وہ ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ ہے اور اسی لیے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا ثنا گستر مدح خواں ہے۔

وہ ”احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ ہے اور اسی لیے اس نے بارش کے قطرات سے اور ریگ کے ذرات سے بڑھ کر اپنے مالک اپنے خالق

اپنے رازق، اپنے بادی اپنے معطی کی حمد و ثنا پھیلائی ہے۔



ہاں اوہ ”محمد ﷺ“ ہے اور کل دنیا اس کی مداح ہے۔

وہ ”احمد ﷺ“ ہے اور وہ کل دنیا سے بڑھ کر اپنے رب کا حامد ہے۔

ترا محمد و احمد زمین خواند و زمان
فروں تراز تو کسے را نہ مدح گفت زماں
حمید باشد و محمود ذات ربانی
نہ بر تراز کے گفت حمد سبحانی

احمد

محمد

ہاں وہ پیارا ہے، اسی نے دشمن و دوست سب سے پیار کیا ہے۔

وہ حبیب ہے اور اس نے محبت کا تاج اکمال سے مزین فرمایا ہے۔

① وہ محبوب ہے مگر حُبِّین سے بے نیاز ہے۔

② وہ مطلوب ہے مگر طالبین سے کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔

③ وہ متبوع ہے اور اس کی جمعیت دوسرے کو مطاع بنا دیتی ہے۔

④ وہ نبی ﷺ ہے اور اس کی نبوت نے ہزاران ہزار حجاب چشم بصیرت ہٹا دیے ہیں

⑤ وہ رسول ﷺ ہے اور اس کی رسالت نے نوع بشر کو تمام نعمت اور اکمال دین اور رضوانِ رحمن کے انعامات سے ممتاز فرما دیا ہے۔

⑥ وہ عبد ﷺ ہے اور اسی عبودیت نے عبودیت کو اور گم خلافت پر متمکن کر دیا ہے۔

⑦ وہ معلم ﷺ ہے اور اس کی تعلیم نے مسیح علیہ السلام کے اس قول اور امید کو پورا کر دیا ہے کہ وہ صداقت کی ساری تعلیم دے گا۔

اس نے اپنی درس گاہ قدس کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ اس نے اپنی تعلیم پر کوئی فیس مقرر نہیں کی۔ وہ مرموزات و تشبیہات میں تعلیم نہیں دیتا ہے۔ اس نے اپنے اور ارشد تلامذہ کے درمیان اشارات خاص نہیں تجویز کیے ہیں۔ اس کے اوبستان پر ﴿يُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرہ: 129] کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ اس کے پاس دروس کا آغاز انسان کے جانے پہچانے نے علوم و معارف کے انجام سے ہوتا ہے۔

⑧ وہ امین ﷺ ہے، اس کا یہی نام یوحنا رسول کے مکاشفات میں بتایا گیا ہے ① اور اس کا یہی نام قریش کی زبان پر جاری ہوا۔ ② اسی نام سے حضور ﷺ کا احتشام و وقار نمایاں ہے اور اسی نام سے حضور ﷺ کا وحی آسمانی کا امانت دار ہونا واضح ہے۔ اس معنی کی طرف حدیث مسلم عن ابی سعید رضی اللہ عنہما میں صراحت کی گئی ہے۔ ③ حضرت کعب بن لؤی کا شعر ہے۔

أَمِينٌ مُّحِبٌّ لِّلْعِبَادِ مُسَوِّمٌ
بِخَاتِمِ رَبِّ قَاهِرٍ لِّلْغَوَاةِم

④ وہ امی ﷺ ہے اور ام القریٰ کی عزت و وقعت اسی نسبت قدسیہ سے ہے۔

وہ امی ﷺ ہے اور ولید سعید کی طرح جملہ افعال و اقوال سے معصوم ہے۔

وہ امی ﷺ ہے اور اسکی تعلیم حروف کتابی یا نقوشِ مرئیہ کی احتیاج مند نہیں ہے۔

① مہد نامہ جدید، یوحنا: 11/19 ② ابن ہشام: 209/1 ③ مسلم: 442/2، البقرہ: 129



عطاء سجانی کی تقسیم اسی گھر سے ہوتی ہے۔ گہریاشی اسی ید مبارک کا خاصہ ہے۔

① وہ خلیل الرحمن ہے۔ اہل عرب کے نزدیک محبت کے دس مراتب ہیں۔ ① علاقہ دل کا ذرا سا انکاؤ۔ ② ارادہ وہ میلان جو علاقہ کے بعد نمودار ہو۔ ③ صبا، صبا، صبا، پانی کا نشیبی زمین پر بہہ نکلنا ہے اور اسی جگہ بے اختیاری شوق کا نام ہے۔ ④ غرام غرام قرض یا تاوان کو کہتے ہیں اور یہاں اس محبت لازم کا نام ہے، جو قرض ہو کر چٹ جاتی ہے اور کسی وقت بھی علیحدہ نہیں ہوتی۔ ⑤ ودا۔ خلوص محبت اور مغز محبت کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام بھی ودا بتلایا ہے۔ ⑥ شغف۔ شفاف پردہ دل اور شغف و محبت جو قعر دل تک جا پہنچے۔ ⑦ عشق، یہ عشق سے بنایا گیا ہے۔ یہ ایک نعل ہوتی ہے، زرورنگ کی جس درخت سے لپٹ جاتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے اور عشق کی تاثیر بھی عاشق کے حق میں یہی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی حالت سے استفادہ فرمایا کرتے۔ ⑧ التیمم انکسار اور عجز تمام کو کہتے ہیں۔ تیمم کا نام بھی تیمم اسی لیے ہوا ہے کہ وہ انکسار اور عجز تمام کا مورد ہوتا ہے۔ ⑨ التعب، جب کہ محبت جملہ دعاوی تملیک نفس و عزت سے دستبردار ہو کر سارے دل و جان سے دوسرے کا غلام بن جائے۔ ⑩ غلت: جب کہ دل و سوسہ غیر سے اور عقل تعقل غیر سے اور نیت و عزم و تعہد و شوق غیر سے کلیہ خالی ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کی تکمیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمائی ہے۔

مشہور عوام یہ ہے کہ درجہ غلت ابراہیم کے لیے وہ خلیل الرحمن ہیں اور درجہ محبت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور وہ حبیب اللہ ہیں، لیکن دو حدیث صحیحہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیل الرحمن ہونا بھی ظاہر فرمایا گیا ہے: ① اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ نَبِيَّ خَلِيْلًا كَمَا اتَّخَذَ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ② لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ خَلِيْلًا لَا تَتَّخِذُ اَبًا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَّلٰكِنْ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلًا الرَّحْمٰنِ - ③

” بلا ریب اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا دوست بنایا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دوست بنایا تھا اور اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو دوست بناتا، لیکن تمہارے دوست کا خود اللہ تعالیٰ دوست ہے۔“

④ وہ خطیب الانبیاء ہے، حدیث الشفاعت میں ہے: كُنْتُ اِمَامُ الْاَنْبِيَاءِ وَ خَطِيْبُهُمْ - ④

① خطیب، خطب سے ہے۔ خطب کے معنی فصاحت زبان ہیں اور خطیب وہ ہے جو صاحب فصاحت و بلاغت ہو۔ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی صفت فصاحت کا ذکر فرمایا ہے: ﴿ هُوَ اَفْصَحُ بِلِسَانٍ ﴾ ”وہ مجھ سے زیادہ زبان آور ہے۔“ اور حدیث بالا میں ہے کہ جملہ انبیاء کے مقدس ترین گروہ میں یہ شرف حضور علیہ السلام ہی کے لیے خاص ہے۔ صحیح مسلم حدیث میں ہے: اُوْتِيْتُ جَمَاعَةَ الْكَلِمِ ② سادہ صاف الفاظ شستہ ترکیب، مختصر عبارت میں ایسے معانی عالیہ کو بھر دینا جو عمیق بھی ہوں اور دقیق بھی، داخل کمال فصاحت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطیب الانبیاء ہونا اسی اعتبار سے ہے۔

② خطیب، خطابت سے ہے اور اس سے مراد امر و نواہی اور مواظبہ و امثال کا بیان کرنے والا ہے۔

① بخاری: 3904، 466، مسلم: 6170، 6172، ترمذی: 355، 3660، ② ترمذی: 3613، ابن ماجہ: 4314، مستدرک: 137/5، 169، تفسیر ابن کثیر سورہ الاسراء

③ مسلم: 1167، ترمذی: 1553، کنز العمال: 31932، ابن ماجہ: 567، مجمع الزوائد: 269/8، احمد: 412/2

خطیب کے معنی وہ شے بھی ہے جس میں الوان بولقموں شامل ہوں اور خطیب وہ ہے جو جملہ انواع کلام اور اسالیب خطاب کا ماہر و قادر ہو۔

199 وہ خافض ہے، یہ نام قرآن مجید کی آیت ذیل سے مستنبط ہے:

﴿وَإِخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [الجر 88] ”آپ اپنے بازوؤں کو مومنوں کے لیے جھکائے رکھیں۔“

ٹیور کو دیکھو، وہ اپنے انڈوں یا اپنے بچوں کی تربیت کیسی محبت، کیسی پیار کیسی ہوشیاری اور کیسی نگہداشت سے اپنے شہروں کے نیچے رکھ کر کرتے ہیں۔ اہل ایمان کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت و پیار اور نگہداشت و حفاظت کا سلوک اسی مثال سے بڑھ کر تھا۔
200 وہ خیرۃ اللہ ہے۔ خیرۃ کو علمائے لغت نے بکسر خاء اور فتح خاء ہر دو صورت روایت کیا ہے۔ اس اسم کے معنی یہ ہیں کہ حضور خیر الناس ہیں خیر البریہ یا فعال خیر میں افضل و اکثر ہیں۔

201 وہ داعی الی اللہ ہے، کسی شخص کی طرف سے کسی کا دعوت دینے کا حق اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ اذن یافتہ بھی ہو۔ دنیا میں دیکھو، اگر کسی کا ملازم کسی کو دعوت طعام دے آئے مہمان صاحب خانہ کے ہاں پہنچیں اور تب میزبان کو اور مہمان کو پتا لگے کہ نہ کسی نے بلایا اور نہ کوئی بلایا گیا۔ تب طرفین کو کس قدر ندامت اور رنج کا احساس ہوگا اور وہ دعوت دینے والا کس قدر ذلیل و حقیر اور جانین کی طرف سے ہدف ملامت سمجھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا اسم مبارک داعی الی اللہ تجویز کیا ہے۔ تو کلام پاک میں اس کے ساتھ ساتھ پاؤں بھی شامل فرمادیا اور اہل عالم پر ظاہر کر دیا کہ محمد ﷺ کو اختیار کلی دیا گیا ہے کہ سب کو اللہ کے گھر کا مہمان بنا لیں اور تقرب و رضوان کی دعوت دیں۔ یہ اسم حضور ﷺ کے اسمائے خاصہ میں سے ہے۔

202 وہ رحمت ہے اور آیت قرآنیہ میں حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود کو ﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الاعراف: 54] فرمایا اور قرآن حکیم کو ﴿ذِكْرًا لِلْعَالَمِينَ﴾ [یوسف: 104] خانہ کعبہ کو ﴿مَبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ﴾ [آل عمران: 96] کشتی نوح اور مریم و سح کو ﴿آيَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ بتایا مگر ﴿رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ صرف حضور ﷺ ہی کو فرمایا ہے ﴿رَحْمَةً وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ کے ارشاد کو پیش نظر رکھو اور دیکھو کہ رحمۃ للعالمین کے خطاب میں کتنی وسعت، کتنی برکت اور کتنا فیض موجود ہے۔ حضور ﷺ کی رحمت کا فیضان اہل ایمان کو بھی پہنچا، جو دنیا میں حکمران بنے اور آخرت میں مغفرت و رضوان کے مستحق ٹھہرے۔ منکرین اور اہل خسران کو بھی پہنچا جو بہ برکت دعائے مصطفوی ﷺ عذاب و نیوی و غرق و خرق اور ہلاکت و تباہی سے مامون کیے گئے۔

عورتوں، بچوں، یتیموں، راندوں، مسافروں، اسیروں، غلاموں، لونڈیوں، رعایا و برابری طبقہ امراء و گروہ حکم فرما کو بھی پہنچا۔ جن کی راحت و آسائش اور حقوق و مفاد کے متعلق حضور ﷺ نے مستحکم آئین شرح متین ضابطہ مبین، دستور اساسی اور اصول مدنی و سیاسی وضع فرمائے اور ان سب پر اپنی حیات طیبہ میں خود بھی عمل فرما رہے اور تمام امت کو بھی پابند عمل فرمایا۔

حضور ﷺ کی رحمت کا فیض طیور و وحوش اور مراکب و مواشی کو بھی پہنچا، جن کے ذبح و شکار کے قواعد اور تغذیہ و تربیت کے متعلق احکام نافذ فرمائے گئے۔

حضور ﷺ کا فیض شوارع اور طوارق اور مشارب و موارد کو بھی پہنچا جن کو پر امن اور مصفا و پاکیزہ رکھنے، نیز انجاس وار جاس و قاذرات سے پاک رکھنے کے قواعد مرتب فرمائے گئے۔ الغرض اس رحمت سے نہ کوئی کشتنی و گردن زدنی عدو محروم رہا اور نہ کوئی ذبح شدنی ان سے مجبور کیا گیا۔

لہذا حضور ﷺ کا سراپا رحمت ہونا اور بہ ہمہ وجوہ رحمۃ للعالمین ﷺ ہونا مسلم و طاہر ہے۔
 ﴿۲۳﴾ وہ روح الحق ہے اس خطاب کا استعمال سب سے پہلے صحیح علیہ السلام نے اپنی اس آخری تقریر میں فرمایا جو انھوں نے دنیا چھوڑنے سے جو شتر اپنے خلفاء کے سامنے فرمائی تھی۔ (دیکھو 16 باب از 11 تا 16 درس)

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انا جیل اربعہ میں عام طور پر اسم روح القدس کا استعمال ہوا ہے اور اس سے وہ ملکوتی قوت و شخصیت مراد ہے جسے اہل اسلام جبرائیل علیہ السلام کہتے ہیں اور جسے سبکی صاحب ان اقامیم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم ارکان تثلیث میں سے ایک رکن بتاتے ہیں اور بایں ہمہ اس کی ہستی کے متعلق وہ ذرا بھی عرفان نہیں رکھتے۔

ہاں صرف یہی ایک مقام ہے جس میں اسم روح الحق کا استعمال ہوا۔ اس کے کام اور اس کی شان اور اس کی علامات کا اعلام کیا گیا ہے۔ وہ روح الحق ہے اور ساری صداقت کی تعلیم دینا اس کا خاصہ ہے۔ وہ روح الحق ہے اور طالبان خاک نشین کو پستی سے اٹھا کر زندگی کے بلند ترین کنگرہ پر پہنچا دینا اس کا کام ہے۔ وہ روح الحق ہے اور زندگی بخش کلام اس کے منہ میں ہے۔ وہ روح الحق ہے اور قلوب مردہ کو حیات روحانی کا عطا کرنا اس کے فرائض میں سے ہے۔ اس کی تعلیم ظاہر کو پاک اور باطن کو طاہر دماغ کو روشن اور قلب کو منور کرنے والی ہے۔

﴿۲۴﴾ وہ سید ہے اور سیادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اے کے برتخت سیادت زازل جا داری
 آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تجہا داری

وہ سید کہلانے سے بے نیاز ہے وہ سید ہے اور اپنے سید (اللہ تعالیٰ) کا عبد کہلانے پر زیادہ خوش ہوتا ہے۔ وہ سید ہے اور اسباط رسول الْحُسَيْنِ وَالْحُسَيْنِ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ ﴿۱﴾ کے خطابات صحیحہ سے معزز ہیں۔
 وہ سید ہے اور اس کے وزراء بھی اسی اعزاز سے مشرف ہیں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِي بُكْرٌ وَ عَمَرَ هَذَا نِ سَيِّدَةِ
 أَكْهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوْلِيَيْنِ وَالْأَجْرِيَيْنِ إِلَّا النَّبِيِّنَ وَالْمُرْسَلِينَ - ﴿۲﴾

”انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر و عمر یہ دونوں اہل جنت کے گزرے ہوئے اور آنے والے تمام بزرگوں کے سردار ہیں، سوائے انبیاء و مرسلین کے۔“

وہ سید ہے اور اس کے حلقہ نشین بھی اسی علم گرامی سے روشناس ہیں۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سواری دیکھ کر حضور ﷺ نے انصار سے فرمایا تھا: قَوْمُوا إِلَي سَيِّدِكُمْ - ﴿۳﴾

﴿۱﴾ ترمذی: 3768، 3781 ابن حبان: 6959، 6960، مسند احمد: 62، 3/3

﴿۲﴾ ترمذی: 3764، ابن ماجہ: 100

﴿۳﴾ بخاری: 3043، 3804، مسلم: 1768، ابوداؤد: 5215، ابن حبان: 7026، 7028، 22/3

وہ سید ولد آدم ہے۔ ولد جمع ہے ولد کی۔ اس خطاب سے حضور ﷺ کا سید اولاد آدم ہونا آشکار ہے۔ ظاہر ہے کہ ولد آدم کے دائرہ میں ہر ایک بشر، ہر ایک انسان، ہر ایک آدم زاد داخل ہے۔ جملہ اولین و آخرین اسی جملہ میں شامل ہیں۔ کیا کوئی وجہ التباس موجود ہے کہ خود آدم علیہ السلام بھی اسی میں داخل ہیں یا نہیں۔ شک کی ضرورت نہیں۔ دوسری صحیح حدیث میں اَدَمُ وَذُوْنَهُ تَحْتَ لِوَانِي ﴿۱﴾ موجود ہے اور ہر دو احادیث بصر افروز و بصیرت افزا ہیں۔

﴿۱۲۹﴾ وہ شارع ہے۔ شریعت بیان کرنا آسان بات نہیں موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت ہیں اور ان کے بعد بنی اسرائیل میں دو ہزار (2000) سال تک کوئی بھی صاحب شریعت نہ نکلا۔

”بزرگو! مسیح علیہ السلام نے بھی فرمایا: یہ مت سمجھ کہ میں تورات منسوخ کرنے کو آیا ہوں بلکہ اسے مضبوط کرنے آیا ہوں۔“ ﴿۱۳۰﴾
ہنود میں منوجی مہاراج ہوئے ہیں جنہوں نے سمرتی پیش کی ہے۔ میں دنیا کی تمام قانون ساز کونسلوں اور ضوابط و قواعد مرتب کرنے والی حکومتوں سے درخواست کروں گا کہ وہ ان ہر سر شریعتوں کو دیکھیں اور رپورٹ کریں کہ ان میں سے کون سی شریعت زیادہ مکمل، زیادہ مفصل، جزئیات پر حاوی، کلیات پر مشتمل، ضروریات انسانی پر مہتممی اور تمدن کی حامی ہے۔ ع

بس ایک بات پر ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا
جب شرائع موجودہ عالم کی جانچ پڑتال ان اصولوں پر کی جائے گی تو شریعت محمدیہ ﷺ کی فوقیت اور حضور ﷺ فِذَاهُ اَبِي وَ اُمِّي كَاتِفُوْنَ خُوْدِ خُوْدَا شَكَارًا وَرِوَاْحًا هُوَ جَائِعٌ۔

﴿۱۳۱﴾ وہ شافع ہے، شفاعت کے معنی لوگوں نے کیا سمجھے؟ کسی نے کہا کہ شفع وہ ہے جو اپنے اختیار و اقتدار سے غفرانِ ذنوب فرماتا ہے۔ اس عقیدہ کے موجد عیسائی ہیں۔ یہ لوگ شفع بہ معنی غفور استمال کرتے ہیں۔ لیکن خود لفظ شفع اس معنی کا متحمل نہیں۔ کسی نے شفاعت کو بے جا باؤ بتایا اور اس کے وجود کا انکار ہی کیا۔ اسلامی شفاعت دو اصول پر مبنی ہے ﴿۱﴾ مَنْ اَذِنَ لَهٗ الرَّحْمٰنُ ”جسے اللہ اذن دے۔“
﴿۲﴾ وَ قَالِ صَوَابًا ”جو ٹھیک ٹھیک بات بیان کرے۔“ ہر دو اصول بالا شفاعت اسلامی کو ہر دو فریق کے افراط و تفریط سے الگ کر دینے والے شفاعت کو معقول اور قابل التعمیم بنا دینے والے ہیں۔ ہاں! حضور ہی صاحب مقام محمود ہیں اور حضور ﷺ ہی شفاعت کبریٰ کی خصوصیت سے ممتاز ہیں۔

﴿۱۳۲﴾ وہ شاہد ہے اور اچھا شاہد اور سچا گواہ وہ ہے جس کی شہادت واقعات صحیحہ کو کتمان سے بروز میں لے آئے، جس کی شہادت بے خبروں کو باخبر اور بے علموں کو باعلم اور غائبین کو شہل حاضر بنا دے۔ نبی ﷺ شاہد ہیں اور اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت جملہ عالم کے سامنے حضور ہی نے ادا فرمائی ہے اور اپنی شہادت سے رب العالمین کے لیے استحقاق الوہیت و معبودیت ثابت کیا ہے۔ عبادات و استعانت بغیر اللہ کے مسئلہ میں سینکڑوں مذاہب سرگرداں و حیران و پریشان تھے۔ حضور ﷺ ہی کی شہادت نے ان حقائق خفیہ کو آشکار کیا۔ حضور ﷺ ہی نے اَشْهَدُ اَنْ مَحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت ادا کی۔ رسالت و نبوت کے خصائص وحی ربانی کی حقیقت و اعمال کا روح سے تعلق، جزا و سزا کا اعمال پر ترتب، شریعت کی ضرورت اور شرائع الہیہ و نواہیس حکمیہ کا استحکام۔ یہ سب حضور ﷺ ہی

﴿۱﴾ ترمذی: 3148, 3615

﴿۲﴾ انجیل ص 17/5

کی شہادت سے ہوا۔ اللہ اکبر!۔ شاہد کیسی زبردست شہادت اور اعلیٰ صداقت کے ساتھ کھڑا ہوا ہے کہ داوری گاہ علم میں شہادت کے لیے اکیلا آیا اور اپنی واپسی سے پیشتر ہزار ہزار بندگان الہی کو اس شہادت پر قائم بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے سامنے ان کو بھی شاہد بنا گیا اور تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کی سند عطا فرما گیا۔

۱۲۸) وہ صاحب ہے، صاحب کے معنی ساتھ رہنے والا ہے۔ مسیح علیہ السلام نے حضور ﷺ کا نشان ان ہی الفاظ میں دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ اس سے حضور ﷺ کی نبوت کا ابدی ہونا ثابت ہو گیا۔ یہ ثابت ہے وہ نوع انسان کے ساتھ ساتھ اس وقت تک رہے گی، جب تک کہ خود یہ نوع باقی رہے۔ منکرین مکہ بھی حضور ﷺ کو صاحب قریش کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ لفظ خواہ کیسی ہی نیت سے وضع کیا تھا لیکن قدرت الہیہ نے اسے پاک ترین معنی میں استعمال کیا۔ اور ﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ﴾ [التکویر: 22] فرمادیا۔ انبیاء علیہم السلام میں ایسے بزرگوار بھی ہوئے ہیں جنہوں نے امت عاصی کے مفسدات اور قابل نفرت افعال کو دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا اور ان کو چھوڑ کر خود ان سے علیحدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے استقامت و صبر کی طبع و ثنا فرماتا ہوا ظاہر کرتا ہے کہ اس نبی کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نافرمانوں کی اصلاح سے مایوس نہیں ہوتا ان کو اپنے دربار سے دور نہیں کرتا۔ خود ان سے علیحدگی کو پسند نہیں فرماتا۔ وہ صابر ہے اور اس کا صبر صرف اللہ ہی کی نصرت و معیت پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج تم اسے اپنا صاحب کہتے ہو کل کو تمہیں خود اس کا صحابی بننا موجب شرف و عزت بن جائے گا۔

۱۲۹) وہ صادق ہے صدق بیان و اشکاف کو کہتے ہیں۔ امر الہی کو صاف صاف بیان کرنا دنیا کی مخالفت و مخالفت کی پروا نہ کرنا دباؤ اور دھمکی کو وقعت نہ دینا۔ اعداء کی تدابیر فاسدہ اور مکائد کا سدھ سے مرعوب نہ ہونا حضور ﷺ کا خاصہ ہے۔

وہ صادق ہے۔ اس نے عرب جیسے خونخوار، وحشی، خور بیزت پرستوں کو صاف صاف سنا دیا ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ [الانبیاء: 98] ”تم بھی اور تمہارے معبود بھی جہنم کا ایندھن بنائے جاؤ گے۔“ وہ صادق ہے جس نے یہودی قوم کو تجارت کے مالک واحد ہونے کی وجہ سے تمام عرب پر چھائے ہوئے تھے اور جن کے سود اور قرضے کی زنجیریں ہر ایک امیر و غریب کی گردن میں پڑی ہوئی تھیں۔ نیز مسیحیوں کو جن کی حکومتیں شام، مصر و یمن اور ایشیائے کوچک و یورپ میں پھیلی ہوئی تھیں۔ صاف صاف لفظوں میں یہ سنا دیا تھا ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ مِنَ الرَّسْمِ﴾ [المائدہ: 86] ”اے یہودیو! اے عیسائیو! تم تو سچائی کے کسی درجہ پر نہیں ہو جب تک کہ تم ﴿۱﴾ تورات اور ﴿۲﴾ انجیل اور ﴿۳﴾ اللہ کے اس کلام پر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، قائم نہ ہو جاؤ۔“

ہاں صادق وہ ہے جو اپنے کلمہ پڑھنے والوں کو بھی فرمادیتا ہے۔ ﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾ ”اے نبی! کہہ دیجیے کہ میں تمہارے نقصان یا یہودی کا مالک نہیں۔“ ﴿قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾ [الحج: 21] ”کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ سے اور کوئی بھی پناہ نہ دے سکے گا اور میں تو اس کے سوا اور کسی کو اپنا سہارا بھی نہیں پاتا۔“

ہاں صادق وہ ہے جو اپنے عزیز و اقارب کی نسبت بھی یہ پیغام سنا تا ہے: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فِيهِ آيَاتٍ لِلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِهِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ [الشعراء: 214] اپنے خاندان کے قریب ترین اشخاص کو بھی ڈرادے۔

۱۳۰) وہ صادق ہے۔ منازل روحانی میں صدق کا درجہ نہایت اعلیٰ ہے۔ صدق ہی روح اعمال ہے اور صدق ہی معیار احوال صدق ہی

وہ دروازہ ہے جو دربارِ جلال تک پہنچاتا ہے۔ صدق ہی بنیاد دین ہے اور صدق ہی کی چوب پر یقین کا خیمہ کھڑا کیا جاتا ہے۔ صدق ہی ہے جس کا سوال خلیل رب العالمین نے فرمایا تھا:

﴿ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴾ [اشعرا: 214] ”میرا ذکر خیر آنے والے لوگوں میں بھی قائم رکھو۔“
صدق ہی ہے جس کی مجلس دربارِ شاہی کے قریب منعقد ہوئی۔ ﴿ فَمَنْ مَقَعِدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾ [القمر: 55] ”پاکیزہ اور راستی والی بیٹھک میں اپنے عزت والے بادشاہ کے پاس“ نبی ﷺ ہی صادق ہیں اور حضور ﷺ کا یہ نام یوحنا کو مکاشفات میں بتایا گیا ہے۔ حضور ﷺ ہی صادق ہیں، اپنی قوم میں اور اپنے وطن میں اطراف و اکناف میں حضور ﷺ اسی نام سے قبل از نبوت روشناس ہوئے۔ ﴿ الَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ ﴾ [المرز: 330] ”وہ جو صدق کو لے کر آیا“ حضور ﷺ ہی ہیں جس کے تبعین صدیقیت و محمدیت کے مراتب پر فائز ہوئے۔

وہ صدوق ہے، اس کے صدق پر زمین و آسمان گواہ ہیں۔ اس کے صدق کی شہادت میں برو بجز تر زبان ہیں۔ عیسائیوں کے رہبان اور احبار یہودیوں کے ائمہ اور ریون اس کی صداقت کے کلمہ خواں ہیں۔ لات منات و عزى کے پجاری اپنے اپنے کذب و بطلان اور حضور ﷺ کے صدق و حقانیت کے معترف ہیں۔ زبور اور امثال ذی الکفل اور دانیال، یسعیاہ، جقوق و حزقائیل، حقی و ملاکی، زکریا و یحییٰ علیہم السلام کے صحیفے اس کے صدق و حقانیت کے بیان سے مملو ہیں۔ عباس بن مروان جو عیسائیوں کے مشہور بشارت تھے اپنے قصیدہ نعتیہ میں فرماتے ہیں۔

فَأَمَّنْتُ بِاللَّهِ الَّذِي آتَا عَبْدَهُ
وَوَجَّهْتُ وَجْهِي لِحُجْرَةِ قَاصِدًا
نَبِيٍّ آتَانَا بَعْدَ عَيْسَى بِنَاطِقِي
مِنْ الْحَقِّ فِيهِ الْقَضَلُ كَذَالِغَا

- ① میں ایمان لایا اس اللہ تعالیٰ پر جس کا میں بندہ ہوں۔ گزشتہ کلمہ ہی اس کی مخالفت کر کے ہلاکت و بربادی کا موجب ٹھہرا۔
- ② مکہ کا ارادہ کر کے میں نے اپنے چہرہ کو اس کی طرف متوجہ کیا اور میں نے اس کی بیعت دو کھردرے کناروں کے درمیان کی۔
- ③ وہ ایسا نبی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آیا ہے، اپنے رب کی مرضی سے بولا ہے اور یہی اس کی فضیلت و توقیر ہے۔
- ④ وہ زہرۃ الحیوۃ الدنیا سے دور ہے۔ وہ نعمت ہائے باقیہ سے پرورش یافتہ ہے۔ وہ وَرَضِي لَهٗ قَوْلًا کی سند ہاتھ میں لے کر آیا۔ اس کی راحت، اس کی آسائش اس کی خوشنودی، اس کی رضا کارب العالمین خود نگران ہے۔

وہ طیب ہے۔ اس کی اصل، اس کی نسل اس کی ازواج، اس کی ذریت، اس کا پیکر اس عنصر ارجاس و انجاس و عیوب و نقائص قباح اور ذائل سے پاک ہے۔ وہ ذکی ہے، وہ ظاہر ہے طہیون اس کے شاکستہ ہیں اور قدوسی اس پر درود خواں، سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

صَلَّى الْإِلَٰهَ وَ مَنْ يَحْفُ بِعَرْشِهِ
وَ الطَّيُّونَ عَلَى الْمُبَارَكِ أَحْمَدُ

اللہ رب العزت اور اس کے عرش کو گھیرنے والے فرشتے اور نیک لوگ احمد مجتبیٰ ﷺ کی بابرکت ہستی پر درود بھیجتے ہیں۔

وہ ظاہر ہے، وہ حسب و نسب میں عالی ہے، آہائے اولین جو اسی کے نور کے حامل تھے۔ سفاح سے پاک رہے اور عمود نسب سے جملہ

وہ ظاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ اس نے طہارت کی تعلیم دی اور اسی نے طہارت ظاہری و باطنی سے اپنے قمعین کو پاک ٹھہرایا۔ اس کی تعلیم نے ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَّطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ﴾ [البقرہ: 108] کی جماعت کو قائم فرمایا اور اسی کے احکام و افعال کی غایت ﴿تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ﴾ [البقرہ: 103] کو ٹھہرایا ہے۔

﴿۱۵۹﴾ وہ عبد اللہ ہے۔ عبودیت ہی کمالِ انسانیت ہے اور عبودیت کی تکمیل منازلِ نبوت ہی میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی نبی اللہ کا ذکر پیا اور محبت اور قبولیت کے لہجہ میں فرماتا ہے تو اس جگہ لفظ عبد کا اضافہ فرماتا ہے۔

﴿وَإِذْ كَرَّمَ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَالِ الْأَيْدِ﴾ [ص: 17] ”ہمارے بندے داؤد (علیہ السلام) کو یاد کرو جو بڑی قوت والے تھے۔“

﴿وَإِذْ كَرَّمَ عَبْدَنَا أَيُّوبَ﴾ [ص: 41] ”اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کو یاد کرو۔“

﴿ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا﴾ [مریم: 2]

”یہ تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا (علیہ السلام) پر کی تھی۔“

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبودیت وہ شجرہ طیبہ ہے جس کے پھل نہایت شیریں ہیں۔

① ﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ﴾ [الفرقان: 1] نزولِ قرآن کا سبب عبودیت کاملہ ہے۔

② ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ [الزمر: 36] کفایتِ الہیہ کا سبب عبودیت ہے۔

③ ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا﴾ [بنی اسرائیل: 1] معراجِ عبودیت کا ثمرہ ہے۔

④ ﴿فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ [انجم: 10] خطاباتِ عالیہ کا شرفِ عبودیت پر عطا ہوا۔

یہ سچ ہے کہ سچ (علیہ السلام) نے بھی صدیقہ مریم (علیہا السلام) کی گود میں اپنی عبودیت کا ثمرہ کہا تھا۔

اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی آیت ﴿وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ﴾ [الحج: 19] میں عبد اللہ فرمایا گیا ہے لیکن ہر دو مقامات پر تفاوت درجات کا نور اپنی اپنی ضیا میں روشن ہے۔ اسی عبد اللہ حضرت مسیح کا اپنا قول ہے۔ ہنوز فعل اس کی معیت میں نہیں۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خود رب العالمین نے عبد اللہ فرمایا اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قیام بر عبادت اور قیام بر دعوت کا تذکرہ بھی ساتھ ہی ساتھ موجود ہے۔

ہاں وہ عبد اللہ ہے اور اس کی عبودیت کا شاہد خود معبود و معبود ہے۔

وہ عبد اللہ ہے اور دعوتِ عبودیت میں وہ سب سے زیادہ کامیاب ہے۔ وہ عبد اللہ ہے اور اس نے کلمہ توحید میں اپنے مبارک و محمود اسم کے ساتھ عبدہ، وَرَسُولُهُ، کو جزو لاینفک بنا دیا ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی شخص کلمہ شہادت پڑھنا چاہے اور وہ اسم اللہ کے ساتھ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، اور اسم محمد کے ساتھ عبدہ، وَرَسُولُهُ، نہ پڑھے۔

اے مالک میں بھی اس مقام پر کلمہ شہادت کو دہراتا ہوں اور تیرے خزانِ رحمت میں بطور امانت سپرد کرتا ہوں:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ، وَرَسُولُهُ، رَضِيْتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَ

بِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) نَبِيًّا وَبِالْقُرْآنِ إِمَامًا۔ ③

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وحدہ لا شریک ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ کو اپنا رب، اسلام کو دین اور محمد کو آخری نبی اور قرآن کریم کو اپنا امام ماننے پر راضی ہوں۔“

① وہ غلو ہے۔ عفو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے اور نبی ﷺ کی صفات عالیہ میں سے بھی جملہ صفات نبوی ﷺ اللہ تعالیٰ ہی کی صفات الہی کے ظلال ہیں اور حضور ﷺ کے جملہ محاسن عطیاتی ربانی ہی کے مظاہر ہیں۔

② کوہ محکم کے اسی (80) اعدائے دین کو جنہوں نے حضور ﷺ کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مصروف نماز دیکھ کر قاتلانہ حملہ کر دیا تھا معاف کر دینے والا وہی ہے۔ ③

④ نہیب بنت الحارث بن اسلام خیری کو جو مسموم گوشت کا ہدیہ لے کر آئی اقبال جرم کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔ ⑤

⑥ سرداران قریش نے 13 سال تک اشاعت اسلام کو روکا اور اسلام میں داخل ہونے والوں کو مشق ستم اور ہدف تیر و نیزہ بنایا۔ مغلوب کر لیے جانے کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔ ⑦

⑧ ابن سلول رئیس المنافقین اور اس کی جماعت اہل یشرب کو بار بار معاف کرنے والا اور ان کی بچکانہ حرکات سے درگزر کرنے والا وہی ہے۔

⑨ جنگ حنین کے چھ ہزار (6000) قیدیوں کو ایک زبانی درخواست پر آزاد کرنے والا وہی ہے۔ حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

عَفُوٌّ عَنِ الزَّلَّاتِ يَسْفِرُ لِعُذْرَتِهِمْ
فَإِنْ أَحْسَنُوا فَاللَّهُ بِالْخَيْرِ أَجْوَدُ

”وہ نبی عفو (معاف کرنے والا) دشمنوں کے عذر کو قبول کر کے ان کو معافی دینے والا ہے۔ اگر وہ سبکی کریں تو اللہ تعالیٰ

بھلائی میں بہت سخی ہے۔“

دنیا کی تاریخ ایسے عفو و درگزر کے نظائر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

⑩ وہ فاتح ہے اگر فتح کے معنی کشور کشائی و ملک گیری ہیں تو یقیناً حضور ﷺ کی سیرت پاک میں اس کے نمونے بہت کم

ملیں گے۔ حضور ﷺ کے مشہور غزوات جن میں لڑائی بھی ہوئی۔ بدر و احد احزاب و خیبر اور حنین ہیں۔ ان پانچ میں سے فاتحانہ قبضہ صرف خیبر پر کیا گیا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ وہاں کی ارضیات پر انہی دشمنوں کا قبضہ قائم رکھا گیا اور ان سے صرف حق مالکانہ کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ باقی چار مقامات کی بابت سنو کہ احد اور احزاب کی جنگ خود مسلمانوں کی اپنی زمین پر ہوئی اور بدر و حنین میں فتح کے بعد بھی کوئی علاقہ شامل خالص نہ ہوا تھا۔

یہ وجوہات بالاضوری ہے کہ اسم فاتح کے معنی پر غور کیا جائے۔ قرآن مجید میں سورہ اِنَّا فَتَحْنَا مَوْجِدًا مَوْجِدًا

حضور ﷺ کی فتح مبین اور نصرت عزیز کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ وہ فتح صرف اسی ایک استحقاق حاصل کرنے کا نام ہے کہ آئندہ تبلیغ اسلام میں قریش مداخلت نہ کریں گے۔

① مسلم: 4679، ابوداؤد: 2688، ترمذی: 3264، احمد: 290، 124/3، بخاری: 5777، 2617

② سنن الکبریٰ، بیہقی: 118/9، سیرت ابن ہشام: 412/4، تاریخ طبری: 61/3

ہاں حضور ﷺ فاتح ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی تعلیم سے نادانوں کے سینے کھول دیئے۔ اسرار روحانی واضح کر دیئے، صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے سامنے جو موانع موجود تھے ان کو دور فرما دیا، حریت عطا فرمائی اور آزادی دین کے حقوق سے سب کو بہرہ مند فرمایا۔ عمان کا حکمران اکیدر کا بادشاہ، حبشہ کا تاج وزمین کا فرمان روا، شام کا حاکم مختار اپنے اپنے مقامات پر مقیم اور اپنے اپنے ممالک پر متصرف اور اورنگ نشین ہیں۔ لیکن ان کے دل و دماغ کو اس حبیب اللہ ﷺ نے فتح کر لیا ہے اور اب ان کو فدوی باخلاص کہلانے میں وہ مزہ ملتا ہے جو شاہ گردوں، قباب کہلانے میں نصیب نہ تھا۔

وہ دلوں کا فاتح ہے، وہ قلوب پر قبضہ کرنے والا ہے، وہ روح ورواں ہے اور تاب و توان کی جان ہے۔

﴿وہ قاسم ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے: "أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ مُعْطِيٌّ"﴾ "دینے والا اللہ ہے اور تقسیم کرنے والا میں ہوں۔" حضور ﷺ نے کن کن فیوض و برکات کو عام کیا اور کن کن تجلیات و تدلیات کو بصیرت افروز بنایا، کن کن آلاء و نعم سے دنیا کو متمتع کیا اور کن کن عطایا سے اہل دین کو ممتاز بنایا۔ یہ ایک وسیع بیان ہے۔

اس عرب کو جو گونہ علوم اور تہذیب حقائق تھا۔ حضور ﷺ ہی کی تقسیم نے سیر اور سیراب بنایا، جن نعمتوں کے گنجینہ دار اہل زرتشت تھے اور جن آلاء کے خازن اسرائیل تھے اور جس پر شاد کے بھنداری لگنا جتنا پر قبضہ کرنے والے تھے، ان جملہ خزانوں و دفائن کو حضور ﷺ نے نکالا اور عرب پر تقسیم کر دیا۔ وہ عرب جو اب تک ریگ بیابان اور سنگلاخ وادی کے سوا اور کسی شے کے مالک نہ تھے انہی لوگوں نے اپنی عطیات کا حصہ دار ہر ایک انسان کو بنایا۔ انہی نے ہر ایک صادر و وار کو اپنے دسترخوان پر بٹھلایا، انہی نے مساکین و یتیموں کو چھاتی سے لگایا اور اسی طرح پر آج تمام دنیا زلہ خوار کرم مصطفیٰ ﷺ ہے اور جملہ اہل عالم تک خوار احمد مجتبیٰ ﷺ ہے ورنہ یہ حقائق، یہ معارف و دنیا کو کہا نصیب تھے؟

﴿وہ مصطفیٰ ہے۔ نبی ﷺ کے خاص اسمائے مبارکہ میں سے ہے۔ حتیٰ کہ اسم مصطفیٰ اب حضور ﷺ کے لیے بطور علم مستعمل ہے اور دوسرے کے لیے نہیں آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ آدم اور نوح اور ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام خصوصیت سے وہ بزرگوار ہیں، جن کے لیے فضل مصطفیٰ کا اطلاق ہوا ہے اور مصطفیٰ کا سبب یا ذریعہ کلام الہی اور وحی ربانی کا نزول تھا۔ یہ وجود امتیاز بدرجہ اتم و اکمل وجود نبی ﷺ میں موجود ہیں۔ کتاب استثناء کے باب 18 میں نبی ﷺ کی خاص وجہ شناخت یہی فرمائی گئی ہے کہ اس کے منہ میں اللہ کا کلام ہوگا۔ وحی کا نزول اور اس کا تسلسل تنزیل اور تحمیل کی کیفیت جو کچھ قرآن مجید میں پائی جاتی ہے وہ اور کسی دوسری کتاب میں نہیں۔ لہذا محمد ﷺ ہی وہ برگزیدہ و چیدہ ہستی ظہرے جن کا نام مصطفیٰ ہوا اور جن کا مصطفیٰ ہر ایک مقدس کے مصطفیٰ سے برتر و اعلیٰ ہے۔

قرآن مجید میں ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾

"اللہ تعالیٰ نے آدم و نوح و آل ابراہیم اور آل عمران کو دنیا جہاں پر فضیلت بخشی۔" [آل عمران: 33]

فرمایا گیا ہے۔ آل ابراہیم میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام خود اور حضور ﷺ کی آل ہر دو شامل ہیں اور اس اسلوب کلام کے اختیار کرنے کی وجہ یہی کہ آل ابراہیم کا مصطفیٰ حضور ﷺ ہی کی شمولیت پر مبنی ہے۔

40) وہ مطاع ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی ذات سبحانی ہے جس کی اطاعت مقصود بالذات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت کرنے والوں کی شناخت کے لیے یہ معیار مقرر کر دیتا ہے کہ انبیاء الہی کی اطاعت کرنے والے ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے سمجھے جائیں گے اور اطاعت انبیاء سے گریز کرنے والے ہی اطاعت ربانی سے گریز کرنے والے قرار دیے جائیں گے۔ اس رسول کو اللہ تعالیٰ نے بطور قانون حکم ظاہر فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ [النساء: 46] ”نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اطاعت کی گئی۔“

اصولی حکم کے بعد ذات مبارک نبوی ﷺ کی نسبت خصوصیت سے فرمایا۔ ﴿وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ [النساء: 80] اس رسول کی جس نے اطاعت کی تو اس نے بالضرور اللہ ہی کی اطاعت کی۔ بعد ازاں فرمایا: ﴿إِنْ تُطِيعُوا تَهْتَدُوا﴾ [النور: 54] ”اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یاب بن جاؤ گے۔“

قرآن مجید میں ﴿مُطَاعٌ تَمَّ أَمِينٌ﴾ [التہریر: 21] حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفت میں فرمایا گیا ہے اور سورہ تحریم میں ﴿وَجِبْرِيْلَ وَصَالِحِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلَائِكَةَ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيْرًا﴾ [التہریر: 14] نازل کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ مطاع آسمانی اور امین وحی ربانی بھی حضور ﷺ کے مددگاروں میں اسی طرح داخل ہیں جیسے دیگر ملائکہ اور جملہ مؤمنین۔ ہر دو آیات نے نبی ﷺ کا سب سے بڑھ کر مطاع ہونا واضح فرمایا ہے۔

لہذا اب کوئی نبی یا مرسل، کوئی ملک یا حامل وحی، کوئی پیرو مرشد، کوئی امام، کوئی شہید، یعنی مخلوق الہی میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہ جاتا جو سیدنا و مولانا محمد ﷺ کے سامنے مطاع کہلانے کی جرات کر سکتا ہو یا جس کی اطاعت محمد ﷺ کی اطاعت کو چھوڑ کر باعث ہدایت و قرب ربانی بن سکتی ہو۔ حدیث پاک و ﴿لَوْ كَانَ مَوْسَىٰ حَيًّا لَمَّا وَبِعَهُ الْاِتْبَاعُ﴾ [1] ’اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری اطاعت کے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔‘ اسی راز کی کاشف ہے۔ ہاں ہر ایک کلمہ خواں اسلام کا دین و ایمان یہی ہے کہ قرب الہی اور رضوان سبحانی اور مغفرت و نجات کا ذریعہ خالق اور مخلوق کے درمیان صرف ایک ہے اور وہ اطاعت محمدی ﷺ ہے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر آج کوئی شخص سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کا مدعی بن کر حضور ﷺ کی اطاعت سے اظہار استغفار کرے تو وہ مغفرت و نجات سے دور ہے اور قرب و رضوان کے منازل عالیہ سے مجبور۔

نبی ﷺ ہی مطاع ہیں اور حضور ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ ائمہ دین اور اصحاب کرام کے مدارج و مناسب اس لیے دیگر مخلوق سے برتر و عالی ہیں کہ یہ بزرگوار حضور ﷺ کی اطاعت میں مستحکم اور کامل ترین۔

محمدؐ عربی کا بروئے ہر دوسرا ست
کے کہ خاک درش نیست خاک بر سر ادست
پندار سہدی کہ راہ صفا
توای یافت جز درپے مصطفے

[1] وہ ماجی ہے۔ صحیحین کی مشفق علیہ حدیث پاک عن جبر بن مطعم رضی اللہ عنہم میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لِي خِمْسَةَ اسْمَاءَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِجِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِي الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي

يُحَسِّرُ النَّاسَ عَلَى قَدَمِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ أَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدِي نَبِيٌّ - [1]

حضور ﷺ ماجی ہیں، کفر و ضلالت کو مٹھ کرنے والے، شرک اور ماسوا پرستی کو مٹھ دینے والے۔ حجاب رسم و نفس کو اٹھا دینے والے، کفران و خذلان کے غاروں کو بھر دینے والے، طغیان و عصیان کی بلند چوٹیوں کو پھوٹ کر دینے والے حضور ہی ہیں جنہوں نے عرب کے تین سوساٹھ بتوں کو ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ [بنی اسرائیل: 81] کا حکم سنا کر اوندھے منہ گرایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جن کے ارشادات کے بعد نصاریٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کو والدہ خدا کہنے سے اجتناب کیا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جن کی تعلیم نے مانی مشرک کی ناپاک تعلیم سے ایران کو نجات دی۔ حضور ﷺ ہی ہیں جن کی ہدایت نے دام مارگیوں چتر رنگد یوں جیسے نقش پسند فرقوں کا بیڑہ غرقاب کیا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنہوں نے معصوم بچیوں کو پوند خاک ہونے سے اور ناکردہ گناہ و بھون کو زندہ نذر آتش بنائے جانے سے بچایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنہوں نے ثمر و قمار کو جس و نجس بتایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنہوں نے ایک نشلی چیز کو جو ہر صحت انسانی کا دشمن ظاہر کیا۔ الغرض مفاسد و رذائل کو مٹھانا سکارہ و ماتم کو مٹھ کرنا حضور ﷺ ہی کی پاک اور طیب تعلیمات کا خاصہ ہے۔ لہذا حضور ﷺ کا ماجی ہونا مسلم ہے۔

[2] وہ حاشر ہے، قیامت کے دن مرقد پاک اور آرام گاہ خاص سے سب سے پہلے سر اٹھانے والے اہیائے موقی کی کیفیت کو ملاحظہ کرنے والے، منادرب العباد کی ندا پر سب سے پہلے لبیک پکارنے والے، عذر خواہی امت کی سب سے پہلے چارہ گری فرمانے والے حضور ﷺ ہی ہیں۔

[3] وہ عاقب ہے۔ سب سے پیچھے آنے والا۔ جملہ انبیاء علیہم السلام کی اقتدا کو جمع کرنے والا عدیم الظہیر، عدیم المثال آغاز نبوت کا انجام اور انجام رسالت کا اتمام۔

[4] وہ نور ہے اسی کے دین پر چلنے والا ﴿فَهُوَ عَلِيُّ نُورٌ مِنْ رُبِّهِ﴾ [الزمر: 22] کے نورانی خلعت سے ممتاز ہے۔ اس کی لائی ہوئی کتاب کو نور بتایا گیا ہے۔ ﴿وَ اتَّبِعُوا النُّورَ الَّذِي اُنزِلَ مَعَهُ﴾ [الاعراف: 157] اس نور کا اتباع کیا جو اس پر نازل کیا گیا ہے۔ اسی کا مبارک نام سورہ مائدہ میں نور بتلایا گیا ہے: ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُبِينٌ﴾ [المائدہ: 15] خازن و معالم میں نور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات بتایا ہے۔ حضور ہی وضوح امر اور تین نبوت میں نور ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم تو پر تقویٰ کے لیے نور ہے۔

حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے ذیل پر غور کرو اور دیکھو کہ جب الدعوات سے روزانہ کس شے کا سوال ہے؟ کیا ذات سبحانی کسی کا سوال رو بھی فرماتی ہے؟

اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَ فِي بَصَرِي نُورًا وَ فِي سَمْعِي نُورًا وَ عَن يَمِينِي نُورًا وَ يَسَارِي نُورًا وَ فَوْقِي نُورًا وَ تَحْتِي نُورًا وَ أَمَامِي نُورًا وَ خَلْفِي نُورًا وَ اجْعَلْ لِي نُورًا وَ فِي لِسَانِي نُورًا وَ فِي دَمِي نُورًا وَ فِي عَصَبِي نُورًا وَ فِي شَعْرِي نُورًا وَ فِي بَشْرِي نُورًا اللَّهُمَّ اعْطِنِي نُورًا اللَّهُمَّ اعْظِمْ لِي نُورًا -
اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي نُورًا - [5]

”الہی! میرے قلب میں نور ہو، میری آنکھوں میں نور، میرے کانوں میں نور، میرے داہنے نور، میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، میرے آگے نور، میرے پیچھے نور، نور کو میرا بنا دے، میری زبان میں نور ہو، میرے خون میں نور ہو، میرے پٹھوں میں نور ہو، میرے بالوں میں نور ہو، یا اللہ مجھے نور عطا فرما۔ یا اللہ میرے نور کو بڑھا، یا اللہ مجھے نور ہی بنا۔“

کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا قصیدہ ”بانت سعد“ میں کہتے ہیں:

ع إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُنْتَضَاءُ بِهِ

(45) وہ مدثر ہے۔ تدثر کے معنی ہیں طائر کا اپنے گھونسلے کو درست کر لینا، کاشانہ عالم حضور کے علوم مراتب کے مقابلہ میں ایک آشیانہ کی حیثیت رکھتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آشیانہ کو درست و محکم بنا دینا اہل عالم کی ضروریات مادی و اخلاقی و روحانی کو مکمل فرما دینا ہے۔ یہ تکمیل انذار اور تکبیر و تہلیل ربانی اور تطہیر خلائق از علق مادی و قلبی کی تدابیر سے فرمائی گئی ہے۔ رجز و رجز جس کو دور فرما کر طہارت ظاہری و باطنی سے اہل عالم کو مطہر بنانا اسی مدثر کا کام ہے۔

(46) وہ منزل ہے: اس کی آنکھیں دنیائے تیرہ و تاریک کے بد نما چہرہ کو نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کے کان زور کے کذب و بہتان کو نہیں سن سکتے۔ وہ گھبرا کر غار حرا کے خلوت کدہ میں چلا جاتا ہے اس کی پاک فطرت کے مطابق تجلیات قدسیہ کو اس کے سامنے کھول دیا جاتا ہے۔ ملکوت اعلیٰ کے مظاہر کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ کلام لیلیٰ سامع نواز بن جاتا ہے۔ اس وقت ترہب و تجمل کا راز آشکار کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ ظلمت کدہ آفرینش سے بیزار ہوئے اکثر انھوں نے راہ فرار اختیار کی۔ دانش مند بدھ مرتاض دیوجانس رشی ویدھیاس وغیرہ ہم نے جو آسمان تاریخ کے روشن کواکب ہیں اسی روش کو پسند فرمایا، ہزاروں سن اور منک نے نیک نیچی سے رہبانیت ہی کو اس دنیائے غدار سے چھوٹنے کی اعلیٰ تدبیر سمجھا۔ ہزاروں چینی درویش اسی ریاضت میں اپنی جان پر کھیل گئے۔

قدرت ربانیہ نے تجمل کا نسخہ اس منزل کو بتایا۔ وہ فوراً کھڑا ہوا جاتا ہے۔ اس کا سارا دن مخلوق کی رہنمائی اور عقدہ کشائی میں پورا ہو جاتا ہے۔ اس کی ساری رات اپنے مالک کے سامنے معروضات کے پیش کرنے میں گزر جاتی ہے۔ اس کی انذار و بشارت بعض کے سامنے فرعونوں کے انجام کو قریب کر دیتی ہے اور بعض کو ہلاکت و تباہی کے بحر احمر سے بخیر و سلامت گزر جانے کے لیے دلیل راہ بن جاتی ہے۔ ہاں وہ منزل ہے، وہ فرعونوں کے لیے موسیٰ علیہ السلام جیسا شکوہ اور ایمانیوں کے لیے عیسیٰ علیہ السلام جیسا یقین اور مذموم عاقبت والوں کے لیے ہدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آیا ہے۔

(47) وہ مشہود ہے، امام قرظی کا بیان ہے کہ انبیاء علیہم السلام شاہد ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشہود ہیں۔ قرظی کا فرمودہ درست ہے۔ سیدنا یعقوب، موسیٰ داؤد، سلیمان، وھیبیاہ، ودانی ایل ویرمیاہ و حقوق و یوحنا و مسیح علیہم السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ادا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم کی اطلاع دی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ولادت و ہجرت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام اللہ کا نزول، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم اور راست بازی کا ملکہ کے دروس پاک کا ذکر فرمایا ہے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم السلام کی زبان پر با تحقیق مشہود ہیں۔

کارلائل، سر مور و اسٹکٹن، جان ڈیون، ایڈورڈ گمن جیسے بے باک آزاد خیال بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن ضمیری خیر خواہی

خلاق، بے لوث زندگی، پاک ترین حیات، پاک ترین مقصود کے لیے پاک ترین تدابیر کے عمل میں لانے کے مدحت طراز اور توصیف نگار ہیں۔ ہاں! وہ زمین و آسمان جس میں روزانہ اس کی عبودیت و رسالت کی شاہانہ نوبت اوقات خمسہ میں بلند آوازہ ہے۔ حضور کا مشہور ہونا تسلیم کر رہے ہیں۔

﴿48﴾ وہ رؤف اور رحیم ہے۔ ہر دو اسماء یقیناً اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے کلام میں حضور کو ﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ﴾ [النور: 128] ہونا مسلم ہے۔ اختصار نگار کے لیے یہی سند کافی ہے۔

﴿49﴾ وہ مذکر ہے۔ رات کی تاریکی میں جب کہ قافلہ بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکتا ہو وہ آگے بڑھتا ہے۔ خشک پتھروں کی اونٹ اور ریت کے بستر پر لیٹنے والوں کی تذکیر فرماتا ہے اور وہی مبارک نام جس کی تذکیر فرمائی گئی، سننے والوں کے دل و زبان پر بطور ذکر دوام جاری ہو جاتا ہے۔

وہ مخالفین کی محفلوں، سالانہ منڈیوں پر رونق میلوں، ٹھیلوں میں جاتا ہے اور بایہاں الناس قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلِحُوا ” اے لوگو! کلمہ حق کی گواہی دے دو فلاح پا جاؤ گے۔“ ﴿50﴾ کی تذکیر فرماتا ہے۔

وہ پہاڑ پر جاتا ہے، پتھر کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پاک نام خالوں کی جماعت تک پہنچاتا ہے۔ وہ میدان جنگ میں نرغہ اعداء میں گھرا ہوا ہے، اس کا بازو اس کا سر، اس کے دو دندان سنگباری سے مجروح ہیں لیکن وہ اس حالت میں بھی تذکیر فرما رہا ہے، وہ بستر پر پڑا ہوا ہے۔ دو دن سے شدید تپ ایک منٹ کے لیے بدن سے الگ نہیں ہوئی۔ دروسر بھی ہے، ضعف و ناتوانی کا غلبہ ہے، لیکن وہ تذکیر میں مشغول ہے۔ وہ وصایا و نصائح سے امت کے مستقبل کی فکر فرما رہا ہے اور اللہ پاک کا نام تلقین کر رہا ہے۔ وہی مذکر ہے اور تذکیر اسی پر ختم ہے۔

﴿51﴾ وہ مبارک نام ہے۔ لفظ برکت، بَرَكَ الْبَعِیْرُ سے ماخوذ ہے۔ اونٹ کا جم کر بیٹھ جانا۔ اس لفظ کا مفہوم لغوی ہے۔ برکت میں استقرار اور دوام کے معنی داخل و شامل ہیں۔ وہ مبارک ہے۔ اس کا دین ہمیشہ تک رہنے والا ہے۔ اس کی شریعت نسخ سے مبرا ہے۔ وہی تاقیام قیامت سب کا ہادی ہے۔ اسلام جہاں پہنچ گیا، جم گیا۔ سب ملک اسی کے ہیں، وہ ہر جگہ کو اپنا وطن سمجھتا ہے۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسم کا استعمال کیا ہے۔

صَلَّى الْإِلَهِ وَمَنْ يَحْفَ بِعَرْشِهِ
وَ الطَّيُّونَ عَلَى الْمُبَارِكِ أَحْمَدُ

”دروود بھیجتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عرش عظیم کے ارد گرد فرشتے اور نیک و پاکیزہ لوگ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات گرامی پر۔“

سیدنا عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ نے جو راہب نصرانی تھے اپنے نعتیہ قصیدہ میں کہا ہے:

وَجْهَتْ وَجْهِي نَحْوَ مَحْكَةٍ قَاصِدًا
وَبَسَيْعَتُ بَيْنَ الْأَحْمَسَيْنِ الْمُبَارِكِ

﴿52﴾ وہ مہاجر ہے۔ قرآن مجید مہاجرین و انصار کے فضائل و مدائح سے مملو ہے۔ مہاجرین کو انصار پر مزیت خاص و امتیاز خاص ہے۔

مہاجرین وہی ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کی اقامت کو پورا کیا، گھریا، خویش و تبار وطن و دیار کو ترک کر دیا، مگر حضور ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ مہاجرین کی ہجرت حضور ﷺ ہی کی ہجرت سے مقبول رہانی ہوئی۔ حضور ﷺ مہاجر ہیں جیسا کہ سیدنا ابراہیم و لوط و اسماعیل و موسیٰ و ہارون علیہم السلام بھی مہاجر تھے۔

﴿وہ ہادی ہے۔ ہدایت کے معنی و مفہوم دو ہیں۔ ① کسی کے دل میں ایمان ڈال دینا۔ آیت ذیل میں اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ [انصاف: ۵۶]

”تو ہدایت نہیں دے سکتا اسے جسے تو پسند کرتا ہے، لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کسی کو بھی وہ چاہے۔“

② کسی کو ایمان و یقین کی طرف بلا نا اور اپنی دعوت کی حقانیت کو دلائل و براہین روحانی یا عقلی سے اور اپنے افعال حمیدہ و اقوال حکیمہ سے مستحکم کرنا بلا شائبہ غرض اور بلا آمیزش طمع خالصہ خیر خواہی و نیک سگالی کے فرائض ادا کرنا اس مفہوم کی تکمیل نبی کریم ﷺ کی ذات پر ہوتی ہے اور آیت ذیل میں اس معنی کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَأَنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ [الشوری: ۵۲]

”تو بالضرور سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والا ہے۔“

نبی ﷺ نے ہدایت اور دعوت الی الحق کے جملہ بہترین طریقوں کو جمع فرما دیا تھا۔ کشادہ روئی، نرم خوئی، خلق عظیم ایسی صفات تھیں کہ دشمن بھی حضور ﷺ کو دیکھ کر اپنی دشمنی بھول جاتا تھا۔ شیریں کلامی واضح بیانی ایسی کہ جو لفظ زبان مبارک سے نکلتا، سامع کے قلب میں اتر جاتا تھا۔

دلائل و براہین کے وارد کرنے میں حضور ﷺ نے منطقیوں اور فلسفیوں کی ثرولیدہ تقریروں اور مطلق الفاظ اور التزام خصم وغیرہ کے جملہ مسلک ترک کر دیے تھے۔ حضور ﷺ کے دلائل انفسی اور آفاقی ہوتے تھے۔ انسان کے سامنے خود اسی کی فطرت کو پیش کر دینا انسان کے ماحول کو انسان کے لیے دلیل راہ بنادینا حضور ﷺ کا مبارک شیوہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر ان قوانین فطرت کو کھول دیا تھا جن پر مخلوق کی آفرینش ہوئی ہے۔ لہذا حضور ﷺ کے دلائل بھی براہ راست مرثت انسانی اور خلقت بشری کو متوجہ و بیدار اور مخاطب کرنے والے ہوتے تھے۔

مع ہذا حضور ﷺ نوع انسانی کے لیے ایسا مکمل نمونہ تھے کہ حضور ﷺ کے افعال، حضور ﷺ کے اقوال کے مصداق ہوتے تھے اور حضور ﷺ کے اقوال حضور ﷺ کے افعال کا معیار تھے۔ اس ظاہر باطن کے توافق اور افعال و اقوال کے تطابق نے حضور ﷺ کو نوع بشر کا سچا ہادی بنا دیا تھا۔ ضرار بن الخطاب الغمری رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے دن حضور ﷺ کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

يَا نَبِيَّ اللَّهِ الْهُدَى إِلَيْكَ لِحَاجِي فَرَيْشٌ وَلِدَت حِينَ لِحَاءِ

”اے اللہ تعالیٰ کے نبی آپ میری پناہ گاہ ہیں اور قریش اب آپ ہی سے پناہ طلب کر رہے ہیں۔“

نابغہ جعدی کا شعر ہے:

أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ بِالْهُدَى وَيَسْأَلُوا كِتَابًا كَالْمَجْرَقَةِ تَبْرًا

”میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جب وہ ہدایت کے ساتھ آئے اور کتاب (قرآن کریم) پڑھ رہے ہیں جو روشنی

اور چمکتی ہوئی کہکشاں کی مانند ہے۔“

﴿53﴾ وہ سید ہے۔ وہ سید ہے، وہ سید الناس ہے، وہ سید البشر ہے۔ اس کا صدق، اس کی دیانت اس کی راستی سب پر ثابت ہو چکی، اب خواہ اس کا اعتراف کریں یا نہ کریں۔ قرونِ ماضیہ میں بعض اقوام کے پاس یکے بعد دیگرے تین تین نبی بھیجے گئے اور وہ صرف ایک نسمہ طیبہ کو جنت تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ سید وہ ہے جو اکیلا آیا سینکڑوں اور ہزاروں کو ظلمات سے نکالنے اور نور میں پہنچانے کا سبب ٹھہرا۔ وہ کبھی عرب سے باہر نہیں گیا۔ مگر اس کی تبلیغ نے دنیا کے ہر ایک براعظم پر قبضہ کیا۔ وہی اندھوں کے لیے بینائی ہے اور وہی بیٹاؤں کے لیے روشنی دلوں پر گرے ہوئے پردوں کو اٹھا دینے والا، بہرے کانوں تک صدائے حق پہنچا دینے والا اسرائیلیوں اور اسماعیلیوں کی منافرت کو دور کرنے والا عرب اور عجم کو ایک کر دینے والا، وہ اصرار کا سید اور غلاموں کا مولیٰ ہے۔ امویہ، عباسیہ، فاطمیہ، زہیدیہ یہ مغلوں اور ترک افغانی و مراکشی الجزائر و حجازی اگر چہ اپنی اپنی فرماں وہی دیکھرائی میں اپنے آپ کو لائٹنی سمجھتے ہیں۔ ایک سلطنت دوسری سلطنت کی ابہت شوکت سے انکاری ہے، لیکن حضور ﷺ کی کنش برداری کو ہر ایک تاجدار اپنا افتخار سمجھتا ہے۔ حضور ﷺ کے دربار میں خاک پر جگہ مل جانے کو تخت و اورنگ کی نشست سے بہتر جانتا ہے۔ درحقیقت حضور ﷺ ہی سید ہیں اور حضور ﷺ ہی سرور عالم ہیں۔

﴿54﴾ وہ خاتم النبیین ﷺ ہے۔ آیت قرآنیہ میں ﴿وَلَسٰكُنْ رٰسُوْلًا لِّلّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ﴾ [الحزاب: 40] فرمایا گیا ہے۔ اس آیت میں کیسی برقی طاقت موجود ہے۔ طبائع انسان پر اس کو کتنی قدرت حاصل ہے۔

اس آیت سے پیشتر ہی بنی اسرائیل میں سینکڑوں اور ہزاروں کو نبی تسلیم کیا گیا۔ ہندوؤں میں کروڑوں اشخاص کو دیوتا مانا گیا، چین و ایران میں بھی سروش بزدانی کا نزول اور ملکوئی جلال کی تدلیات ہزاروں پر اترتی رہیں، مگر اس آیت کا اثر تھا کہ تمام مذاہب اور جملہ ممالک اور جمیع اقوام کے علم و خیال اور دل و دماغ سے وجود نبوت اور اس کے دعویٰ کے اظہار کا تصور و تخیل ہی اٹھ گیا۔ سب نے اپنے اپنے گھروں میں بھی نبوت کے دروازوں پر قفل ڈال دیے اور ہر ایک مذہب نے اپنے طریق عمل سے صحت مضمون آیت پر صادر کر دیا۔ دیکھیے اسے کہتے ہیں نصرت ربانی اور اسے کہتے ہیں کلام ربانی، جس کے نزول کے بعد منکرین نے بھی اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور منافقین نے بھی اس مسئلہ پر اپنا عملی اتفاق پیش کر دیا۔ نظامی تجوی فرماتے ہیں۔ عباس بن مرداس سلمیؒ فرماتے ہیں: ﴿

بِسَاخَاتِمَ النَّبِیَّاتِ اِنَّكَ مُرْسَلٌ
بِالسَّحْقِ كُلِّ هُدٰی السَّبِیْلِ هٰذَا كَمَا

”اے خاتم الانبیاء بلاشبہ آپ کو حق کے ساتھ بھیجا گیا، ہر رشد و ہدایت کا راستہ آپ ہی کی طرف سے ہے۔“

اب میں اس مضمون کو جو اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے، اسم مبارک احمد ﷺ کے اعداد (54) پر ختم کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ پھر کبھی اسم مبارک محمد ﷺ کے اعداد (92) تک وسعت دی جائے گی اور معانی و لطائف بھی ذرا وسعت و فصاحت سے کام لیا جائے گا اور پھر بھی یہی ہوگا کہ اس اعتراف کو کمر، سر کر رہا تار ہوں گا۔

دامان ننگ و گل حسن تو بسیار
گلچیں تو ز تنگی داماں گلہ دارو

دامن اپنا ہی ننگ ہے مگر نہ گل اور پھول حسن تو بہت ہیں۔ گل و بہار کی زیادتی کے سامنے دامن اپنی تنگی پر شکوہ کناں ہے۔

سنت مصطفویہ و طریقہ محمدیہ ﷺ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ”الشفاء فی بیان حقوق المصطفیٰ“ میں حدیث ذیل بہ روایت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ بیان کی ہے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن اخلاق اور مدارک عادات کا وضوح بخوبی ہوتا ہے۔

مصنف کا جو درجہ حدیث میں ہے، وہ ان کی کتاب اكمال شرح صحیح مسلم اور ”مشارق الانوار“ سے بخوبی نمودار ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و شیم و خصائل کے بیان صحیح میں جو ان کو شغف قلبی ہے وہ ان کی کتاب ”الشفاء فی بیان حقوق المصطفیٰ“ سے خوب واضح ہے، مصنف کی ثقاہت اور امانت فی الدین توثیق حدیث کے لیے ملتی ہے۔ مع ہذا جملہ کلمات واردہ کی تطبیق دیگر روایات متعددہ سے ہو جاتی ہے۔

شرح حدیث کے وقت خوش قسمتی سے علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن بکر بن ایوب بن سعد الزری الدمشقی الفقیہ الحسنی المفسر النجفی الاصولی المتکلم المشہور بابتیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مدارج السالکین بھی مل گئی۔ یہ کتاب شیخ الاسلام البروی عبد اللہ بن محمد بن علی الصوفی القدوة الحافظ الامام کی ساترین کی شرح ہے۔ اس شرح میں ہر دو کتب سے پورا پورا استفادہ کیا گیا ہے۔ جزا اللہ عنہما خیر الجزاء حدیث یہ ہے:

عَنْ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سُنَّتِهِ فَقَالَ مَعْرِفَةُ رَأْسِ مَالِي وَ الْعَقْلُ أَصْلُ دِينِي وَ الْحُبُّ أَسَاسِي وَ الشُّوقُ مَرْكَبِي وَ ذِكْرُ اللَّهِ أَيْسِي وَ الْفَقْرُ كَنْزِي وَ الْحَزْنُ رَفِيقِي وَ الْعِلْمُ سَلَاحِي وَ الصَّبْرُ رَدَائِي وَ الرِّضَا غَنِيمَتِي وَ الْعِجْزُ فَخْرِي وَ الزُّهْدُ حِرْفَتِي وَ الْيَقِينُ قَوْلِي وَ الصَّدَقُ شَفِيعِي وَ الطَّاعَةُ حَسْبِي وَ الْجِهَادُ حُلْفَتِي وَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔ [1]

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ (سنت) کیا ہے؟ فرمایا: معرفت میرا اس المال ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے، ذکر الہی میرا ایس ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے، حزن میرا رفیق ہے۔ علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، رضا میری غنیمت ہے۔ عجز میرا فخر ہے، زہد میرا حرفہ ہے۔ یقین میری خوراک ہے، صدق میرا ساتھی ہے، اطاعت میرا بچاؤ ہے، جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

[1] الْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِي

معرفت میری اصل پونجی ہے۔

رأس المال اس رقم کو کہتے ہیں جس کے بغیر تجارت کا آغاز ہی نہیں ہو سکتا، جس سے تاجر اپنی تجارت کو شروع کیا کرتا ہے۔

حدیث بالا میں معرفت کو رأس المال فرمایا گیا ہے۔

معرفت لغت میں شناخت کو کہتے ہیں۔ اصطلاح عرفاء میں اس کا استعمال ہدایت پر بھی ہوتا ہے اور نہایت پر بھی۔ واضح ہو کہ معرفت کی ابتداء خود نفس انسانی کی شناخت سے ہوتی ہے۔ سعید وہ ہے جس کے شعور کا آغاز خود اپنے عیوب کی شناخت سے ہو۔

بائبل اور قرآن مجید میں سیدنا آدم علیہ السلام کی بابت ہے کہ تمیز کے بعد سب سے پہلے انھوں نے یہ شناخت کیا کہ وہ برہنہ ہیں، پھر اسی وقت انھوں نے درختوں کے پتے جمع کیے اور ان کو ٹانگ ٹانگ کر اپنی برہنگی کا پردہ بنایا۔ پھر اعظم کا اپنی اولاد کو یہ پہلا سبق ہے کہ جب انسان کو اپنا کوئی نقص یا عیب نظر آئے تو فوراً اس کے ازالہ کی تدبیر کرنا چاہیے۔ لغت اور شرع میں معرفت اور علم کے دو الفاظ ہیں جو شناخت کے لیے آتے ہیں۔ اہل علم کے نزدیک لفظ علم کا درجہ لفظ معرفت سے برتر ہے، گو تصوفین کی اصطلاح میں اب لفظ معرفت کا درجہ لفظ علم سے برتر سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ﴾ [المائدہ: 83]

”جب انھوں نے وہ کلام سنا جو رسول پر اتارا گیا، تب ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کیوں کہ انھوں نے حق کی شناخت کر لی۔“

﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ كَمَا نَزَلْنَا الْأُولَىٰ لَكُمْ لِكُلِّ نَفْسٍ مِّنْهُمْ ﴾ [یونس: 45]

”جس دن ہم ان کو اٹھائیں گے (اور وہ سمجھیں گے) گویا دن کی ایک گھڑی کے برابر ہی وہ قبروں میں رہے ہیں تب وہ آپس میں ایک دوسرے کی شناخت کر لیں گے۔“

﴿ وَجَاءَ إِخْوَةَ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفُوهُمْ ﴾ [یوسف: 58]

”جب یوسف کے بھائی مصر آئے اور یوسف کے سامنے گئے تو یوسف نے ان کو شناخت کر لیا۔“

﴿ الَّذِينَ اتَّسَاهَمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ ﴾ [البقرہ: 146]

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کی شناخت رکھتے ہیں جیسی شناخت ان کو اپنے فرزندوں کی ہے۔“

ہر چہ آیات بالا میں معرفت کا لفظ مستعمل ہوا ہے اور اس فعل کے فاعل انسان ہیں۔ اب لفظ علم کو مندرجہ ذیل آیات میں دیکھو۔

﴿ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ ﴾ [41: 29]

”جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل کیا گیا ہے۔“

﴿ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ﴾ [انساء: 166]

”اللہ نے قرآن کو اپنے علم سے نازل فرمایا ہے۔“

﴿ قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴾ [طہ: 116]

”اے نبی! یہ دعا کیجیے کہ اے رب مجھے علم میں بڑھائیو۔“

ان آیات میں علم کو ذات رب العالمین سے نسبت ہے۔

لہذا معنی معرفت و علم میں فرق یہ ہے کہ معرفت کسی شے کی ذاتی شناخت کو کہتے ہیں اور علم کا اطلاق اس شے کے اندرونی احوال

پر آتا ہے۔

لہذا معرفت کو تصور اور علم کو تصدیق کہا جاسکتا ہے۔

حدیث بالا میں معرفت کو اس المال فرمانے سے اسی ابتدائی سلوک کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جب کہ انسان کو اپنے بندہ ہونے کی اور رب العالمین کے مالک ہونے کی شناخت کا آغاز ہوتا ہے۔ یہی شناخت یہی احساس بندہ کے لیے ہادی راہ بن جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اہل تصوف نے امارت اور شواہد معرفت پر تفصیلی گفتگو کی ہے شبلیؒ فرماتے ہیں:

”عارف کو تعلقات سے کیا علاقہ، محبت کو شکوہ سے کیا نسبت، بندہ کو دعویٰ سے کیا تعلق۔“ [1] جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا

عارف کسے کہتے ہیں؟ فرمایا پانی کا رنگ ظرف کے رنگ کا سا نظر آیا کرتا ہے۔“ [2]

اس قول کے معنی یہ ہیں کہ بندہ پر الوان عبودیت کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ کبھی اتلائے ربانی کے سامنے صابر ہوتا ہے اور کبھی نعمائے

ربانی کے سامنے شاکر۔ کبھی وعدہ ہائے صدق کی بشارت سے اس کا قلب خلد بہار ہوتا ہے اور کبھی مواعید الہی سے وہ سراپا عجز و انکسار۔

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ عارف کی تین نشانیاں ہیں:

① نور معرفت پر نور و روح غالب ہو۔

② اعتقاد باطن حالت ظاہر سے متناقض نہ ہو۔

③ نعم الہیہ کی فراوانی سے محارم الہیہ میں نہ گر پڑے۔ [3]

حقیقت یہ ہے کہ معرفت سے ہیبت پیدا ہوتی ہے اور اس ہیبت ہی کے اندر انس و انشراح ہوتا ہے۔

حدیث صحیح میں ہے: اَنَا اَعُوذُ بِكُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّكُمْ لَهٗ، خَشْيَةً [4]

”میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کا عرفان رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اس کے سامنے خشیت والا ہوں۔

گو معنی بالا کو الفاظ بالا میں ظاہر فرما دیا گیا ہے۔“

یاد رکھنا چاہیے کہ معرفت وہ نور ہے جو مومن کے سینہ میں رکھ دیا جاتا ہے کہ وہ صفات کو سمجھ سکے اور شواہد و براہین کا استعمال کر سکے۔

عارف صفات پر ایمان رکھتا ہے اور ان کو تشبیہ سے بالاتر سمجھتا، وہ تشبیہ کی نفی کرتا ہے اور تعطیل سے پرہیز کرتا ہے۔ آگے بڑھ کر

وہ صفات و ذات کی تفریق سے اجتناب کرتا ہے اور آگے بڑھ کر وہ جملہ وسائل و وسائل، براہین و شواہد سے منہ موڑ کر اپنے قلب و روح کو

اپنے مالک کے انعام پر چھوڑ دیتا ہے۔ تب اسے معرفت کا حصہ بقدر ظرف حاصل ہو جاتا ہے۔

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ [التا: 7] کا اشارہ اسی راز کی طرف ہے۔

② الْعَقْلُ أَصْلُ دِينِي

میرے دین کی جڑ عقل ہے۔

عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔ وہ عقیدہ تثلیث کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ اس کی بنیاد فہم انسانی

سے بالاتر ہے۔

[1] مدارج السالکین: 338/3 [2] نفس المصدر: 342/3 [3] مدارج السالکین: 338/3 [4] كشف الخفاء للعجلوني: 231/1

وہ شاگرد کو تثلیث کی تعلیم دیتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ اس لقمہ کو حلق سے نیچے نگل جاؤ، خواہ تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے۔ مگر اسلام ایسے احکام نہیں دیتا، عقل اور عاقلین کی فضیلت آیات قرآنیہ سے بخوبی ہویدا ہے۔

﴿ كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴾ [الروم: 28]

”ہم اسی طرح آیات کو کھول کھول کر عقل والوں کے لیے بیان کیا کرتے ہیں۔“

﴿ وَ لَقَدْ تَرَكْنَا آيَةً بَيِّنَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴾ [العنکبوت: 35]

”ہم نے اس کے روشن نشان چھوڑے ہیں، عقل والوں کے لیے۔“

قرآن پاک میں خارج از عقل لوگوں کی مذمت فرمائی گئی ہے۔

﴿ وَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴾ [یونس: 100]

”رجس انہی پر ہے جو عقل نہیں رکھتے۔“

بتلایا گیا ہے کہ علم و عقل لازم و ملزوم ہیں اور ان ہی دونوں کی آمیزش سے نتائج صحیحہ پیدا ہوتے ہیں۔

﴿ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴾ [العنکبوت: 43]

ان باتوں کی عقل اہل علم ہی کو ہے۔

بے شک جو شخص احکام شریعت کو پڑھے گا اور ان احکام پر بھی غور کرے گا جن کی وجہ سے ان احکام کا نفاذ ہوا تو اسے بالیقین

معلوم ہو جائے گا کہ عقل کے ساتھ احکام شریعیہ کا تعلق بطریق مستحکم ہے۔

نماز کے لیے یہ حکم پڑھو:

﴿ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ﴾ [العنکبوت: 45]

”نماز بدکاریوں اور برے کاموں سے روکنے والی ہے اور تحقیق اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔“

روزے کے لیے یہ حکم پڑھو۔

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ [البقرہ: 183]

”تم پر روزے لکھ دیے گئے جیسا کہ تم سے پہلوں پر لکھے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔“

ادائے زکوٰۃ کے متعلق یہ حکمت معلوم کرو۔

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾ [ابراہیم: 7]

”اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو بڑھاؤں گا۔“

حج کی بابت جو حکم ہے اس کے فوائد پر غور کرو۔

﴿ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ ﴾ [الحج: 28]

”تاکہ تم اپنے نفع کو دیکھ لو۔“

قصاص کا اثر مجرم کے لیے:

﴿ لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ﴾ [المائدہ: 95]

”تاکہ اپنے برے کام کا وبال دیکھے۔“

قصاص کا فائدہ ملک کے لیے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حِكْمَةٌ﴾ [البقرة: 179] ”تمہاری زندگی قصاص ہی کے جاری کرنے میں ہے۔“
ہاں عقل ہی کو دوسرے مقام پر فطرت انسانی بتلایا گیا ہے۔ عقل ہی برہان کی برتری کو تسلیم کرتی ہے اور اس لیے مخالفین کو فرمایا گیا ہے:

﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [البقرة: 256]

”کہہ دیجیے کہ تم اپنی برہان پیش کرو اگر تم سچے ہو۔“

عقل جبر و اکراہ کے مخالف ہے اور اسی لیے کتاب حمید میں ہے:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ [البقرة: 256] ”دین کے معاملہ میں کچھ جبر نہیں“

ان جملہ شواہد سے ثابت ہے کہ اسلام کا شجر پاک سرزمین عقل میں لگایا گیا ہے اور علم کے پانی سے اسے پالا گیا ہے۔

نبی الامی ﷺ کا یہ فرمانا کہ **الْعَقْلُ اَصْلُ دِينِي** اس دین کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل حتمی ہے۔

﴿وَمَا يَدْعُرُ اِلَّا اَوْلُو الْاَلْبَابِ﴾ [البقرة: 269] ”نہیں صیحت حاصل کرتے مگر عقل مند لوگ“

مسلمان نوجوانوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ عقل سے مراد خود اپنی عقل فہم سمجھا کرتے تھے۔ یہ نادانستگی کی پہلی دلیل ہے۔

جو لوگ قانون سلطنت کے فہم سے بھی عاری ہیں، جو لوگ خود انسانوں کی بنائی ہوئی ایجادات کے قفل اتارنے سے عاجز

ہیں۔ ان کا کیا حق ہے اپنی عقل سے برتر عقل کا کوئی درجہ ہی تسلیم نہ کریں اور اپنے فہم کو صاحب شریعت کے فہم سے بالاتر سمجھنے لگیں۔

﴿۳﴾ وَالْحُبُّ اَسَاسِيٌّ

محبت میری بنیاد ہے۔

واضح ہو کہ تغزل و ادبیات میں لفظ عشق کا استعمال زیادہ تر ہوتا ہے مگر فرقان حمید اور حدیث پاک میں لفظ عشق اور اس کے

مشتقات کا استعمال نہیں ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایک دلیل لفظ ہے اور اصل لغت کے لحاظ سے معنی حب سے عاری ہے۔ قاموس میں

ہے: **الْجُنُونُ فَنُونٌ وَالْعَشْقُ مِنْ قَبِهِ** جنون کی بہت اقسام ہیں، عشق بھی یکے ازاں جملہ ہے۔

لہذا لفظ حب کی تحقیق پر زیادہ توجہ کرنا چاہیے۔ زبان عرب میں اس لفظ سے پانچ محاورات پائے جاتے ہیں:

① **حَبَبُ الْاَسْنَانِ** برائت روشن اور صاف ہیں۔

② **حَبَبُ الْمَاءِ**: پانی تھرا ہوا پاکیزہ ہے۔ انہی معنی کے لحاظ سے بلبلے کو حباب کہتے ہیں جس میں غلو اور صفائی پائی جاتی ہے۔

③ **حَبُّ الْبَعِيرِ** اونٹ نے گھٹنے ٹیک دیے۔ اس محاورہ میں حب کو لزوم و ثبات کے معنی میں لیا گیا ہے۔

④ **حَبٌّ**: دانہ و تخم یا اصل شے۔ اس لیے سویدائے دل کو **حَبَّةُ الْقَلْبِ** کہتے ہیں، اسی لیے دانہ کو حب (جس کی جمع حبوب ہے)

بولتے ہیں۔

⑤ **حَبُّ الْمَاءِ**: وہ جو ہر جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے یہاں حفاظت و نگہداشت کے مفہوم کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اصل مادہ کے ان معانی کو دیکھو اور پھر یہ بھی خیال کرو کہ لفظ حب کو جب کہ وہ بطور اسم مستعمل ہوتا ہے۔ حرکت ضمروہی گئی، جو جملہ

حرکات میں قوی تر ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جب میں اوصاف صفا و بہا اور علو و ارتقاء اور لزوم و ثبات کا ہونا پایا جائے۔ جب ہی کو جملہ فضائل کا اصل الاصول قرار دیا جائے اور جب ہی کے حفظ و تمسک کو سرمایہ حیات انسانی ثابت کیا جائے۔

بے شک محبت ان جملہ اوصاف پر حاوی و مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اثبات محبت کے متعلق کلام پاک میں فرمایا ہے:

﴿يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ [البقرہ: 156]

”یہ لوگ غیروں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے مگر جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ محکم ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا بندوں کو ہونا اور بندوں کی محبت کا اللہ عز و جل سے ہونا (ہر دو امور کا) ثابت فرمایا ہے۔

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ [المائدہ: 54]

”اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو اسلام میں لائے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے۔“

احادیث پاک میں بھی اس امر کو وضوح کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

① إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ الْإِيمَانُ بِاللَّهِ ثُمَّ الْجِهَادُ۔ ①

”اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ایمان ہے، پھر جہاد۔“

② أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى اللَّهِ مَا دَوَّامَ عَلَيْهِ صَاحِبِهِ۔ ②

”سب سے پیارا عمل اللہ کے ہاں وہ ہے، جس پر عمل والا دوامت کرے۔“

③ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يُؤْخَذَ بِرِخَصَتِهِ۔ ③

”اللہ کو پسند ہے کہ اس کی رخصت پر عمل کیا جائے۔“

④ أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ الصَّلَاةُ عَلَى أَوَّلِ وَفَيْهَا۔ ④

”سب اعمال سے زیادہ پسند اللہ تعالیٰ کو وہ نماز ہے جو اول وقت پر پڑھی جائے۔“

احادیث بالا میں تو اللہ تعالیٰ کی اس محبت کا ذکر تھا جو اسے اپنے بندوں کے اعمال سے ہے۔ اب بندوں کی محبت کا ذکر نکالتے ہیں:

کے ساتھ ہونا آیت ذیل میں بصراحت ہے:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ

تَخُشُونَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى

يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ﴾ [البقرہ: 24]

”کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے ماں باپ، بیٹے بیٹیاں، بہن بھائی، بیویاں اور خویش قبیلہ اور مال جسے تم سمیٹتے ہو اور تجارت

① بخاری: 2518، مسلم: 84، 83، ترمذی: 1658، ابن حبان: 153، 152، مسند احمد: 268، 150/5، بخاری: 5861، 730، مسلم: 1827،

ابوداؤد: 1338، نسائی: 761، ابن ماجہ: 942، مشکوٰۃ: 315، مصنف عبد الرزاق: 20569، کنز العمال: 5341، مجمع الزوائد: 163/3، الکامل فی الصلوات لابن

عدی: 621/2، ارواء الغلیل: 12/3، احمد: 108/2، ابن حبان: 914، 545، ابن خزیمہ: 2027، بخاری: 2782، مسلم: 85/140، ابن حبان: 1475، 1479

جس کے گھٹنے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں، تب انتظار مہلت کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم جاری فرمائے۔“

اس آیت میں انسان کی اس محبت کا جو اسے مادرو پدر، دختر و پسر، برادر و خواہر، خویش و قبیلہ، تجارت و منفعت، قصر و باغ اور مال و زر سے ہوتی ہے، اثبات فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان سب اشیاء کی محبت کا انسان کو ہونا ایک فطری امر ہے۔

اس کے بعد محبت کا مسئلہ شروع فرمایا کہ اگر مذکورہ بالا محبت مغلوب ہے اور اللہ و رسول ﷺ کی محبت ان جملہ انواع محبت پر غالب تر ہے تب تو سب کچھ ٹھیک، لیکن اگر خدا نخواستہ اللہ و رسول ﷺ کی محبت سے ان اشیاء کی یا ان اشخاص کی محبت بڑھ گئی تب معاملہ سخت مشکل ہے اور اس بارہ میں جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی حکم جاری فرمائے گا۔

حکم بالا میں قرآن کریم نے تمدن و تہذیب کا راز منکشف کر دیا اور تو حش و ترہب کو چھوڑ کر افراط و تفریط کے وسط میں شاہراہ عدل قائم فرمادی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی حقیقت اگر معلوم کرنی ہو تو اس کے لیے ایک ہی لفظ بیان کر دینا کافی ہے، وہ عبودیت ہے۔ یہی محبت یا عبودیت جملہ محاسن اعمال کی سرچشمہ ہے۔

محبت ہی سے انابت الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے اور محبت ہی خوف ورجا کا معدن ہے۔

محبت ہی ہے جو انسان کو کبھی مقام رضا پر اور کبھی مقام شکر پر متمکن کر دیتی ہے۔

صبر بھی وہی صبر ہے جس کی بنا محبت پر ہو ورنہ اس کا نام بے چارگی ہوگا۔

زہد بھی وہی زہد ہے جس کا منشا محبت ہو ورنہ اس کا نام عدم دسترس ہوگا۔

حیا بھی وہی حیا ہے جس کی ولادت محبت ہو، جو ادب و تنظیم کی ہوا میں پٹی ہو ورنہ اس کا نام انفعال طبع ہوگا۔

فقر بھی وہی فقر ہے جو محبت کو بجانب محبوب ہوا و ردل اپنی تمام تر قوت کے ساتھ محبوب کے جو دونوں کی جانب مٹھدب ہو جائے ورنہ اس کا نام تنگ دستی ہوگا۔

الغرض محبت ہی قُوْتُ الْقُلُوبِ ہے۔

اور محبت ہی غَدَا الْأَرْوَاحِ ہے۔

محبت ہی قُرَّةُ الْعُيُونِ ہے۔

محبت ہی حیات الابدان ہے۔

محبت ہی دل کی زندگی ہے۔

محبت ہی زندگی کی کامیابی ہے۔

محبت ہی کامیابی کو دوام و بقا کا تاج پہناتی ہے۔

محبت ہی بقا کو تخت ارتقاء پر بٹھلاتی ہے۔

اب ہم مدارج محبت کا ذکر کرتے ہیں۔

- ① محبت کی ابتدا، علاقہ سے ہوتی ہے، یعنی دل کا تعلق جو کسی جانب پیدا ہو جائے۔
 - ② اس تعلق کو ارادہ قوی بناتا ہے۔
 - ③ اب کشش پیدا ہوتی ہے اور جس طرح پانی نشیب میں خود بخود جاتا ہے اسی طرح محبت کو محبوب کی طرف وہ کشش لیے جاتی ہے۔
 - ④ اب سوزش پیدا ہوتی ہے اور دل میں ہر وقت جلن رہنے لگتی ہے۔
 - ⑤ اب پیار نمودار ہوتا ہے اور صفت و داد سے دل آشنا ہو جاتا ہے۔
 - ⑥ اس پر ترقی و افزونی ہوتی تو شغف کا تسلط ہو جاتا ہے اور محبت کا اثر قعر قلب (دل کا گہرا) تک پہنچ جاتا ہے۔ مصائب کے برداشت اور موافعات کی بجلی نظر آنے لگتی ہے۔ تدابیر قرب اور موافعات و صل کی درستی میں شب و روز گزرنے لگتے ہیں۔
 - ⑦ محبوب کے سوا باقی دیگر تفکرات منقطع ہو جاتے ہیں۔ محبوب ہی کا تصور جسم پر اور محبوب ہی کی محبت دل پر حکمران بن جاتی ہے۔
 - ⑧ اس سے اگلی حالت کا نام عشق ہے یہ لفظ اسم عشق سے بنایا گیا ہے۔ یہ ایک تیل زرد پھولوں والی ہوتی ہے جس درخت پر چڑھ جاتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے۔ اور یہی حال اس مرض کے مریض کا بھی ہوتا ہے۔
 - ⑨ اس سے آگے درجہ یتیم کا ہے۔ ”یتیم“ کے معنی ”غلامی“ ہیں۔ اس وقت انسان خود اپنے ہی خیالات کا غلام بن جاتا ہے اور ان سے رہائی پانا اس کے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔
 - ⑩ اعلیٰ ترین درجہ کا نام عبودیت ہے۔ جب کہ محبت ہر ایک دعویٰ سے دست بردار ہو جاتا ہے جب کہ دنیا میں کوئی شے اس کی نہیں رہ جاتی ہے، جب کہ اس کا جسم، اس کا دل، اس کی روح، اس کی تمنا اس کی مراد خود اپنے لیے نہیں رہ جاتی اور وہ ان سب کو خوشی خوشی چھوڑ کر معبود کے معبود ہونے پر بس کر جاتا ہے اور اس امر پر قانع بلکہ شاکر ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبود کا عبد کہلایا کرے۔
 - ⑪ اس سے بھی بالاتر درجہ خلعت کا ہے۔ اب تو جسم کا ایک ایک بال اور نبض کی ایک ایک حرکت اور سینہ کا ایک ایک سانس متفق المراد بن جاتے ہیں۔ جذبات اور تمنیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دل و دماغ، طبع و روح میں پوری طاقت اور کامل وحدت کے ساتھ ایک ہی محبوب کا خالص رضوان مقصود و مطلوب بن جاتا ہے وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ محبت کا مقصود نہیں بلکہ محبوب کا مقصود محبت کا مطلوب نہیں بلکہ محبوب کا مطلوب۔
- عام طور پر فہم انسانی اس کیفیت کے تعلق سے نارسا ہے اور اس درجہ کی تکمیل صرف سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اور سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ الفاظ درود پاک میں یہی دو نام ایک دوسرے کے مشبہ و مشبہ بہ کی طرح واقع ہوئے ہیں۔ ایک کو تقدیم کی اولیت حاصل ہے اور دوسرے کو اتمام کی افضلیت۔
- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ
مُجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ
حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ۔
- یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختتام سے پیشتر ان اسباب کا ذکر کر دیا جائے جو جالب محبت اور جاذب محبت ہیں تاکہ کوئی سعادت مند ان سے تمتع حاصل کر سکے۔

- اسباب بقا و ارتقاء محبت الہیہ میں درج ذیل ہیں۔
- ① قراءت فرقان حمید: قراءت کے تحت میں تا دیر معانی اور فہم مراد ربانی (ہر دو) شامل ہیں۔
 - ② نماز فرائض کے علاوہ نوافل کی موافقت و کثرت۔
 - ③ دوام ذکر۔ اس لفظ کے اندر ذکر لسانی و قلبی دونوں شامل ہیں۔ ذکر بالحال اور ذکر بالمعمل بھی اسی مفہوم کے اندر ہیں۔
 - ④ اسماء و صفات الہی کا مطالعہ و مشاہدہ بذریعہ قلب۔
 - ⑤ اللہ عزوجل کی نعمت ہائے ظاہری و باطنی اور احسانات مادی و روحانی کا تذکار۔
 - ⑥ مقامات عبادت میں کمال ادب اور حضور تام کے ساتھ وقوف قلبی۔
 - ⑦ ذوق حضور میں قلب کا انکسار کلی۔
 - ⑧ اپنی خواہشات کا احکام ربانی پر ایثار۔
 - ⑨ محبین صادقین کی مجالست۔
 - ⑩ ان اسباب سے منافرت جو اللہ تبارک و تعالیٰ اور بندہ ناچیز کے درمیان دوری کا موجب ہیں۔

ان امور کی موافقت سے امید ہے کہ وہ سرچشمہ محبت جو انسان کی سر زمین قلب و دیت ہے اور جسے خس و خاشاک علاقے نے بند کر رکھا ہے۔ پھر فوارہ سا جوش زن ہو اور پوری رفتار سے چلتا ہوا کشت زار تمنا کی سیرابی کا ذریعہ بنے۔

اللَّهُمَّ ارْزُقْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُقَوِّبُنِي إِلَيْهِ حُبَّكَ۔ ① ”اے اللہ اپنی محبت عطا فرما اور ایسے محبوب اعمال جو مجھے تیری محبت تک پہنچادیں۔“

قاری کتاب کو حضور ﷺ کے الفاظ الْمَحَبَّةُ أَسَاسِيٌّ پراپیک بارتدبر کر لینا چاہیے کہ جس ایوان عظمت نشان کی بنیاد محبت ہو وہ عمارت کیا ہوگی اور اس مکان کا کلین کس شان کا ہوگا۔

یہی سبق ہے جو سیرت محمدیہ ﷺ کے پڑھنے والے کو یاد رکھنا چاہیے۔

④ وَالشُّوقُ مَرَكَبِي

شوق میری سواری ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید میں لفظ ”شوق“ وارد نہیں ہوا اور بجائے اس کے لفظ ”لقاء“ کا استعمال ہوا ہے۔

اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ علمائے فن کے نزدیک فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ حصول و دیدار کے بعد بھی شوق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ بعض کی رائے یہ ہے کہ ”شوق“ تو اس سفر کا نام ہے جو محبت کو بجانب محبوب لے جاتا ہے لہذا جب منزل مقصود پر پہنچ گئے تو سفر کا خود بخود خاتمہ ہو گیا۔

مگر حدیث پاک میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ حدیث زیر شرح میں بھی اور ایک دوسری صحیح حدیث میں بھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

أَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلَيَّ وَجِهَتِكَ وَالشُّوقَ إِلَيَّ لِقَائِكَ ②

”تیرے چہرہ پر نگاہ ڈالنے کی لذت اور تیرے لقاء کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔“

① ترمذی: 3491، کنز العمال: 3672، میزان الاحتمال: 3334، بوہیم: 226/1، نسائی: 1306، احمد: 264/4، السنن: 185/1

حدیث زیر شرح میں شوق کو مرکب بنایا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ شوق آثار محبت میں سے ایک اثر کا نام ہے اور اس کا درجہ اصل محبت سے کم تر ہے۔ کیوں کہ شوق محبت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

ہاں شوق! وہ چنگاری ہے جو دل کو گرمائے رکھتی ہے، وہ لپٹ ہے جو شمع قلب سے اٹھتی ہے۔ شوق ہی اعضاء و جوارح کو منقاد اعمال بناتا ہے اور شوق ہی اعمال میں مداومت پیدا کرتا ہے۔ شوق ہی ہے جو آ لائے اخروی کو نعم و نسیوی سے بھی قریب تر دکھاتا ہے اور شوق ہی ہے جو ہر ایک شکستہ پر کومائل پرواز کرتا ہے۔ شوق ہی ہے جو عاروں کی گہرائی کو ناپتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں کو لکھد کوب بناتا ہے۔ یہ شوق ہی ہے جو محبت صادق کی راہ میں مشعل افروزی کرتا ہے اور یہ شوق ہی ہے جو کسی درمیانی منزل پر محبت آبلہ پا کو آرام نہیں لینے دیتا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مقدار شوق مقدار محبت پر مبنی ہے۔ یہ محال ہے کہ فروانی محبت میں شوق قاصر پایا جائے یا کمی محبت کی صورت میں شوق کثیر الوجدان ہو۔

سچ ہے کہ سالک کے لیے شوق سے بڑھ کر کوئی اور سواری نہیں۔ یہ وہی مرکب ہے جو گھائیوں کو پھاندتا ہے اور امتحان کے خطرناک پل سے صاف گزرتا ہوا جنت الملقاء تک پہنچا دیتا ہے۔

فَطُوبَىٰ لِلْمُشْتَاقِينَ وَ طُوبَىٰ لِلْمُحِبِّينَ -

﴿ 5 ﴾ ذِكْرُ اللَّهِ أَيْسَرُ

اللہ کا ذکر میرا موٹس ہے۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ﴿ 5 ﴾

ذکر ہی اہل ایمان کا زاد راہ ہے جسے لے کر وہ سفر کیا کرتے ہیں۔

ذکر ہی وہ منشور (پاسپورٹ) ہے جسے دکھا کر وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ذکر ہی دلوں کی زندگی ہے جس کے بغیر اجساد بمنزلہ گورہ جاتے ہیں۔

ذکر ہی وہ ہتھیار ہے جس سے رہزنوں اور دشمنوں کو ہٹایا جاتا ہے۔

ذکر ہی وہ پانی ہے جس سے دل کی آگ بجھائی جاتی ہے۔

ذکر ہی وہ دوا ہے جس سے باطن کا روگ دور کیا جاتا ہے۔

فَإِذَا مَرَضْنَا نَدَاؤُنَا بِذِكْرِكَ كُمْ

فَتَنُرُّكَ الذِّكْرَ أَحْيَانًا فَتُنَبِّكُنَا

جب ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو تیرے ذکر کو اپنی دوا بنا لیتے ہیں، جب کبھی ذکر چھوٹ جائے تو ہم منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔

قرآن مجید میں ذکر کو دس طریقے سے بیان فرمایا گیا ہے۔

① ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔

① حکم مطلق بھی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴾ [الاحزاب: 41]

”اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کیا کرو بہت ذکر کرنا۔“

② حکم مقید بھی:

﴿ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً ﴾ [الاعراف: 205]

”اپنے رب کو یاد کرو اپنے دل میں عاجزی اور خوف سے۔“

﴿ وَسَبِّحْهُ بَكْرَةً وَأَصِيلًا ﴾ [الاحزاب: 42]

”اللہ کی تسبیح کیا کرو صبح و شام۔“

③ غفلت و نسیان ذکر سے نہیں فرمائی گئی۔

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ﴾ [الحشر: 19]

”مت بنو تم ویسے جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے ان کو نسیان میں چھوڑا۔“

③ فلاح و نجات کو کثرت ذکر پر معلق فرمایا ہے۔

﴿ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [الانفال: 45]

”اللہ کا ذکر بہت بہت کیا کرو کہ تم فلاح پاؤ۔“

④ اہل ذکر کی مدح و ثنا فرمائی ہے:

﴿ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴾ [الاحزاب: 35]

”مرد اور عورتیں اللہ کا بہت بہت ذکر کرنے والے ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم رکھا ہے۔“

⑤ غافلین ذکر کے خسران کا اعلان فرمایا گیا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ جَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ

الْخٰسِرُونَ ﴾ [النفاقون: 9]

”اے ایمان والو! تمہارا زر و مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ جس نے ایسا کیا وہ نقصان

انہانے والا ہے۔“

⑥ ذکر کو جملہ اعمال سے افضل و اعلیٰ بتلایا ہے:

﴿ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ﴾ [المکذوب: 45]

”نماز تو بدکاریوں اور برے کاموں سے بنا دیتی ہے اور اللہ کا ذکر تو بہت بڑھ کر ہے۔“

﴿قرآن مجید پر تدریس سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ اعمال صالحہ کا اختتام بیان ذکر پر ہوتا ہے۔﴾

① حکم نماز پر غور کرو۔

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ﴾ [النساء: 103]

”جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو کھڑے، بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے۔“

② اختتام حکم نماز جمعہ کو پڑھو۔

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [البقرہ: 10]

”جب نماز ہو چکے، تب اپنی اپنی جگہ پھیل جاؤ اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور اللہ کا بہت بہت ذکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“

③ اختتام حکم صیام پر تدریس کرو۔

﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ﴾ [البقرہ: 185]

”تا کہ تم اللہ کی بزرگی کرو، اس لیے کہ اس نے تم کو ہدایت کی ہے۔“

④ اختتام حج کو دیکھو:

﴿فَإِذَا قُضِيَتُمْ مَنَاسِكُكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ﴾ [البقرہ: 200]

”جب تم مناسک پورے کر چکو تب اللہ کا ذکر کرو۔“

⑤ اختتام حیات بھی اگر ذکر پر ہو تو اس کے لیے حدیث پاک میں داخلہ جنت کا وعدہ ہے۔ اَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ۔ ①

⑥ ذاکرین کو ہی صاحبان عقل و ہوش فرمایا گیا ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَخْبَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَذْكُرُونَ

اللَّهُ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾ [آل عمران: 190-191]

”آسمان اور زمین کی پیدائش میں اور شب و روز کے الٹ پلٹ کر آنے میں بے شک نشانیاں ہیں عقل و مغز والوں کے

لیے جو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں پر یاد کیا کرتے ہیں۔“

⑦ ذکرا الہی جملہ اعمال کے ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر ہی روح الاموال ہے۔ نماز کے متعلق ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ [طہ: 14] ”نماز قائم کر میرے ذکر کے لیے۔“

حدیث شریف میں چند اعمال کا ذکر کر کے ان کا ذکر الہی کے لیے ہونا ظاہر فرمایا گیا ہے۔

إِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَاءِ وَالْمَرْوَةِ وَرَمَى الْجِمَارِ لِأَقَامَةِ ذِكْرِ اللَّهِ۔ ②

”خانہ کعبہ کا طواف، صفا و مردہ کے درمیان سعی اور کنکریوں کا چلانا ذکر الہی کی اقامت کے لیے مقرر ہوا ہے۔“

صحیح مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما میں اہل ذکر کو مفردوں فرمایا گیا ہے۔ یعنی اہل تفرید و توحید۔ ③

ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مسند امام احمد میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ أَعْمَلِكُمْ وَأَرْكَهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَرْفَعَهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ انْفِاقِ
الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ تَلْقُوا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُونَ أَعْنَاقَكُمْ قَالُوا وَمَا ذَلِكَ يَا رَسُولَ
اللَّهِ قَالَ ذِكْرُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔^[1]

”کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تمہارے اعمال میں بہتر کیا ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے ستمرا کیا ہے اور تمہارے درجات میں سب سے بلند تر کیا ہے اور جو زور و ستم کے خراج سے بھی بہتر ہے جو اس سے بھی بہتر ہے کہ دشمنوں کو ملو اور ان کی گردنیں کاٹو یا وہ تمہاری گردنیں کاٹیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کا ذکر۔“

صحیح مسلم میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا يَفْعَلُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَذَكَرَهُمُ
اللَّهُ فِي مَنْ عِنْدَهُ۔^[2]

”جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کو بیٹھتے ہیں۔ فرشتے ان کے گرد آگرو آجاتے ہیں رحمت ان پر چھا جاتی ہے، سکینہ ان پر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے۔“

صحیح مسلم میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں تشریف لائے اور پوچھا کہ کیوں بیٹھے ہو؟ عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے ہیں۔ اس امر پر کہ ہمیں اسلام کی راہ دکھلائی اور ہم پر احسان فرمایا۔ فرمایا: کیا قسمیہ کہتے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہاں قسمیہ عرض کرتے ہیں: فرمایا:

أَمَا إِنِّي لَمِ اسْتَحْلِفُكُمْ تَهْمَةً لَكُمْ وَلَكِنْ أَنَا بِنِي جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخْبِرُنِي إِنَّ اللَّهَ يَسَاهِي بِكُمْ
الْمَلَائِكَةَ۔^[3]

سنو میں نے تم سے حلف نہیں لیا ہے سب جھوٹ تہمت کے، لیکن میرے پاس تو جبریل علیہ السلام ابھی آئے تھے انہوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ملائکہ پر فخر کرتا ہے۔

ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا:

أَنْ تَقَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِمَّنْ ذَكَرَ اللَّهَ۔^[4]

”جب تو دنیا چھوڑے تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر و تازہ ہو۔“

ایک اور شخص نے عرض کی کہ مجھے احکام اسلام تو بہت زیادہ معلوم ہوتے ہیں مجھے صرف ایک چیز بتلا دیجیے۔ فرمایا:

لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِمَّنْ ذَكَرَ اللَّهَ۔^[5] ”تیری زبان برابر ذکرائی میں جاری رہتی چاہیے۔“

[1] ترمذی: 3377، ابن ماجہ: 3790، اعلیٰ: 111/6، مسند امام احمد: 195/5، مسلم: 2700، ابوداؤد: 1435، ترمذی: 2945، ابن ماجہ: 3791، ابن حبان: 855،

تذقی فی الاسماء: 337/1، امام احمد: 447/2، 92/3، مسلم: 2701، ترمذی: 3379، مسند امام احمد: 92/4، ابن حبان: 813، ابن حبان: 818

[2] ترمذی: 3375، ابن ماجہ: 3793، مسند امام احمد: 190/4، ابن حبان: 814

مسند وغیرہ میں چاہرین سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ ارْتَعُوا فِي رِيَاضِ الْجَنَّةِ "اے لوگو! چمن ہائے بہشت کی سیر کرو۔"
لوگوں نے عرض کیا کہ چمن ہائے بہشت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا:
مَجَالِسُ الذِّكْرِ ذِكْرُكَ مَجَالِسٍ۔

أَعْدُوا وَرَوْحُوا وَادْكُرُوا مَنْ كَانَ يُحِبُّ أَنْ يَعْلَمَ مَنْزِلَةَ عِنْدَ اللَّهِ فَلْيَنْتَظِرْ كَيْفَ مَنْزِلَةَ اللَّهِ عِنْدَهُ، فَإِنَّ
اللَّهَ يَنْزِلُ الْعَيْدَ مِنْهُ حَيْثُ أَنْزَلَهُ مِنْ نَفْسِهِ۔^①

”صبح و شام ذکر الہی برابر کیا کرو، تم میں سے جو کوئی یہ چاہتا ہے کہ اپنا درجہ اللہ کے ہاں دریافت کرے اسے لازم ہے کہ
اس امر پر غور کرے کہ اللہ کا درجہ خود اس کے دل میں کیا ہے؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو ویسا ہی درجہ عطا فرماتا ہے جو اس
کے نزدیک اللہ کا درجہ ہوتا ہے۔“

صحیح ترمذی و مسند وغیرہ میں ہے نبی ﷺ نے اپنے پدر بزرگوار ابراہیم علیہ السلام سے روایت کیا ہے:
اقْرَأْ أُمَّتَكَ مِثْقَالَ مِثْقَالِ السَّلَامِ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ التُّرْبَةَ الْجَنَّةِ طَيِّبَةُ التَّوْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ وَأَنَّهَا فَيْعَانٌ وَأَنَّ عَوَاسِيَهَا
سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ۔^②

اپنی امت سے میرا سلام کہہ دیجیے اور بتا دیجیے کہ جنت پاکیزہ زمین، بیٹھے پانی والی ہے، وہ سفید جگہ ہے اور وہاں کے گل
بولے سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ ہیں۔

صحیحین میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

مَنْ لَمْ يَذْكُرْ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔^③

”جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ جیسی ہے اور جو شخص اللہ کا ذکر نہیں کرتا، اس کی مثال مردہ جیسی ہے۔“

روایت صحیح ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

مَنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَمَنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأَةٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأَةٍ خَيْرٌ مِنْهُمْ۔^④

”جو کوئی شخص میرا ذکر چپکے چپکے کرتا ہے، میں بھی اس کا ذکر اپنی ذات سے کرتا ہوں جو کوئی میرا ذکر کسی گروہ کے اندر کرتا
ہے میں بھی اس کا ذکر ایسے گروہ سے کرتا ہوں جو ان کے گروہ سے بہتر ہے۔“

یاد رکھو کہ ذکر کے تین طریقے ہیں:

① صرف زبان ذکر کر رہی ہو، یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

② صرف دل ذکر کر رہا ہو، یہ متوسط درجہ ہے۔

③ دل اور زبان دونوں ذکر کر رہے ہوں، یہ درجہ اعلیٰ ہے۔

① صحیح الباری: 294/11، ترمذی: 3462، ابن حبان: 821، مسند احمد: 418/5

② بخاری: 6407، مسلم: 779، ابن حبان: 854

③ بخاری: 7405، مسلم: 2675، ترمذی: 3603، ابن ماجہ: 3822، ابن حبان: 810، 811، 812

یہ بھی یاد رکھو، اقسام ذکر بھی تین (3) ہیں:

① اسماء و صفات اور ان کے معانی کا ذکر، ثنائے ربانی اور توحید الہی۔

② امر و نہی..... حلال و حرام کا ذکر

③ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام، احسان اور عطیات کا بیان۔

یاد رکھو کہ مراتب ذکر بھی تین (3) ہیں:

① وہ ذکر جو غفلت و نسیان کو اڑا دیتا ہے۔

② وہ ذکر جو قیود سے چھڑا کر بقائے شہود تک پہنچا دیتا ہے۔

③ وہ ذکر جو انسان کو اپنی یاد سے فراموش کر کے ذکر حقانی ہی کے ساتھ وابستہ و زندہ کر دیتا ہے۔

مبارک ہے وہ انسان، جس نے ذکر ربانی کو اپنا فریضہ بنا لیا ہے۔

مبارک ہے وہ صاحب ایمان، جس نے فنائے عالم کا سبق بقائے رب العالم سے سیکھ لیا ہے۔

﴿الثَّقَّةُ كُنْزِي﴾

اعتماد الہی میرا خزانہ ہے۔

اصل اس بارہ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِذَا خِطَبْتَهُ عَلَيْهِ فَلْيَقْبِهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي﴾ [القصص: 7]

”جب تجھے موسیٰ کی جان کا ڈر ہو، تب اسے دریا میں ڈال دینا اور ایسا کرتی ہوئی نہ خوف کھانا نہ غم کھانا۔“

یہ ظاہر ہے کہ اس خاتون بلند پایہ کو اگر اللہ عز و جل کے فرمودہ پر اعتماد قوی نہ ہوتا تو وہ کبھی اپنے ہاتھوں سے اپنے بچہ کو دریا میں نہ

ڈال دیتی۔

لہذا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اعتماد ہی چشمِ توکل کی پتلی ہے۔

اور اعتماد ہی دائرہ تقویٰ کا مرکز ہے۔

اور اعتماد ہی قلبِ سلیم کا سید ہے۔

یہ اعتماد بوقتِ یاس بھی ہوتا ہے اور انسان مصائب کی حالت میں اپنے رب پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے خلاف نہ زبان پر کوئی

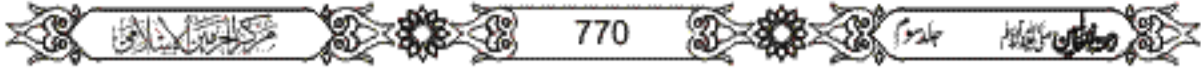
حرف لاتا ہے اور نہ دل میں کوئی دوس۔

یہ اعتماد بوقتِ امید بھی ہوتا ہے اور انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی سابقہ بوعبت اور اپنے عدم استحقاق کی حقیقت بخوبی منکشف ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ ایسا اعتماد نام نظام عالم پر چشمِ بصیرت کے کھولنے سے حاصل ہوتا ہے جب کہ انسان کو نظر آ جاتا ہے کہ جمادات کا

ذرہ ذرہ، نباتات کا پتہ پتہ، ارضیات و سماویات کا ریزہ ریزہ ہر ایک عرض کا جو ہر اور ہر ایک جوہر کا وجود اسی کے انعام سے فیض یاب اور

اسی کے احسان کی دولت سے مالا مال ہے۔



۷۷ وَالْحُزْنَ رَفِيقِي

اندوہ دل میرا رفیق ہے۔

خوف و خشیت بھی ایسے دو لفظ ہیں جو اردو میں حزن کے مترادف سمجھے جاتے ہیں، لیکن زبان عرب میں ہر ایک لفظ کا مفہوم الگ الگ ہے۔

خوف کا اطلاق زیادہ تر حسی اشیاء پر ہوتا ہے۔

خشیت کا اطلاق غیر حسی اشیاء پر بکثرت ہوتا ہے۔

حزن اس اندوہ قلب کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کی بہتری و بہبودی کے متعلق دل ہی دل میں جوش زن ہوتا ہے۔ گلوب خاموش ہوتے ہیں، کتاب اللہ میں لفظ حزن کا استعمال انبیاء و اصفیاء کے لیے بکثرت ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بابت فرمایا:

﴿وَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ﴾ [یس: 76]

”ان کی باتوں سے اے نبی آپ کو حزن نہ ہونا چاہیے۔“

چونکہ نبی ﷺ کی شفقت و رافت نوع انسانی کے ساتھ بہت بڑھی ہوئی تھی اور حضور ﷺ ان نافرمانوں کے عواقب امور کا خیال کرتے ہوئے اکثر اندوہ گیس رہتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے حزن نہ کرنے کا حضور ﷺ کو ارشاد فرمایا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس حدیث نبوی کی بھی روایت کی ہے جو نبی کریم صلی ﷺ نے عارثور میں رفیق صادق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمائی تھی۔ یعنی لَا تَحْزَنْ۔

صدیق رضی اللہ عنہ کا فدائی دل نبی ﷺ کے رنج و آزار کو دیکھ کر پاش پاش ہو رہا تھا تب نبی ﷺ نے ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ فرما کر باب حزن سے قصر انس تک پہنچایا۔

اس ارشاد میں نقطہ لطیف یہ تھا کہ اس معیت ربانی کا درجہ جس میں نبی ﷺ و صدیق رضی اللہ عنہ داخل و شامل تھے اس حزن سے برتر و اعلیٰ ثابت کیا جائے جسے عشق نے سلامتی یار کے متعلق بھیا تک بنا دیا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اسم اعظم ”اللہ“ کے ظلال میں جو معیت شامل ہے وہ جملہ اسماء حسنیٰ کے ظلال سے بدرجہ علیا ہے اور کمالات عارف کی تکمیل اسی اسم ذات ”اللہ“ کی سیر میں ہوتی ہے اور جب معیت الہی کا ظہور اِنَّا اللَّهُ مَعَنَا کے نور میں ہوتا ہے تو جملہ اسماء کی عظمت و رفعت بھی اسی کے تحت میں داخل ہوتی ہے اور کائنات کے جملہ اسباب و علل ساقط و منقصل ہو جاتے ہیں۔

مادر موسیٰ علیہ السلام کو جو وحی ربانی ہوئی، وہ یہ تھی۔

﴿لَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي اِنَّا رَاٰذُوهُ اِلَيْكَ وَ جَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [قصص: 7]

”تو نہ خوف کیجیے اور نہ حزن کیجیے۔ ہم اسے تیرے پاس واپس کریں گے۔ ہم اسے مرسلین سے بنا دیں گے۔“

ذرا غور کرو کہ خوف حسی کے مقابلہ میں بھی ایک بشارت موجود ہے اور حزن غیر حسی کے ساتھ بھی ایک بشارت شامل ہے۔

خوف کے مقابلہ میں یہ کہ بچہ جسے تو دریا میں ڈال دے گی، اللہ تعالیٰ اسے تیرے ہی پاس واپس کر دے گا۔
 حزن غیر حسی کے مقابلہ میں یہ کہ اسے نبوت کی وہ نعمت ملے گی، جس کا ادراک حواس نہیں کر سکتے۔
 ان آیات پر تدبر اور تتبع کے بعد حدیث زیر عنوان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ وہ حزن جو ہر وقت پیرا ہن دل پاک رکھتا تھا،
 وہ یا تو امتِ آسمانی کی بخشش کا تھا یا امتِ عاصیہ کی ہدایت کا۔

دل قدسی منزل میں خلقِ خدا کی محبت بھری تھی اور عامۃ الناس کی ہمدردی و غم گساری حضور ﷺ کے رگ و پے میں ساری
 تھی۔ ایک ایک جان کی نجات کا خیال حضور ﷺ کو اسی طرح رہتا جیسے گڈریا کو اپنی ایک ایک بکری کا۔ اس کی سو (100) بکریوں
 میں سے اگر ایک بھی علیحدہ ہو جاتی اور جھاڑیوں میں رہ جاتی ہے تو گڈریا سمجھتا ہے کہ اگر اسے ساتھ نہ لیا گیا تو وہ بھیڑیے کا شکار ہونے
 والی ہے۔ وہ اس ایک کے پیچھے جاتا ہے اور اسے ہلاکت کے منہ سے نکال لاتا ہے۔

نبی ﷺ کا یہ حزن بھی قلب پاک سے الگ نہ ہوا۔ بسا اوقات تہجد کا سارا سارا وقت امت کے لیے دعا کرنے میں وقف
 فرما دیتے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ صرف اسی ایک آیت کے دہرانے میں پوری فرما دی۔ ﴿

﴿إِنْ تَعَذَّبْتُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [المائدہ: 118]

”اگر تو ان کو عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے گا تب تو غالب حکمت والا ہے۔“

﴿ وَالْعِلْمُ سَلَاحٌ ﴾

میرا ہتھیار علم ہے۔

واضح ہو کہ متصوفین متاخرین نے علم کا درجہ حال سے کم قرار دیا ہے، حالانکہ معاملہ بالعکس ہے۔

علم حاکم ہے، حال محکوم ہے۔

علم ہادی ہے، حال تابع ہے۔

علم امام ہے، حال ماموم ہے۔

دائرہ علم دنیا و آخرت پر وسیع ہے۔ دائرہ حال صرف صاحب حال تک ہے۔

حال ایک تیغ براں ہے، اگر علم کی حفاظت نہیں تو یہ تلووار اسی کی کاٹ کرتی ہے جس کے ہاتھ میں ہو۔

حال ایک آگ ہے، جس پر کسی کی نگرانی نہ ہو۔

حال ایک منہ زور گھوڑا ہے، اگر اس کے منہ میں علم کا لگام نہیں تو وہ اپنے سوار کا اور پھر خود اپنی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔

لیکن علم ہی ہے جو حیاتِ القلوب ہے، نور البصائر ہے، شفاء الصدور ہے، ریاض العقول ہے۔ علم ہی لذت الارواح ہے اور علم

ہی مولس متوحشین ہے۔

علم ہی وہ میزان ہے جس میں اقوال و احوال و اعمال و وزن کیے جاتے ہیں۔
 علم ہی وہ حاکم ہے جو شک و یقین اور ضلالت و ارشاد میں فیصلہ دیتا ہے۔
 علم ہی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ملتی ہے۔
 اور علم ہی سے رب العالمین کی تمجید و تمجید و توحید نصیب ہوتی ہے۔
 علم ہی حلال و حرام میں فرق بتلاتا ہے۔
 علم ہی موارث و ارحام کے مدارج ظاہر کرتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم کی ضرورت اکل و شرب سے بھی قوی تر ہے۔ آپ و خورش کی ضرورت تو شبانہ روز میں دوبار پڑتی ہے مگر علم کی ضرورت ہر ایک سانس پر۔^[1]

علم ہی ہے جس کی تلاش میں کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام نے سفر طویل اختیار کیا تھا اور اس سفر میں تین مسائل کو سفر قرار دیا تھا۔
 علم ہی ہے جس کی طلب و درخواست کرنے کا حکم اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔
 ﴿قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ [طہ: 114] ”پڑھا کر، اے اللہ! مجھے علم میں بڑھایا کر۔“

ذرا یہ تو خیال کرو کہ وہ کتنا یا باز جسے شکار پر سدھایا گیا اور شکار پر لگا یا گیا ہو، جسے عرب میں معلم کہتے ہیں، وہ تھوڑا سا علم سیکھنے سے کس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اس کا پکڑا ہوا شکار حلال ہوتا ہے اور اس جنس کے دوسرے حیوان غیر معلم کا پکڑا ہوا شکار حرام۔
 یہ معلم چارہ انسانی کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے، جب کہ اسکے اہل بنائے جس جنس اہل بن رہتے ہیں۔ یہ درجہ اس کو کیوں ملا؟
 اس کا سبب صرف علم ہے، صرف علم۔

اب یہ بھی یاد رکھو کہ علم وہ ہے، جس کی ابتدائی علامت اقامت دلیل ہے اور جس کی آخری شناخت رفع جہل ہے۔
 اہل علم کے تین مدارج ہیں:

درجہ اول: (یا ابتدائی) وہ علم ہے جو قوت باصرہ کے واسطے حاصل ہوتا ہے۔

وہ جو استفادہ صحیح سے قوت سامعہ کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ جو ایک بڑی تعداد انسانی کے تجربہ متواتر کا نتیجہ ہوتا ہے۔

درجہ دوم: وہ علم ہے جو اجساد و کید و باطن ظاہرہ میں پیدا ہوتا ہے۔

وہ جو اہل ہمت عالیہ کے انہاس صادقہ کو عطا ہوتا ہے ایسی حالت میں جب کہ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہوتی ہے۔

درجہ سوم: وہ علم ہے جسے عام طور پر علم لدنی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ علم عبودیت کا شرہ اور متابعت احکام حقہ کا پھل ہوتا ہے۔ جب کمال الفتیاد کا مادہ راسخ ہو جاتا ہے اور جب مشکوٰۃ نبوت سے اخذ نور کی رغبت ترقی پذیر ہو جاتی ہے تب جواد مطلق کی جانب سے وہ معارف ایمانیہ اور حقائق اصلیہ کھول دیے جاتے ہیں جس تک کسی فلسفی یا منطقی کا تخیل بھی نہیں پہنچ سکا ہوتا۔ ایسا علم خود اپنے لیے دلیل بھی ہے اور دوسرے کے لیے مدلول بھی۔

اس مقام پر ان مخالفین و معترضین کو بھی توجہ دلانا ضروری ہے جو کہا کرتے ہیں کہ ”اسلام بزرگ شمشیر پھیلا یا گیا ہے۔“

غور کرو کہ نبی ﷺ تو علم کو اپنی تلوار بتلا رہے ہیں اور ان فتوحات عظیمہ کو جو حاصل ہوئیں شہادت علم قرار دیتے ہیں۔
درحقیقت نبی اللہ ﷺ کا فخر اینٹ، چونہ پتھری دیواروں، خندقوں پر قابض ہو جانے میں نہیں، سکندر و تیموز ہلاکوں کا ہونا پارٹ نے ایسے تماشے دنیا میں بہت کھیلے، نبی اللہ ﷺ کا امتیاز تو دلوں کے قلعوں اور قلوب کے حصون کو فتح کر لینے میں ہے۔
یہ نظارہ خیبر میں نظر آیا کہ جن دنوں اسلامی لشکر نے ان یہودیوں کے (جو ہمیشہ اہل ایمان کے خلاف ملک بھر میں آتش جنگ و جدال کو بھڑکائے رکھتے تھے) چند قلعے فتح کر لیے تو انہی ایام میں نبی ﷺ کے حضور میں حبش کے نو مسلم سرداران دربار میں حاضر ہوئے اور اسی اثنا میں ملک یمن سے بھی کئی سو مسلمانوں کا قافلہ باریاب سعادت ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ یہودیوں کو کھلی آنکھ سے دکھلایا جائے کہ وہ اللہ کے اس کے رسول کے مقابلہ میں اینٹ پتھری دیواروں کے بھروسہ پر اڑے بیٹھے ہیں، جس کا علم سمندر پار حبش کو فتح کر رہا ہے۔ جس کا علم یمن کے بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں پر اپنا علم صداقت نصب کر رہا ہے۔ یہ وہ ملک ہیں جو کبھی حجاز کے زیر نگیں نہ ہوئے تھے۔

یہ حبش وہی ملک ہے جس کے جنرل اوٹرم (Genral Otrem) نے یمن کو فتح کر کے ساٹھ ہزار (60000) فوج کا لشکر جہاد مکہ مکرمہ کے فتح کرنے اور کعبہ اللہ کے گرانے کے لیے مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر لاڈالا تھا۔
یہ واقعہ (جسے قرآن پاک نے واقعہ اصحاب الفیل کے نام سے بیان فرمایا ہے) نبی ﷺ کی ولادت اقدس سے صرف پچاس (50) دن پہلے کا ہے۔^[1]

ان حملہ آوروں کو کیا معلوم تھا کہ خود ان کا بادشاہ رسول مجازی ﷺ کی کفش برداری کی تمنا کرے گا اور سارا ملک اسی کعبہ کی سمت اللہ تعالیٰ کے سامنے سر عبودیت کو جھکائے گا۔
معشر مسلمین! کسی ملک، کسی قوم کو بڑور شمشیر فتح یا مغلوب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حملہ آور کے پاس شمشیر زن بھی موجود ہوں، جن کی دھاک ایسی بندھی ہوئی ہو کہ لوگ ان کی تلوار سے ڈر ڈر کر اپنا پہلا پیارا مذہب چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا کہ ایسے بہادر ایسے تلوار سے ڈر ڈر کر اپنا پہلا پیارا مذہب چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔
الاسودا لکندی، مقدام بن معدی کرب، خالد بن الولید، زبیر بن العوام اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم جیسے کیوں کر اس شخص کے مطیع و منقاد ہو گئے تھے۔
ان کی تلواروں پر تہتے، غریب و مسکین، بکریاں چرانے والے یتیم نے کیوں کر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے جری ایسے بطل تو خوف شمشیر سے مطیع نہ ہوئے ہوں گے اور انھوں نے تو صرف خوف جان سے اپنے اپنے قدیم پیارے مذہب کو نہ چھوڑ دیا ہوگا۔
جب یہ امر مسلم ہو جائے تو قابل غور یہ رہ جائے گا کہ جب نبی ﷺ کے پاس کوئی ایسی شے، کوئی ایسی قوت، کوئی ایسی کشش موجود ہے جو شیروں کا شکار کرتی اور ہیران نبرد کو خادم بنا سکتی ہے تو پھر ان کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ بھیڑوں اور لومڑیوں کے لیے تلوار کا استعمال کریں۔

غور جتنا گہرا ہوتا جائے گا اسی قدر جلد یہ واضح ہو جائے گا کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان وَالْعِلْمُ سَلَاحٌ ایسی حقیقت کا مظہر ہے، جس کا کوئی بطلان نہیں ہو سکتا۔

جو کامیابی نبی ﷺ کو حاصل ہوئی اس کا ذریعہ وہی علم صحیح تھا جو اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو ارزانی فرمایا تھا۔

وہ علم، جو ظلمات کو دور کر دیتا ہے اور چلنے والوں کو نور میں لے آتا ہے۔
وہ علم جو آنکھوں کو روشن، دل کو پینا بنا دیتا ہے۔
وہ علم ہے هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ کی صفت اسی پر صادق آتی ہے۔

﴿ وَالصَّبْرُ رِذَائِي ﴾

صبر میرا شاندار لباس ہے۔

قرآن مجید میں 90 مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کتاب حمید نے ۱۶ طریقوں سے صبر کی توصیف فرمائی ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ ان طریقوں کا ذکر کریں گے۔

① اللہ تعالیٰ نے صبر کا امر فرمایا:

① ﴿ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ﴾ [المران: 128]

”موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو۔“

② ﴿ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ﴾ [البقرہ: 45] ”صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔“

③ ﴿ اصْبِرُوا وَصَابِرُوا ﴾ [آل عمران: 200] ”صبر رکھو اور آپس میں صبر کی تلقین کرو۔“

④ ﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ﴾ [الزلزلہ: 127] ”صبر کرنا تیرا صبر تو اللہ کے لیے ہے۔“

② عدم صبر سے نئی فرمائی گئی ہے۔

① ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ﴾ [احزاب: 35]

”صبر کیجیے جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی نہ کیجیے۔“

② ﴿ وَلَا تَوَلَّوْهُمْ الْأَذْبَانِ ﴾ [الانفال: 15] ”دشمنوں کو پیٹھ نہ دکھاؤ۔“

③ ﴿ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا ﴾ [آل عمران: 139] ”اپنا دل تھوڑا نہ کرو اور غمگین نہ بنو۔“

③ اہل صبر کی شان فرمائی گئی ہے:

﴿ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴾

[2] البقرة: 77

”جو تکلیف اور تنگی میں اور لڑائی میں صبر کرتے ہیں، وہی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اور یہی لوگ متقی بھی ہیں۔“

④ اہل صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ذکر فرمایا:

﴿ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴾ [آل عمران: 146] ”اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔“

⑤ اہل صبر سے اپنی معیت کا اعلان فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴾ [البقرہ: 153] بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک معیت عامہ ہے جو بذریعہ علم و احاطہ ہوتی ہے اور ایک معیت خاصہ جس کا نتیجہ حفاظت و نصرت و تائید الہی ہوتا ہے۔ آیت بالا میں معیت خاصہ ہی کا ذکر ہے۔

⑥ صبر کو اہل صبر کے لیے بہتر بتلایا:

① ﴿ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهَوَّ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ﴾ [النحل: 126]

”اگر تم صبر کرو تو ایسا کرنا صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔“

② ﴿ وَ أَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ [النساء: 25] ”اور صبر کرنا تمہارے لیے بہتر ہوگا۔“

⑦ اعلان فرمایا کہ اہل صبر کو جزا بطریق احسن عطا ہوتی۔

﴿ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ [النحل: 196]

”ہم صبر کرنے والوں کو ان کے عمل کی جزا بہترین طریق سے دیں گے۔“

⑧ خبر دی کہ اہل صبر کو عطیہ بلا حساب ملے گا:

﴿ إِنَّمَا يُوفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ [الزمر: 10]

”صبر والوں کو ان کا اجر پورا پورا بلا حساب دیا جائے گا۔“

⑨ اہل صبر کو بشارت دی گئی:

﴿ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴾ [البقرہ: 155] ”صبر کرنے والوں کو بشارت پہنچا دیجیے۔“

⑩ اہل صبر کی نصرت و امداد کی ضمانت فرمائی:

﴿ بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فُورِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴾ [آل عمران: 125]

”ہاں! اگر صبر و تقویٰ رکھو اور دشمن تم پر فوراً آجائے تو تمہارا رب تمہاری مدد پانچ ہزار (5000) ملائکہ سے جو نشان

والے ہوں گے فرمائے گا۔“

حدیث شریف میں ہے: وَاعْلَمُوا أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ [1]

⑪ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اہل صبر ہی اہل عزم ہوتے ہیں:

﴿ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمَنْ عَزِمَ ﴾ [الشوریٰ: 43]

جس نے صبر کیا اور معافی دی، تو یہ کام بڑی ہمت کے ہیں۔

⑫ فرمایا کہ اعمال صالحہ اور حظوظ عظیمہ والے اہل صبر ہی ہوتے ہیں۔

① ﴿ وَيَلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَن آمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴾ [التقصم: 80]

”تمہیں خرابی ہو، اللہ کا عظیم ایمان اور نیک عمل والے کے لیے بہتر ہے اور اس کو صرف صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔“

﴿ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۚ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ﴾ [مجمہد: 35]

”اس کو صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں اور اسے وہی پاسکتے ہیں جو بڑی قسمت والے ہیں۔“

﴿ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي تَنْزَلُهَا فِي الصَّبْرِ ﴾ [مجمہد: 35]

﴿ أَنْ أَخْرِجَ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكَرَهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴾ [ابراہیم: 5]

”ہم نے موسیٰ کو کہا اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر نور میں لاؤ اور ان کو تاریخ الہیہ کا سبق دے کیوں کہ اسی میں ہر صابر و شاکر کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔“

﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ إِنَّ يَتَشَاءُ يَسْكِنَ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴾ [الشوریٰ: 32-33]

اللہ کی نشانیوں میں سے وہ جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں اور علم کی طرح بلند ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ہوا رک جائے اور یہ سب جہاز سمندر کے اوپر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک صبر کرنے اور شکر کرنے والے کے لیے۔

بتلایا ہے کہ مطلوب و محبوب تک فائز ہونا مرعوب سے نجات پانا، جنت اعلیٰ کا داخلہ ان ہی لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے صبر کیا

﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ [الرد: ۲۳-۲۴]

”فرشتے ہر طرف ان کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے کہ اپنے صبر کے بدلے آج تم سلامتی میں ہو اور آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے۔“

اہل صبر درجہ امامت پر فائز ہو جاتے ہیں:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اٰیٰةً يَهْتَدُوْنَ بِاٰمِرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ﴾ [اسجد: 24]

”ہم نے انہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے جب کہ انہوں نے صبر کیا۔“

اللہ تعالیٰ نے صبر کا ذکر فرقان حمید میں اسلام و ایمان اور یقین و تقویٰ اور توکل و تشکر کے ساتھ ساتھ فرمایا ہے اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ عزوجل کے پاس صبر کا کیا درجہ ہے۔

یہاں تک سولہ (16) اقسام کا ذکر ختم ہو گیا۔ اب یاد رکھیے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ سر بدن کے لیے ہے۔ بدن پر سرنہ ہو تو زندگی کہاں؟ ایمان کے ساتھ صبر نہیں تو ایمان کہاں؟

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا قول ہے: خَيْرٌ غَيْبٍ اَذْرٌ شَكَاةً بِالصَّبْرِ ”زندگی کی حقیقت ہم پر صبر سے آشکار ہوئی۔“

صحیح حدیث میں ہے:

عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَ لَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِمُؤْمِنٍ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءٌ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا

لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءٌ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ۔ ﴿۱﴾

”مومن کی حالت بھی عجیب سی ہے یعنی اس کی حالت سراپا خیر ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اگر اسے کوئی شے خوش کرنے والی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی شے ضرر رساں پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور ایسا کرنا ہی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔“
 واضح ہو کہ صبر کے لغوی معنی جس (روک) ہیں۔ محاورہ ہے: قَبِلَ فَلَانٌ صَبْرًا فلاں شخص کو باندھ کر مارا گیا۔
 آیت ذیل میں بھی یہی معنی ہیں:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهًا﴾ [الکلب: 28]

”اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھیے جو اپنے رب کو صبح و شام پکارا کرتے ہیں اور صرف اسی ذات کے خواستگار ہوتے ہیں۔“

اصطلاح میں صبر کو اس لیے صبر کہتے ہیں کہ اس میں بھی دل کو گریہ و زاری سے اور زبان کو شکوہ سے اور جوارح کو بے قراری سے روک لینا ہوتا ہے۔ معنی بالاکو ذہن میں رکھتے ہوئے یاد رکھو کہ صبر کی تین اصناف ہیں:

□ صنف اول: طاعت الہی پر صبر۔

□ صنف دوم: معصیت الہی سے صبر۔

□ صنف سوم: امتحان الہی پر صبر۔

صنف اول و دوم میں انسان کے کسب کا بھی دخل ہے مگر صنف سوم میں کسب انسانی کو کوئی دخل نہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے حالات پر غور کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ باپ کی جدائی پر صبر اور چاہ میں گرا دیئے جانے پر صبر بھی مقامات صبر میں سے ہیں مگر امراة العزیز کی بات پر انکار کرنا صبر کی اعلیٰ قسم تھا۔ خصوصاً جب امور ذیل کو بھی زیر نظر رکھا جائے۔

① جوانی ② خالی مکان ③ بھڑدی ④ نفس کے مطابق خواہش کا ہونا ⑤ بے وطنی جہاں خویش و اقارب کا نہ دباؤ تھا، نہ ہوتا ہے، نہ ان کی طرف سے حیا ہوتی ہے۔ ⑥ محکومی ⑦ حسین عورت کی ذاتی خواہش ⑧ اس درخواست کے ساتھ ساتھ ہر قسم کا مکرو فریب ⑨ لالچ اور خوشامد ⑩ دھمکی۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کی موجودگی میں صدیق کے منصب کو نہایت بلند کر دینے والی ہیں۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صبر بر طاعات کا درجہ صبر از پرہیز محارم سے اکمل و افضل ہے، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک فعل طاعت، ترک معصیت سے زیادہ محبوب ہے اور عدم طاعت کا نقصان وجود معصیت کے نقصان سے زیادہ سنگین ہے۔ ⑪

اب یہ بھی یاد رکھو کہ صبر کی تین حالتیں ہیں:

① صبر باللہ ② صبر للہ ③ صبر مع اللہ۔

① صبر باللہ کے معنی یہ ہیں کہ صبر اپنے نفس کے لیے نہ ہو، بلکہ اللہ کے لیے ہو جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ [النحل: 127]

”صبر کیجیے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے لیے ہے۔“

﴿2﴾ صبر لئد: کے معنی یہ ہیں کہ صبر کا باعث محبت الہی اور ارادہ تقرب الہی ہو نہ قوت نفس کا اظہار ہو اور نہ اللہ کی مخلوق میں تعریف کرنے کا شوق ہو۔

﴿3﴾ صبر مع اللہ: کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے نفس کو اوامر الہی اور محارم الہی کا مطیع بنادے جہاں چلنے کا حکم ہو چل پڑے جہاں رک جانے کا حکم ہو رک جائے۔

یہ صبر صدیقین کا ہے اور یہی سخت قسم صبر کی ہے۔

خوبہ جنید بغدادی پہنچے سے صبر کی بابت پوچھا گیا:

فرمایا صبر تو کڑوی سے کڑوی دوا کو گھونٹ گھونٹ پینا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ پیشانی پر بل نہ آنے پائے۔ ﴿4﴾

یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ زاہدین کے صبر سے یحییٰ بن کا صبر زیادہ سخت ہوتا ہے۔ یعنی یار سے صبر ہونا بہت زیادہ تعجب کا

موجب ہے۔

الْكَبْرُ يُحْمَدُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا إِلَّا عَلَيْكَ فَإِنَّهُ لَا يُحْمَدُ ﴿5﴾

جملہ مقامات پر صبر کرنا اچھا ہے مگر تجھ سے صبر کرنا کسی طرح پسندیدہ نہیں۔

امام الحدیث بخاری نے کتاب الآداب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایمان

کیا ہے۔ فرمایا:

الْكَبْرُ وَالسَّمَاخَةُ ﴿6﴾ صبر اور سیر چشمی۔

اب یہ مسئلہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حالت کا عرض کرنا بے صبری میں داخل نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَيْتِي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ [بہس: 82]

”میں اپنی پریشانی اور اندوہ قلبی کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں۔“

ایوب علیہ السلام کی جناب احدیت میں دعا ہے۔

﴿رَبِّ اِنِّي مَسِيئَ الضُّرِّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ﴾ [الانبياء: 83]

اے رب! مجھے نقصان اور ضرر آ لگا ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

ایک عرب شاعر کہتا ہے:

وَإِذَا عَرَّتْكَ بَلِيَّةٌ فَاصْبِرْ بِهَا

وَإِذَا شَكَّوْتَ إِلَى ابْنِ آدَمَ اِنَّمَا

”جب تجھ پر بلا نازل ہو تو اچھا صبر کر کیوں کہ رب کو تیرا علم ہے لیکن اگر تو اس کا شکوہ ابن آدم سے کرے گا تب رحیم

کا شکر یہ اس سے کرتا ہے جو رحم نہیں کرتا۔“

﴿1﴾ مدارج السالکین: 157/2 ﴿2﴾ مدارج السالکین: 158/2 ﴿3﴾ ساحت، جو امر وی، نری، آسانی پیدا کرنا، سرکشی و نفرت کو چھوڑ دیا، سید عارویہ۔

کنز العمال: 1392، 1393، مستدامہ: 385/4، مجمع الزوائد: 59/1، مطالب العالیہ لابن حجر: 3122

نبی ﷺ کی سیرت پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے احکام الہی کی تبلیغ، اہل ایمان کی تعلیم، اہل خسران کے انداز، اہل عالم کی تدبیر اور اخلائے کلمۃ الحق کی تدبیر کس قدر مصائب و فواجب اور ہوموم و غوموم کی برداشت فرمائی تھی۔ کبھی حضور ﷺ کے آستان فیض پر غلاظت گرائی جاتی، جس سے تھمت طبع اور پریشانی دماغ پیدا ہو، کبھی حضور ﷺ کی راہ پر گڑھا کھود کر اسے باریک باریک لکڑیوں سے پاٹ دیا جاتا۔ گڑھے میں کانٹے بھر دیئے جاتے کہ حضور ﷺ جب نماز تہجد کے لیے نکلیں تو زمین سمجھ کر اس پر پاؤں رکھیں اور گڑھے میں جا گریں۔

کبھی حضور ﷺ کو سجدہ میں محتام دیکھ کر حضور ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر چادر کو پھانسی کا رسا بنا یا جاتا، گردن کو افشار سے بھینچا جاتا۔ کبھی حضور ﷺ کی پشت مبارک پر (بحالت سجدہ) اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی جاتی اور اسے کفار کی تفریح طبع کا سامان سمجھا جاتا۔

کبھی حضور ﷺ پر پتھر برسائے جاتے اور قراءت قرآن پاک سے آپ کو روکا جاتا۔ کئی سال کا ایسا زمانہ بھی حضور ﷺ پر گزرا ہے۔ جب حضور ﷺ کو ایک گھائی میں محصور رکھا گیا اور دانہ و خورش کا داخلہ بند کیا گیا۔ یہ حضور ﷺ ہی کا حوصلہ تھا، حضور ﷺ ہی کا دل تھا کہ صبر کیا اور وہ صبر کیا کہ مالک نے بھی ﴿وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ (احل: 127) کے تمغا سے حضور ﷺ کو شرف فرمایا۔

سچ ہے کہ ایسے ہی مقدس رسول ﷺ کے لب مبارک سے یہ زیبا تھا۔ الْصَّبْرُ رِذَائِيٌّ فرماتے اور صبر کو تجمل و شان اور شوکت و وقار کا خلعت قرار دیتے۔

صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى حَبِيبِهِ بِقَدْرِ صَبْرِهِ عَلَى بَلَاءِهِ وَشُكْرِهِ عَلَى آيَاتِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

﴿١٠﴾ وَالرِّضَا غَنِيمَتِي

رضا الہی میری غنیمت ہے

واضح ہو کہ رضا کے متعلق ائمہ تصوف کے تین (3) اقوال ہیں:

① اہل خراسان کہتے ہیں کہ رضا بھی مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے اور انتہائے توکل یہی ہے اور اس مقام کو بندہ اکتساب سے حاصل کر سکتا ہے۔

② اہل عراق کہتے ہیں کہ رضا، تو مجملہ احوال ہے، یہ مکاسب میں سے نہیں بلکہ مواہب میں سے ہے۔

③ تیسرے گروہ نے ہر دو اقوال کو جمع کر دینا چاہا۔ وہ کہتے ہیں کہ رضا ابتدائی درجہ میں اکتسابی ہے اور من جملہ مقامات ہے اور انتہائی درجہ میں محض عطیہ ربانی ہے۔ لہذا مجملہ احوال ہے۔

گروہ اول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل رضا کی مدح و ثنا فرمائی ہے اور اس صفت کے لیے شوق دلایا ہے۔ اگر یہ مقام اکتسابی نہ ہوتا اور مقدر بشری سے باہر ہوتا تو ایسا نہ کیا جاتا۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

ذَاقِ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا ۝ [1]

”ایمان کا ذائقہ اس شخص نے چکھا جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔“

نیز فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ الفاظ پڑھتا ہے۔ رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا [2] اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

یہ دونوں احادیث اس شان کی ہیں کہ مقامات دین کا انہی پر مدار ہے۔ غور کرو کہ ان سے چار امور کا ثبوت ملتا ہے:

① اللہ تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت پر رضامندی۔

② نبی ﷺ کی رسالت اور حضور ﷺ کی اطاعت پر رضامندی۔

③ دین الہی پر رضامندی۔

④ دین الہی کے سامنے تسلیم و انقیاد کا اقرار۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص میں یہ چہار امور جمع ہو جائیں تو وہ صدیق ہے۔

ہاں! دعویٰ زبان آسان ہے مگر کامیابی امتحان و شوار ہے۔ خصوصاً جب کہ معاملہ یہ ہو کہ نفس کی مراد خواہش اس کے خلاف ہو۔ یاد رکھو کہ الوہیت پر رضامندی کے معنی یہ ہیں کہ محبت و انابت اور تجل الی اللہ میں تو حید خالص ہو، خوف ہو تو اسی کا ہو امید ہو تو اسی سے ہو۔ جملہ توئی کا انجذاب اسی کی جانب ہو، اور عبادت کا مقصود تو حید فی الاخلاص ہو۔

ربوبیت پر رضامندی کے معنی یہ ہیں کہ تدبیر الہی کی تو حید حاصل ہو توکل و اعتماد اور استعانت میں تو حید ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہر ایک فعل کا خیر مقدم خوشنودی کے ساتھ کرے۔

رسالت محمد ﷺ پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ احکام نبویہ ﷺ کے مقابلہ میں اطاعت کلی اور تسلیم کلی شیوہ بن جائے اور حضور ﷺ کی محبت بھری تعظیم اپنی جان سے بڑھ کر ہو۔

ہدایت اور حکم اور فیصلہ نبی ﷺ کے آستانہ پاک سے ہی حاصل کرے اور کسی دوسرے کی حکومت کا روادار نہ ہو۔ خصوصاً علوم الہیات کے متعلق جہاں کسی دوسرے کا قول چل ہی نہیں سکتا۔

اسلام پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ جب اسلام کا کوئی حکم از قسم امر یا نہی ملے تو اسے پورے انشراح خاطر سے قبول کرے اور اس کے خلاف اگر چہ وہ کتنے ہی معروف عالم کی طرف منسوب ہو، ہرگز قبول نہ کرے۔

اس مقام پر پہنچ کر بہت سے نام کے عالم یا صوفی و درویش یا شیخ تم کو مخالفت کرتے ہوئے نظر آئیں گے مگر رضا بالاسلام تو یہی ہے کہ جو حکم اسلام کا نہیں، اس پر ہرگز ہرگز اہل ایمان کو یقین یا اطمینان نہیں کرنا چاہیے۔

اب یہ یاد رکھو کہ رضا کا مقام توکل و تقویٰ اور تسلیم کے بعد آتا ہے اور چونکہ اس کے حصول میں صعوبت تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت کا حکم نازل نہیں فرمایا۔ البتہ اس کا شوق ضرور دلا یا ہے۔

[1] مسلم: 34، ترمذی: 2623، ابن حبان: 1694، مستدرک: 208/1 [2] مسلم: 386، ابوداؤد: 525، ترمذی: 210، ابن ماجہ: 721، ابن حبان: 1693، صحیح: 181/1

یہی بن معاذ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ مسلم مقام رضا کیوں حاصل کر سکتا ہے؟

کہا: جب وہ چار (4) باتوں میں پختہ ہو جائے:

① عطا کو قبول کرے ② عطیہ میں راضی رہے ③ انقباض میں عبادت کرے ④ انشراح میں حاضر درگاہ ہے۔ ⑤
سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے ذکر کیا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ یوں کہتے ہیں کہ ان کو فقر غنی سے اور مرض صحت سے زیادہ محبوب ہے۔
امام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوذر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، میرا قول یہ ہے کہ جس شخص کا اعتماد اللہ تعالیٰ کے بہترین انتخاب پر وہ اللہ تعالیٰ
کی پسند کے سوا اور کسی شے کی تمنا ہی نہ کرے گا۔ ⑥

فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے بشر حافی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

رضا کا درجہ زہد سے برتر ہے کیوں کہ جو راضی ہے وہ اس حالت سے دوسری حالت کا آرزو مند ہی نہیں۔ ⑦

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجا تھا:

الْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الرِّضَا فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَرْضَىٰ وَإِلَّا فَاصْبِرْ۔

”رضا میں تو سراپا خیر ہے اگر تم میں استطاعت ہے تو اس درجہ میں رہو ورنہ صبر کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۖ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۖ وَادْخُلِي جَنَّاتِي﴾

”اے اطمینان والے نفس! اپنے رب کی طرف رجوع کر در آں حال کہ تو رضا والا ہے اور رضا حاصل کر اب میرے

بندوں میں شامل ہو جا، میری جنت میں داخل ہو جا۔“ [الفجر: 27-30]

یہ وہ قول ہے جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی بندہ سے کہا جائے گا اور میدان قیامت میں بھی اسی کلمہ سے مومن کو مسرور

الوقت کیا جائے گا۔ اللہ پاک کے پسندیدہ عباد کی جماعت میں داخل ہوا اور جنت میں پہنچا۔ ہر دو انعام رضا و مرضی ہونے کی صفت پر ہے۔

﴿١١﴾ وَالْعِجْزُ فَخْرِي

عاجزی میرا فخر ہے

عام طور پر مشہور تو یہ الفاظ ہیں: وَالْفَقْرُ فَخْرِي لیکن ماہرین علم الحدیث نے ظاہر کر دیا ہے کہ وَالْفَقْرُ فَخْرِي کے الفاظ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

صاحب مجمع البحار نے بھی وَالْعِجْزُ فَخْرِي کے الفاظ کو بیان کیا ہے جیسا کہ حدیث زیر شرح میں موجود ہیں۔ ⑧

عجز کے معنی در ماندگی کے ہیں اور کسی مشوضہ کام کو نہ کر سکتا اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ مشوضہ کام نہ کر سکنے کی کوئی مناسبت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تو سراپا سعی مکمل جہد اور کامل عمل کا نمونہ رہی ہے۔

لہذا عجز سے مراد عجز بہ درگاہ احدیت ہے اور یہ معنی رب العالمین کے جاہ و جلال اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و احوال پر

⑧ مدارج السالکین: 174/2 ⑨ مدارج السالکین: 177/2 ⑩ مدارج السالکین: 174/2 ⑪ مجمع البحار: 351/2

اہل ثروت کے حال پر نگاہ ڈالو کہ دنیا میں تھوڑی سی کامیابی کے بعد ان کے غرور پنداری کی کیا حالت ہوتی ہے؟ اور رسول اعظم ﷺ کی سیرت کو بھی غور سے دیکھو۔

وہ رسول ﷺ جس کی نصرت و تائید زمین کے ہر ذرہ اور آسمان کے ہر ستارہ سے ہوتی ہو جس کا حکم نفوس پر فرماں روا ہو، جس کی عظمت سے مابین السماء والارض پر آوازہ ہو، وہ لہہ بہ لہہ، لفظ بہ لفظ، عجز و افتقار اور تضرع و انکسار ہی کے تحت و طیبات درگاہ احدیت اور آستانِ صدیت پر پیش کر رہا ہے اور افتقار کو افتحار سمجھ رہا ہے۔

نبی ﷺ کی سکھائی ہوئی دعاؤں کے کلمات زاکیات کو دیکھو جن سے غفلتِ قلب کا فوراً اور حجابِ روح دور ہو جاتا ہے کہ غافل سے غافل شخص کا دل بھی جاگ اٹھتا ہے اور بے اختیار سطوت الہی اور احتشامِ لم یزل کے سامنے جھک پڑتا ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک دعا کا اندراج کیا جاتا ہے۔ قارئین اس کے اسلوب بیان پر غور کریں، علومِ کانی کا اندازہ کریں اور دیکھیں کہ جس دل زبان سے یہ الفاظ نکلے، وہ خود بھی اظہارِ عجز اور نیاز کو اپنے لیے کس قدر مایہ ناز و افتخار سمجھتا ہے اور قیصرین کو بھی کس نمونہ پر تیار کرنا چاہتا ہے۔

اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَرَى مَكَانِي وَتَسْمَعُ كَلَامِي وَتَعْلَمُ سِرِّي وَعَلَانِيَتِي وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِي وَأَنَا الرَّجُلُ الْمُسْتَفِيقُ وَمُقَرَّرُ الْمُعْتَرِفِ بِذَنْبِي وَأَنَا الْمُسْتَعِينُ الْمُسْتَجِيرُ - أَسْأَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمَسْكِينِ وَأَبْتِهَالُ إِلَيْكَ الْبُذْنِ الْمَذْنِبِ الدَّلِيلِ وَأَدْعُوكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيرِ وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَفَاتُهُ وَفَاضَتْ لَكَ غَبْرَتُهُ وَذَلَّكَ جِسْمُهُ وَرَغِمَ لَكَ أَنْفُهُ أَنْ لَا تَجْعَلَنِي بِدُعَائِكَ شَقِيًّا وَكُنْ لِي رَوْفًا رَحِيمًا يَا خَيْرَ الْمَسْتَوْلِينَ يَا خَيْرَ الْمُعْطِينَ - ﴿١﴾

”یا اللہ! تو مجھے میری جگہ پر دیکھ رہا ہے اور میرا کلام سن رہا ہے میری پیداو پنہاں کو خوب جانتا ہے۔ میری کوئی بات بھی تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ میں تو کا اپنے والا، ڈرنے والا ہوں میں اپنی کمزوری کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں میں تو فریادی اور پناہ کا خواہاں ہوں۔ تجھ سے مسکین بن کر سوال کرتا ہوں، گنہگار و ذلیل کی طرح تیرے سامنے چلا رہا ہوں۔ ناچنا خوفزدہ کی طرح مدد کی پکار کرتا ہوں، میری پکار اس شخص کی سی ہے، جس کی گردن نیچی ہو، جس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوں، جسم جھک گیا ہو اور ناک زمین پر گر رہا ہو، اے معبود مجھے محروم نہ رکھنا، میرے ساتھ رافت اور رحم کا برتاؤ کرنا۔ اے مالک تو سب سے بڑھ کر فریادرس ہے تو سب سے بڑھ کر جو دو عطا کرنے والا ہے۔“

اللہ اکبر! یہ معرفت کا وہ سبق ہے کہ اگر کوئی اہل ایمان دل اور زبان کے اس عجز و بیان کے ساتھ بارگاہِ معان میں حاضر ہو تو ضرور ہے کہ رحمت اس کی دیکھیری فرمائے، محبت اس کی شمع راہ بنے، اخلاص و صداقت اسے خاک سے اٹھا کر کرسی قبول و عزت پر بٹھائے۔ فطوبیٰ لہم۔

﴿١﴾ کنز العمال: 3614، الدر المنثور للسیوطی: 229/1، المعجم الكبير: 164/11، المعجم الصغير: 136/6، اللعل المناجیہ: 360/2، اتحاف السعادة المصنوع: 375/4، امالی الشجرى: 60/2

﴿12﴾ وَالزُّهْدُ حِرْفَتِي

زہد میرا پیشہ ہے

حرفت: اس صنعت یا وجہ کسب کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے گزارہ کا ذریعہ بنائے۔

زہد: اصل لغت میں عدم رغبت کو کہتے ہیں۔ سورہ یوسف میں ہے:

﴿وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ﴾ [یوسف: 20]

”قالہ والوں کو یوسف کو پاس رکھنے میں رغبت نہ تھی۔“

شَيْءٌ زَاهِدٌ شَيْءٌ نَدِيٌّ (تھوڑی سی) جو قابل التفات نہ ہو۔

اصطلاح شرعیہ میں دنیا اور مال و متاع دنیا سے رغبت نہ رکھنے کو زہد کہتے ہیں۔

بعض نے کہا، زہد یہ ہے کہ نہ موجود پر اعتماد ہو اور نہ مفقود پر تاسف ہو۔ ﴿1﴾

امام الحدیث احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، زہد کی تین (3) اقسام ہیں:

① ترک حرام، یہ عوام کا زہد ہے۔

② حلال میں سے زائد شے کا چھوڑ دینا یہ خواص کا زہد ہے۔

③ ہر ایک ایسی شے کا ترک کر دینا جو توجہ الی اللہ سے روکنے والی ہو، یہ عارفین کا زہد ہے۔ ﴿2﴾

قارئین احادیث کے ہر دو الفاظ پر غور کیجیے۔

حرف تو اس طریقہ کو کہتے ہیں جسے انسان اپنی معاش کے لیے لازم ٹھہرائے اور یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”زہد“ ہی کو اپنا حرف بتلایا، تو اس کے معنی یہ ہو گئے کہ اپنی توجہ ان سب اشیاء، جملہ اسباب اور وسائل سے جو ماسوی اللہ کی طرف لے جانے والے ہیں ہٹا کر پورے اہتمام اور پوری ہمت سے اللہ ہی کی طرف توجہ کر لی جائے، وسائل اور وسائل کو بیچ پوچھ بھجھ لیا جائے۔

وہ اعتماد جو پروردگار پر ہے، سامان حاضرہ کو موجب طمانیت نہیں بنا سکتا اور اسی سامان کا فقدان قلب میں کوئی تشویش نہیں پیدا کر سکتا۔

یہ زہد کی بلند ترین صورت ہے اور اس زہد پر یہ اعتراض بھی مآخذ نہیں ہو سکتا کہ زہد تو اکتسابی ذرائع کا مانع ہے یا زہد تو اصول

تمدن کی مخالفت کا نام ہے۔

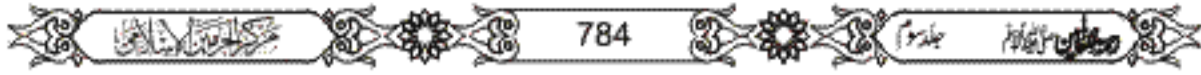
﴿13﴾ وَالْيَقِينُ قُوتِي

یقین میری روزی ہے۔

واضح ہو کہ کتاب حید میں یقین اور اہل یقین کا بیان آیات متعددہ میں ہوا ہے۔

﴿1﴾ ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ

هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [البقرة: 4-5]



”جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو تجھ پر اتارا گیا، نیز اس پر جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ سبھی وہ لوگ ہیں جو ہدایت ربانی پر ہیں اور سبھی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔“

آیات بالا پر غور کرو کہ ہدایت اور فلاح کو یقین ہی کا ثمرہ بتلایا گیا ہے۔

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴾ [اسہد: 24]

”ہم نے انہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے کیوں کہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔“

آیت بالا میں امامت فی الدین کے منصب کو صبر اور یقین کے اتحاد کا نتیجہ فرمایا گیا ہے۔

﴿ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنْفُسِكُمْ ﴾ [الذاریات: 20-21]

”یقین والوں کے لیے زمین میں اور خود ان کے نفس کے اندر نشانیاں موجود ہیں۔“

آیت بالا میں بتایا گیا ہے کہ آیات ربانی کا مشاہدہ اور علامات سبحانی کا معائنہ اور پھر اس مشاہدہ و معائنہ سے نفع کا حاصل کرنا اہل یقین ہی کا حاصل ہے۔

الغرض جو درجہ روح کا جسم انسانی میں ہے وہی درجہ یقین کا پیکر ایمانی میں ہے۔

یقین ہی اعمال قلب کی روح ہے۔

یقین ہی حقیقت صدیقیت ہے۔

علماء میں اختلاف ہے کہ یقین کبسی ہے یا وہی ہے۔ ہمارے نزدیک بلحاظ اسباب تو کسی ہے اور بلحاظ اصلیت وہی ہے۔

سبل تستری بیہ فرماتے ہیں کہ مکلف سے ابتدا ہوتی ہے اور پھر انسان معائنہ و مشاہدہ کے مدارج کو طے کرتا یقین تک پہنچ جاتا ہے۔

ذوالنون مصری بیہ فرماتے ہیں کہ یقین کی علامات تین (3) ہیں۔

① لوگوں سے میل جول کم ہو۔ ② کسی کے عطیہ پر مدح نہ کرے۔ ③ کسی کے نہ دینے پر اس کی مذمت نہ کرے۔

انہی کا ارشاد یہ بھی ہے، یقین کی حقیقت یہ ہے کہ ہر شے میں نظر الی اللہ ہو، ہر معاملہ میں رجوع الی اللہ ہو ہر حالت میں استعانت باللہ ہو۔ ④

واضح ہو کہ اگر مراتب یقین کی تفصیل کی جائے تو وہ تین (3) ہیں۔

مرتبہ اولیٰ میں اوامر و نواہی، علم معاد، علم الاسماء والصفات داخل ہیں اور جب بندہ کو ان علوم کی حقانیت و صدق پر وثوق کلی ہو جاتا ہے تو اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

مرتبہ ثانیہ میں استدلال کی ضرورت نہیں رہتی۔ دلیل فضول سمجھی جاتی ہے اور سماعت کا مقام رویت حاصل کر لیتی ہے اس کو عین یقین کہتے ہیں۔

مرتبہ ثالثہ میں خود آفتاب حقیقت نور بیز ہوتا ہے کلفت یقین جاتی رہتی ہے۔ حقانیت اپنے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے،

اس کو حق یقین کہتے ہیں اور یہ درجہ صرف انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ انہی کی چشم ظاہرین کے سامنے جملہ اسرار و خفایا منکشف ہوتے ہیں اور انہی پر علوم معاد کا ظہور ایسا ہوتا ہے کہ جیسے دوسروں کے لیے مادی اشیاء کا شہود۔

اب یہ غور کرو کہ حدیث زیر شرح میں نبی ﷺ نے یقین کو اپنی غذا فرمایا ہے، یہ ظاہر ہے کہ غذا ہی پر جسم کا نشوونما ہے اور غذا ہی سے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔

یقین کو غذا بتلانا ظاہر کر رہا ہے کہ حضور ﷺ اسباب مادیات سے کس قدر دور تھے۔ حضور ﷺ کی قوت یقینیہ کا اندازہ کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قوت یقینیہ کا اندازہ کرو۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ جنگ احد میں خوش انگور ہاتھ میں لیے ہوئے انگور کھا رہے تھے کہ انگور کھا کر اور طاقت جسمانی بڑھا کر شریک معرکہ ہوں گے۔ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا کہ شہادت کا ثمر جنت علیا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے انگوروں کی طرف دیکھا، پھر کہا کہ ان کے ختم کرنے میں تو دیر لگے گی۔ میں جنگ کے لیے اتنی دیر کیوں کروں۔ یہ کہہ کر انگور پھینک دیئے اور رزم گاہ میں پہنچے اور جو ہر شجاعت دکھلاتے ہوئے رزم گاہ رضوان کو جاسد حارے۔ [1]

نقیب محمدی عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا حال بھی انہی سے ملتا ہوا ہے۔ دشمن پر حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ ان کا چچیرا بھائی یحییٰ لے آیا کہا یہ تھوڑی سی پی لو۔ طاقت پا کر زیادہ لڑ سکو گے۔ پیالہ ہاتھ میں لیا۔ دو تین گھونٹ لے کر برتن پھینک دیا کہ مجھے اپنے احباب سے جلد تر ملاقات کرنا ہے۔ [2]

سچ ہے کہ یقین شک و ادوہام کے حجاب کو چاک کر دیتا ہے۔ اس وقت چہرہ حقیقت بے نقاب ہو جاتا ہے۔ رویت ایمانی کا درجہ بصارت یعنی سے بالاتر پہنچ جاتا ہے اور ایسا دیدہ ور شخص مغیبات کو مشاہدات سمجھتا ہوا حقائق اصلیہ اور معارف روحانیہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

﴿14﴾ وَالصَّدَقُ شَفِيعِي

صدق (سچائی) میرا ساتھی ہے۔

جب ایک شخص کے ساتھ اس کو اغراض و مقاصد میں متفق و متحد ہو کر دوسرا شخص شامل ہو جاتا ہے تو وہ پہلے شخص کا شفیع کہلاتا ہے۔

لغت میں شفیع بمعنی جنت آتا ہے کتاب حمید میں ہے: ﴿وَالشَّفِيعُ وَالْوَكِيلُ﴾ [الغیر: 3]

صدق، ہر شے کی اصلیت اور کمال قوت کو کہتے ہیں۔ الفاظ ذیل پر غور کرو۔

- ① عزم صادق، اسی ارادہ کو کہیں گے جو نام و قوی ہو۔
 - ② محبت صادق، اسی محبت کو کہیں گے جو کامل و اصلی ہو۔
 - ③ خبر صادق، وہی اطلاع جس میں اصلیت کے سب اجزاء کامل و قوی ہوں۔
- قرآن مجید میں صدق کے کئی مقامات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

① نبی ﷺ کو یہ دعائیں فرمائی گئی ہے:

﴿ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴾
 ”اے رب! مجھے خوبی کے ساتھ پہنچاؤ اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ و جیو جس کے ساتھ نصرت ہو۔“ [بنی اسرائیل: 80]

اس دعا میں مُدْخَلَ صِدْقٍ اور مُخْرَجَ صِدْقٍ کا سوال سکھلایا گیا ہے۔
 مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد بندہ کی وہ توجہ ہے جو اللہ کے لیے، اللہ کی جانب اور احکام الہی کی جانب بندہ کیا کرتا ہے۔ اس توجہ میں شائبہ ریب و شک نہیں ہوتا۔ اس کی ترقیات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ نبی ﷺ کا داخلہ مدینہ منورہ بھی اسی مُدْخَلَ صِدْقٍ میں داخل ہے جس کی برکات و انوار لامنتہی ہیں۔
 مُخْرَجَ صِدْقٍ سے مراد بندہ کی وہ عزیمت ہے جو ہوا و ہوس اور اتقنائے طبع و نفس سے منہ موڑ کر اور امور خاکی سے دامان دل کو جھاڑ چھوڑ کر سب سے الگ ہو جاتا ہے، اور کوئی حجاب، کوئی رسم، کوئی امید منفعت، کوئی خوف ضرر بندہ کو اس خروج صدق سے روک نہیں سکتا۔

نبی ﷺ کا مکہ چھوڑ دینا، وطن سے دوری، تعلق داروں سے بے تعلق رہنا، ہجرت کی بادہ پیمانی اسی مُخْرَجَ صِدْقٍ میں داخل ہے۔
 ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَّهُمْ قَدَمٌ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ [بقرہ: 2]
 ”اور جو ایمان لے آئے ان کو بشارت سنائیے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔“
 آیت بالا میں قَدَمٌ صِدْقٍ کے وجود کی اطلاع اور بشارت دی گئی ہے۔

قدم صدق سے مراد وہ اعمال صالحہ اور افعال حسنہ ہیں، جو فرمان پذیر بندہ نے اپنی حیات فانی میں ادا کیے اور قبر میں جانے سے پیشتر بارگاہ رب العزت میں بھیج دیے گئے۔

تقدیم اعمال تو مومن و کافر، مطیع و فاسق سب ہی کی طرف سے ہوتی ہے مگر قَدَمٌ صِدْقٍ کا اطلاق سب مومن ہی کے اعمال پر ہوتا ہے۔
 ﴿ وَاَجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴾ [اشعرا: 84]
 ”اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ۔“

یہاں لسان صدق کی دعا فرمائی ہے۔ لسان صدق سے مراد ثناء حسنہ ہے۔ یہ اس بندہ کے لیے بطور جزائے حسن عطا ہوتی ہے جس کے افعال و اعمال اور اقوال اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں معیار صدق پر پورے اترتے ہیں۔

﴿ 15 ﴾ وَالطَّاعَةُ حَسْبِيْ

طاعت کرنا میری عزت ہے۔

طوع (جس سے طاعت بنا ہے) کے معنی انقیاد و امر اور اتباع حکم ہیں جب کہ مطیع اس حکم کی تعمیل پورے پورے انشراح صدر اور نشاط قلب سے کر رہا ہو۔ حسب، وہ بزرگی جو مال یا دین یا صفات حسنہ اور اخلاق فاضلہ یا سخا و جود کی وجہ سے حاصل ہو۔

حدیث بالا میں صنعت تضاد موجود ہے۔ یعنی عام طور پر لوگ ان اشیاء کو باعث بزرگی و برتری سمجھا کرتے ہیں جس میں اوروں پر تفوق پایا جاتا ہو۔

لیکن نبی ﷺ نے بندگی و فرماں برداری کو اپنے لیے باعث برتری و تفوق قرار دیا ہے۔ بے شک یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ انبیاء ﷺ کے گوہر گرامی میں عموماً اور امام الانبیاء سرور عالم ﷺ کے عنصر پاک میں خصوصاً اس کا ظہور اور نور نظر آتا ہے۔ صلح حدیبیہ میں کفار نے ایک شرط یہ رکھی تھی کہ جو شخص قریش میں سے مسلمان ہو کر مسلمانوں سے جا ملے گا اسے قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا مگر جو شخص مسلمانوں میں سے نکل کر کفار میں جا ملے گا وہ مسلمانوں کو واپس نہ دیا جائے گا۔

شرط مذکور اپنے ظاہری الفاظ میں ذلت آمیز نظر آتی ہے۔ لہذا عمر فاروق، اسید بن حنیف، سعد بن عبادہ، سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم جیسے غیرت مند ان اسلام نے جو شانہ روز اعزّ الإسلام والمسلمین کا ورد کرتے تھے اس شرط کو حمیت مسلمین اور عزت اسلام کے منافی سمجھا۔

جب انہوں نے اس بارہ میں حضور ﷺ سے اپنی رائے کا اظہار کیا تو حضور ﷺ نے ان کے دلائل کی تردید کی اور نہ ان کے اقوال کی تضعیف، بلکہ زبان عالی سے یہ فرمایا:

إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ وَلَسْتُ أَعْصِيهِ وَهُوَ نَاصِرِي ﴿١﴾

”میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار بھی ہے“

اس سے صاف روشن ہو گیا کہ نبی ﷺ کس قدر زیادہ طاعت و امتیاد الہی کے پابند تھے کہ حمیت و حمایت ظاہری اور وقار عزت یعنی نو مسلموں کی جنبہ داری یا مرتدین کی تعزیر کے مسلمہ اصول بھی حضور ﷺ کے ذوق اطاعت اور کمال امتیاد سے الگ نہ کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس حسن عمل کا بدل اس جنس عمل کی صورت میں حضور ﷺ کو ارزانی فرمایا اور حضور ﷺ کی اطاعت کو جملہ عالم و عالمیان پر فرض عین ٹھہرایا۔ فرمایا:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ [النساء: 80]

”جس نے محمد رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی بھی اطاعت کی۔“

﴿إِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَكُوا﴾ [النور: 54]

”اے لوگو! اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پالو گے۔“

﴿١٦﴾ وَالْجِهَادُ خُلُقِي

جہاد میری خصلت ہے۔

جہاد پوری کوشش سے کام کرنا، محنت، طاقت اور توجہ کو کسی کام میں لگا دینا، خلق طبیعت، جبلت، پیدائشی خصلت۔

جہاد شریعی کی دو اقسام ہیں: جہاد بالمال اور جہاد بالنفس۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَنُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ﴾ [النفس: 11]

”اللہ کی راہ میں مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔“

مال کی قربانی بھی سخت دشوار ہے اور ایثار جانی بھی سخت مشکل۔ بہت لوگ جان کے بچاؤ میں مال کی پروا نہیں کرتے اور اکثر ایسے ہیں جو مال کے لیے جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دینا آسان سمجھتے ہیں۔ جہاں مال اور جان دونوں کے نثار کرنے کا سوال ہو وہاں پورا اترنا اللہ تعالیٰ کے قلم بندوں ہی کا کام ہے۔ بسا اوقات یہی مال و جان انسان کو اس کے فرائض ذاتی و قومی اور واجبات اخلاقی و دینی کے ادا کرنے میں سخت حائل ہو جایا کرتے ہیں، لیکن اللہ کی راہ کے فدائی ہر شے کو اپنے مولیٰ کی رضا پر قربان کر دیتے ہیں قرآن مجید کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ [الحج: 78]

”اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔“

اس جہاد سے مراد علم الہی کی تحصیل، رضائے ربانی کا حصول، تقرب سبحانی کا شوق، مدارج روحی کا ارتقاء مراد ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس جہاد میں صرف طاقت اور اخلاص توجہ یعنی لغوی اور ایمان و عمل صالحہ بمعنی شرعی بہتہ و جوہ درکار ہیں۔ جہاد کے معنی اعدائے دین کو تخت میں لانا، اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے وسائل مالی و جانی کو مجتمع کر دینا بھی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک پر نگاہ ڈالو کہ جہاد کی ان جملہ اقسام میں حضور ﷺ جملہ افراد امت سے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کا عزم و ارادہ اور نیت و تمنا، حضور ﷺ کا آرام و قیام اسی جہاد فی اللہ کے لیے تھا۔ وہ آسودگی و آرمیدگی جو خاصہ اہل حکومت ہے۔

وہ وہن و ضعف جو لاحق احوال امراء ہے۔

وہ کسل و جمود جو محبوب مترقبین ہے، ان میں سے کسی کا بھی کوئی اثر ذات گرامی پر نہ تھا۔

جد و جہد، سعی و طلب، ارتقا و ارتقا، سوز و گداز، حزن و شوق حضور ﷺ کے خدام دربار تھے اور اسی اسوہ عالیہ کا فیضان تھا کہ صحابہ کرام جنی اللہ خویش و تبار سے، زن و اولاد سے جدا، ضیاع و زرع سے دور، آرام و آسائش سے نفور ہو کر ہمہ تن، ہمہ دل جہاد فی اللہ میں مشغول تھے۔ اسی صفت عالیہ کے تحت میں انہوں نے وطن کو خیر باد کہا اور زیست دنیوی کو حیات دنی قرار دیا۔ وطن سے نکلنے اور تمام دنیا کو ہمت بلند، عزم راسخ، طلب صادق، سعی موافق کی ایسی تعلیم دے گئے کہ مشرق سے مغرب تک ﴿كَلِمَةً اللَّهُ هِيَ الْعُلْيَا﴾ [نوح: 40] ”اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی بلند رہنے والا ہے۔“

اسی نمونہ کا نتیجہ تھا کہ لوگوں نے دنیا کا دار العمل ہونا سمجھ لیا، انفاس کا پاس ہونے لگا، حیات ارضی کے بعد حیات روحی کا نظارہ آنکھ کے سامنے ہو گیا۔

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مدت قلیل میں فوائد کثیرہ، فتوحات عظیمہ، غنائم و افروز نتائج عالیہ حاصل ہو گئے۔

کاش! مسلمان اسی علم و عمل کو مال زندگی سمجھیں اور سعی و طلب کو اپنی جبلت و فطرت بنالیں اور وہ بھی دنیا کی زندہ اقوام میں

نہیں، نہیں، دنیا میں آج زندہ اقوام کہلانے والی قوموں کا مطمح نظر بہت پست ہے۔ اہل ایمان کو اپنی نیت و فعل اور عزم و عمل کے لحاظ سے اپنی ہمت کو بہت بلند رکھنا ضروری ہے تاکہ انھیں انبیاء و صدیقین اور شہداء کی معیت حاصل ہو جائے اور سعادت و آرزو کا تاج جسے تاج خلافت بھی کہا جاتا ہے ان کے سر پر رکھا جائے۔

(17) وَقُرْآنٌ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

حج عمر میں ایک دفعہ ہے ادائے زکوٰۃ کے لیے سال میں ایک دن کا مقرر کر لینا کافی ہے صوم رمضان گیارہ ماہ کے بعد آتے ہیں۔ مگر نماز ایک دن میں پانچ (5) دفعہ پڑھنا فرض ہے۔ سات (7) برس کے بچے کو نماز پڑگانے اور دس (10) برس کے بچے کو ترک نماز پر تادیب کرنے کا حکم ہے۔ سفر ہو یا مرض، مفلسی ہو یا امیری، اسیری ہو یا آزادی، نوکری ہو یا گھر پر فرض نماز کسی وقت اور کسی جگہ ساقط نہیں ہوتی، جب تک ہوش حواس درست ہیں نماز کی فرضیت قائم رہتی ہے۔ اعمال میں نماز سب سے پہلے فرض ہوتی ہے اور سب سے اخیر تک فرض رہتی ہے۔ نماز ہی کی بابت سب سے پہلے سوال بروز محشر ہوگا۔

عماد دین نماز ہے، شوکت اسلام نماز ہے، اسلام کا خیمہ اسی چوب پر استادہ ہوتا ہے، مسجدوں کی تعمیر، اذانوں کا اعلان، خطیب اور پیش نمازوں کا تقرر، سب کچھ نماز کے لیے ہے۔ حفاظ قرآن کی عزت، محراب مسجد سے آشکار ہوتی ہے اور علمائے دین کی فضیلت منبر مسجد سے نمودار ہوتی ہے۔

نماز ہی اجتماع و تنظیم کا سبق آموز ہے اور نماز ہی پابندی اوقات کا خوگر بنانے والی ہے۔ نماز ہی مختلف المراج افراد کو مرکز و واحد پر لاتی ہے اور نماز ہی قوم کو پسند کردہ امیر کی اطاعت کا عملی سبق پڑھاتی ہے۔

نماز ہی بندہ کو بدن، لباس اور مقام کو پاک و پاکیزہ اور صاف بخلی رکھنے کا ذریعہ ہے۔ نماز ہی سحر خیزی سکھاتی ہے اور نماز ہی بیہودہ تعمیروں، تماشاؤں میں انسان کی صحت اور روپیہ اور وقت کی حفاظت کرتی ہے۔ نماز ہی دل میں ایک ایسی کشش پیدا کر دیتی ہے جس سے دل کا تعلق رب العالمین کی حضوری سے ہو جاتا ہے۔

نماز ہی ہر انسان کو دربار الہی میں حاضر ہو سکے کا اعزاز عطا کرتی ہے اور نماز ہی انسان اور رب میں سرگوشی و ہم کلامی کاراز کھول دیتی ہے۔ نماز ہی کمال عبودیت ہے اور نماز ہی تکمیل انسانیت، نماز ہی اخلاق حسنیہ کی ہادی ہے اور نماز ہی عادات سنیہ کی سپر ہے۔ نماز ہی مغفرت و رحمت ہے اور نماز ہی نور و برہان ہے۔ نماز ہی سے رب العالمین کے عالمگیر علم و قدرت کا یقین مستحکم ہوتا ہے اور نماز ہی سے فرزند ان اسلام کی عالمگیر اخوت کا سلسلہ پاکدار بنتا ہے۔ نماز ہی سے احسانیات کے مراتب طے ہوتے ہیں اور نماز ہی سے تجلیات حضور ﷺ کی اشاعت نور ہوتی ہے۔ جس دین میں نماز نہیں وہ دین ہی نہیں۔ مومنین کے لیے نماز کو معراج فرمایا گیا ہے اور حالت سجدہ کو بندہ کا بارگاہ سبحانی سے قریب تر ہونا بتلایا گیا ہے۔

بزرگان دین سمجھتے تھے کہ چنچل من صرف نماز ہی سے سکینہ یاب ہوتا ہے اور ہر وقت سوچنے والا دماغ صرف نماز ہی میں اتنا بت الی اللہ کا مزہ پاتا ہے۔ نماز ہی ہے جس کا اثر انسان کے جسم اور دل اور دماغ اور نفس روح اور سر اور آغشی پر یکساں پڑتا ہے اور نماز ہی ہے جو

یہ حالت ارتعاب انسان کو ملکوتی صفات بنا دیتی ہے۔

جملہ ادیان پر جو فضیلت اسلام کو ہے ازاں جملہ یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ اسلام ہی بندہ کو پاچھ وقت اللہ کے حضور ﷺ میں لے جاتا اور بے واسطہ دیگر براہ راست عرض و معروض کا موقع عطا کرتا ہے۔ جب نماز کی یہ برکات عامۃ المسلمین کے لیے ہیں تو کچھ شک نہیں رہ جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی نماز اپنی نورانیت میں سارے جہاں کی نمازوں سے اعلیٰ و برتر تھی۔

ایک مذنب ذلیل، خائب و خاسر کی عبادت کو ایک مصطفیٰ و مجتبیٰ، سید الوری، حبیب رب العالی ﷺ کی نماز کے ساتھ کیا مناسبت و مشابہت ہو سکتی ہے۔؟

البتہ حدیث پاک سے اس قدر مستنبط ہوا کہ نبی ﷺ کے کلمہ خوانوں کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہی کو بنانا چاہیے، جیسا کہ حضور ﷺ رسالت مآب نے نماز کو قرۃ العین فرمایا ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم



خصائص القرآن

قرآن کریم وہ پاک کتاب ہے، جسے نبی ﷺ نے کلام اللہ بنا کر اپنی زبان مبارک سے حرفاً حرفاً سنایا۔ لہذا سیرت نگار نبوی ﷺ کا فرض ہے کہ قرآن مجید کے متعلق بھی ضروری مباحث کو سیرت نبوی ﷺ کے ساتھ ساتھ پیش کرے۔ کتاب ہذا کی جلد اول میں بھی اس بحث پر چند اوراق پیش کیے جا چکے ہیں۔ اب اس اختصار سے کچھ آگے بڑھ کر چند بحث ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

قرآن پاک کے نام بھی اسماء الحسنیٰ کی طرح 99 تک پہنچ گئے ہیں، لیکن سب سے زیادہ خاص اس کا نام مبارک ”کلام اللہ“ ہے اور سب سے بڑھ کر مشہور اس کا نام ”القرآن“ ہے۔

امام ابن القیمؒ نے اپنی کتاب ”المشوق الی علوم القرآن“ میں تحریر فرمایا ہے کہ لفظ قرآن محاروۃ قرأت الحوض سے ماخوذ ہے، جو حوض پانی سے لہا لبریز ہوتا ہے، اسے قرأت الحوض کہا کرتے ہیں۔ چونکہ قرآن پاک جملہ علوم پر محتوی اور عرفان تام کا ظرف اور حقائق اصلیہ سے پر ہے اس لیے اس کا نام قرآن ہوا۔ اب ذیل میں متعدد عنوانات کے ساتھ چند مباحث پیش کیے جاتے ہیں۔

فصل اول 1

ضرورت قرآن

قرآن مجید کی ضرورت معلوم کرنی ہو تو سب صاحبان کو اس زمانہ کی تاریخ اور صحنہ عالم کی حالت پر غور کرنا چاہیے۔ ایران کے مجوس کا سراپا شرک کی نجاست میں غرق ہونا اور احاطہ انسانیت سے نکل کر ان کی ماں بیٹی، بہن سے ازدواج کو جائز و مباح سمجھ لینا۔

روما چرچ کے عیسائیوں کا صریح بت پرستی میں مبتلا ہو کر اس مشرکانہ عقیدہ کی ترویج میں لاکھوں ہندگان الٰہی کا خون پانی کی طرح بہانا۔

چین کا قبر پرستی اور بھوت پریت کی عبادت میں مجھو ہو جانا اور پھر خود کو آسمانی فرزند کہلانے کا مستحق قرار دینا۔ اس کا فسق و فجور میں پڑ کر شراب کو بہترین افعال انسانی قرار دینا، مرد عورت کی برہنگی کے اعضاء کی مثالوں کو سب شود و اولوں میں قائم کرنا، دختر کشی اور قمار بازی کو شرافت کا نشان قرار دینا۔

عرب کا بعض صفات بالا میں اکثر ممالک سے بڑھ جانا۔ الغرض معمرہ عالم پر سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ان ضلالتوں کے دور کرنے میں وہ کتابیں جو دنیا میں پہلے سے نازل شدہ تھیں، نا کافی ثابت ہو چکی تھیں۔

ان کا تمام عالم کے بگڑے ہوئے آوے پر تو کیا اثر ہوتا کہ خود اس قوم (جس میں اس کتاب کا نزول ہوا) دائرہ اطاعت میں نہ رہی تھی۔ اس لیے ضرورت تھی ایک ایسی مہم کی کتاب کی جس میں تمام عالم کی اصلاح کی طاقت ہو اور تمام کتابوں کو اپنے اندر جمع کر لینے

کی قابلیت اور بلحاظ اپنی مجموعی شان کے دیگر اوراق پریشان سے دنیا بھر کو مستغنی کر دیتی۔

ہاں! جس طرح سخت گرمی اور جس کے بعد بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے، جس طرح رات کی سخت تاریکی کے بعد خورشیدِ عالم افروز طلوع فرماتا ہے، اسی طرح تمام دنیا پر پھیلی ہوئی ظلمتِ مظلمہ ہی نے قرآن مجید کے نورِ مبین کی ضرورت کو افرادِ عالم کے دل و دماغ میں ثابت و محسوس کرا دیا تھا۔

لہذا اسی رحمتِ ربانیہ نے جو انسان کو عدم سے وجود میں لانے اور نطفہ سے انسانِ کامل بنانے میں کار فرما ہے، ہماری روحانی ضرورت کے لیے اس نور و ہدایت کو نازل فرمایا۔

بدبختی سے ہند میں ایسا فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو رب کریم کو ارحم الراحمین تو مانتا ہے مگر پھر بھی اس کلامِ الہی کے دنیا میں نازل ہونے کی ضرورت سے انکار ہے۔

یہ کورسوا تسلیم کرتے ہیں کہ اس ﴿نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [انور: 35] نے اگر آکھ کو بینائی دی ہے تو دیکھنے کے لیے ان گنت رنگتیں بھی بتائی ہیں۔

اگر کان کو شنوائی ملی ہے تو سننے کے لیے بھانت بھانت کی آوازیں بھی پیدا کی ہیں۔ پاؤں چل سکتا ہے تو اس کی جولانی کے لیے فرشِ زمین میں ہموار و ناہموار راہیں بھی نکال دی ہیں۔ منہ کھا سکتا ہے، تو ذائقہ کے واسطے بیٹھے، سلونے کھٹے، پھینکے کھانے بھی مہیا کیے ہیں۔ یعنی جس قدر حواسِ ظاہری اور قوائے باطنی جسمِ انسان میں پائے جاتے ہیں اس کے متعلق ایک ایک جداگانہ عالم بھی پیدا کیا گیا ہے۔ مگر ان کو اب بھی سخت انکار ہے کہ روحِ انسانی کے لیے (جو فطرتِ انسانی کی خزانہ دار اور اس کی مملکت کی حکمران ہے) کوئی جداگانہ عالم موجود ہو، اگر یہ لوگ روح کا انکار کر دیتے تو ان کی حالت پر اتنا افسوس نہ ہوتا لیکن روح کا اقرار اور رحمتِ الہیہ کی جانب سے اس کے لیے عالمِ خاص کا انکار قطعاً اسرارِ فطرت سے عدم آگاہی پر مبنی ہے، خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

ضرورتِ قرآنِ حمید کے ثبوت میں ہم دنیا کے سامنے دنیا کی تاریخ رکھ دیتے ہیں۔

نیز ان تمام ترقیات کو دنیا کے ہر ایک مذہب نے نزولِ قرآن مجید اور اشاعتِ کتابِ حمید کے بعد اپنے عقائد اور اصول میں کی ہے اور ان تمام اصطلاحات کو بھی اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں جو غیر مسلم اقوام نے اس 1352 سال کی مدتِ رسالتِ محمدیہ ﷺ میں تعلیمِ قرآن سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اپنے مذہب اور مسلک میں داخل کر لی ہیں۔

ان ترقیات و اصطلاحات کے ازمنہ ارتقاء کی تاریخ معلوم کرنے کے بعد امید قوی ہے کہ ہر ایک مصنف کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ فی الواقع معمرہ عالم کو قرآن مجید کے نزول کی سخت ضرورت و احتیاج تھی۔

فصاحت و بلاغتِ قرآن

اگر کسی کو فصاحت و بلاغتِ قرآنی کا اندازہ کرنا ہو تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اس کام کے لیے زبانِ دانیِ کامل کی ضرورت ہے۔

اور علمِ معانی و بیان و بدیع میں اعلیٰ درجہ کی مہارت کا ہونا لازمی ہے۔

اور پھر فہمِ سلیم و طبعِ ہموار کی شرطِ لا بدی ہے۔

اگر یہ آنکھیں، یہ عینک، یہ دوربین کسی کو مل جائے تو وہ بہ اختیار بول اٹھے گا کہ قرآن عظیم کی فصاحت و بلاغت طاقتِ بشری سے بالاتر ہے۔

جہاں عرب شیدائی زبان اور فدائی حسن بیان تھے اور اسی وجہ سے وہ اسالیب غریب و قصائد عجیب کے مالک، رجز فاخرہ و اسجاع موجزہ اور خطب بلیغ کے انشا پر قادر تھے۔

صرف اسی قابلیت کے وجود نے بڑے بڑے زبان آوروں، خطیبوں اور شاعروں سے منوایا تھا کہ قرآن کلام بشر نہیں۔ ذرا غور کرو، دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے کوئی ایسا دعویٰ کیا ہو جو دنیا بھر سے نرالا اور فائق تر ہو، جیسے خاتم النبیین، رسول کائنات للناس، رحمۃ للعالمین، مطاع عالم من اللہ عزوجل کے اعلام سے نمایاں ہے اور ثبوت دعویٰ میں ایک تصنیف کو پیش کر دیا ہو اور اسی کو اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا ہو اور اس دعویٰ کا انکار کرنے والوں کو ضلالت و عمایت (اندھاپن) اور خلود ناروغیہ کی ذلتوں کے مواعید سے جوش بھی دلا یا ہو۔

پھر ایسی حالت میں بھی اسی ملک کے رہنے والے، اسی کی زبان کے بولنے والے، اسی زبان کے قادر الکلام اور سحرالبیان لوگ اس کے سامنے ساکت و خاموش اور متحیر و مدہوش رہ گئے ہوں۔

① ہم تو سمجھتے ہیں کہ تاریخ ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، قرآن مجید کے پیش کرنے والے (فداواہی و امی) نے معارضہ کی چھ (6) قسمیں بتلائی ہیں اور ہر ایک قسم کے مقابلہ میں سب کو عاجز و در ماندہ ثابت کر کے اپنی صداقت کو آفتاب روشن کی طرح آشکارا کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید کو عربی بین نے، مگر اس کی فصاحت و بلاغت کا جو درجہ ہے وہ تمام عالم کی کتب سے بالاتر ہے۔

② اب یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ فردوسی، ہومر (Homer)، سعدی و شیکسپیر (Shakespeare) و المیک (Walmake) و ملٹن (Milton)، گویٹے و ہیکل (Beacon) تا بگذر و سرور، امراء القیس و خسرو وغیرہ جن کی فصاحت و بلاغت کی بری بڑی تعریفیں مختلف السنہ کے متعلق مختلف اقوام نے کی ہیں ان سب کا جوش و خروش ایسی کتابوں میں نکلا ہے، جن کی بنیاد خیالات و تصورات پر رکھی گئی ہے، جن میں ہر قسم کی تشبیہات و استعارات کے استعمال کی مصنف کو آزادی حاصل تھی، جن میں ترک غلو یا پابندی صداقت کی کوئی بندش نہ تھی۔

اگر انہی زبان آوران پر کلام کو کوئی قانون، کوئی ضابطہ لکھنا پڑتا، اگر حقائق الہیات اور رموز فطرت یا اسرار آفرینش پر ان کو چند سطور بھی تحریر کرنی ہوتیں تو دنیا دیکھ لیتی کہ عبارت کتنی چمکی، بندش کتنی ست اور الفاظ کیسے کھٹیل، طرز ادا کتنا متہدل ہوتا۔

یہ قرآن حکیم ہی کا حصہ ہے کہ وہ احکام شریعت اور مواعظ و امثال، اخبار و انداز میں زبان ماضی کی سرگزشت اور عہد مستقبل کی حالت پر آیات کا القافرا مارا ہے اور بایں ہمہ کلام میں کسی جگہ بھی نہ صداقت و روحانیت کے درجہ سے گرا اور نہ فصاحت و بلاغت کے مرکز سے متزلزل ہوا ہے۔

③ انداز فصاحت و بلاغت کے وقت یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ساری دنیا کے مسلمہ و مقتدر فصحاء کے میدان کلام اور وادی سخن بھی خاص خاص ہوتے ہیں۔ سعدی کی فصاحت قعر قلب میں جگہ پالتی ہے لیکن بزم و نشاط کی بساط کا بچھانا اور ناز و اختلاط کے کواڑ کھول دینا اس کی طاقت سے باہر ہے۔

فردوسی کے بیان جنگ کو پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ وہ کوئی سینما دیکھ رہا ہے، لیکن مواعظ و اخلاق کی سڑک پر اس کا خشک قلم لنگڑاتا ہوا ہی نظر آتا ہے۔

عرب کے امراء القیس و عمرہ، ابونواس و ابوالعتاہیہ کا بھی یہی حال ہے۔ جرمنی و فرانس، اٹلی و انگلستان کے اہل قلم (شاعروں، ناول نویسوں، اڈیٹروں، یا زبان آوروں، پروفیسروں، لیکچراروں) میں بھی یہی تفاوت درجات موجود ہے۔ ریٹالڈ (Renald) بھی گین (Gibben) نہیں بن سکتا، اور کارلائل (Carlyle) کبھی شیکسپیر (Shakespeare) کا روپ نہیں دھا ر سکتا، ہربرٹ (Herbert)، سپنر (Spinner) اور تارتھ برڈک (North Brook) کی زبان کبھی ایک نہیں ہو سکتی۔

قرآن کریم پڑھو، اسے موجود و مابیات و کیفیات کے متعلق کس قدر لاکل سا طبع و براہین مینہ سے کام لینا پڑا۔ اسے اقوام ماضیہ کے عروج و زوال اور اس کے لوازم و اسباب پر کیا کچھ بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اس نے مذاہب و ادیان و عقائد و مسلمات انسان پر کتنی تیز روشنی ڈالی۔

اس نے روح و مادہ اور اعمال کی بابت کس قدر اسرار آشکار کیے۔

اس نے تدبیر منزل و سیاست مدن، حقوق افراد و جوہ قوم کی نسبت کتنے قوانین و ضوابط ایجاد کیے۔

اور ان سب کی تمیز و وضوح کے سلسلہ میں اسے کس قدر اقسام سخن اور اسالیب کلام پر تکلم کی ضرورت ہوئی لیکن ہر جگہ کلام کی شان، الفاظ کی شوکت، معانی کا حسن اسی خصوصیت کے ساتھ جلوہ گستر و نور افزا ہے، جیسا کہ اثبات توحید و رد شرک و ابطال باطل و احقاق حق کی فضا میں عطر بیروز و روح پرور تھا۔ یہ وہ وقائع کلام ہیں جن کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اپنی لمبی لمبی عمروں کو اسی شوق فہم و ذوق وجدان میں پورا کر دیا ہے۔

﴿4﴾ فصاحت و بلاغت کا تعلق جزالت الفاظ سے بھی ہے اور اشاعت معنی سے بھی۔ ہم اس جگہ چند آیات کا اقتباس پیش کرتے ہیں، ان کے ہمہ گیر معانی پر غور کرو اور خوب غور سے دیکھو کہ تہذیب اخلاق، تہذیب نفس، تدبیر منزل، حصانت قوم اور سیاست مدن کا کون سا ضروری مسئلہ ہے جو ان چند آیات سے باہر رہ گیا ہے۔ اسی سے قرآن مجید کی 6666 آیات شریفہ کا اندازہ کرو اور ان علوم و معارف کا تخمینہ لگاؤ جو ان آیات میں محفوظ کئے گئے ہیں۔

ان آیات کے پیش کرنے سے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ہم صرف اتنی ہی آیات کو پیش کر سکتے تھے یا یہی چند آیات نمونہ بنائے جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ لا واللہ!

اس وقت ہماری مثال اس گل چمن کی سی ہے جو ایک گلستان تازہ بہار کی سیر کو نکلتا اور واپسی کے وقت وہاں سے چند گل شاداب کو زیب سرو سینہ بنا لیتا ہے، کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس گل چمن کے بعد باغ میں پھول باقی ہی نہیں رہے، یا جو باقی ہیں وہ سب آب و رنگ میں یا زہت و نزاکت میں گلہائے چیدہ سے کم ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یقیناً منفی ہوگا۔

﴿1﴾ اصول عبادت

﴿وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ [سن: 22]

”کیا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور جس کی طرف ہم تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔“

﴿2﴾ شرافت انسانیت

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ

﴿مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ [بنی اسرائیل: 70]

”ہم نے فرزند ان آدم کو عزت دی اور محروم نہیں ان کے لیے سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزیں ان کو کھلا کیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو برترین فضیلت عطا کی۔“

③ اوامر یعنی کرنے کے کام

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾ [النحل: 90]

”اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ عدل و احسان کرو اور قرابت داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرو۔“

④ نواہی یعنی نہ کرنے کے کام

﴿وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ [النحل: 90]

”اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں سے اور بغاوت سے اور ناپسندیدہ امور سے تم کو منع کرتا ہے۔“

⑤ محرمات

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ [الاعراف: 33]

”میرے پروردگار نے مندرجہ ذیل باتوں کو حرام ٹھہرا دیا ہے۔“

① بے حیائی کی سب صورتیں کھلی ہوں یا چھپی ہوئی۔

② گناہ ③ بغاوت ناحق۔

④ اللہ کے ساتھ شرک، جس کے جواز کی بابت کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے خلاف اپنی بے علمی سے باتیں بنانا۔

⑥ تعاون

﴿تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ [المائدہ: 2]

”نیکی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔“

⑦ عدم تعاون

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدہ: 2]

”گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں کسی کی کچھ مدد نہ کرو۔“

⑧ جملہ اعضاءِ انسانی اپنے اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ أَدْ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾

﴿مَنْ خَلَقْنَا تَفْصِيلاً﴾ [بنی اسرائیل: 70]

”ہم نے فرزند ان آدم کو عزت دی اور بحر و بر میں ان کے لیے سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزیں ان کو کھلائیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو برترین فضیلت عطا کی۔“

③ اوامر یعنی کرنے کے کام

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾ [النحل: 90]

”اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ عدل و احسان کرو اور قرابت داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرو۔“

④ نواہی یعنی نہ کرنے کے کام

﴿وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ [النحل: 90]

”اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں سے اور بغاوت سے اور ناپسندیدہ امور سے تم کو منع کرتا ہے۔“

⑤ محرمات

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ

مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ [الاعراف: 33]

”میرے پروردگار نے مندرجہ ذیل باتوں کو حرام ٹھہرا دیا ہے۔“

① بے حیائی کی سب صورتیں کھلی ہوں یا چھپی ہوئی۔

② گناہ

③ بغاوت ناحق۔

④ اللہ کے ساتھ شرک، جس کے جواز کی بابت کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے خلاف اپنی بے علمی سے باتیں بنانا۔

⑥ تعاون

﴿تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ [المائدہ: 2]

”نیکی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔“

⑦ عدم تعاون

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدہ: 2]

”گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں کسی کی کچھ مدد نہ کرو۔“

⑧ جملہ اعضاء انسانی اپنے اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ أَدْ كُلٌّ أُولَٰئِكَ مَنَّ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾

”جب قول ہوا اور فعل اس کے ساتھ نہ ہو تو خدا کے ہاں یہ بہت بیزاری کی بات ہے۔“

16) اپنے افعال کی پوری پوری ذمہ داری

﴿وَلَا تَوَدُّ وَاِزْدِرَآءُ وَاِزْرًا اُخْوِي﴾ [الانعام: 164]

”کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“

17) برائی کی اشاعت بھی بری ہے

﴿لَا يُحِبُّ اللهُ النَّجْهَرَ بِالسُّوِّ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظَلِمَ﴾ [التہ: 148]

”برائی کا کھلا ذکر اللہ کو پسند نہیں، ہاں مظلوم اس سے مستثنیٰ ہے۔“

18) علم و تواضع کی تعلیم

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا﴾

”زمین کے بندے وہ ہیں جو زمین پر خاکساری سے چلتے ہیں اور جاہلوں کے ساتھ بات چیت کے وقت وہ جاہلوں کو

سلام کہتے ہیں۔“ [الفرقان: 63]

19) ناپسندیدہ عادتیں

﴿اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ [الفرقان: 18]

”مکار اور جھوٹے فخر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔“

20) چغلی سے نفرت دلانے والی مثال

﴿وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اِيْحَبُّ اَخَدَكُمْ اَنْ يَّكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مِيْتًا﴾ [الحجرات: 12]

”تم میں سے کوئی بھی دوسرے کی چغلی نہ کرے، کیا تم مردہ بھائی کی لاش کا گوشت کھانا پسند کر سکتے ہو (چغلی کی یہی

مثال ہے۔“

21) نفع رسائی کی ضرورت و فضیلت

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [آل عمران: 92]

”تم اصل نیکی کو اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے، جب تک اللہ کی راہ میں اپنی پیاری چیزوں کو خرچ نہ کرو گے۔“

22) اخوت عامہ کی تعلیم

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [الحجرات: 10]

”سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں، یہی سچی بات ہے۔“

عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہیں

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ [البقرہ: 228]

”دستور کے مطابق حقوق عورتوں پر مردوں کے ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔“

زن و شوہر کا اتحاد

﴿ هُنَّ لِيَاْسٍ لَّكُمْ وَانْتُمْ لِيَاْسٌ لَّهُنَّ ﴾ [البقرہ: 187]

”عورتیں مردوں کے لیے لباس ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں۔“

عورت کو جدانہ کرنے کی نصیحت

﴿ وَامْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ ﴾ [الاحزاب: 37]

”اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔“

شکر کا حکم اور فائدہ

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾ [ابراہیم: 7]

”اگر تم شکر کرو گے تو تم کو بڑھاتا رہوں گا۔“

امتحان الہی کی چیزیں

﴿ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ [التغاب: 15]

”مال و دولت اور اولاد میں بندوں کا امتحان ہے۔“

کسر نفسی کی تعلیم

﴿ وَمَا أُبْرِيْ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَآ مَارَّةٌ بِالسُّوْءِ ﴾ [یوسف: 53]

”میں نفس کو بری نہیں ٹھہراتا، نفس تو برائی کی طرف اکسایا کرتا ہے۔“

جنگ سے بچنے کی تدبیر

﴿ وَاعْتَدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ [الانفال: 60]

”تم دشمنوں کے لیے اپنی پوری قوت سے تیار رہو اور سرحدات پر پوری فوجی تیاری رکھو، اس تدبیر سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو روکے رکھو گے۔“

جملہ محامد عالیہ کا مالک ہمارا پروردگار ہی ہے

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ [التاح: 1]

”اللہ، جو تمام مخلوقات کا پالنے والا ہے، وہی سب خوبیوں کا مالک ہے۔“

دین الہی کی تعریف

﴿ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِحَلْقِ اللَّهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ [الروم: 30]

”وہ سرشت الہی جس پر سب انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے، اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں۔ یہی تو محکم و استوار دین ہے۔“

328 دین صحیحہ کا مقصد کیا ہے اور کیا نہیں

﴿ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَ لَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُعْتَمِتَهُ، عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾ [المائدہ: 6]

”وہ اللہ کا یہ ارادہ نہیں کہ تم پر کوئی دشواری ڈالے، اس کا تو ارادہ یہ ہے کہ تم کو پاک و مطہر بنائے اور اپنی نعمت تم پر تمام کرے کہ تم شکر گزار بنو“

329 رب برتر کا تعلق اہل ایمان کے ساتھ رحمت و محبت کا ہے

1 ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ [الانعام: 12]

”تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ رکھا ہے (جمع کر رکھا ہے)۔“

2 ﴿ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴾ [البقرہ: 14]

”وہ تو بہت بخشنے والا محبت کرنے والا ہے۔“

3 ﴿ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ﴾ [البقرہ: 257]

”اللہ تو ایمان والوں سے محبت کرنے والا ہے اور ان کا کارساز ہے اور ان سب کو تاریکیوں سے نکالتا ہے اور نور میں لاتا ہے۔“

330 انسان واحد کی جان کی قیمت

﴿ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَ مَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ﴾ [المائدہ: 32]

”اگر کسی نے ایک انسان کو مارا (قصاص یا بلوہ کی سزا مستثنیٰ سمجھو) تو گویا اس نے تمام نوع انسانی کو قتل کر ڈالا اور جس کسی نے ایک انسان کو بھی ہلاکت سے بچالیا گویا اس نے تمام انسانوں کی زندگی کو بچالیا“

331 امن شکنی کی ممانعت

﴿ فَادْكُرُوا اللَّهَ وَ لَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴾ [الاعراف: 74]

”اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور ملک میں فساد پھیلانے سے باز آ جاؤ۔“

332 اصول مصارف

﴿ وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَ لَمْ يَقْتُرُوا وَ كَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ﴾ [القرآن: 67]

”رحمن کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں، تب نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان حالتوں کی درمیانی حالت پر چلا کرتے ہیں“

﴿۳۷﴾ مال و منال دنیا سے آرام و آسائش بھی اٹھاؤ اور آخرت بھی کماؤ

﴿ وَاتَّبِعْ فِي مَآئِكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَفْسِكَ مِنَ الدُّنْيَا وَآخِرَتِهَا كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ﴾ [التقصص: 77]

”جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے اس میں آخرت کی بھی طلب کرو اور اپنا دنیاوی حصہ بھی مت بھول جاؤ اور بھلائی کیا کر، جیسا کہ اللہ نے تجھ سے بھلائی کی ہے“

﴿۳۸﴾ امداد و غریب و مساکین

﴿ قَاتِ ذِي الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ [الروم: 38]

”قربت والے اور مسکین اور مسافر کا حق ادا کیا کر، یہ باتیں ان لوگوں کے لیے بہتر ہیں جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پائیں گے“

﴿۳۹﴾ سوگند (قسم) کھانے والا انسان بے اعتماد و بن جاتا ہے

﴿ وَلَا تَطْعَمْ كُلَّ حَلَاْفٍ مَّهِينٍ ﴾ [النم: 10]

”جو کوئی شخص بہت سوگندیں کھاتا اور ذلیل بنتا ہے اس کا اعتبار نہ کرو“

﴿۴۰﴾ اللہ عز و جل سے دعا مانگا کرو

﴿ وَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ﴾ [مافر: 14]

”اللہ ہی سے دعا مانگا کرو، خالص اسی کے ہو کر اور اسی کے فرمانبردار بن کر رہو“

﴿۴۱﴾ حمد خالق و مدح مخلوق

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ ﴾ [النمل: 59]

”حمد کا مالک اللہ ہے اور اللہ کے بندوں کے لیے سلام (سلامتی) ہے“

اس مختصر سے جملہ پر اور تقسیم مدارج پر جتنا زیادہ غور کیا جائے گا، اسی قدر زیادہ حقائق معلوم ہوں گے۔ اسی میں توحید ہے، اسی میں ریشک، اسی میں برگزیدہ بندگان اللہ کے مدارج علیا کا بیان۔

﴿۴۲﴾ نظم عالم اور تناسب اجزاء عالم کا بیان

﴿ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفٰوُتٍ ط فَاذْجَعِ الْبَصْرَ ط هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُوْرٍ ﴾ [الملك: 3]

”تو رحمن کی پیدا کردہ اشیاء میں کچھ فرق نہ دیکھے گا، ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی نقص بھی نظر آیا۔“

﴿۴۳﴾ قرآن مجید اور بیت العنکبوت کی مثال

﴿ اِنَّ اَوْهٰنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [العنکبوت: 41]

”سب گھروں میں کمزور عنکبوت کا گھر ہوتا ہے، اگر لوگوں کو علم ہو۔“

علم کو بیت العکبوت سے متعلق فرمایا، اس لیے کہ عکبوت کے گھر میں اہل علم کے لیے بڑے بڑے عجائب ہیں۔ جرمن پروفیسروں کا قول ہے کہ کٹری کے جالے کا ہر ایک تار چار تاروں سے ملا ہوا ہوتا ہے اور ان چار تاروں میں ہر ایک تار ایک ہزار تار سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ یعنی ایک تار میں چار ہزار تارے ہوتے ہیں۔ اہل علم غور کریں کہ اس ”اوہن البیوت“ بنانے والی کٹری کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر فہم و فراست اور باریک نوج و خیاطت کی صنعت عطا فرمائی ہے۔

﴿قرآن مجید اور نخل (شہد کی مکھی) کی مثال﴾

﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ ﴿۴۱﴾﴾ [العنکبوت: 41] ”تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی“
 شہد کے پتھرے کے اندر نظام قومی کا مستحکم آئین، فوج اور اہل صنعت کی جداگانہ تقسیم، جداگانہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ محلے، بچہ دینے والی رانی کی حکومت، بچوں کی پرورش اور تربیت کی خدمات کو سرانجام دینے والا عملہ، شہد کے ذخیرے، ذخیروں کی حفاظت کے طریقے، شہد بنانے کے لیے ہزار ہا اقسام کے پھولوں میں چاشنی کا نکال کر لانا، چھتے کے سب گھروں کا مسدس اور یکساں رقبہ ہونا، یہ جملہ امور اس نتیجہ کے موید ہیں کہ جب وحی ربانی کسی ذی روح کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوتی ہے تو اسے کیا بنا دیتی ہے۔
 اور جب قرآن جیسی وحی انسان جیسے ذی عقل و فہم اور ذی نطق و تدبیر کے ارتکائے بدنی و روحی کی طرف التفات فرمائے تو اسے کن کن منازل تک بلند فرمادے گی۔

﴿قرآن مجید اور نمل (چیونٹی) کی مثال﴾

﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ وَلَا يَحْطَمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾
 ”چیونٹیوں کی رانی نے کہا: چیونٹیو! تم اپنی آرام گاہوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں تم کو سلیمان اور اس کے لشکر ریزہ ریزہ نہ کر دیں اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔“ [النمل: 18]
 اللہ! چیونٹیوں کے پاس ایسے مسکن موجود ہیں کہ جب وہ ان میں داخل ہو جائیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر بھی ان کو نہ بگاڑ سکے۔ یہ آیت ہر ایک ضعیف قوم کو قوی تر قوم کے سامنے زندہ رہنے اور اپنی ہستی قائم رکھنے کے وسائل کی تعلیم دیتی ہے، جن میں پہلا سبق: وہ اتحاد و اتفاق ہے کہ اپنے سردار کی رائے پر جملہ افراد قائم و عامل ہوں۔
 دوسرا سبق: ذاتی حفاظت کا سامان ہر وقت مکمل رکھنا ہے۔
 تیسرا سبق: کسی بالاتر طاقت کے ساتھ مقابلہ آرائی کا نہ کرنا ہے۔
 چوتھا سبق: نقصان رسیدہ ہو جانے کی حالت میں بھی اس شخص کو الزام نہ دینا ہے جس کی نیت اور علم میں نقصان رسانی شامل نہ تھی۔
 پانچواں سبق: جب مسلمانوں کی اجتماعی حالت چیونٹیوں کی سی ہو جائے تو ان کو قرآن پاک کی حفاظت میں داخل ہو جانا چاہیے۔
 چھٹا سبق: آنے والے خطرات سے آگاہ کرنا امیر قوم کا فرض ہے۔
 ساتواں سبق: چیونٹی کی مانند ضعیف ترین جنس بھی زندہ رہ سکتی ہے اگر وہ بقائے حیات کا عزم رکھتی ہے۔ اس لیے کسی قوم کا ضعف اس کے فنا کی دلیل نہیں۔

﴿قرآن مجید اور ارض و سماء کی اشیاء پر نظر اعتبار کا حکم﴾

﴿قُلِ انظُرُوا مَا ذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [یونس: 101]

”آسمانوں اور زمین کے اندر کی سب چیزوں کو دیکھو کہ وہ کیا ہیں؟“

یہی آیت ہے جو جملہ انکشافات کی جڑ ہے۔ قدرت کی پیدا کردہ ہر شے کو نظر اعتبار سے دیکھنا، اس کے خواص اور ماہیت کا معلوم کرنا انسان کو بلند ترین ارتقاء پر پہنچانے والا ہے۔ افسوس ہم لوگ ایسے احکام کی تعمیل سے کس قدر لاپرواہ، قاصر اور غافل ہیں۔

﴿قرآن مجید اور فوائد بحر﴾

﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِنَا كُلُّوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوْنَ مِنْهُ حَبْلًا مِّنْهُ تَلْبِسُوْنَهَا وَ تَرَى الْفُلْكَ

مَوَاجِرَ فِيْهِ وَ لِيَتَّبِعُوْا مِنْ فَضْلِهِ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [الحج: 14]

اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے فائدے کے لیے مسخر کر دیا، وہ فوائد یہ ہیں:

- ① تازہ بتازہ گوشت، سمندر کی تجارت، مائی گیری کا حال اگر کوئی پڑھے تو اسے معلوم ہو جائے کہ آج دنیا میں کروڑوں پونڈ اسی تجارت سے اقوام عالم کما رہی ہیں اور مسلمان جو آیت کریمہ کے مخاطب خاص تھے اس سے قطعاً محروم اور بے خبر ہیں۔
- ② درو گوہر: جو انسان کی زینت اور لباس کی چیز ہے، اس کی تجارت بھی کروڑوں پونڈ کی ہے۔ عہد نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بحرین ① پر اسلامی قبضہ تھا جسے ہم کھوپٹھے ہیں۔
- ③ جہاز رانی: دنیا پر شہنشاہی کے لیے اولین شرط ہے۔ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیڑا قائم کیا اور بحری جزائر کریٹ، مانا، طرابلس وغیرہ فتح ہوئے۔
- موسیٰ بن نصیر رضی اللہ عنہ اور جنرل طارق رضی اللہ عنہ نے سین کو فتح کیا، خیر الدین باربروسا رضی اللہ عنہ نے ترکی کی سلطنت کا اقتدار سارے یورپ سے منوایا۔ بالآخر اس کو مسلمانوں نے فتح سمجھا اور دنیا کی شہنشاہیت سے محروم کر دیے گئے۔
- ④ بحری تجارت: جس میں بے شمار نفع ہے۔
- ⑤ مذکورہ بالا تمول اور افراط دولت اور قوت حکومت کے بعد دینی فائدہ یعنی شکر نعمت الہی میں مصروفیت اشاعت اسلام، دور دراز ممالک میں تبلیغ اسی پر منحصر ہے۔ عبدالملک اموی کے عہد میں عرب سودا گروں ہی نے اسلام کو ہندوستان کے جنوبی سواحل پر پہنچایا۔ انھوں نے آسام، برما اور مشرقی بنگال کو مسلمان بنایا، جب کہ شمال مغربی سرحد سے حملہ آور (محمود وغیرہ) ہندوستان سے بالکل لاپرواہ تھے۔



① الحمد للہ آج بحرین آزاد، خود مختار اسلامی ملک ہے۔

معانی عالیہ و مضامین نادرہ

مضامین میں ہمیشہ دو اعتبار ملحوظ ہوتے ہیں۔

(1) وسعت

وسعت کی بابت قرآن مجید کا خود دعویٰ ہے ﴿لَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ [الانعام: 59]
 ”کوئی تر اور کوئی خشک چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں لکھی ہوئی نہ ہو۔“

اسی دعویٰ کے اعتماد پر ایک ذی علم مسلمان کل دنیا کو مخاطب بنا کر یہ کہہ سکتا ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ جس کا تعلق تہذیب نفس، تزکیہ روح، صفائی قلب اور حصول نجات سے ہو، خواہ اس کی بنیاد اعلیٰ فلسفہ پر ہو یا قدیم و جدید اکتشافات و تجربہ پر ہو، خواہ وہ اشرافین کی الہیات سے لیا گیا ہو، یا انہین کے شوارقات کوئی شخص ہمارے روبرو پیش کرے۔

ان شاء اللہ اسی مسئلہ کو وضوح تمام اور صحت کاملہ کے ساتھ قرآن مجید میں بیان شدہ دکھلایا جائے گا:

﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ [الفرقان: 33]

”یہ آپ کے پاس جو مثالیں لائیں گے ہم آپ کو انہیں کا عمدہ جواب بتادیں گے“
 یاد رکھو کہ کوئی علمی صداقت قرآن مجید پر مبادرت نہیں کر سکتی۔

(2) عمدگی

دنیا میں ہستی باری تعالیٰ کا یقین رکھنے والی جس قدر اقوام ہیں وہ علمی طور پر مسئلہ توحید کی ضرورت قائل ہیں۔ ایک بت پرست و تثلیث پرست کو بھی اس امر میں مساعی دیکھا جائے گا کہ کثرت میں وحدت کو ثابت کرے۔ اب دیکھو، کہ یہ مسئلہ (جس کی خوبی پر تمام عالم متفق ہے اور جس کو اپنی اپنی کتابوں کے اندر ثابت کرنے کی ہر مذہب سعی کر رہا ہے) قرآن مجید سے بڑھ کر اور کسی جگہ نہ ملے گا۔

دیگر بیانات کو بیان قرآن کے سامنے وہی نسبت ہوگی جو مٹی میں طے ہوئے پانی کو آب زلال کے ساتھ ہوتی ہے۔ اگر کسی کے دل میں اس واقعہ صحیح کے متعلق کچھ شک ہو تو وہ اپنی کتاب کو پیش کرے، جہاں سے ہم چاہیں۔ اس کی کتاب کو اور جہاں سے وہ چاہے قرآن مجید کو کھول لے، اس مقام سے آگے ایک ایک جزو کا ترجمہ کیا جائے اور وہ ترجمے تیسرے مذہب والے کے پاس بھیج دیے جائیں۔ فیصلہ طلب امر یہ ہوگا کہ توحید کا کامل تر اور واضح تر بیان کس کتاب میں ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ﴿لَا يَسْتَوُونَ بِمِثْلِهِ﴾ [الاسراء: 88] ”قرآن جیسا کلام نہیں بنا سکتے“ کے مفہوم میں اگرچہ اس کی طرز بدیع اور الفاظ عالی اور بے مثل ترتیب اور لائٹانی اسلوب اور فصاحت و بلاغت کی وہ معجز اور اجتماعی شان بھی شامل و داخل ہے جو اس کی عبارت میں نمایاں و درخشاں ہے، لیکن ان سے بھی بڑھ کر قرآن پاک کے وہ معانی پاک ہیں جو گراں الفاظ کی تہہ میں ایسے ہی موجود ہیں، جیسے حلہ زریں میں لولوئے شاہوار ہوتے ہیں۔

قرآن کریم جن مضامین عالیہ پر مضممن ہے اور جو اس کی خصوصیت خاصہ ہیں، یہ وہ بصائر ہیں، جو دیدہ کوتاہ بین کے حجاب اٹھا

دینی اور آنکھوں کو روشن بنا دیتی ہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا:

﴿ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۖ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۖ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۖ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴾ [الشّٰہ: 17-20]

”کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے وہ کیسے بلند کیا گیا اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے وہ کیسے گاڑے گئے اور زمین کی طرف غور نہیں کرتے وہ کیسے بچھائی گئی۔“

قرآن کریم یہاں اونٹ، آسمان، پہاڑ، زمین کے نام لیتا ہے۔ کیا یہ وہی چیزیں نہیں جن کو ہر ایک بادیہ نشین بدوی ہر وقت دیکھا کرتا تھا، جو ہر ایک اعرابی کی آنکھوں کے سامنے موجود تھیں، لیکن ان سب کو دیکھتے ہوئے بھی دیکھنے والوں کی نظر خلقت و رفعت اور مکنس و فسحت کی کیفیت دریافت کرنے کی جانب کبھی نہیں اٹھتی تھی۔ قرآن مجید نے آنکھیں کھول دیں تو اب ان معانی کی کیفیت بھی معلوم ہونے لگی اور ہر ایک چیز سے خلاق مطلق کی قدرت و خالقیت اور رفیع الدرجات ذوالعرش کی فوقیت، سکون و حرکت کی آفرینش میں عزیز الحکیم کا غلبہ اور حکمت، لہیت (نزاکت) و صلابت اجسام میں گونا گوں فوائد کی فراوانی و کثرت بھی نظر آنے لگی۔

عرب کے وہ بھی تک صحراء و وادی جن کو آنکھ بھر کر دیکھنا گوارا تھا، اب صحیفہ فطرت کے طالبان علم کے لیے ورق دانش بن گئے۔ ہاں! قرآن پاک اپنے مضامین کے لحاظ سے علم ہے۔ ﴿ أَنْزَلْنَا هٗ بِعِلْمِہٖ ﴾ [شہد: 126] وہ شنوائی و بینائی اور دانش کے لیے تجذیبہ خرد ہے اور تو اے مددگار اور حواس جارحہ کار بہر ہے۔

وہ حیات قلب ہے اور نور روح، وہ راحت عاشقین ہے اور ہدایت طالبین۔

اقبال و دولت، مکنس فی الارض اور حکومت اس کی خدام ہیں، آرام دل اور انس جان قرۃ العین اور ضیائے بصیرت اس کی توابع ہیں۔

علم و حقیقت اور ہدایت و صداقت اس کے علم بردار ہیں۔ قرب و انشراح، رفاہ و صلاح اس کے حاشیہ بوس ہیں۔ نجات اخروی، فوز و جوی، رضوان الہی وہ صلحت ہائے شرف ہیں جو اسی بارگاہ علیا سے عطا ہوتی ہیں۔ کاش! آنکھوں والے آنکھیں کھولیں اور سننے والے اس کی آواز پر کان لگائیں۔ صاحب دل دلوں کے خلاف اتارا تار کر اور بصیرت سے قفل کھول کھول کر کام لیں کہ حسن قرآن کی عالم افروزی و ملکوت نوازی ان پر روش و مہربن ہو جائے۔

فصل سوم 3

تاثیر قرآن

□ عمر بن الخطابؓ جیسا شخص جسے آج بھی یورپ جزل عمر بن الخطابؓ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کام تمام کر دے، لیکن قرآن کی چند آیات سن کر شمشیر اس کے ہاتھ سے گر پڑتی ہے اور اپنی ہمشیرہ فاطمہؓ ہی کے گھر سے ذلیل و منکسر ہو کر سرور کائنات ﷺ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے اور ”فاروق“ؓ کے خطاب سے عزت پاتا ہے۔ [1]

[1] دلائل النبوة للبیہقی: 219/2، اتن بشام: 222/1

- اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ مدینہ کا مشہور سردار گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کہ اسلام کے مبلغ اول مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو آبادی شہر سے باہر نکال دے۔ وہ چند آیات سن پاتا ہے اور مصعب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت اسلام کر کے اٹھتا ہے۔ ①
- ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص اور مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی جگہ قابل نفرت نہ تھی۔ اسے صرف دو یوم تک قرآن پاک کے استماع کا موقع ملتا ہے، رشد و ہدایت کی آواز کان سے ہو کر دل تک پہنچ جاتی ہے۔ جب اسے بلا شرط آزادی مل جاتی ہے تو خود بخود حاضر ہوتا ہے، اسلام لاتا ہے اور دل و جان کو محقر ہدیہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیتا ہے۔ ②
- خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہ قرآن مبین سن پاتا ہے تو ششدر رہ جاتا ہے اور جب اس حالت درر بودگی سے سنبھالا لیتا ہے تو بول اٹھتا ہے: ③

وَاللَّهِ إِنَّ لَكَ لَحَلَاوَةً
وَإِنَّ عَلَيْنَهُ لَكُفْرًا
وَإِنَّ أَسْفَلَ لَكُفْدِقًا
وَإِنَّ أَعْلَاهُ لَكُفْرٌ
وَمَا يَقُولُ هَذَا لَكُفْرٌ

- ولید بن مغیرہ قریش کا بوڑھا خرافت تھا، اسے اسلام سے سخت عداوت تھی۔ قرآن مجید کے متعلق اس کی رائے یہ ہے کہ اس کلام میں عجیب رس ہے، یہ تو نورس حلاوت ہے۔ ④

- ذوالنجاوین رضی اللہ عنہ چرواہا تھا، آتے جاتے مسلمان مسافروں سے آیات قرآنی یاد کر لیا کرتا، آخر گھربار خویش و بہار، مال و مویشی، عم و مادر کو چھوڑ کر خدمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ ⑤

قرآن مجید کا اثر معلوم کرنا ہو تو ان لوگوں کے واقعات پر زیادہ نگاہ ڈالو، جو قرآن پاک کو سمجھ سکتے تھے۔ جو لوگ ایک پیسہ پر قتل عمد کو معمولی کھیل سمجھتے تھے، وہی دینِ حق کی محبت میں گھربار سے قطع تعلق کرنے لگے تھے۔ جو لوگ مدتِ العمر تین سو ساٹھ (360) بتوں کے پجاری رہے تھے، وہ خود تو حید کے داعی بن گئے تھے۔ جن کا کام لاوارث بچوں کا مال اڑانا، رائیوں کو محل دینا تھا، وہی اعانتِ یتیمی اور ہمدردی ایامی کا سبق پڑھایا کرتے تھے۔ وہ خود سرقہ بائل جنسوں نے کبھی کسی قانون یا شخص کی اطاعت نہ کی تھی، وہ اب ایسے مطیع و منقاد اور پابندِ شرع الہیہ ہو گئے تھے کہ مقدماتِ زنا میں رجم اور مقدماتِ سرقہ میں قطع ید، مقدماتِ خمر میں اجرائے حدودِ شرعیہ کے لیے خود اپنے آپ کو پیش کیا کرتے تھے کیا ایسے نظائر کسی متمدن ملک میں موجود ہیں اور کسی جگہ کے مجرم قانون کا اتنا احترام کرنے والے دیکھے گئے ہیں۔

قرأت و تلاوت کلام اللہ کا یہ اثر ہوا تھا کہ زبان آوروں کی گرمی بازارِ شغندی ہو گئی تھی۔ حکاظ کا بازار مند اپڑ گیا تھا اور یہ عالم ہو گیا کہ اگر نشاطِ طبع منظور ہے تو اس نورِ مبین کا ورد ہے اور اگر حصولِ برکت و بہنِ مقصود ہے تب کتابِ عزیز کا سماع ہے۔

الغرض قرآن مجید کا اثر انسان کے دل و زبان، طبع و دماغ اور جملہ حواس و قوئی پر نہایت مستحکم ہے اور جو اثر اس کا ایک شخص پر ہے وہی تمام ملک پر بھی ہے۔

نمونہ تعلیم

قرآن مجید کی تعلیم و تائید کا نمونہ جو شخص انسانی ہستیوں پر دیکھنا چاہے، وہ صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کے حالات پر غور کرے۔ ان کے مصائب پر صبر، قتل برنوائب اور اوائے شکر و احسان کے واقعات کو معلوم کرے۔ کافراہل اسلام کی تواضع، خشیت من اللہ، ہمدردی عامہ، اخوت، نفع رسانی خلائق پاکیزگی والاہمتی، مہمان نوازی کو دیکھیے۔

مسلمانوں کے اصول منزل و اصول تمدن و اصول حکومت کا مطالعہ کرے۔ یہ سب نمونے قرآن مجید کے تیار کردہ ہیں۔ ایرک نیلر نے جو کپٹن کا درجہ رکھتا تھا، اپنی 12 مئی 1887ء والی تقریر میں جو دو لور ہسٹن میں چرچ کانگریس کے سامنے دی تھی، صاف طور پر کہا تھا:

کہ افریقہ کے جن وحشی مقامات پر اسلام کا سایہ پڑا، وہاں سے زنا، قمار بازی، دختر کشی، عہد شکنی، قتل و غارتگری وہم پرستی، شراب خوری وغیرہ وغیرہ ہمیشہ کے لیے جاتی رہیں۔

مگر جب اس ملک کے دوسرے حصہ پر کسی غیر اسلام مذہب نے قدم جمایا تو ان لوگوں کو ذاکل بالا میں اور زیادہ راسخ کر دیا۔ [1]

قرآن مجید اپنے نمونہ کی بابت خود فرماتا ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ [آل عمران: 110]

”اے ایمان والو! تم بہترین گروہ ہو جو انسانوں کی نفع رسانی کے لیے بنائے گئے ہو۔“

صہیب رضی اللہ عنہ کا حال پڑھو جو آہن گرتھے۔ قریش نے انھیں ہجرت مدینہ سے روک دیا، وہ اپنا تمام اندوختہ ان ظالموں کو دے کر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ تلاء کہ یہ ایثار ان کو کس نے سکھایا؟ [2]

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پر غور کرو، یہ شوہر سے جدا کی گئیں اور گود کا بچہ ان سے چھین لیا گیا، مگر وہ یکہ و تہا اللہ کی راہ میں تین سو (300) میل کا لمبا سفر اختیار کرتے ہوئے ذرا نہ ہچکچائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی طرف اکیلی چل دیں۔ یہ جرات، یہ قربانی، یہ جذبہ ان میں کہاں سے پیدا ہوا؟ [3]

خطاب کا بیٹا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو باپ کے اونٹ چرایا کرتا اور پھر بھی باپ کی سخت و درشت خوئی سے سہا رہتا تھا، اپنی خلافت کے ایام میں بائیس لاکھ مربع (2200000) میل پر حکومت کرتا تھا، اس کی معدلت گھسٹری اور عدل پروری اور رعایا نوازی اور دین داری کا درجہ ہمیشہ ہر ایک کے لیے موجب غبطہ رہا۔ [4]

غور کرو کہ حکمرانی کی یہ قابلیت اور کشور کشائی کی یہ اہلیت کہ دنیا کے تین بڑے براعظم اس کے زیر نگیں تھے۔ اسی قرآن پاک کی تعلیم پر عمل کا نتیجہ تھا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ موتہ میں اپنے سے پچاس گنی فوج کو جو سلطنت روما کی قواعد دان اور آئینی فوج تھی اپنے

[1] خمس از اخبار بیست و چھ گزٹ لندن مطبوعہ 8 اکتوبر 1887ء [2] طبقات ابن سعد: 248/3، الاستیعاب: 728/2

[3] الہدایہ و التہایہ: 69/3، ہشام: 112/2 [4] طبقات ابن سعد: 266/3

رضا کاروں کی معیت و معاونت سے شکست دے دی تھی۔ سوچو کہ ان لوگوں میں یہ عزیمت، یہ ہمت، یہ استقلال، یہ شہادت، یہ پامردی، یہ شجاعت، یہ قربانی، یہ جان بازی کیوں کر پیدا ہو گئی تھی؟ ﴿۱﴾
 اگر فکری تلاش صادق سے تجسس کیا جائے تو ان سب ترقیات کا سبب اولیٰ قرآن کریم ہی نکلے گا۔
 جو رسول کریم ﷺ کے طفیل ان شہدائیان ایمان کو حاصل ہوا تھا۔

قبولیت قرآن

قبولیت میں تداول بین الناس اور کثرت اشاعت بھی شامل ہے۔
 ذرا غور کرو کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسی کتاب نہیں، جسے دن میں پانچ (5) مرتبہ کروڑوں ﴿۲﴾ بنی آدم پڑھ لیتے اور سن لیتے ہوں۔
 یہ درست ہے کہ یورپ کے ممول نے مطبوعہ انجیلوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھادی ہے، لیکن صرف اسی امر کو تداول و اشاعت نہیں کہا جاسکتا۔
 تداول کے معنی ہیں کہ جس مقصد کے لیے تیار کی گئی ہو، اسی میں اس کا استعمال بھی ہوا ہو، اور یہ صفت قرآن مجید ہی پر صادق آتی ہے۔

قبولیت کے معنی میں وہ عظمت و احترام بھی شامل ہے جو کتاب کی نسبت دلوں میں مستحکم ہو گیا ہو۔
 احمد نجاشی ابھی عیسائی تھا کہ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اسے سورہ مریم سنائی۔ احمد اس وقت دربار میں بالائے تخت جلوس فرما تھا، لیکن وہ بے اختیار رو رہا تھا اور آنسو بہا بہا کر اپنے گلزار جنت کی آبیاری کر رہا تھا۔ ﴿۳﴾
 عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ایام میں ایک دفعہ مسجد کو آتے آتے بیمار ہو گئے اور ایسے نڈھال ہو گئے کہ راہ ہی میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور پھر گھر پہنچائے گئے۔ لوگ عیادت کرنے آئے تھے۔ دریافت سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ آیت عذاب سن کر حالت اتنی متغیر ہو گئی۔ ﴿۴﴾

لبید عامری رضی اللہ عنہ وہ زبردست شاعر تھا، جس کے اشعار کی نسبت یہ ضرب المثل جاری و ساری تھی: اُكْتَبُوَهَا عَلَيَّ اَلْحَنَاجِرِ وَكَلُّوا بِالْحَنَاجِرِ "ان شعروں کو اپنی اپنی گردنوں پر لکھ لو خواہ مخبروں کی نوک ہی سے لکھنا پڑے۔"
 عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے وہ ایک بار ملنے کو آئے تو خلیفہ نے مہمان کی دل جوئی کے طور پر فرمایا کچھ اپنے اشعار سناؤ تو انھوں نے کہا: امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن عطا فرمایا ہے تب سے مجھے اشعار میں کچھ مزہ نہیں آتا۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر ان کے وظیفہ میں پانسو (500) روپیہ سالانہ کی پیشگی کر دی۔ ﴿۵﴾

ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی یہ آیت سنی: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ [آل عمران: 92]
 نیکی کا اصل درجہ نہیں مل سکتا جب تک کہ اللہ کی راہ میں وہ شے صرف نہ کر دو جو تمہیں بہت پیاری ہے۔ ان کے پاس ایک باغ تھا۔ پچاس ہزار (50000) سالانہ کی آمدنی کا۔ اسی وقت بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کر دیا کہ یہ باغ اللہ کی راہ میں

﴿۱﴾ بخاری: 1246، 4262 ﴿۲﴾ آج اس عظیم اور مبارک کتاب (قرآن) کی کاپی کرنے والوں کی تعداد سو ارب (1250000000) انسانوں سے زیادہ ہے۔

﴿۳﴾ زاد المعاد: 205/3، ابن ہشام: 360/1 ﴿۴﴾ حلیۃ الاولیاء: 51/1 ﴿۵﴾ تہذیب الاسماء للعموی: 71/2، اصابہ: 207/3، الایضیاع: 1377/3

جمع کرنے سے ایسے صد ہا (سینکڑوں) نظائر (مثالیں) مل سکتے ہیں۔
 بڑے بڑے بادشاہوں محمود، صلاح الدین، یوسف، عبدالرحمن الداخل اور منصور عباسی جیسے باجروت تاج وروں کو ان کی ختم
 گیس حالت یا انتہائی صورت سے اگر کوئی چیز روکنے والی ہوتی تھی تو قرآن کی ایک آیت جسے اہل دربار میں سے کوئی ایک شخص کسی گوشہ سے
 پڑھ دیتا تھا اور بادشاہ کی حالت یہ ہو جاتی تھی کہ گویا آگ کی چنگاری پر منوں پانی آ پڑا۔ یہی وہ واقعات ہیں جو قبولیت کا ثبوت دیتے ہیں۔
 یہی وہ واقعات ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ کتاب مجید کی عظمت اور فرقانِ حمید کی عزت دلوں پر کتنی فرماں روا رہی ہے۔

خصوصیات قرآن مجید

ایسی خصوصیات جو اس امامِ مبین کو صحفِ سابقہ سے متمیز و بالائے تر ثابت کرتی ہیں، بہت ہیں، اس جگہ ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔
 ① تعلیم قرآن پاک کا کل عالم کے لیے وسیع اور عام ہونا
 یہ ایسی خصوصیت ہے جو قرآن مجید ہی کو بالخصوص حاصل ہے۔
 جو کوئی شخص تورات میں سینکڑوں مقامات پر الفاظ ”بنی اسرائیل کا خدا“ پڑھے گا اور قرآن مجید میں الفاظ ”رب العالمین“ دیکھے
 گا اس پر تورات کے مقابلہ میں قرآن پاک کی فضیلت بخوبی آشکارا ہو جائے گی۔

اپنی اس خصوصیت کو قرآن پاک خود ظاہر فرماتا ہے:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ۝ لِيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا﴾ [سورہ ۶۹: ۷۰]

”یہ کتاب تو ذکر ہے، اور قرآن مبین ہے تاکہ ہر ایک اس شخص کو جو زندہ ہے اس کے برے انجام سے باخبر کر دے۔“
 عربی میں مَنْ ذُو الْعَقُولِ کے لیے آتا ہے، اس لیے مَنْ نے ہر ایک انسانی فرد کو اپنے اندر گھیر لیا ہے، اس کے ساتھ مَنَّان
 حَقًّا کی صفت لگی ہوئی ہے۔ آیت کی عمومیت اور وسعت کا خود ہی اندازہ ہر وہ شخص جو ذُو الْعَقُولِ کی فہرست میں آ سکتا ہے، ہر وہ شخص جو
 زندہ کہلاتا ہے یا کہلا سکتا ہے قرآن مجید اسے یاد الٰہی دلانے، قرب سبحانی تک پہنچانے، اس کے عواقبِ امور سے آگاہ کرنے کا کفیل
 ہے۔ کیا ان الفاظ میں کسی اور کتاب نے بھی دعویٰ کیا ہے۔

بقولِ مَتَّى مَسْحُ نَجِيلٍ نے اپنی بشارت و انجیل کو روٹی اور بنی اسرائیل کو بیٹے اور دیگر اقوام کو کتے بتلایا اور یوں فرمایا ہے۔ مناسب
 نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیوں۔ (متی 15 باب 21 تا 32 درس)
 ② قرآن مبین کی تعلیم کا جامع ہونا۔

میں نے تورات و زبور و انجیل نیز دیگر انبیاء کی کتب کو جو مجموعہ بائبل میں داخل ہیں پڑھا ہے، وید کا کچھ (ترجمہ بحر و سام)
 دیکھا ہے، اس کی تاریخ ترتیب و تالیف کو معلوم کیا ہے۔ کنفیوشس متقدمین اور بدھ بانی بدھ مت کے اصول و تعلیم کو مختلف
 کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ زرتشت و جاماسب کے احکام کو دیکھا ہے، یہ سب کے سب اپنے اپنے رنگ میں یک فنی ہیں۔
 آسانی کے لیے صرف بائبل پر نظر ڈالو اور دیکھ لو تورات میں اخبار و احکام، زبور مجموعہ مناجات ہے، انجیل میں امثال و مواظب ہیں۔

کہ مواعظ و احکام، اخبار و امثال، انذار و بشارت کا مجموعہ ہے۔ اس میں صفات الہیہ کا بیان ذات ربانی کا ثبوت، حصول تقرب کا طریق، توحید، توکل و تقویٰ کا مذکور، ایام اللہ کی تفصیل، حیات و ممات انسان اور عدم و وجود عالم کا بیان، فطرت انسانی کی ساخت و شناخت افعال رحمانی کے اسرار، قدرت ربانی کے نمونے، سطوت قہاری کے نتیجے، نصرت الہیہ کے کارنامے ایسے اسلوب سے بیان ہوئے ہیں کہ نفس فرومایہ کو رذائل بشریہ سے پاک و صاف اور حیات مادی کے تاثرات سے مبرا رکھنے، مالک و خالق کے سامنے خاضع و خاشع بنانے، نور یقین کے حصول اور تجرید علاقہ دنیوی اور کھپہ صفات مکی کے لیے اس سے بہتر و بالاتر کچھ متصور نہیں ہو سکتا۔

﴿3﴾ آسمانی کتابوں میں سے یہ خصوصیت قرآن مجید ہی کی خاص ہے کہ علوم اخروی و علوم عقلی کے دو دریائے ذخار پہلو بہ پہلو جوش مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مع ہذا یہ معانی عالیہ ایسے اسلوب بدیع کے ساتھ بیان کیے گئے کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ اس سے برابر متمتع ہوتا ہے۔ وہی ایک آیت جو اہل حق حنین جیسے یہودی فلسفی کو غرق حیرت بنا دیتی ہے اور وہی آیت افریقہ کے وحشی کی جیب دل کو گوہر مقصود سے بھر دیتی ہے۔ جس ایک آیت کی تفسیر کرتے کرتے رازیؒ و غزالیؒ نے اعتراف بجز و قصور فہم کیا ہے۔

اس سے تہامہ کا بدواپنی مشککات کی کشاکش کی راہ پار ہے۔

الحق قرآن حکیم سمندر کی طرح عمیق، گہر ریز نفع رساں ہے اور خس و خاشاک شہبہات کو اپنی لہروں سے ساحل پر پھینک دینے والا ہے۔ اس کے باوقار الفاظ زبان کو اس کے پراسرار معانی ان کو اپنا کئے بغیر نہیں رہنے دیتے۔

کیا کبھی کسی اور نثر کتاب کی بھی یہ صفت سنی ہے؟ جو اول سے آخر تک پڑھنے والے کے ورد زبان اور نقش دل ہو اور شباروزی تلاوت پر بھی پڑھنے والے کی طبیعت سیر ہونے میں اور اسرار کتاب ختم ہونے میں نہ آئے۔ لا واللہ۔

﴿4﴾ خصوصیات قرآن کریم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جس طرح مشرق سے مغرب تک کے لیے ہدایت نامہ دین و دیانت ہے، اسی طرح وہ شمال سے جنوب تک کے لیے مکی قانون بھی ہے۔

اس کی تعلیم کسی قوم اور ملک کی زبان کے لیے محدود نہیں۔

اس کے ارشادات انسانی فطرت صحیحہ کے مخالف نہیں۔

وہ یہودیت کی طرح جنت کو نسل واحد کی جاگیر نہیں بناتا۔

وہ تقرب الی اللہ کے لیے کل دنیا کو واحد خاندان کا دست نگر نہیں ٹھہراتا۔

وہ عیسائیت کی طرح انسان کو فوق از جہات احکام کی تعلیم نہیں دیتا۔

وہ ناقابل تعمیل احکام کا خود کو مجموعہ نہیں بناتا۔

وہ دولت مندوں کو آسمانی بادشاہت سے خارج نہیں کرتا۔

وہ پرستار ان مالک کے لیے ترویج و تامل کو قابل نفرت و مذموم نہیں بناتا۔

اگر کسی کتاب نے روئے زمین کے شاداب حصوں پر بطور آئین سلطنت کبھی کامیاب حکومت کی ہو اور اگر کسی کتاب نے جمیع

بنی آدم کو رنگت اور قومیت نسل اور ملک کے امتیازات سے بالاتر رکھ کر سب کو اپنے فیض سے یکساں مستفیض بنایا ہو، جیسا کہ اس کتاب قیم نے کیا، تو اس کا نام لینا چاہیے۔

﴿قرآن ذی الذکر کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہر ایک پاک مذہب اور اس کے مقدس ہادیان و داعیان مذہب اور ان کی تعلیمات صحیحہ کی ستائش کرتا ہے۔

وہ کسی صداقت کی تکذیب کا ارادہ بھی نہیں رکھتا۔

اس خصوصیت عجیبہ میں کسی سلامت روی، امن پسندی، معدلت گستری، صداقت پروری آشکار ہے۔

﴿قرآن تو اپنا نام ﴿مُصَدِّقٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ [البقرہ: 97] رکھتا ہے اور راست بازوں کی تصدیق کرتا ہی اپنا مقصد اولین بتلاتا ہے۔ ﴿خاصائص قرآنیہ میں سے ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ ﴿قَوْلٌ فَصْلٌ﴾ [الطّارق: 13] ہے اور ان تمام پیچیدہ مسائل میں جن کو افکار انسانی حل نہ کر سکتے تھے یا جن کو کتب ساویہ نے ملٹوی چھوڑ دیا تھا، اپنا قطعی فیصلہ سناتا ہے۔

ایسے مسائل بہت ہیں، مثلاً:

مسئلہ عرفانِ صدائی۔ مسئلہ صفاتِ ربانی	مسئلہ وجود و شہود
مسئلہ بتائے روح و ارتقائے روح	ماہیت نجات، کیفیت رضوان
امتیاز خالق و مخلوق	فرق رازق و مرزوق
مسئلہ شفاعت و اعمال	مسئلہ سزا و جزا
مدارج صبر و شکر	منازل توکل و تفویض
ماہیت عبادت و استعانت	روحانیت انس و صحبت
حقیقت نصرت الہیہ و معیت ربانیہ	مسئلہ گناہ و حقیقت توبہ
مراتب دعا و قبولیت	ربانیت و تامل
طلاق و وراثت	حقوق اولاد۔ حقوق جار
حقوق والدین۔ حقوق زوجین	حقوق جسم، حقوق انسانیت
حقوق عمران۔ فرائض	محارم شفعہ
حقوق قوم۔ حکومت شخصی و جمہوری	شورئ و امارت
ماہیت فساد و فیوض امن	مکت ارضی اور حکمن دینی
حد و عدل و فسحت رحم	راعی و رعیت
آئین و استبداد و غیرہ وغیرہ	

قرآن پاک نے ان مسائل میں یا ان کے اشیاء و امثال میں جو فیصلے دیے ہیں، ان کا لطف اس وقت آتا ہے اور ان کی اعلیٰ شان اس وقت نظر آتی ہے جب فیصلے سے پیشتر متخاصمین کے بیانات کو بھی سن لیا جائے۔

اللہ اکبر! کیسی، کیسی افراط میں لگی ہوئی، اور کیسی کیسی تفریط پر گری ہوئی حالتوں کو جادہ اعتدال پر لایا گیا ہے اور کیسی کیسی سنگلاخ وادیوں، کج و پرہیز گھائیوں میں سے صراطِ مستقیم کی شاہراہ تیار کر دی ہے۔

بے شک یہ اسی قادر مطلق و حکیم برحق کا کام ہے، جس کا علم ماضی و حال و استقبال پر حاوی ہے اور جس کو انسان کی فطرت کا علم کامل اور تربیت پر کئی اقتدار حاصل ہے۔

7) اس کتاب ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ کی ممتاز خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا پیش کرنے والا شخص واحد ہے۔
وید کو دیکھو، اس کی ہر ایک شرتی کے ساتھ تین نام ضرور لکھے ہوتے ہیں، آریوں کی حالیہ تحقیقات یہ ہیں کہ ان میں سے ایک مذکر نام اس رشی کا ہوتا ہے جسے یہ شرتی اکاس سے ملی۔ اسلامی الفاظ میں یہ مطلب ہوا کہ یہ وہ شخص ہوتا ہے جس پر کلام اترا۔
اگر ان ناموں کا شمار کیا جائے تو ان کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ جاتی ہے اور اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ وید کو پیش کرنے والے سینکڑوں رشی ہیں جن میں بلحاظ زمانہ بھی صد ہا سال کا تفاوت ہے۔

پائل کو دیکھو کہ یہ 1) موسیٰ 2) یسوع 3) مصنف قاضیون 4) سوامیل 5) مصنف سلاطین 6) مصنف تواریخ 7) عزرا 8) نحیا 9) مصنف کتاب روت 10) مصنف کتاب آستر 11) ایوب 12) داؤد صاحب زبور 13) سلیمان صاحب امثال و غزل الغزلات 14) واعظ 15) یسعیاہ 16) یرمیاہ 17) حزقی ایل 18) دانی ایل 19) ہوسیع 20) یوایل 21) عاموس 22) عبدیا 23) یونا 24) میکہ 25) نحوم 26) حبقوق 27) صنفیاد 28) حزقی 29) زکریا 30) ملاکی کے الہامات یا تصنیفات کا مجموعہ ہے۔ علیٰ ہذا انجیلوں کو دیکھو کہ متی، مرقس، لوقا معہ اعمال یوحنا، پولوس، یعقوب، پطرس، یوحنا، شاگردان مسیح علیہ السلام کے علمی کارنامے ہیں۔

مگر قرآن مجید کا مبلغ اول اور معلم نخستین صرف ایک ہے۔ ﴿سَلِّطْنَا لَمْ﴾ اس صحیفہ کا خود اس کے ذریعہ آغاز اور اسی کے ذریعہ سے اختتام ہو جاتا ہے اور بائیں ہمہ یہ صحیفہ مقدس اپنے مضامین میں مکمل اپنی تبلیغ میں کامل، دعوت الی اللہ میں یگانہ، رشد و ہدایت اور نور و رحمت میں وحید و یکتا ہے اور اپنے موضوع و مفہوم کے اتمام میں دوسری کتاب کا احتیاج مند نہیں حالانکہ رگ وید، بجر وید، سام وید کا اور اتھرو ویدان تینوں کا محتاج ہے۔

نئے عہد نامہ کی تکمیل پرانے عہد نامہ کے بغیر نہیں ہوتی اور کتاب الاعمال کے بغیر انانجیل اربعہ کے مضامین ناقص رہ جاتے ہیں۔ حواریوں کے خطوط اتنے ہی ضروری ہیں جیسا کہ خود انانجیل اس سے قرآن پاک کی برتری و فوقیت اور جامعیت و کاملیت کا اندازہ فہم میں آسکتا ہے۔ اگرچہ صحیح اندازہ کے لیے ضروری ہے کہ مضامین پر عبور تام بھی ہو۔

8) خصوصیات قرآن مبارک میں یہ بھی ہے کہ اس کا اسلوب کلام نہایت شستہ و مہذب ہے۔ وہ کبھی کوئی فحش لفظ یا حیا سوز فقرہ کا استعمال ہی نہیں کرتا۔

کتاب حزقی ایل کو پڑھو، جس میں خدا نے ہندوں کو اپنی دو جوڑوں، اہولا اور اہولیا کا قصہ سنایا ہے۔ امید ہے کہ عیسائی فاضل بھی اس قصہ کو ایک تمثیلی بیان ہی خیال کرتے ہوں گے مگر غور کرو کہ یہ تمثیلی بیان کسی مرد کو اس کی عورت کی طرف سے حسن ظن باقی رہنے

دیتا ہے۔ کیا انسانی کنبہ اس نورانی جوڑے سے بڑھ کر کسی اور مومنہ کی تمنا کر سکتا ہے۔
ہاں اذرا لفظوں کو دیکھو، کتنے گرے ہوئے ہیں۔

- ① غزل الغزلات میں ایک نوجوان چھو کر اپنے محبوب پر اور کوئی نوجوان لڑکا اپنی محبوبہ پر اظہار محبت کرتا ہے۔
- ② عیسائیوں نے اچھا کیا کہ محبوبہ برو علم کو بتلا دیا اور محبوب مسخ کو اگرچہ اس کے کسی لفظ میں اس تاویل کا اشارہ تک نہ تھا۔ اس بیان میں مرد اپنی محبوبہ کو 'اے میری بہن! اے میری زوجہ، کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ (غزل الغزلات ۴ باب 10، 9)
- ③ کیا اس اسلوب کلام کو زمانہ حال پسند کرتا ہے یا زمانہ گزشتہ میں یہود میں باہمی خطاب کا یہ طریق جاری تھا؟ بائبل کی تمام کتابوں میں یہودیوں کی بدکاری کو برو ظلم کی بدکاری بتلا یا گیا ہے۔ پھر برو ظلم کو عورت فرض کر کے اس کی برہنگی کے متعلق ایسے سخت و درشت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ جن کی بابت مجھے امید ہے کہ وہ کسی گرجا کی محراب میں لیڈیز جنٹلمین کے سامنے بطور وعظ کبھی بھی نہیں پڑھے گئے ہوں گے۔

④ حرتی ایل 23 باب کا 20 درس پڑھو۔ بہن، بھائی، ماں، باپ، بیٹی کا ذکر نہیں بلکہ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی شریف میڈم اپنے شوہر کے سامنے اور کوئی نوٹل مین اپنی لیڈی کے سامنے ان الفاظ کو پڑھ سکتا ہے اور لفظوں کا مطلب بتا سکتا ہے۔

□ بکروید میں اودھیا 19- منتر 76

□ اودھیا منتر 19- منتر 88

□ اودھیا منتر 20- منتر 9

□ اودھیا منتر 25- منتر 7

کیا کوئی گورو اپنی شاگردی کو پابندی شرم و حیا پڑھا سکتا ہے اور ان کا مطلب بتا سکتا ہے۔
قرآن مجید تو الفاظ کا استعمال ایسی اعلیٰ لطافت سے فرماتا ہے کہ یہ اسی کا حصہ ہے۔ حاجت ضروری سے فارغ ہونے کا ذکر کرنا تھا تو فرماتا ہے: ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدُكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ (النساء: 43) تاکہ ایسی نشیبی زمین کو کہتے ہیں جہاں رفع حاجت کے لیے انسان اوجھل ہوا کرتا ہے۔

الغرض قرآن مجید کا اس بارہ میں درجہ بہت بلند اور بہت روشن ہے۔

فصل پنجم 5

قرآن مجید کا مصنف

ایک مثل مشہور ہے: "خمن شاہاں بادشاہ خن" عربی میں ہے: "كَلَامُ الْمَلُوكِ مَلُوكُ الْكَلَامِ" قرآن مجید اس شہنشاہ حقیقی اور ملک الملکوت عالم کا کلام ہے۔ جس نے کلام کو پیدا کیا اور گوشت کے گلزے کو بولنا، ہڈی کو آواز کا سننا اور عصبات کو ان کا سمجھنا سکھلایا وہ جس کے حکم سے ایک ماں باپ کی اولاد میں اس قدر اختلاف السنہ اور تباہن لغات پیدا ہوا۔
بعض عیسائی مصنف جو تحقیق کے پردہ میں تعصب کو چھپائے رکھتے ہیں، قرآن مجید کی بہت سی خوبیوں کو تسلیم کر لینے کے بعد

قرآن پاک کو کلام محمد ﷺ بتایا کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ:

① کیا قرآن جیسی کتاب کا مصنف کہلانا، بجائے خود ایک اعلیٰ عزت نہیں ہے؟ پھر کیا وجہ کہ نبی ﷺ نے ایسی اعلیٰ تصنیف کے مصنف ہونے کی عزت سے خود کو محروم رکھا؟

② کیا قرآن پاک جیسی تصنیف کا مصنف جھوٹ جیسی رذیل صفت سے آلودہ ہو سکتا ہے؟ کیا وہ کتاب جس نے لاکھوں کو صداقت سکھلائی اور جس نے کئی کئی سالوں میں عرب کی کاپی لٹ دی۔

اور وہ کتاب جس نے زندہ، اچی القیوم اللہ کی ہستی کا اعتقاد دلوں میں قائم کر کے کروڑوں بنی آدم کو حیات جاوید سے بہرہ اندوز کر دیا۔

کیا ایسے دل، ایسی زبان سے نکل سکتی ہے جو خود صادق نہ ہو۔

ان دونوں امور پر غور کرو تمام دنیا کے مصنفین کا رویہ ہماری تائید میں ہے اور فلسفہ فطرت انسانیت اس کی صداقت کا مصدق ہے۔ اب ہم خود عیسائیوں کی دی ہوئی بائبل پر توجہ کرتے ہیں۔

بائبل سے اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا کہ دنیا میں کلام اللہ بھیجے جانے کی خبر ہزاروں سال پیشتر دی گئی تھی۔

① موسیٰ علیہ السلام قوم کے پاس احکام عشرہ کی الواح لاتے ہیں، قوم ان الواح پر شک کرتی ہے۔

② قوم کا مطالبہ ہے کہ اسرائیل کا الہ خود ان کی موجودگی میں موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائے۔

③ موسیٰ علیہ السلام برگزیدگان قوم کو طور پر لے جاتے ہیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد تاریکی چھا جاتی ہے، بادل سب کو گھیر لیتے ہیں، ہوائیں تندی و تیزی سے چلنے لگتی ہیں، بجلیاں کوندتی ہیں، گرج پر گرج کی صداکیں دلوں کو بلا دیتی ہیں۔ بیونچال آتا ہے اور پہاڑ کانپ رہا ہے۔

④ ان حالات کو دیکھ کر بنی اسرائیل چلا اٹھتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام سے کہتے ہیں:

”اے موسیٰ علیہ السلام تو ہی ہم سے بول اور ہم سنیں، لیکن خدا ہم سے نہ بولے، کہیں ہم مرنہ جائیں۔ (الخروج 20-19، استثناء 18-16)

یہ درخواست منظور کر لی گئی اور سب لوگ طور سے اپنی اپنی جان بچا کر خیمہ گاہ میں پہنچ گئے۔

⑤ بنی اسرائیل کی اس کے بعد یہ درخواست ہوتی ہے کہ خدا اپنا کلام موسیٰ علیہ السلام کے منہ میں رکھ دے اور ہم کو سنا دیا کرے۔

⑥ اس درخواست کو اللہ تعالیٰ نا منظور فرماتا ہے اور خبر دیتا ہے کہ خدا کا کلام ایک اور نبی کے منہ میں رکھا جائے گا، وہ نبی اللہ اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ وہ نبی جو کچھ خدا سے سنے گا وہ سب لوگوں سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ نبی میرا نام لے کے کہے گا، نہ سنے گا تو اس کا حساب خدا لے گا۔ (استثناء 18 باب 18، 19 درس)

اب براہ مہربانی یہودی و عیسائی ان واقعات بالا کو خیال میں رکھیں اور پھر ہم کو بتائیں۔

سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا اور کون سا نبی ہے جس کے منہ میں خدا کا کلام رکھا گیا۔ وہ کون سا نبی ہے جس نے یہ

بتلایا ہو کہ ”اس کے منہ میں خدا کا کلام ہے۔“

ہم ان دونوں سے کہتے ہیں کہ وہ ہرگز ہرگز کسی ایسے نبی کا نام نہیں بتلا سکیں گے جس نے زبان سے اتنا فقرہ استعمال کیا ہو کہ
”اس کے منہ میں اللہ کا کلام ہے۔“

کلام اللہ کا سنانا تو امر دیگر ہے۔

یہی بات وہ ہے جو حق پوش اہل کتاب پر رب العالمین کی سب سے بڑی حجت ہوگی اور جس پر یوم الدین کو اللہ کی عدالت قائم ہوگی۔
جواب دینے سے پیشتر یسعیاہ کا فقرہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ ”دیکھو امی کو کتاب دی گئی“

یہودیوں، عیسائیوں کو بتلانا ہوگا کہ ”امی صاحب کتاب“ اور کون ہے؟

اے یہودیو! اے نصرانیو! وہ امی تو محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں، جن کا علم ہمیشہ نبی الامی رہا۔ دنیا میں اور کسی نبی کا لقب یا علم
نبی الامی کبھی نہیں ہوا۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ -

فصل ششم 6

قرآن ذی الذکر کی پیش گوئیاں

جو لوگ قرآن پاک کو تصنیف محمد ﷺ بتلایا کرتے ہیں، یہ حضور ﷺ کا نبی صادق ہونا تسلیم نہیں کرتے۔

کیا ایسے اشخاص اس امر کی کوئی توجیہ پیش کر سکتے ہیں کہ ان کی حالت مزعومہ کے ہوتے ہوئے قرآن مجید کیوں کر آنے والی
مغیبات کو بیان کرتا اور زمان پیشین (مستقبل) کے متعلق پیش گوئیوں کا اعلان فرماتا ہے۔

اتمام حجت منکرین اور انشراح صدر مومنین کے لیے ان پیش گوئیوں کا ذکر بطور تذکرہ کیا جاتا ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہیں
اور چودہ صدیوں کا عہد طویل شہادت دے گا کہ نزول قرآن پاک کے بعد سے آج تک ان میں سے کس طرح وہ پیش گوئیاں تمام دنیا
کے سامنے حرف بحرف اور ہو بہو پوری ہوتی رہی ہیں۔

فصل ہفتم 7

قرآن عظیم کے متعلق سات پیش گوئیاں

پہلی پیش گوئی: قرآن کریم کی نظیر کوئی نہ بنا سکے گا

﴿ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ
بِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴾ [بنی اسرائیل: 88]

”اے رسول ﷺ سب سے کہہ دیجیے کہ اگر سب انسان اور تمام جن بھی مجتمع ہو جائیں اور ایک دوسرے کی مدد
اعانت بھی کریں اور پھر وہ اس قرآن جیسی کوئی کتاب بنا نا چاہیں تو وہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے“
الفاظ دعویٰ کی شوکت اور قوت پر غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

عہد نبوت

قرآن پاک کو کلام محمد ﷺ کہنے والے ذرا غور کریں کہ زہیر و نایبذ اور امراء القیس و معترہ جیسے لوگوں کے لیے یہ دعویٰ کتنا ذلیل کن ہے؟

وہ جو اپنے اپنے کلام کو ہرن کی چھلیوں پر آب زر سے لکھواتے اور پیام حج عام دیوار کعبہ پر آویزاں کیا کرتے تھے۔ کیوں اس دعویٰ کے بطلان پر آمادہ نہ ہوئے۔ وہ ابولہب، ابوہبیل، کعب بن اشرف، سلام مشکم جیسے قریشی و یہودی جنہوں نے اسلام کو تباہ کرنے کی دھن میں زرد مال اور نفوس و اولاد کو قربان کر دیا تھا کیوں ایسی آسان تدبیر کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ ایک شخص جو ان ہی میں پلا اور بڑھا اور جو وہی زبان بولتا ہے جو ان سب کی ہے اور پھر وہ ان سب کے پیارے مددگار اور مرغوب رسوم اور پسند کردہ عادات اور ان کے برگزیدہ معبودوں کے خلاف جوش دلانے والے الفاظ کا استعمال کر رہا ہے۔ اور اپنی صداقت کی تائید میں ایک کلام جو اس کے منہ سے نکلی ہے بطور دلیل پیش کر رہا ہے۔ ان سب حالات کی موجودگی میں بھی کوئی شخص اس جیسی زبان نہیں بول سکتا اور کوئی شخص بالمثل کلام پیش کر کے تحدی کو باطل نہیں ٹھہرا سکتا۔

عہد حاضرہ

اچھا اس وقت کا ذکر چھوڑو، اب زمان حاضرہ پر نگاہ ڈالو۔ شام، بیروت، دمشق و مصر اور فلسطین میں لاکھوں عیسائی اور یہودی موجود ہیں، جن کی مادری زبان عربی ہے۔ جو عربی زبان میں نثر لکھنے پر قادر ہیں، جن کی ادارت میں اخبار و جرائد اور رسائل اشاعت پذیر ہیں۔ وہ آج کیوں اس دعویٰ قرآن کے مقابلہ میں کھڑے نہیں ہو جاتے؟ ان میں تو ایسے ایسے ادیب و ماہر زبان بھی موجود ہیں جنہوں نے لغات عربیہ پر قطر الحیظ، المنجد، اقرب، الموار و اور الحیظ جیسی کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ وہ کیوں قرآن جیسی کتاب لکھنے کی سعی نہیں کرتے؟ وہ کیوں دس (10) سورتوں کے برابر نہیں لکھتے۔ وہ کیوں ایک (1) ہی سورت کے برابر لکھنے کی جرأت نہیں کرتے؟

حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی شخص جتنا زیادہ عربیت کا ماہر اور ادب میں یدِ طولی رکھنے والا ہے، اس پر اتنا ہی زیادہ رعب کلام قرآنی کا غالب آ جاتا ہے۔

آج عیسائیت کی اشاعت میں کروڑوں، اربوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے لیکن جس شخص کو قرآن حکیم نے تحدی بنایا، اس پر کوئی بھی قلم اٹھانے کا حوصلہ نہیں کرتا۔

معرض عہد نبوی ﷺ کے متعلق شاید یہ کہہ سکتا تھا کہ محمد ﷺ نے اپنے وقت کے مشہور مشہور زبان آوروں کی قابلیت کا اندازہ کرنے کے بعد ایسا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

دوسری پیش گوئی

قرآن مجید ہمیشہ محفوظ رہے گا

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ [المجم: 9]

”ہاں! ہم نے ہی اس قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی ضرور ضرور رکھیں گے“

اس وعدہ کی وقعت اور حفاظت قرآنی کی عظمت:

اس وقت سمجھ میں آتی ہے، جب صحف سابقہ کا تھوڑا سا حال معلوم ہو جائے۔

① تورات موسیٰ علیہ السلام کا خمیر مایہ وہ دو الواح تھیں جو موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر لکھی لکھائی دی گئی تھیں۔ ہر دو الواح اسی وقت ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں جب موسیٰ علیہ السلام نے میدان میں آ کر لشکر کو گوسالہ پرستی میں مصروف پایا تھا۔ کلیم اللہ علیہ السلام غیرت ایمانیہ سے بے تاب ہو گئے۔ لوہیں پھینک دیں اور بھائی کو جا پکڑا۔

اس واقعہ کے بعد یہ احکام عشرہ اور دیگر احکام شریعت موسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں لکھے گئے اور عہد کے صندوق میں رکھے گئے (استثناء باب 25) یہی ایک نسخہ تھا جس کی بابت توقع کی جاسکتی ہے کہ داؤد علیہ السلام کے عہد تک خیمہ عبادت میں بحفاظت موجود رہا ہو، لیکن سلاطین اول باب 8 سے واضح ہے کہ جب عہد کا صندوق خیمہ عبادت سے ہیکل سلیمانی میں لایا گیا تو پتھر کی دو شکستہ لوحوں کے سوا صندوق میں اور کچھ نہ تھا۔

اب ہم کو بلا کسی سند کے فرض کر لینا چاہیے کہ سلیمان نے کس طرح تورات کی شریعت کو جمع کر لیا ہوگا اور پھر عہد کے صندوق میں اسے رکھوایا ہوگا، لیکن یہ مسلمہ ہے کہ ہیکل میں جو نسخہ بھی موجود تھا، اسے بھی بخت نصر نے ہیکل کے ساتھ ہی جلا ڈالا تھا۔ یہ حادثہ ہائیکہ 586 ق۔ م میں واقع ہوا۔

دارا شاہ ایران کے عہد میں زرو بابل وغیرہ سرداران اسرائیل نے ہیکل کو از سر نو تعمیر کیا تھا۔ کتاب کی بھی تلاش ہوئی مگر نہ ملی۔ (دیکھئے کتاب عزیر) تب حضرت عزیر نے اپنی یادداشت اور تجزیہ و ذکر کیا کی امداد سے پھر کتاب کو تیار کیا جسے یہودی تورات کہتے ہیں (اسی کا ترجمہ یونانی زبان میں ابن توکسی کے حکم سے ہوا) یہ واقعہ 300 ق۔ م کا ہے۔ پھر ابن توکس چہارم کے وقت میں جب یہ بادشاہ مصر پر حملہ آور ہوا تھا اس کے سپہ سالار نے اس نسخہ کو اور ہیکل کو جلا ڈالا۔ یہودیوں کی تمام کتابوں کی تلاش کی گئی اور سب کو سوخت (جلا) کر دیا گیا اور یہودیوں کو بت پرستی کا حکم دیا گیا۔ یہ واقعہ 166 ق۔ م کا ہے۔ ایک بوڑھا کا بن اپنے تین فرزندوں کے ساتھ جان بچا کر اپنے وطن شہر مودون کو بھاگ گیا تھا۔ اس کے فرزند مقائیس نے ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی، جو اسی کے نام سے مشہور ہے اور یہود کے چند فرقے اس کو اسلامی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

واقعات بالا پر پورا پورا غور کرو، اصل کتاب کے الفاظ رہنے کی کوئی بھی اصلیت نظر آتی ہے؟

② اب انجیل کی سرگزشت سنو! انجیل کے نام سے عیسائیوں میں چار کتابیں مشہور ہیں: (1) انجیل متی، (2) انجیل مرقس، (3) انجیل لوقا، (4) انجیل یوحنا۔

① متی کی انجیل کی سرگزشت یہ ہے کہ سب سے پہلے عبرانی زبان اور شہر یہوذا (شام) میں لکھی، لیکن اس عبرانی نسخہ کا وجود دنیا سے ناپید ہے۔ اس کا ایک ترجمہ یونان کی زبان میں ملتا ہے، لیکن کوئی عیسائی پادری نہیں بتا سکتا کہ یہ ترجمہ کب کیا گیا اور کس شخص نے کیا؟

موجودہ کتاب کا یہ حال ہے کہ اس کے باب اول و دوم کو شارح انجیل نورٹن صاحب نے بہت قابلہ لوقا صحیح تسلیم نہیں کیا، بلکہ اقرار کیا ہے کہ یہ دونوں باب اصل مصنف کے لکھے ہوئے ہیں۔ (کتاب الاناضار 531 نسخہ مطبوعہ 1837ء)

﴿2﴾ لوقا مصنف انجیل پولوس کا شاگرد ہے۔ اس نے مسیح علیہ السلام کو نہیں دیکھا اور اس کے استاد نے بھی مسیح علیہ السلام کی زندگی میں اس کی مخالفت ہی کی۔ لوقا نے اپنی انجیل انطاکیہ شہر میں بزبان یونانی لکھی تھی۔ لوقا نے اپنی انجیل کے شروع میں تحریر کیا ہے کہ وہ واقعات کو صحت کے بعد تحریر کیا کرتا ہے۔ بزرگوار لوقا کے اس اعلان کے بعد یہ امید کرنا بالکل درست تھا کہ واقعات مندرجہ انجیل لوقا ضرور ہی صحیح ہوں لیکن انجیل کا وہی شارح فاضل نورن لکھتا ہے:

”جن اعجازی باتوں کو لوقا نے لکھا ہے ان میں جھوٹی روایتیں بھی شامل ہو گئی ہیں اور اس کے لکھنے والے نے شاعرانہ مبالغہ سے اندراج کیا ہے۔ اور اس زمانہ میں سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا مشکل ہے۔“ (کتاب الاغانی ص 81)

قابل غور بات یہ ہے کہ جس کتاب میں سچ سے جھوٹ کا تمیز کرنا بھی مشکل ہو جائے وہ کہاں تک محفوظ کہلانے کی مستحق ہے۔ ﴿3﴾ مرقس شمعون بطرس کا شاگرد ہے۔ اس نے بھی انطاکیہ ہی میں اپنی کتاب کو یونانی زبان میں لکھا۔ مرقس اور لوقا کے

مضامین میں بہت اختلاف ہے۔

﴿4﴾ یوحنا بن سدرائی کی انجیل غالباً بلطاطسن تصنیف سب سے آخری ہے۔ اس نے بھی اپنی کتاب کو یونانی زبان ہی میں لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام کا شاگرد تھا لیکن اس کی تصنیف میں یونانیوں کے قدیم عقیدہ کا بہت اثر شامل ہے۔

تمام عیسائیوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ انجیل اربعہ (4) میں سے کوئی انجیل بھی مسیح علیہ السلام پر منجانب اللہ نازل شدہ نہیں، بلکہ یہ کتابیں ان ہی مصنفین کی تصنیف ہیں، جن کے نام سے یہ منسوب ہیں۔ اب ان کتابوں کا تقدس اس طرح قائم کیا جاتا ہے کہ ان مصنفین نے ان کتابوں کو روح القدس کی مدد اور یاوری سے لکھا تھا۔ اگر یہ امر سچ ہے تو ان چاروں کے مضامین میں تناقض اور تضاد نہیں ہونا چاہیے لیکن ان میں اتنا تناقض موجود ہے کہ تطبیق دینا سخت دشوار ہے۔ آدم کلا راک، نورن اور ہارون صاحب انجیل کے مشہور شارح ہیں، تینوں کا متفقہ قول ہے کہ تطبیق کی کوئی صورت موجود نہیں۔

پادری فریچ کو اقرار ہے کہ ان انجیلوں کی چار پانچ آیتوں میں تحریف بھی ہوئی ہے۔ نیز وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ ان میں چھوٹی موٹی تیس ہزار (30000) غلطیاں موجود ہیں۔ چاروں انجیلوں کا مجموعہ ایک سو (100) صفحے سے زیادہ نہیں۔ ایک سو (100) صفحے کی تحریر میں جب تیس ہزار (30000) غلطیاں موجود ہوں تو کتابوں کے محفوظ رہنے کا خیال کرنا بھی عقل سے دور ہے۔ اور اس سے زیادہ نتیجہ اخذ کرنا ہمارے اس مضمون کے موضوع سے زائد ہے۔

﴿3﴾ اب پارسیوں کی کتاب کا حال سنو۔ ایرانی قوم بڑی قدیم قوم ہے۔ ان کی کتابیں کبھی موجود ہوں گی، لیکن کتاب ژند ﴿1﴾ تو زرتشت کے عہد سے پہلے نادر الوجود ہو چکی تھی۔

کہتے ہیں ژند کے پچیس (25) باب تھے اور اب صرف انیسواں ”وندیدار“ پایا جاتا ہے۔ ژند کے بعد اس کا درجہ پانزدہ نے حاصل کر لیا ہے، لیکن سکندر ماکڈونی کی فتح ایران کے بعد وہ بھی غنقا ہو گئی۔ سکندر کے بعد تین سو (300) سال تک طوائف الملوکی رہی اور مذہبی حالت بھی بہت خراب تھی۔ جب اردشیر بابکان ایران کا بادشاہ بنا۔ تب ژند و باژند کی جگہ دساتیر لکھی گئی اور اسی کو آسمانی

﴿1﴾ ژند کے معنی دو رنگ چترمان ہیں جس سے آگ نکلتی ہے۔ کتاب کا نام اس لیے ژند ہوا کہ اس کے اندر بھی روشنی موجود ہے۔ اس کی شرح کا نام پانژند ہوا۔ پانژند ہے کی وہ سچ ہے، جو چترمان پر آگ نکالنے کے لیے ماری جاتی ہے۔ اس کی شرح کا نام اوستا ہوا [نخن دان پارس ص 20]

کتاب کا درجہ دے دیا گیا، لیکن جب مانی نے اپنا مذہب چلا یا تب دساتیر کو بھی ختم کر دیا گیا۔ مانی کے بعد مشرک نے اپنا مذہب ایجاد کیا اور اس نے پارسیوں کی مذہبی کتابوں کو اچھی طرح سے تباہ اور نابود کر دیا۔ یہ سب واقعات اسلام سے پہلے کے ہیں۔ دساتیر کے متعلق اہل تحقیق کا بیان ہے کہ وہ صرف دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ صبح و شام کو پڑھی جانے والی دعائیں اس میں درج ہیں۔ دساتیر کی بابت یہ بھی مشہور ہے کہ وہ نزول قرآن کے بعد لکھی گئی اور اسی کتب کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ترجمہ شبت کر دیا گیا۔ ”بنام ایزد بخشا سئدہ و بخشا نش کر“ مہربان داروگر، اسی فقرہ کا ترجمہ قدیم دری زبان میں کر دیا گیا تا کہ اس کی قدامت بہت قدیم ہو جائے ”فرشید ہمتائے ہر شندہ، ہر ششکر زمر بان فرو بیدار“

مندرجہ بالا حالات سے پتا لگ جاتا ہے کہ سکندر کی غارت گری کے بعد اس قوم کے پاس کوئی ایسا صحیفہ موجود نہ تھا جو آسمانی کھلانے کا مستحق ہو۔

④ ہندوستان میں نہایت قدیم کتاب ”وید“ لکھی جاتی ہے۔ وید کی عزت کو آریہ اور سناٹن دھرمی دونوں تسلیم کرتے ہیں۔ اس اجمالی اقرار عظمت کے بعد آریہ اور سناٹن دھرمیوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

آریہ کہتے ہیں کہ وید صرف منتر بھاگ کا نام ہے۔ سناٹن دھرمی کہتے ہیں کہ برہمن بھاگ بھی اصلی وید ہے۔ اور برہمن بھاگ اپنے جہم کے اعتبار سے منتر بھاگ سے دو چند زیادہ ہیں۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ وید کو ماننے والی قومیں یا تو 2/3 حصہ وید کو اصل سے خارج کر رہی ہیں یا 2/3 حصہ جہم کو وید اصلی میں داخل کر رہی ہیں اور ہر دو صورت کتاب مذکور کا غیر محفوظ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

زمانہ حاضرہ میں سب ہندو کہتے ہیں کہ وید چار ہیں مگر منوجی مہاراج کی سمرتی میں صرف تین ویدوں ① رگ، ② یجر، ③ سام کا نام آیا ہے۔ چوتھے وید اتھرو کا نام نہیں آیا۔

سکرت کی اور بھی قدیم ترین کتابیں ایسی ہیں جن میں یہی تین نام پائے جاتے ہیں، لیکن بعض پرانی کتابیں ایسی بھی ہیں، جن میں قریباً تیس (32) کتابوں پر اسم وید کا استعمال کیا گیا ہے۔

سب ہندو وید کو خدا ساز بتاتے ہیں مگر نیائے روشن کا مصنف گوتم وید کو کلام انسان بتاتا ہے۔ گوتم اس درجہ کا شخص ہے کہ اس کا شاستر چھ (6) شاستروں میں سے ایک ہے اور ان ہر شش کو شاستر بہ طور مسلمہ آریہ اور سناٹنی سب تسلیم کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مذاہب قدیم میں سے جین مت بھی ہے، جینی لوگ وید کے ایک حرف کو بھی صحیح نہیں سمجھتے اور وید کا آکاس پانی ہونا بھی قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔ یہ لوگ بھی اپنی قدامت کو ویدوں کے زمانہ سے ما قبل کے بتاتے ہیں اور اپنی کتابوں کو وید سے قدیم تر ظاہر کرتے ہیں۔

ہمارے ان مختصر مختصر فقرات سے قارئین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ حفاظت الہیہ نے مندرجہ بالا کتب میں کسی کا ساتھ نہیں دیا اور اسی لیے ہر ایک کتاب کے وجود یا اجزائے وجود پر خود اسی مذہب کے اشخاص نے شک و گمان اور ظنون و اوبام کے غلاف چڑھا رکھے ہیں۔

قدرت الہیہ نے نہ صرف یہی کیا کہ کتابوں کی حفاظت نہیں کی، بلکہ اس زبان اور لغت کی حفاظت بھی چھوڑ دی، جن میں یہ کتابیں لکھی گئی یا نازل کی گئی تھیں۔

ذرا غور کرو، عبرانی جو تورات کی زبان تھی اور خالیدی جو صحیح علیہ السلام کی زبان تھی اور دری جو ژند و پاژند کی زبان تھی اور سنسکرت قدیم جو وید کی زبان تھی، اب دنیا کے کسی پرورد پر کسی براعظم یا کسی ملک یا کسی ضلع یا کسی شہر میں بطور زبان مستعمل ہیں؟ قدرت نے ان الٹے (زبانوں) کو ناپید کرنے سے اپنا فیصلہ قطعی صادر کر دیا ہے۔ کہ اب انسان کو ان کتابوں کی بھی ضرورت نہیں رہی جو ان زبانوں میں مروج کی گئی تھیں۔

دوم۔۔ اس حفاظت الہیہ کا اندازہ کرو جو قرآن مجید کے متعلق ہے کہ اس کا زیر و بر اور حرف بہ حرف توالی و تواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہے۔ ملک چین میں ایک ایک حرف پورے یقین کے ساتھ اسی طرح پایا جاتا ہے جیسا کہ مراکو (مراکش) میں موجود ہے۔

اگر حفاظت الہی خود کار فرمانہ ہوتی تو ایک ایسی کتاب میں ہزاروں غلطیوں کا ہوجانا صرف ممکن بلکہ ضروری تھا جس کا پیش کرنے والا ﴿وَلَا تَحْطَئُ بِمِيزَانِكَ﴾ [مکعبہ: 48] سے مخاطب ہو۔ (آپ تو اپنے دانے ہاتھ سے خط کھینچتا بھی نہیں جانتے تھے) برہان بالا حفاظت الہی کے متعلق قطعی ہے۔

مناسب مقام سے ہم قرآن مجید کے حروف کے متعلق ایک یادداشت پیش کرتے ہیں حروف کا اندراج اس لیے کیا جاتا ہے کہ تعداد سور رکوعات و آیات وغیرہ کے متعلق اعداد و شمار عموماً ہر ایک مصحف پر درج ہوتے ہیں۔

نقشہ شمار حروف تہجی

تہجی بار ہر ایک حرف قرآن مجید میں آیا ہے

حرف	تعداد	حرف	تعداد
ا	48992	ط	1307
ب	12228	ظ	782
ت	2404	ع	9274
ث	3105	غ	9211
ج	4232	ف	4418
ح	4120	ق	6612
خ	2105	ك	10628
د	5972	ل	33520
ذ	4739	م	26515
ر	12640	ن	44190

25589	و	3580	ذ
16070	ہ	5976	س
25909	ی	2115	ش
	ٲ	20083	ص
	ٴ	682	ض

امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ اور حفاظت رسم الخط قرآن

اس برہان خاتمہ پر تکمیل مدعا کی غرض سے یہ بھی لکھ دینا ضروری ہے۔ امیر المؤمنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے بھی حفاظت قراءت و کتابت قرآنی میں بہت بڑی خدمت کو انجام دیا۔ انھوں نے نبی ﷺ کے کاتب وحی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں سات (7) قرآن مجید لکھوائے اور ان کو سات (7) نایاب سلطنت کے پاس اپنے دستخط اور مہر رسالت سے مزین کر کے بھجوایا، اس سے بھی حفاظت قرآن پاک ہی مدعا تھا تا کہ رسم الخط میں آئندہ کوئی تفاوت پیدا نہ ہو سکے۔ کاتب وحی کے قلم اور خلیفہ راشد کے دستخط اور مہر رسالت ﷺ سے مزین شدہ قرآن آئندہ زمانہ کے کاتبین کے واسطے صحت و نقل و مقابلہ کے لیے بے بہا گواہ رہتا۔

نقل اور طریق و جاوہ

آج کل تو وہ جاوہ ہی پر نقول کا اعتبار چلتا ہے۔ یعنی کسی کتاب کی صحت کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ وہ اس نسخہ کے مطابق ہو جس سے نقل کی گئی ہے، لیکن یہ امر کہ منقول عنہ کی صحت کا ثبوت کیا ہے، مفقود ہے۔ خلیفہ راشد نے نقل و صحت میں شک و اختلاف مٹانے کے لیے اصل شے قائم کر دی تاکہ بحالت ضرورت اسی جانب رجوع کیا جائے۔

اعتراض اور اس کی اصلیت

معتز ضین اسلام نے چاہا کہ اس واقعہ کی صورت بگاڑ کر کچھ فائدہ اٹھائیں۔ جھٹ کہہ دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن میں تصرف کیا تھا، ان کو تاہ فہم لوگوں کو نہ اس عہد کے اسلامی ممالک کی حالت معلوم ہے اور نہ قرآنی ترویج کی خبر۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ممالک اسلام کے باہمی تعلقات کا بھی ان کو علم نہیں۔ اگر ان سب باتوں کا علم ہوتا تو وہ یہ بات زبان پر نہ لاتے۔

نماز اور قرأت

سب جانتے ہیں کہ اسلام میں پانچ نمازیں فرض ہیں، جن میں سے تین میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور چونکہ ہر شخص مجاز ہے کہ جہاں سے وہ چاہے، جتنا چاہے قراءت کرے۔ اس لیے دنیا میں پھیلے ہوئے کروڑوں انسان صد ہا مقامات پر مختلف اجزاء و سُوَر سے قرآن مجید کی قراءت روزانہ کیا کرتے ہیں، ایک پڑھتا ہے اور بیسیوں، سینکڑوں مقتدی سنا کرتے ہیں۔ اقتداء [1] منقول از دستور العلماء جلد دوم مصنفہ قاضی الفاضل عبدالغنی احمد گری [2] نقش میں کل حروف کا مجموعہ نہیں دیا گیا تھا جو کہ جمع کرنے سے 346998 بنتا ہے۔

کرنے والوں میں بھی بہت تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جن کو خود بھی وہ آیات جو امام نماز میں پڑھ رہا ہے یاد ہوتی ہیں۔ یہ طریقہ عہد نبوی ﷺ سے جاری تھا اور ہر شہر، ہر قصبہ، ہر قریہ میں برابر اسی پر عمل درآمد رہا۔

نسخہ جات قرآنی کی اشاعت

خلافت عثمانی سے پیشتر قرآن پڑھنے والوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی تھی اور اس کے نسخے الوف در الوف بستیوں میں موجود تھے۔ اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ کے حیطہ اقتدار سے باہر تھا کہ وہ سب کی زبانوں، سب کے دماغوں اور سب کی کتابوں پر قبضہ کر کے ایک بھی لفظ کی کمی بیشی کر سکتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان سے مسائل فقہیہ میں اختلاف جمہور

ہاں ہم کو وہ مسائل فقہیہ بھی معلوم ہیں، جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف عثمان رضی اللہ عنہ سے تھا۔ مثلاً منیٰ میں پوری نماز پڑھنا اور قصر نہ کرنا اور محرم کا کسی غیر محرم کے شکار کو استعمال کر سکرنا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا خلاف کیا اور ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد فقہی پر محکم رہا تو پھر کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے متعلق کوئی خود ساز تبدیلی کرتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر خاموش رہ جاتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل مصر کی بغاوت

اس سے بھی بڑھ کر ہم دیکھتے ہیں کہ اہل مصر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض افعال پر نکتہ چینی کی۔ ان کو بیت المال کا اسراف سے خرچ کرنے والا یا اپنی قوم کو بہت زیادہ عہدہ و مناصب دینے والا بتلایا ہے اور انہی امور پر اہل مصر نے ایسی بغاوت کی کہ اس کا اختتام امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہوا۔ لیکن ہم کسی مصری اور اس عہد کے کسی اور شدید بغض انسان کو بھی قرآن مجید کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں ایک حرف کہتا ہوا بھی نہیں سنتے۔

خلافت مرتضوی رضی اللہ عنہ اور مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے بعد خلیفہ ہوتے ہیں اور اپنی تمام خلافت کے زمانہ میں قرآن کی ترتیب عثمانی میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے اور نہ اس ترتیب کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالتے ہیں، بلکہ ہمیشہ نمازوں اور وعظوں میں اسی قرآن کا ورد کرتے ہیں۔

صفین میں رفع مصحف کا واقعہ

امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جنگ صفین ہوتی ہے۔ اہل شام قرآن مجید کو بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرآن مجید حکم ہوگا۔ اس وقت حزب مرتضوی رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا کہ اہل شام نے قرآن پر اعتقاد کیا ہے؟ حالانکہ فریق برسر جنگ کو اگر ذرا بھی غجائش ایسے لفظ کہنے کی مل جاتی تو وہ محارب کی اس تدبیر کو کالعدم کر سکتا تھا، لیکن شامیوں کے پیش کیے ہوئے قرآن ہی کو قرآن ماننا پڑا اور عارضی صلح منعقد ہو گئی۔

ان واقعات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ نے حفاظت قرآن کے متعلق ایسی خدمت ادا کی، جس پر تمام عالم

اسلام کا اتفاق تھا۔ جاہل و عالم، دانا و نادان، دوست و دشمن، ان کے اس فعل حمیدہ میں ذرا بھی شک نہ رکھتے تھے اور یہ اتفاق کامل صرف قرآن مجید ہی کے متعلق حاصل ہے اور یہ بھی ایک زبردست خصوصیت حفاظت کتاب حمید کی ہے۔

تیسری پیش گوئی: جمع قرأت کی بابت

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾

”قرآن مجید کا جمع کرنا اور قرأت کا درست رکھنا بھی ہمارا ذمہ ہے۔ اے رسول! جس

قرأت سے قرآن پڑھا جائے، آپ اس پر کار بند رہیں۔“

قرآن مجید کے احکام وقتاً فوقتاً نازل ہوتے تھے، اس لیے اس کتاب کی ترتیب اور تدوین مشکل کام تھا، لیکن اس کام کو بھی رب العالمین نے اپنے ہی ذمہ لیا، جیسا کہ دنیا میں بھی ہر ایک مصنف کتاب اپنی تصنیف کی ترتیب و تدوین کا کام خود سرانجام دیا کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بعد میں کسی ایک آیت کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوئی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام دنیا ایک ہی ترتیب کے ساتھ قرآن مجید کی قرأت کر رہی ہے۔ اس پیش گوئی سے واضح ہو گیا کہ جمع و ترتیب کی جو صورت موجودہ دنیا میں پائی جاتی ہے وہ ٹھیک اسی ترتیب اور قرأت کے موافق ہے جو علم الہی اور قرأت سماوی ہے۔

یہ وہم کہ افراد امت میں سے کسی ایک کا خیال اس میں کوئی تصرف کر سکا ہے، بالکل غلط اور باطل بن جاتا ہے۔

چوتھی پیش گوئی

قرآن مجید حفظ (یاد) رکھا جائے گا

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ [العنکبوت: 49]

”یہ قرآن تو وہ روشن آیتیں ہیں جو علم والوں کے سینہ میں رہتی ہیں۔“

ساری کتاب کو حفظ کر لینا ایک اچھوتا خیال تھا، کیوں کہ قرآن مجید سے چشمزد دنیا میں کوئی کتاب حفظ نہ کی گئی تھی۔ اس لیے اس خیال کا پیدا ہونا ہی اس کے الہامی ہونے پر دلیل ہے۔ اس پیش گوئی کے مطابق ہر ملک، ہر صوبہ، ہر ضلع، ہر شہر میں حفاظ قرآن کی کافی تعداد پائی جاتی ہے، جو اس صحت اور اتفاق اور یقین و ائق کے ساتھ تلاوت قرآن پاک کرتے ہیں کہ ان کی قرأت سے مطبوعہ کتابت کی صحت کی جاتی ہے، مگر ان حفاظ کو مطبوعہ یا قلمی کتاب سے صحت کرنے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر کسی حافظ کو اپنے پڑھنے میں کہیں شبہ پڑے گا تو وہ اس کی صحت دوسرے حفاظ ہی سے جا کر کرے گا۔

یہ ایسی زبردست پیش گوئی ہے کہ تمام دنیا اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ حفاظت کا ایسا انتظام بالکل لامعانی ہے اور محض منجانب اللہ تعالیٰ ہے۔

پانچویں پیش گوئی

کہ قرآن مجید کا حفظ کر لینا آسان ہوگا

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ﴾ [المر: 17]

”ہم نے قرآن کو یاد کے لیے آسان بنا دیا ہے۔“

پیش گوئی چہارم کے تحت میں تحریر کیا گیا ہے کہ ساری کتاب کو حفظ کرنے کا خیال ہی بالکل اچھوتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی تمام اقوام اور ممالک کے سامنے قرآن مجید کو ازبر سنانا شروع کیا، تب دوسروں کو بھی امنگ آتی چاہیے تھی کہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کا جوش پیدا ہونا چاہیے تھا کہ وہ بھی اپنے اپنے مذہب کی کتاب کو حفظ کر لیتے۔ کیوں کہ ان کے سامنے یہ نظیر موجود تھی۔

مگر کوئی بھی ایسا نہ نکلا، نہ یہودی، نہ عیسائی، نہ پارسی، نہ ہندو اور نہ اور، جس نے اپنے پسندیدہ مذہب کی پسندیدہ کتاب کو حفظ کر لیا ہو۔ اس کی وجہ خود قرآن پاک نے بتلا دی ہے کہ یہ خصوصیت بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہی میں رکھ دی ہے کہ وہ یاد کرنے والوں کو جلد اور آسانی سے یاد ہو جاتا ہے۔

غور کرو رب العالمین نے اور کسی کلام کے اندر (خواہ کسی زمانے میں وہ کلام آسمان ہی سے زمین پر اتارا گیا تھا) یہ خصوصیت، یہ خاصیت، یہ ماہر امتیاز رکھا ہی نہیں، اس لیے کوئی دوسری کتاب کسی اور مذہب والے کو ازبر یاد کرنا کیوں کر ہو سکتی تھی؟ اور کیوں کر کوئی شخص حفاظت قرآن کی طرح ایسی صحت، ایسی تيقن کے ساتھ اپنی کتاب کو حافظہ سے سنانے کی جرات کر سکتا تھا۔

یہ ہے قدرت کی زبردست طاقت اور یہ ہے فطرت انسانی کے اصل منشا کار از جس کے مقابلہ سے دنیا عاجز ہے۔

چھٹی پیش گوئی

کہ قرآن مجید کی کتابت جاری رہے گی اور کتاب کی شکل میں اس کی اشاعت ترقی پر رہے گی ﴿وَرَكَّابٌ مَّسْطُورٌ ۝ هِيَ رَقِيٌّ مَنَشُورٌ﴾ [طور: 2-3] ”قسم ہے کتاب کی جو لکھی گئی ہے اور پاک صاف صحیفہ اشاعت پاتی ہے۔“

رقی، اس باریک جھلی کو کہتے ہیں جو کتابت کے لیے خاص طور پر بنائی جاتی ہے اور باریک سفید، پاکیزہ صحیفہ (بیاض) کو بھی جو لکھنے کے لیے تیار کی جائے۔ (المنجد)

اس آیت میں قرآن مجید کو کتاب بھی فرمایا اور مسطور بھی اور پھر اسی کو منشور بھی بتایا۔ کون نہیں جانتا کہ نشر کے معنی میں بسط اور امتداد شامل ہیں اور اسی کو آج ہم لفظ اشاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

ساتویں پیش گوئی

کہ باطل یا بطلان قرآن کے نزول میں یا آئندہ کسی عہد میں اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا۔

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ [حم: 42]

”باطل اس کے آگے یا پیچھے نہ آئے گا۔ یہ تو رب حمید و حکیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔“

فلسفہ، قدیم (باطل بین ید) اور فلسفہ جدید (باطل من خلف) نے بہت زور مارا مگر قرآن حکیم کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور اس کے کسی مضمون اور کسی ایک اصول کا مقابلہ نہ کر سکا۔ نہ فلسفہ قدیم نے اس میں سے کچھ گھٹایا نہ فلسفہ جدید نے کچھ بڑھایا۔ یہ ایسی مکمل کتاب ہے کہ اس میں اب کسی کے دخل کی گنجائش ہی نہیں۔

اسلام کے متعلق چار پیش گوئیاں

پہلی پیش گوئی

منکروں کی نفرت و کراہت کے ہوتے ہوئے بھی اسلام کی ہدایت و تھانیت غالب ہوتی رہے گی۔
 ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾
 ”اللہ کی شان یہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، اگرچہ مشرک لوگ کیسا ہی برامانتے رہیں۔“ [الف: 9]

جنوبی عرب اور عیسائیت

بعثت نبوی ﷺ کے وقت عرب کی پولیٹیکل (Political) حالت یہ تھی کہ اس کے جنوب پر سلطنت حبشہ کی حکومت تھی اور شمالی اقطاع پر روما کی سلطنت کا قبضہ تھا۔ یہ دونوں عیسائی سلطنتیں تھیں۔ عیسائیت اگرچہ عرب میں 330ء کو داخل ہو گئی تھی اور بنو غسان عیسائی بن گئے تھے مگر رفتہ رفتہ عراق، عرب، بحرین، صحرائے فاران اور دومتہ الجندل پر بھی یہی مذہب حکمران ہو گیا تھا۔ پروفیسر سیڈ پولکھتا ہے کہ 395ء سے 513ء تک عرب میں اشاعت عیسویت پر بہت ہی زور لگایا گیا تھا۔ لیکن اسلام نے چند ہی سال میں اس پر غلبہ حاصل کر لیا اور یہ جملہ ممالک دین حق میں داخل ہو گئے۔

عرب اور یہودیت

یہودی عرب میں اس وقت آئے جب یونانیوں اور سریانیوں نے ان کو اپنے ملک سے نکال دیا تھا، ان کا مذہب حجاز اور نواحی خیبر اور مدینہ میں پھیل گیا تھا اور اس نے استحکام بھی حاصل کر لیا تھا۔ اسلام کے آتے ہی ان کا بھی چار صد (400) سالہ قبضہ عرب سے بالکل اٹھ گیا۔

مشرقی عرب اور مجوسیت

عرب کے مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا اثر تھا اور اس حصہ کا گورنر شاہ ایران کی منظوری و انتخاب سے مقرر ہوا کرتا تھا۔ مشرقی حصہ میں آتش پرستی کی رسوم اور طریقے خوب رواج پائے گئے تھے۔ تاریخوں میں ان عربوں کے نام بھی لکھے ہیں جنہوں نے مجوسیت کے اثر میں آ کر بیٹی اور بہن کو گھر میں ڈال لیا تھا۔ اسلام کی پاک تعلیم کے سامنے یہ مذہب بھی نہ ٹھہر سکا۔

عرب وسطی اور بت پرستی

حجاز (یا وسط عرب) میں ابن لاجی شام سے بت لے آیا تھا اور اسلام سے تین صدی پیشتر تمام مشہور مشہور قبائل بت پرست بن گئے تھے۔ عرب اور مذاہب متعدده: صابئی، دہریہ، منکرین قیامت، مادہ پرست اور خود پرست و خوش باش وغیرہ کے نام سے اور بھی چھوٹے بڑے مذاہب تھے، جن کے مقلدین کی تعداد سینکڑوں یا ہزاروں تک پہنچی ہوئی تھی۔

﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ [الف: 9]

اسلام کی حقانیت نے ان سب لوگوں کو بھی بظان سے چھڑایا، یہی معنی ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ کے ہیں، جس کا ظہور حضور پر نور نبی ﷺ کے عہد اقدس ہی میں ہو گیا تھا۔

دوسری پیش گوئی

اسلام کے متعلق دوسری پیش گوئی کہ وہ مکمل و اتمام کو پہنچے گا۔

﴿وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ [الف: 8]

”اللہ اپنے نور کو پورا کرے گا، اگرچہ کافر برائے رہیں۔“

وعدہ کی زمین پر موسیٰ علیہ السلام داخل نہ ہوئے

موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پاک پر غور کرو، اگرچہ ان کے ہاتھ سے ایسی ایسی آیات باہرات کا ظہور ہوا، جو اپنا نظیر نہیں رکھتی ہیں۔ فرعون مصر کو اللہ تعالیٰ نے غارت کیا اور بنی اسرائیل کو سمندر چیر کر اس کی خشک زمین پر سے راستہ دیا، من و سلوی اتارا، دن میں خاک کے جگولے سے ان کی راہنمائی کی اور رات کو اسی جگولہ کو ستون بنا کر کمپ کو روشن کیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر مقصد اصلی جو وعدہ کی زمین میں بنی اسرائیل کو پہنچا دینا تھا وہ ان کی حیات میں مکمل نہ ہوا۔

داؤد علیہ السلام اللہ کا گھر نہ بنا سکے

داؤد علیہ السلام کی سیرت پاک کو دیکھو، ان کو بنی اسرائیل کے دو ازادہ اسباط (12 قبیلے) پر حکومت بھی ملی۔ انھوں نے جالوت کو بھی خاک و خون میں سلایا۔ انھوں نے سمویل کو بھی نچا دکھایا، شہر یار بنایا، قلعے تیار کیے، لیکن اللہ کا گھر بنانے کی ان کو اجازت نہ ملی۔

مسیح علیہ السلام کی سرگرمی اور تعلیم کا نامکمل رہ جانا

مسیح علیہ السلام کی سرگزشت کو پڑھو، تبلیغ و اشاعت کی غرض سے وہ شبانہ روز سفر میں رہے۔ اپنے سہ سالہ ایام تبلیغ میں انھوں نے دو شب کسی ایک مقام پر مشکل سے قیام فرمایا ہوگا، لیکن پھر بھی یوحنا 16 باب میں ان کا اعلان یہی تھا کہ وہ مکمل تعلیم نہیں دے سکے اور ساری صداقت اور سچائی نہیں سکھلا سکے۔ ان سب حالات کی موجودگی میں قرآن مجید کا اعلان اور اعلام عام یہ ہے کہ اسلام بالضرور تکمیل و اتمام کے مدارج پر پہنچے گا اور نور اسلام اپنے مقاصد میں یقیناً ہی فائز المرام ہوگا۔

اس آیت کا نزول تو اس وقت ہوا تھا جب مہاجرین و انصار کو اطمینان کے ساتھ روٹی کھانی نہیں ملتی تھی اور نماز بھی دشمن کے حملہ سے بے خطر ہو کر نہیں پڑھی جاتی تھی، آہستہ آہستہ اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا وقت آ گیا اور اس مبارک دن کا سورج نکلا جس روز اللہ کے نبی نے عرفات کے میدان میں وہاں کی بلند پہاڑی (کوہ رمت) پر چڑھ کر سب سے بڑے مرکب (ناقدہ قصویٰ) پر سوار ہو کر یعنی مادی دنیا کی اقصیٰ بلندی کے سر پر پاؤں رکھ کر عالم عالمیان کو اس نوید فرخ سے زندہ جاوید فرمایا:

﴿ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۗ ﴾ [النساء: 3]

”آج تمہارا دین تمہارے فائدے کے لیے کامل کر دیا۔ آج میں نے تم سب پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا۔ آج میں بتلاتا ہوں کہ میری خوشنودی یہ ہے کہ اسلام ہی تمہارا دین ہے۔“
قارئین آپ نے پیش گوئی کو بھی دیکھا اور اس کا اتمام بھی دیکھ لیا۔

تیسری پیش گوئی

تیسری پیش گوئی اسلام کی بابت کہ وہ استحکام میں بڑھتا جائے گا اور اس کا پھیلاؤ روز بروز زیادہ ہوتا جائے گا۔
﴿ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۗ ﴾
”کلمہ طیبہ کی مثال اس پاکیزہ درخت جیسی ہے جس کی جڑ مضبوط ہوتی جاتی ہے اور جس کی شاخیں آسمان پر پھیلی جاتی ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے ہر وقت، ہر زمانہ میں پھل دیا کرتا ہے۔“ [ابراہیم: 24-25]

ثابت اسم فاعل ہے اور اسم فاعل میں استمرار ہوتا ہے۔ سماء سمو سے بنایا گیا ہے، رفعت و شوکت بلندی و عزت کے معانی اس لفظ میں شامل ہیں۔

وہ درخت جس کی جڑیں پائال کی طرف بڑھتی جائیں جس سے درخت مضبوط بھی زیادہ ہوتا جائے اور خوراک بھی اسے زیادہ ملتی رہے۔

وہ درخت جس کی نشوونما جاری رہے، جس کی طراوت و تازگی قائم رہے، اس کی شاخیں پھیلا کرتی ہیں۔ فضا میں لہلہایا کرتی ہیں، آسمان کو جابجا کرتی ہیں، وہ آسمانی برکتوں، اوس اور مینہ سے بھی غذا لیتا ہے، وہ زمینی برکتوں، نہر اور چشموں سے بھی پلتا ہے۔
جمعیت کے اعتبار سے اس کا تا ایک ہوتا ہے اور پھیلاؤ کے لحاظ سے اس کی شاخیں کئی ہیں۔
یہی مثال اسلام کے کلمہ طیبہ کی ہے، جہاں اس کا بیج بویا گیا تھا، وہاں اس طرح قائم و دائم ہے اور اس کی شاخیں چین و افریقہ، انگلینڈ و امریکہ تک پھیل گئی ہیں۔

ہندو قوم کی بابت کوئی کہتا ہے کہ وسط ایشیا سے آئی اور کوئی کہتا ہے کہ تبت سے نیچے اتری۔ تبت اور ترکستان و ماوراء النہر میں جا کر دیکھو اور پوچھو کوئی اس دعویٰ کا مصدق بھی موجود ہے؟ ہرگز نہیں۔ معلوم ہو جاتا ہے کہ جڑ قائم نہیں۔ یہی حال دنیا کی اکثر اقوام کا ہے۔
بنی اسرائیل کو فلسطین کی زمین وعدہ کے ساتھ دی گئی تھی کہ اگر وہ شریعت کے پیرو رہے تو ابد آ باد کے لیے یہ مملکت اور اس کی حکومت انہی کو حاصل رہے گی، لیکن کیا اب اس کی جڑ اس وعدہ کی سرزمین میں قائم بھی ہے؟
جنگ عظیم 1914 تا 1918ء میں ان بے چاروں نے اربوں روپیہ بڑی بڑی سلطنتوں کو قرض دیا کہ وعدہ کی زمین، قومی گھر، بنا دیا جائے، لیکن وہاں کے باشندے اب تک ان کے قدم وہاں جسنے نہیں دیتے۔

اگر انگلستان کی کوشش بار آور بھی ہوتی [1]، تب بھی یہ مملکت اور سلطنت تو نہ ہوتی جس کا وعدہ ابراہیم اور موسیٰ اور داؤد و سلیمان علیہم السلام کے ساتھ تھا، بلکہ یہ تو وہی غلامانہ اطاعت ہوتی جس کے بدلے میں بخت نصر اور گشتاسب وغیرہ نے بھی یہودیوں کو اس [2] آج انگلستان کی مسلمانوں سے بے وفائی، دھوکا دہی اور یہودی مالی معاونت اور کفار عالم کے توسط سے ”اسرائیل“ جیسی یہودی مملکت معرض وجود میں آ چکی ہے۔

سرزمین پر بسنے کی اجازت دے دی تھی، جب کہ وہ بہ عہد مسیح رویوں کی ماتحتی میں رہتے تھے۔
پارسی قوم کا قومی گھر ایران ہے، لیکن اب تو وہاں ان کا کوئی پرسان حال بھی نہیں۔ کیا ان حالات میں یہ اقوام ﴿أَصْلَهَا﴾
نسباً ﴿[ابراہیم: 24]﴾ کے الفاظ اپنے اوپر چسپاں کر سکتی ہیں۔ یہودیوں، ہندوؤں، پارسیوں وغیرہ کی قوم جس پر جمود پڑی ہوئی
ہے یا جس کی احاطہ میں محدود ہے، وہ ان حالات میں کیسے ﴿فَرَعَهَا فِي السَّمَاءِ﴾ ﴿[ابراہیم: 24]﴾ کا مصداق ہونے کا دعویٰ بھی
کر سکتے ہیں؟

ہاں اسلام وہ ہے جو نہ کسی حویلی کا پتیل ہے، نہ کسی محن خانہ کا نیم ہے، نہ کسی باغیچے کا بیڑہ وہ آسمان کے تمام خلا کو اپنا سمجھتا ہے
اور اس میں پھیل رہا ہے۔

ہاں آیت پر مکرر غور کرو کہ اس میں اسلام کی پانچ خوبیوں کا بیان کیا گیا ہے۔

① ﴿شَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ﴾ واضح ہو کہ اسلام کی وحدت تعلیم اور مساوات حقوق بھی منفرد ہے، اس لیے اسلام کی بہترین تشبیہ درخت
میں پائی جاتی ہے کہ ایک ہی تنا پر بے شمار شاخیں ڈالیاں اور پتے ہوتے ہیں اور وہ سب غذا و نمو میں اسی تنا سے یکساں
مستفید ہوتے ہیں۔

② اسے طیبہ کہا گیا ہے، جس میں صورت کی خوش نمائی بھی شامل ہے اور جس کا سایہ اور شرم بھی ہوتا ہے۔ اسلام کا بھی یہی حال ہے
کہ وہ اپنی موتی شکل و صورت سے دلربا رہا ہے اور پاکیزہ تعلیمات سے طیب مانا گیا ہے۔

③ ﴿أَصْلَهَا ثَابِتٌ﴾

④ ﴿فَرَعَهَا فِي السَّمَاءِ﴾ کی بابت ہم دلیل اول میں لکھ چکے ہیں۔

⑤ ﴿تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا﴾ ہر ایک درخت کے پھل لانے کا وقت مقرر ہوتا ہے، کوئی گرما، کوئی سرما، کوئی
بہار میں، کوئی خزاں میں پھل لایا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایسا درخت بنا لیا جو ہر وقت پھل لانے والا ہے۔

قیام مکہ کے ایام میں اشاعت

اسلام کے اس ابتدائی زمانہ کو دیکھو، جب نبی ﷺ بھی مکہ میں قیام فرماتے اور مسلمان اپنی اپنی جانوں اور ایمانوں کے بچاؤ
کے لیے مختلف ممالک میں بھاگے پھرتے تھے کہ جش و یمن میں اسلام نے اس وقت سایہ ڈالا تھا۔

قیام مدینہ میں اشاعت

اس دور ثانی کو دیکھو، جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں اقامت گزریں ہوئے کہ بحرین و عمان اور دومتہ الجندل اور سرحد شام تک
کے لوگ اسی وقت اسلام کے اثمار شیریں ثابت ہوئے تھے۔

پھر دور ثالث کو دیکھو، جب آفتاب نبوت ظل احجاب میں آچکا تھا، مخلصین دل شکستہ تھے، منافقین کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔

دور صدیقیت میں اشاعت

معاہدین نے معاہدات کی شکست کا اعلان کر دیا تھا، مخالفین سرحد عراق و ایران پر فوجیں جمع کرنے لگ گئے تھے۔ خلیفہ

الرسول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اعراب آگے بڑھے اور یہ سچے دل کے لوگ نورِ صداقت سے مستنیر ہو کر شمشیریں بن گئے۔

خلافت راشدہ میں اشاعت

دور چہارم میں فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ شامل ہے جب کہ مشرق ساہیبا سے لے کر مغربی یونیس تک اسلام پہنچ گیا تھا۔ اموی زمانہ میں اسلام نے جبل الطارق کو پھاندا اور سمندر پر سے اچھلا اور چین کو زیرِ تسلیم کیا۔

مغلوں کا اسلام

چھ سات صدیوں کی اقبال مندی کے بعد مسلمانوں کی دولت و حکومت کو زوال آیا اور دارالسلطنت بغداد تباہ ہوا، لیکن انہی دنوں میں وہی مغول تاجار جو اس درخت کو کاٹنے کے لیے تیشہ تہر لے کر بڑھے تھے، اس کی شاخوں سے پیوند ہو گئے اور شمشیریں ثابت ہوئے۔

یونانی فلسفہ اور ہندووانی توہمات

الغرض اسلام اپنی مظلومی کے عہد میں بھی بڑھا اور ترقی و آسائش کے ایام میں بھی اس نے ترقی وازدیا کی طرف قدم بڑھایا۔ اسلام پر یونانی فلسفہ اور ہندووانی توہمات، ایرانی تعیش اور بربری توحش کے بھی حملے ہوئے مگر وہ پھر بھی ترقی پذیر رہا۔ ہمارے عہد میں فلسفہ جدید اپنی تعلیمات سے اسلام پر گولہ باری کر رہا ہے اور یورپین طاقتوں نے اودھم مچا رکھا ہے۔

یورپین پالیسی اور فلسفہ جدید

مسلمانوں کی سلطنتیں برباد ہو رہی ہیں۔ ترکی دولتِ عظمیٰ سے گھٹ کر ایک معمولی سلطنت رہ گئی ہے مراکوا اول درجہ کی سلطنت سے پاگلڈار بن گیا ہے۔ عرب اور عراق کی حکومتیں اغیار کی دست نگر ہیں۔ تنظیم قوم کا سلسلہ پراگندہ ہے، تاہم اسلام انگلستان اور جرمنی اور امریکہ پر اپنا سایہ ڈال رہا ہے۔ بڑے بڑے کرنٹ اور کونٹس لادز اور پرنسز اسلام کا چھل ثابت ہو رہے ہیں۔

حالیہ عہد میں اسلامی ترقی

چین اور افریقہ میں دس سال کے اندر مسلمانوں کی تعداد دو چند ہو گئی ہے۔ ان تمام حالتوں پر نگاہِ عبرت سے غور کرو اور ﴿تَوْرٰتِیْ اٰمَلٰہَا کُلًّا حٰیثُ﴾ کی پیش گوئی کی صداقت کا اندازہ لگاؤ، جب مسلمانوں کی اور اسلام کی ترقی کو ایک وقت واحد میں دیکھا جاتا ہے تو باذن اللہ تعالیٰ حکم عالی کی طاقت بخوبی ہویدا ہو جاتی ہے۔

چوتھی پیش گوئی

چوتھی پیش گوئی اسلام کی بابت کہ وہ اپنے دلائلِ حقانیت سے ترقی کرے گا اور دلائلِ انفسی و آفاقی ان لوگوں کو اسلام تک لانے میں دلیل رہے گی۔ ﴿سَنُرِیْہُمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْ اَنْفُسِہُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ﴾ [حم ہدہ: 53]

”ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر

ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے۔“

یہ ہے وہ چیز جو عرب کو اسلام تک پہنچانے کا موجب بنی۔

غور کرو جب نشانات قدرت کی اندرونی و بیرونی شہادت کسی معاملہ کی راست بازی و صداقت پر جمع ہو جائے تو کیا اس وقت کوئی صحیح دماغ ایسی شہادت کا انکار کر سکتا ہے؟

جب چشم و گوش اور عقل و ہوش کے سامنے ایسی براہین ساطعہ موجود ہوں جو اس ظاہری و باطنی کو بامقصد یق پر پہنچا دیتی ہیں، تو پھر ان کا ابطال کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے مخاطبین کے سامنے وہ نشانات و علامات بھی دکھلائے جن کی شہادت خود ان کے ضمیر نے ادا کی اور وہ علامات و دلائل بھی قائم کیے جن کی تائید زمین و آسمان کے ہر انقلاب و گردش سے ہوئی، جب ان کی حقانیت اسلام کے اقرار میں کوئی چارہ نہ رہا اور وہ پروانہ و آرائش شمع تجلی پر ٹوٹ کر گرے اور جان و مال کو اس منبع انوار پر نثار کر دیا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی آیات تسعہ کا تعلق زیادہ تر آفاق سے تھا۔ فرعونوں پر رحمت الہی تو ختم ہوئی مگر وہ ہدایت سے دور دوری رہے۔ آیات قرآنی کا اثر فی الانفس بھی ہے اور فی الافاق بھی ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کے مخاطبین نور حق سے قریب قریب ہوتے گئے اور مستعیر ہوتے ہوئے خود سراپا نور بن گئے۔ اَصْحَابِیْ كَمَا لَنْجُوْمٍ كِیٰ یٰبِیْ تَاوِیْلٍ ہے۔

پیش گوئی

کہ لڑائیوں میں مسلمانوں ہی کو غلبہ رہے گا

﴿اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْعَالَمُوْنَ﴾ [اصف: 173] "اور ہمارا لشکر غالب رہے گا"

جب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ ملی اور نہ مدافعت حربی کا حکم ہوا، اس وقت تک وہ برابر گونا گوں جور و ستم کا اماج بنے رہے، لیکن جب ان کی مظلومانہ حالت اور مجروحانہ بے بسی پر رحم کھا کر اللہ تعالیٰ نے ان کو جنگ کی اجازت دے دی اور مسلمانوں کی جمعیت فوجی تنظیم سے منظم ہو گئی، حتیٰ کہ اس لفظ جند کا اطلاق صحیح ہو گیا۔ اس وقت سے پھر مسلمانوں کو کسی جگہ شکست نہیں ملی، وہ فتح پر فتح حاصل کرتے گئے۔ نصرت و ظفر ان کے علم بردار رہے۔ عراق و فلسطین، شام و ایران، خراسان و ترکستان، مصر و سوڈان کے واقعات کو پڑھ لو کہ مسلمانوں کو ایک دفع بھی شکست نہ ہوئی اور ہر جگہ انہی کو غلبہ حاصل رہا۔ ایسی زبردست پیش گوئی کا اعلان وہی مالک فرما سکتا ہے جس کے قبضہ اقتدار میں اقوام کی ذلت و عزت کا ترازو ہے۔ ہاں وہی مالک جس کا علم عہد مستقبل پر بھی اتنا حاوی ہے کہ انسان کا علم عہد ماضی پر بھی اسی قدر حاوی نہیں ہو سکتا۔

آیت میں مزید غور طلب لفظ جُنْدَنَا ہے یعنی الٰہی لشکر۔ یہ ظاہر ہے کہ الٰہی لشکر صرف وہی ہو سکتا ہے جس کا مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ ہو اور جس کا مدعا فتح کنوز یا ملکیت خزانوں والوں سے بالاتر ہو کیوں کہ جب مقصد بدل جائے گا، تب وہ لشکر جندنا کہلانے کا مستحق نہ ہوگا اور جب وہ جندنا کی صفت سے عاری ہو گیا تو اس کا بہت سے مقامات پر مغلوب ہو جانا اقوام غیر کے سامنے مقہور ہو جانا بھی داخل تعجب نہ رہے گا۔

ان پچھلی صدیوں میں اگر مسلمان غلبہ تام سے محروم ہو گئے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ صفت "جندنا" (الٰہی لشکر) سے دور ہو گئے۔ لہذا آیات بالا دو پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔

﴿۱﴾ مسلمان کو کبھی شکست نہ ہوگی جب تک ان کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہوگا۔

(2) مسلمانوں سے یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا قائم نہ رہے گا جب کہ ان کا یہ مقصد نہ رہے گا۔

پیش گوئی

کہ اہل اسلام کو روئے زمین پر حکومتیں حاصل ہوں گی

﴿وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ﴾ [النمل: 62] ”تم کو زمین پر حکومتیں دے گا۔“

یہ آیت عام مسلمانوں کی طرف خطاب فرماتے ہوئے نازل کی گئی ہے۔

اس پیش گوئی کا ظہور کہ بنو امیہ نے دمشق میں ایک ہزار (1000) مہینے تک حکومت کی اور بعد ازاں غرناطہ وغیرہ میں حکومت حاصل کی اور ہسپانیہ پر صدیوں تک حکمران رہے۔ اسی پیش گوئی کا ظہور ہے کہ عہد فاروقی سے لے کر آج تک مصر پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہے اور مختلف خانوادے یکے بعد دیگرے سریر آرائے سلطنت ہوئے اس پیش گوئی کا ظہور تھا کہ دمشق میں انقرض دولت امویہ کے بعد عباسیہ نے بغدادی میں پورے جاہ و جلال کے ساتھ چھ صدیوں تک حکومت کی۔

اس پیش گوئی کا ظہور تھا کہ عباسیہ کے غلاموں، ترکوں نے ترکستان و خراسان وغیرہ کی حکومت حاصل کی، پھر انہی کی ایک شاخ نے قسطنطنیہ فتح کر کے یورپ میں حکومت حاصل کی اور انہی کی شاخ نے ہندوستان پر صدیوں تک سلطنت کی۔

الغرض فراعزہ مصر، اکاسرہ ایران اور قیصرہ روم کے ممالک پر اموی، عباسی ترک و کرد اور غلامان و افغانان اور دیگر اقوام کی مسلمان حکومتیں اسی پیش گوئی کے تحت میں ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی پیش گوئی صرف اللہ تعالیٰ ہی فرما سکتا ہے جو عالم الغیب ہے۔

پیش گوئی

کہ اہل ایمان کی حالت دنیوی بھی اچھی ہو جائے گی

﴿الَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَكَذَلِكَ الْأٰخِرَةُ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ ذٰرُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [النمل: 30]

”جنہوں نے یہاں نیک کام کیے ہیں، ان کے لیے دنیا میں بھی خوبیاں ہیں اور آخرت کا گھر تو بالکل اچھا ہے اور متقیوں کا خوب گھر ہے۔“

یہ آیات سورہ نمل کی ہیں جو کہی ہے۔ مکہ معظمہ میں اہل ایمان دنیوی حیثیت سے جس شوق و تعلق اور حسرت و افلاس میں بسر کیا کرتے تھے۔ اس کا حال سب کو بخوبی معلوم ہے۔ کسی کے پاس تہ بند ہے تو کرتے نہیں، کرتے ہے تو سر بند نہیں۔ کسی کو ایمان لانے کے جرم میں قید کیا جاتا تھا، کسی کو گرم پتھر پر لٹا کر اس کی چھاتی پر دوسرا پتھر رکھا جاتا، کسی کے منہ میں لگام ڈالی جاتی ہے اور ہنٹروں سے مار مار کر اسے گھوڑے کی طرح پھرایا جاتا، کسی کو دہکتے ہوئے کونکوں پر تھگی پینچ لٹا دیا جاتا۔ کفار سمجھتے تھے کہ یہی حالت ان کی ہمیشہ رہے گی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام نے بتا دیا کہ یہ حالت بدلنے والی ہے اور مسلمانوں کی دنیوی حیثیت بھی شاندار ہونے والی ہے۔ فتوحات کے بعد کل دنیا نے دیکھ لیا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان کیسے محترم و ترف اور عزت و شان پر پہنچ گئے تھے، جسے دیکھ دیکھ کر صداقت قرآنی کا اقرار اہل کفار و شرار کو بھی کرنا پڑتا تھا۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ نبی ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کے کنبہ سے پوچھا کہ تمہارے ہاں قالین بھی ہیں۔ وہ بولے کہ ہم اور

قالین۔ فرمایا تم کو ملیں گے۔ پھر ایک وقت آیا، جب ان کے گھر میں سارا فرش قالین کا تھا۔ ﴿۱﴾

مہاجرین رضی اللہ عنہم کے متعلق تین پیش گوئیاں

﴿۱﴾ ﴿وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاعِمًا كَثِيرًا وَسَعَةً﴾ [النساء: 100]

”جو کوئی شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا، اسے ملک میں جائے پناہ بھی بہت ملے گی اور کشتائش بھی حاصل ہوگی۔“

﴿۲﴾ ﴿فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

وَأَلْذُحِلَّتْ لَهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ [آل عمران: 195]

”پھر جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور انھوں نے جنگ کی اور

مارے گئے، ہم ان کی برائیوں کو بدل دیں گے اور انھیں ان کے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

یہ اجر ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تو بہتر ثواب دینے والا ہے“

﴿۳﴾ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرًا عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ

هُمْ الْفَائِزُونَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتِ لَهُمْ فِيهَا نِعِيمٌ مُقِيمٌ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ إِنَّ

اللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ [البقرہ: 20-22]

”جو لوگ ایمان لائے، جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں

بڑے درجے والے ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو کامیاب ہیں، پروردگار ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت سناتا ہے۔

ان کے لیے جنت ہے اور وہاں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔“

یہ ساری آیات بالا خاصہ مہاجرین پاک کے متعلق ہیں۔

پہلی آیت کا وعدہ دنیا کے متعلق ہے اور دوسری، تیسری آیت کا وعدہ دنیا و عقبیٰ ہردو کے متعلق ہے۔

مہاجرین گھربار، خویش و تبار، الماک و اموال کو چھوڑ کر صرف اللہ اور رسول کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ میں پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ

نے پہلی آیت کے مطابق ان کو بڑی بڑی جائیداد کا مالک بنایا، لاکھوں، کروڑوں کی تجارت ان کے قبضہ میں آئی۔

جنگت اور نعم و تقیم کی قسط اول دنیا ہی میں پوری کی گئی۔ غور کرو کہ عراق و شام، ایران و مصر و خراسان و سوڈان کے فاتح سب کے

سب مہاجرین ہیں۔ خالد بن ولید سیف اللہ اور ابو عبیدہ بن الجراح امین الامت، سعد بن وقاص اور عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہم

وہ بڑے بڑے جرنیل ہیں، جنھوں نے ان ممالک میں نور اسلام پہنچایا اور وہاں کے فہم مقیم کو اہل ایمان کے لیے عام کر دیا تھا۔

پیش گوئی

کہ تنگ دستی کے بعد مسلمان غنی ہو جائیں گے

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ [البقرہ: 28]

”اگر تم کو تنگ دستی کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ عہد مستقبل میں تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔“

سَوْفَ: مضارع پر جب آتا ہے تو مضارع کو معنی حال سے نکال کر مستقبل بعید کے معنی میں منتقل کر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ پیش گوئی

انقرض عہد نبوت ﷺ کے بعد پوری ہوئی۔ صحابہ کی دولت مندی اور غنا کا یہ حال تھا کہ ان کو اپنی دولت کا خود بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ نہ ہوتا تھا۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قرشی الزہری کا جب انتقال ہوا تو ایک ہزار (1000) اونٹ، تین ہزار (3000) بکریاں اور ایک سو (100) گھوڑے ان کے ہاں موجود تھے۔ نقد و اسباب اس کے علاوہ تھا۔ ان کی ایک عورت کو 3/8 کے حساب سے تراہی ہزار (83000) روپیہ نقد دیا گیا تھا۔^[1]

ابو محمد طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لنگر میں ایک ہزار (1000) درقی کاروزانہ مصارف تھا۔ درقی ایک سکہ ہے جو ہم وزن دینار ہے۔^[2] زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار (1000) غلام تھے جو کما کر لایا کرتے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان کی کمائی کو خیرات کر دیا کرتے اور ایک چبہ بھی اپنے پاس نہ رہنے دیتے۔^[3]

پیش گوئی

کہ عرب کے تمام بت ناپید ہو جائیں گے اور بت پرستی معدوم ہو جائے گی

﴿يَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ﴾ [الشوری: 24]

”اللہ اپنے کلام سے باطل کو مٹا دے گا اور حق کی حقانیت کو ثابت کرے گا۔“

باطل سے بت مراد ہیں۔ یہ معنی خود نبی ﷺ نے بتلائے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور ﷺ فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو صحن کعبہ میں بت استادہ تھے۔ نبی ﷺ کے دست مبارک میں چھڑی تھی۔ حضور ﷺ چھڑی کے ساتھ بت کی طرف اشارہ کرتے تھے اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرماتے تھے۔

﴿قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ [بنی اسرائیل: 81]

”کہہ دے کہ حق آ گیا اور باطل نکل گیا اور باطل نکلنے ہی کی چیز ہے۔“^[4]

اس پیش گوئی کا چودہویں صدی تک یہ اثر ہے کہ سارا ملک عرب بتوں کے وجود سے خالی اور بت پرستی سے کلیہ پاک ہے۔ آیت میں لفظ بِكَلِمَاتِهِ مکرر غور طلب کہ باطل کو محو کرنے اور حق کو ثابت کرنے کا کام کلمات الہیہ کا ہے۔ کلام اللہ کی تاثیر ہی یہ ہے کہ اس کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا۔

چین، ہند، آسام وغیرہ بت پرست ممالک ہیں۔ ہزار ہا بندگان الہی کا بت پرستی سے اہل عرب کی طرح بیزار ہو جانا، اسی اصول پر تھا کہ جہاں قرآن مجید کی اشاعت ہوئی وہاں وہاں بت پرستی معدوم ہو گئی۔ عیسائیوں میں مذہب پرائسٹنٹ (Protestant)^[5] کا ظہور و قیام بھی قرآن مجید ہی کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔

پرائسٹنٹ والے اب تصویر پرستی نہیں کرتے، نہ اپنے گرجاؤں میں مسیح اور مریم اور یوحنا علیہم السلام کی تماثل کورکتے ہیں اور نہ ان کے سامنے کورنش و رکوع کرتے ہیں۔

[1] کتاب الاموال، ابوالدین، الاضواء، 427/1، اسد الغابہ، 478/3، 480، الاستیعاب، 847/2، [2] اسد الغابہ، 87/3

[3] اسد الغابہ، 309/2، الاستیعاب، 563/1، [4] تاریخ، 4287

[5] ایک معروف سکسی فرقہ ہے۔

کہ مظلوم مہاجرین کو دنیا میں اچھے ٹھکانے اور آخر میں اجر کبیر ملے گا
﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا إِلَى اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنبُوِّنَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَا جَزَاءَ الْآخِرَةِ أَكْبَرَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾
”جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کے لیے ظلم اٹھانے کے بعد، ہم ان کو بہتر اور پسندیدہ ٹھکانے اور مقامات پاکیزہ دیں گے اور
آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے، کاش دوسرے لوگ بھی اسے جان لیں۔“ [احقاف: 41]

کون کون مقدس لوگ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ صدق کے موافق مورد الطاف ربانی ہوئے۔؟ یہ دیکھنے کے لیے مہاجرین کے
اسمائے مبارکہ پر نظر ڈالو۔ ان کی حالت پڑھو، ان کی دنیوی کامیابی سے ان کے اخروی اجر کبیر کا اندازہ لگاؤ۔ ایک مختصر آیت نے کس
طرح سینکڑوں بزرگوں کے انجام کا اعلام فرما دیا ہے۔ یہی ایک آیت قرآن مجید کے کلام ربانی ہونے اور مہاجرین کی دنیا و دین میں
کامیابی پر دلیل روشن ہے۔

دنیوی و اخروی سعادات کا بیان حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں بھی ہے:

﴿قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَ هَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾
”کہا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا۔ ہاں جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر
کرتا ہے تو اللہ احسان (نیکی) کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔“ [یوسف: 90]

آیت بالا سے ظاہر ہے کہ مہاجرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے سعادت دارین کو اسی طرح جمع فرما دیا جس طرح یوسف
صدق علیہ السلام کے لیے جمع فرمایا تھا۔

کہ اصحاب رسول ﷺ اور تبعین رسول ﷺ کی ترقی آہستہ آہستہ اور تدریجی ہوگی پھر کمال پر پہنچے گی۔
﴿تَكَزُّبُ أَخْرَجَ سَطَاةَ فَازَرَّةٍ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوْقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ [الحج: 29]
”ان کی مثال کھیتی کی سی ہے، جس نے سوئی نکالی، پھر سوئی کو مضبوط کیا، پھر اسے موٹا بنایا، پھر وہ اپنی نال پر کھڑی ہو گئی۔ وہ
کسان کو خوش کرتی ہے اور کفار انھیں دیکھ دیکھ کر غیظ و غضب میں آ رہے ہیں۔“

آیت بالا میں چھ (6) واقعات اور منازل و مدارج کا ذکر ہے۔

① کھیتی کی سوئی کا زمین سے سر نکالنا۔

② سوئی کا مضبوط ہونا۔

③ سوئی کا موٹا ہونا۔

یہ ہر دو مراتب مدینہ منورہ میں جا کر پورے ہوئے۔

ہر چہار (4) مدارج ترقی کے بعد دوسری و تیسری کا ذکر فرمایا۔

کسان کا اس بھتی کو دیکھ کر خوش ہونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا رضوان ہے، جس کا اعلان آیت تکمیل میں ہے۔

کفار کا انھیں دیکھ کر حسد اور غصہ سے جل مرنا۔ یہ ان سب اشخاص اور اقوام کے متعلق ہے جو مہاجرین کا اعلیٰ مناصب پر فائز ہونا نہیں دیکھ سکتے۔

یہ آیت دراصل چھ (6) پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔

ہاں اس پیش گوئی کو اس پیش گوئی کے ساتھ بھی ملا کر دیکھو جس میں اسلام کو شجرہ طییبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے

پیش گوئی

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے عکاظ منڈی سے خدمتِ اکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے خرید کیا تھا۔ جب طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد ہوا، تب زید رضی اللہ عنہ کو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے مامور کر دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت پہنایا گیا تو زید رضی اللہ عنہ بھی اسی پہلے دن ایمان لائے، جس دن خدمتِ اکبریٰ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے۔ لہذا یہ اولین سائقین میں سے ہیں۔ ﴿اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا:

﴿ اِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ ﴾ [الحزاب: 37]

”جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا۔“

آیت بالا سے ظاہر ہوا کہ وہ انعام یافتہ الہی ہیں۔ دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ انعام یافتہ الہی کون کون لوگ ہوتے ہیں:

﴿ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ﴾ [احزاب: 69]

”اللہ ورسول کی اطاعت کرنے والے ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا اور وہ انبیاء صدیق اور شہداء

وصالحین ہیں۔“

نتیجہ یہ ہوا کہ جو شہید ہے وہ انعام یافتہ الہی ہے اور جو انعام یافتہ الہی ہے وہ اگر نبی یا صدیق نہیں، تو ضروری ہے کہ وہ شہید ہو یا صالح ہو۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے آیت بالا ان کی شہادت کی خبر دینے والی تھی۔ چنانچہ 8ھ میں غزوہ موتہ کی سپہ سالاری کرتے ہوئے شہید ہوئے اور پیش گوئی پوری ہوئی۔

پیش گوئی

غیر اقوام کا مسلمان ہونا اور اسلام کی خدمت میں شاندار کام کرنا

﴿ وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ غَوْمًا غَيْرَكُمْ لَا تُمْ لَّا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴾ [محمد: 38]

﴿ اسد الغابہ 2/350، صابہ رقم الترمذی: 2897، الاستیعاب رقم الترمذی: 848

اگر تم منہ پھیرو گے تب اللہ تمہارے سوا دوسری قوم کو بدل دے گا اور وہ منہ پھیرنے والی قوم نہ ہوگی۔“
آیت کا خطاب (جیسا کہ قرآن مجید ہی کی عبارت سے واضح ہے، ان لوگوں کی طرف ہے جو جہاد سے منہ موڑنے والے تھے، اب دیکھو کہ سوڈان، بربر، افریقہ، اندلس، خراسان، سندھ، ہندوستان میں جہاد کرنے والی قومیں وہ ہیں جن کا ان منافقین کے ساتھ کوئی حسی نسبتی تعلق نہیں۔
کردہ ترک، مغول، غلطی، غوری، غوری اقوام نے اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے جو خدمات انجام دیں وہ سب اسی پیش گوئی کے تحت میں ہیں۔

اہل ایمان کے متعلق پیش گوئیاں

پہلی پیش گوئی

خلافت راشدہ کے متعلق، جس میں خلافت راشدہ کے متعلق علامات بھی واضح طور پر بیان فرمائی گئی ہیں اور یہ ایک پیش گوئی وراصل چھ پیش گوئیوں کا مجموعہ ہے۔

آیت کریمہ جو چھ پیشین گوئیوں اور ایک وعید پر مشتمل ہے، یہ ہے:

﴿ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ﴾ [النور: 55]

”وعدہ کیا اللہ نے تم میں سے اور ایمان والوں کے ساتھ جنہوں نے عمل بھی اچھے کیے۔“

﴿ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ ﴾ [النور: 55]

”کہ اللہ ان کو ضرور الارض کا خلیفہ بنائے گا“

﴿ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ [النور: 55]

”جیسا کہ ان سے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا“

﴿ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ ﴾ [النور: 55]

”اور ان کے دین کو ان کے لیے مکتب، قوت بخشنے گا وہ دین جس کو ان کے لیے اللہ نے پسند کیا ہے“

﴿ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ﴾ [النور: 55]

”اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔“

﴿ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ﴾ [النور: 55]

”وہ میری ہی عبادت کریں گے ذرا بھی شرک نہ کریں گے۔“

﴿ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴾ [النور: 55]

”اور جو کوئی اس حالت کے بعد بھی کفر کرے گا وہی فاسق ہوگا“

یہ وعدہ ہے اور ان لوگوں کے ساتھ ہے، جو تعلیم نبوت کے ترجمان اور عمل صالح کی صفت سے متصف تھے۔ وعدہ میں مندرجہ

ذیل چھ پیشین گوئیاں شامل ہیں:

اول: الارض کی خلافت

□ خلاف کے لفظ پر غور کرو، اللہ تعالیٰ نے قیام خلافت کے اعزاز کو ہمیشہ اپنے ہی اقتدار و اختیار و انتخاب میں رکھا ہے۔ خلافت آدم علیہ السلام کا ذکر تھا، تب بھی یہی فرمایا:

﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ [البقرة: 30] ”زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔“

سیدنا داؤد علیہ السلام کی خلافت کا ذکر ہوا تب بھی یہی فرمایا:

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ﴾ [ص: 26]

”اے داؤد! ہم نے تجھے الارض کا خلیفہ بنایا۔“

اب مومنین صالحین امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ ہوا تو بھی یہی فرمایا: لِيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ لِيَعْنِيَ اللَّهُ ان کو خلیفہ بنائے گا۔ اس سے ایک تو یہ ثابت ہو گیا کہ خلفائے راشدین کا نام قرآن مجید میں رکھا گیا ہے۔

دوم: یہ کہ ان کا تقرر و انتخاب منجانب اللہ تھا

□ آیت کا نزول 5 ہجری نبوت میں ہوا ہے کیوں کہ اسی سورہ نور میں واقعہ فک بھی درج ہے جو با اتفاق علمائے سیر 5 ہجری کا واقعہ ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ اس وعدہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو 5 ہجری سے پہلے ایمان لائے ہوئے تھے، اس لیے اَمْسُوا اور عَمِلُوا ماضی کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں اس وعدہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کا اسلام یا ولادت نزول آیت ہذا کے بعد ہوئی اور وہ خلافت راشدہ (جس کا تقرر بارگاہ الہی سے ہوتا ہے، کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔

□ الارض کے معنی عام بھی ہیں اور خاص بھی۔ جب اس کے معنی وعدہ کی زمین ہیں، تب تو اس سے وہی معنی لیے جائیں گے اور جب اسکے معنی مطلق لیے جائیں، تب معنی میں بھی عمومیت ہوگی۔ قرآن مجید میں اس کا اطلاق ہر طرح سے آیا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: ﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ [البقرة: 255] الارض سے مراد تمام کرہ زمین ہوگا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمانا ﴿وَمَكَدِكَ مَكَّنًا يُّوسُفُ فِي الْاَرْضِ﴾ [يوسف: 21]

میں الارض سے مراد ملک مصر ہوگا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے: ﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا فِي الْاَرْضِ الْمُبْرَمَةِ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ [المائدہ: 21]

”اے قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو تمہارے لیے لکھی گئی ہے۔“

اس میں الارض سے مراد وعدہ کی وہ زمین ہوگی جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے یہ بھی قرار دے دیا ہے

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ﴾ [الانبیاء: 105]

”بلاشبہ ہم نے زبور میں لکھ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کو ہی زمین کا وارث بنائے گا۔“

اب قرآن کی پیش گوئی میں ہی الارض کی تعیین میں وعدہ کی زمین بھی مراد ہے اور بتایا گیا ہے۔ فلسطین کی وہ زمین موعودہ جو

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو دی تھی جو ہزاروں سال سے اس خانوادہ عالی شان کی ایک شاخ بنو اسرائیل میں چلی آتی تھی۔ اس کا قبضہ اب خلفائے امت محمدیہ ﷺ کو دلا یا جائے گا۔ ان معنی کے لحاظ سے بھی آیت میں صریح پیش گوئی موجود ہے۔ کیوں کہ نزول قرآن بلکہ حیات نبوی ﷺ تک کوئی ایسے آثار و قرائن نمودار نہ تھے کہ مسلمان عرب سے آگے بڑھ کر ارض مقدسہ کے بھی مالک ہو جائیں گے۔

دشمن (خصوصاً سلطنت روم جو ارض مقدسہ کی قابض تھی) یہ تیاریاں کیے ہوئے تھا کہ سرور کائنات ﷺ کے وصال کے بعد فوراً یکبارگی عرب پر حملہ کر دیا جائے۔

مصر اور حبش کے باج گزار بادشاہ بھی اپنے اپنے ممالک سے حملہ آور ہوں اور خود قیصر بھی شام کی طرف سے آگے بڑھے اور اس تدبیر سے تمام عرب پر وقت واحد میں ہی تسلط تام بھی کر لیا جائے اور اس نوخیز مذہب جس نے عیسائیت پر عرب میں غلبہ حاصل کر لیا تھا اور جس نے اپنے عملی دلائل سے تثلیث کی بنیادوں کو سارے عالم کی نگاہ میں متزلزل کر دیا تھا، کا کام یک لخت ختم و تمام کر دیا جائے۔ دشمنوں کی ان تیاریوں پر قرآن پاک فرما رہا ہے کہ زمین موعودہ برگزیدہ مومنوں کو ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔ ﴿كَمَا اسْتَخْلَفْتُمْ﴾ کی تشبیہ کامل طور پر پوری ہو گئی۔

”الارض“ سے مراد عام ممالک بھی اس پیشین گوئی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اسی لیے عراق، فلسطین شام اور ایشیائے کوچک، مصر و ایران، بحرین و خراسان، مراکو، یونس، سوڈان وغیرہ الغرض وہ سب ممالک جو حملہ کرنے والے دشمنوں کی سلطنتوں میں داخل تھے۔ سب کے سب خلفاء کے قبضہ میں آ گئے۔

﴿آیت اختلاف میں صرف فتوحات کئی ہی کا ذکر ہوتا تو کہنے والا کہہ سکتا تھا، جس خلافت کا وعدہ دیا گیا ہے وہ صرف برکات دنیوی پر مشتمل تھی۔ مگر غور سے پڑھو کہ آیت تو مکتب دین، عزت اسلام، شوکت مذہب کا بھی وعدہ کرتی تھی۔

ممکن ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ دیتا کہ ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ [انکافرون: 6] ”تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔“ میں مذہب غیر از اسلام کو بھی لفظ دین سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ ﴿الَّذِي اَرْسَلْنَاكَ﴾ [انور: 55] کے پاک الفاظ بھی نازل کر دیے گئے۔ اگر ہم قرآن مجید ہی سے اَرْسَلْنَاكَ لَكُمْ دِينًا ﴿[آل عمران: 19] یہ الفاظ ملیں گے اور پھر اسلام کے متعلق ایک اور آیت ملے گی۔ ﴿اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران: 19] ”بے شک پسندیدہ

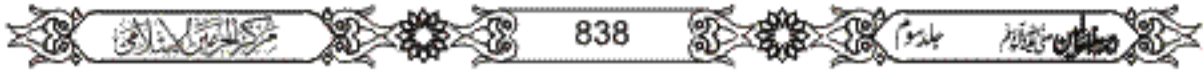
دین اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے۔“

یہ سب آیات اس امر کو استحکام کے ساتھ واضح کر دیتی ہیں کہ خلفاء کا دین ہی اللہ تعالیٰ کا پسند کردہ دین ہے۔

﴿وَلَيَبْذُرْنَهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ [انور: 55]

”اللہ تعالیٰ ان کو ضرور بعد از خوف امن دے گا۔“

اس آیت میں امن بسیط اور آسائش تام اور رفاهیت کامل کا اظہار ہے جو خلافت خلفائے راشدین میں حاصل ہوا تھا۔ سرور عالم ﷺ کی اس پیشین گوئی کا ظہور بھی جو حضور ﷺ نے سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ سے فرمائی تھی کہ وہ اپنی عمر میں دیکھ



لے گا کہ ایک عورت صنعا سے تنہا چل کر حج کرے گی اور راد میں اسے خوف الہی کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ اس کا ظہور بھی زمانہ خلافت ہی میں ہوا تھا۔

پس یہ الفاظ پاک اندرونی نظم و نسق پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ الفاظ ماسبق کشور کشائی و گیتی ستائی کے مظہر ہیں۔ دنیا کے کسی فاتح کے زمانہ میں ان دو اوصاف کا جمع ہونا بہت دشوار ہوا ہے۔ سکندر مقدونیہ سے الھتا، ایران کو تباہ کرتا، مہر کو خاک میں ملاتا، بابل کا خاتمہ کرتا ہوا رکاب دور یا پرے سے گزرتا ہوا ایشیائے کوچک تک جا پہنچتا ہے۔

تیور کو دیکھو کہ تاتار سے امنڈتا، ترکستان پر قبضہ جمانا، تخت کا بل پر جلوہ آرا ہو کر ہندوستان میں نقارہ شانی بجاتا، بغداد کو زیر و زبر کر کے سلطان یلدرم کو انگورہ میں اسیر کرتا۔ پھر روس کو مسخر کرتا ہوا تاتار میں جا پہنچتا ہے۔ چین اسی کے عزم سے لرزہ بر اندام ہے اور منگولیا و کوریا کی سلطنتیں اس کے سامنے خراج پیش کر رہی ہیں۔

لیکن ان دونوں کے ملکی نظم و نسق کو دیکھو تو بالکل بیچ بھر کے برابر۔

قرآن پاک کی پیش گوئی بتلا رہی ہے کہ خلافت ان ہر دو اوصاف عالیہ کی جامع ہوگی اور وہ حکومت کا ایک ایسا نمونہ دنیا میں چھوڑے گی جس کی تقلید کرنے سے آج تک فرانس و امریکہ کی جمہوریت بھی در ماندہ عاجز ہے۔

﴿۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰتُوْا مَالَكُمْ اَنَّكُمْ لَاصٰفِيْنَ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱﴾ [نساء ۱۰۴] یہاں اس شرف میں خلفائے راشدین کو بھی شامل کر دیا گیا۔

﴿۵﴾ لَا يَشْرِكُ لِلّٰهِ اِلٰهٌ اِلَّا اللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۱﴾ وصف مثبت ہے ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ﴾ ﴿۱﴾ [نساء ۱۰۴] صفت سلبی ہے۔ یہاں بھی نفی شرک نے توحید کا کمال، اعتقاد کا رسوخ، ایمان کی سلامتی، دوام عمل کو بخوبی واضح کر دیا۔

﴿۶﴾ طٰٓئِفٰتًا مِّنْهُمْ يَخُوتُوْنَ رِجَالًا وَعَدُوًّا لِّمَا عَمِلُوْا اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ [نساء ۱۰۴] یہاں اس شرف میں خلفائے راشدین کو بھی شامل کر دیا گیا۔

﴿۷﴾ ان علامات کے بعد یہ بھی بتلا دیا کہ خلفاء کی برکتوں کا انکار یا اس پیشین گوئی کا اشتہا بہت برے انجام تک پہنچا دیتا ہے اور بارگاہ الہی سے اسے لعنتی کا خطاب مل جاتا ہے۔

قارئین غور کریں کہ جس خلافت کی خبر دی گئی اور جس کی فتح مندی، نصرت و امن اور دینداری و صداقت گستری کی بابت پیشین گوئی فرمائی گئی۔ خلافت راشدہ ٹھیک اسی طرح ہر ایک بات پر پوری اتری جس کی شہادت نہ صرف مسلمانوں کی تاریخ، بلکہ اعداء کی تحریروں اور ممالک غیر کی تواریخ سے بخوبی حاصل ہوتی ہے۔

ہم کو آیت پر مکرر غور کرنا ہے۔ کیا اس سے موجودہ خلافت کے خلفاء کی تعداد بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں۔

لِيَسْتَخْلِفُوْهُمْ ۗ اِذَا قَضٰى لَہُمْ وَاغِيْرَہُ الْفَاظِ مِیْنِ سَبْجَہٗ جَمْعِ كَ صَیْفِہٖ اَوْ رَجْعِہٖ كِ ضَمًّا اِسْتِعْمَالِہٖ كِیۡے كِنَّے ہِیۡں اَوْرَزِہٖ اَنْ عَرَبِ مِیْنِ جَمْعِ كَ لَیۡے كَمِ اَزْ كَمِ تَمِیْنِ كَ ہُوۡنَا ضَرُوْرِیۡ ہِے۔ تَمِیْنِ سَے زَاۡدَ تَعْدَادِ تُوۡاۡسِ مِیْنِ اَسْ كَتِیۡے ہِے مَگر تَمِیْنِ سَے كَمِ تَعْدَادِ كَ لَیۡے حَٰثِیۡہٗ كَا صَیْفِہٖ اِسْتِعْمَالِ ہُوۡگَا، جَمْعِ كَا

نہیں۔ لہذا مسلمانوں کا یہ مذہب کہ خلافت راشدہ کے والی ابوبکر، عمر، عثمان، وعلی رضی اللہ عنہم چار مقدس ہستیاں ہیں یا بہ شمولیت امام حسن رضی اللہ عنہ پانچ ہیں۔ بالکل صحیح ثابت ہے۔ بلاغت قرآنی کو دیکھو کہ ان چاروں یا ان پانچوں پر نزول آیت کے وقت ﴿أَمِنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ [النور: 55] کی علامت کامل طور پر منطبق شدہ ہے۔

ہماری تمام تر بحث کا مقصد قرآن مجید کی ان پیشین گوئیوں کا ذکر کرنا تھا جو خلافت راشدہ کے متعلق ہیں۔ خلافت کا آغاز بعد از ارتحال نبوی ﷺ ہوا جب کہ نزول وحی کا باب مسدود ہو چکا تھا۔ اب انہی علامات و امارات و بشارات کے مطابق خلافت کا قیام و استحکام اس مالک الانام کا کام ہے جس نے خود اپنا کلام رسول پاک ﷺ پر اتارا۔ اور جس نے خود اپنے رسول ﷺ کی امت میں سے خلافت کے لیے چند نفوس مزی کی کا انتخاب فرمایا جن کا ہر ایک قول و فعل کتاب اللہ کا مصداق اور کتاب اللہ ان کی مصدق تھی۔

ساتویں پیشین گوئی کہ قرآن کریم کے مخاطبین اولیٰ میں ایک فتنہ عام برپا ہوگا

﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ [الانفال: 25]

”بچو اس فتنہ سے جو تم میں سے صرف ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا۔“

اس آیت میں ایسے فتنہ عام کی خبر دی گئی کہ ظالم و غیر ظالم سب ہی اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔ بے شک قومیت کے فقدان اور نظم ملی کے اختلال کی آفات میں سے ایک یہ بھی آفت ہے کہ اس عصیبت کا اثر سب پر پڑتا ہے۔

شہادت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، واقعہ جمل، واقعہ صفین، شہادت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، واقعہ باکدہ کر بلا ایسے واقعات ہیں جو اس پیش گوئی کی صحت میں وجود پذیر ہو چکے۔ واقعات بالا میں بڑی تعداد مخاطبین اول قرآن مجید کی تھی اور اس لیے ضمیر منکم میں کاف خطاب یہ استعمال میں لایا گیا اس فتنہ کے وقوع کا امکان اسی خلافت راشدہ کے بعد جو برکات دنیوی اور انوار دینی کی جامع تھی عام وہم و گمان سے بالاتر تھا، لیکن رب العالمین کا علم صحیح آنے والے واقعات پر حاوی ہے اور اس کا کلام ایسے واقعات کا ذخیرہ ہے۔ لہذا ایسے الفاظ میں خبر دی گئی کہ ظالم و غیر ظالم سب پر اس فتنہ کا استعمال ہوگا۔ یہ نہیں بتلایا کہ لوگ اس فتنہ میں حصہ لیں بلکہ فرمایا کہ احتراز و اجتناب اور تقویٰ اختیار کریں۔ صحیح بخاری کی حدیث عن ابی ہریرہ میں بھی اس فتنہ کی اطلاع دی گئی ہے۔

مَسْكُونُ الْفِتَنِ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَانِمِ وَالْقَانِمِ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِي خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي ﴿١﴾

”ایسے ایسے فتنے ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑے سے اور کھڑا چلنے والے سے اور چلنے والا ساعی سے بہتر ہوگا۔“

ہمارا مقصود ان دل شکن روح فرسا واقعات کی تفصیل لکھنا نہیں، بلکہ قرآن پاک کی پیش گوئی کا اندراج کرنا ہے کیوں کہ کلام الہی میں ان واقعات پر اشارہ موجود تھا اور یہی امر ہے جو اس کے کلام الہی ہونے پر دال ہے۔

مستہزئین (مذاق اڑانے والے) مکہ کے خلاف پیش گوئی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ﴾

”جو حکم تجھے دیا گیا ہے وہ صاف صاف بیان کرتا رہ، ان مشرکین سے رخ بدل لے۔ استہزا کرنے والوں سے ہم تجھے

کفایت کریں گے۔“ [الحجر: 94-95]

ہم نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین جلد اول میں جماعت مستہزئین کا ذکر کیا ہے۔ اس کمیٹی کے مقاصد یہ تھے کہ نبی ﷺ کی ہنسی اڑائیں۔ نقلیں اتاریں، آوازے کسیں، حضور ﷺ کے وعظ میں شور و شغب سے کھنڈت ڈالیں، منہ چرائیں، بے حرمتی کریں۔ اس ناپاک کمیٹی کے گندے افعال پر غور کرو۔ کیا ان موانع کی موجودگی میں کوئی شخص تبلیغ و اشاعت کا متم بالشان کام سرانجام دے سکتا ہے؟

لیکن آیت بالا میں نبی ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنا کام جاری رکھیں، وعظ و صح اور بلاغ و انذار کا سلسلہ ٹوٹنے نہ دیں۔ رہا مستہزئین کا رویہ اور طریق، اس کی بابت پیش گوئی کی جاتی ہے کہ ہم ان کو خود سمجھ لیں گے۔ اس پیش گوئی کے تحت میں مستہزئین کے نام اور ہر ایک کا انجام پیش کر دیا جاتا ہے:

1	امیہ بن خلف	سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم توڑنے والا یہی شخص تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھوں نے اس راہی الکفر کو خاک و خون میں سلایا اور دارالبوار کو پانچ پایا
2	عاص بن وائل	گدھے پر سوار تھا۔ ایک غار کے برابر پہنچا، گدھے نے ٹھوکر کھائی اور سر کے بل گڑھے میں اوندھا جا پڑا۔ وہاں ایک سخت زہریلا عقرب موجود تھا اس نے کاٹا، سوجن ہو گئی سر سرد کر مرا۔
3	نضر بن حارث	مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوا جو اس جماعت میں پیش پیش تھا۔
4	عتیب	جو اسود بن المطلب کا پوتا تھا۔
5	حارث بن زعمہ	جو عتیب کا چچیرا بھائی تھا
6	طیعمہ بن عدی	جو سخت بد زبان تھا۔
7	اسود بن مطلب	جو نقلیں اتارا کرتا تھا۔ ایک درخت کے نیچے سویا۔ اٹھا تو سخت بے چین تھا۔ کہتا تھا کہ میری آنکھوں میں کانٹے چھبوتے جاتے ہیں۔
8	عاص بن منبہ	پہلے گدھے پر سوار تھا۔ طائف کی راہ میں کانٹا لگا۔ اسی کے زہر سے ہلاک ہوا۔
9	منبہ بن حجاج	اندھا ہوا۔ پھر تر پتا ہوا مر گیا۔
10	ابوقیس بن ناکہ	جو نبی ﷺ کی ایذا دہی کو اپنی راحت سمجھتا تھا
11	امیہ بن خلف	مشہور بد زبان تھا۔
12	ابوجہل	جو اس الا شرار تھا۔
13	عقبہ بن ابی معیط	جس نے حضور ﷺ کی گردن میں سجدہ کرتے وقت پسند اڑا لیا۔

14	حارث بن قیس سہمی	پیٹ میں زرد پانی پڑ گیا تھا جو اس کے منہ سے نکلا کرتا، اسی ذلت سے ہلاک ہوا۔
15	ولید بن مغیرہ	ایک خزاعی سوار کا نیزہ اٹکل میں لگا۔ رگ جان کٹ گئی۔
16	ابوہب	عدرہ وطاعون میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوا۔ دوستوں، عزیزوں نے بھی لاش کو ہاتھ نہ لگایا۔ کونٹھے پر چڑھ کر اس کے اقارب نے لاش پر اتنے پتھر پھینکے کہ لاش ان میں چھپ گیا اور یہی ڈھیر اس کی قبر بنا۔
17	اسود بن یغوث	بادِ موم سے چہرہ چھلسا گیا۔ گھر آیا تو گھر والوں نے اسے شناخت نہ کیا۔ گھر سے باہر تڑپ تڑپ کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ زبان پیاس کے مارے دانتوں سے باہر نکلی ہوئی تھی۔
18	زبیر بن ابی امیہ	وہ با کا لقمہ ہوا۔
19	مالک بن اطلالہ	لہو، رادھ کی قے آئی اور فوراً مر گیا۔
20	رکاز بن عبد یزید	بے کسی و نامراد میں جان دے دی۔

غور کرو کہ پیش گوئی کتنے اشخاص کی ہلاکت پر مشتمل تھی اور پھر ہر ایک کا انجام کیسے عبرت بخش حالات کے ساتھ پورا ہوا واضح ہو کہ ذات ہمایوں نبی ﷺ کے متعلق دیگر آیات کو مضمون خصائص النبی ﷺ میں درج کیا گیا ہے۔

قریش کے دشمن سرداران دوست بن جانے کی پیش گوئی

﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوْدَّةً﴾ [الممتحنة: 7]

”عقرب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی قائم کر دے گا۔“

اس کے تحت میں بھی چند مثالوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عسلی کا استعمال امر محبوب کی ترجیح میں ہوتا ہے۔
 ① عبد اللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ نبی ﷺ کا پھوپھی بھائی تھا مگر اسلام کا اتنا سخت مخالف کہ حضور ﷺ سے اس نے علانیہ کہہ دیا تھا کہ اے محمد ﷺ اگر تو زینہ لگا کر آسمان پر بھی چڑھ جائے اور میری آنکھوں کے سامنے سے اترے، تیرے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں اور وہ تیری نبوت و صداقت کی شہادت بھی دیں تب بھی میں ایمان نہ لاؤں گا۔ ②

یہی عبد اللہ پہ جذبہ توفیق ربانی 8 نبوت میں حاضر دربار ہونا اور اقرار شہادتیں سے معراج ایمان پر فائز ہو جاتا ہے۔ اہل خبرت اندازہ کریں کہ عبد اللہ نے ضرور وہ کچھ دیکھا جو آسمان پر زینہ لگا کر چڑھنے اترنے اور فرشتوں کی شہادت دینے سے بھی بڑھ کر تھا۔ ③
 ② ثمامہ بن اجمال نجد کا فرماں روا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا شہر، حضور ﷺ کا لایا ہوا دین، حضور ﷺ کا وجود باوجود اس کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت تھے۔ وہ مدینہ میں صرف تین دن محبوس رہا۔ جس روز آزاد ہوا، اسی روز بصدول و جان حضور ﷺ کا فریفتہ و شہید ہو گیا۔ قید کیا ہوا کہ محبت کا صید بن گیا۔ ④

③ عمرو بن العاص اسلام کی مخالفت میں اتنا چالاک تھا کہ قریش نے دربار نجاشی میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا تا کہ مہاجرین پناہ گزین حبشہ کو

① الہدایہ و الصحیحہ: 51/3 ② اسد الغابہ: 176/3، اصحابہ: 4561، الاستیعاب: 1482 ③ بخاری: 4372، اصحابہ: 4561، الاستیعاب: 482

اکسٹراڈیشن (Extradition) ملزموں کی طرح حاصل کر کے واپس لائے۔ وہی چند سال کے بعد گردن جھکائے، حیات آکھوں کو قدموں پر جمائے حاضر ہوتا ہے اور بعد ازاں مبلغ اسلام بن کر جاتا ہے اور ملک عمان کے داخل اسلام ہو جانے کی بشارت لے کر حضور نبوی ﷺ میں حاضر ہوتا ہے۔ ملک مصر کا فاتح اول بنتا ہے۔^[1]

4) ابوسفیان صحرا بن حرب نے احد غزوہ سویت، احزاب وغیرہ میں مسلمانوں پر حملے کیے۔ بھاری فوجیں لایا۔ مگر وہی اسلام میں داخل ہو کر فتنہ و ارتداد میں ثابت قدم رہ کر فتوحات شام وغیرہ میں نہایت کارگزار ثابت ہوا۔^[2]

5) ابوسفیان بن حارث نبی ﷺ کا چچیرا بھائی، شاعر، زبان آور شروع شروع میں اسلام اور مسلمین کی ہجو میں شعر کہا کرتا۔ پھر یہ ہدایت ربانی حاضر ہونا اور ابوسفیان سید فقیان اہل الجہد کے خطاب سے مشرف ہوتا ہے۔^[3]

6) سہیل بن عمرو صلح حدیبیہ میں بھی کفار کی طرف سے کشتہ معاہدہ تھا۔ جب اسلام میں داخل ہوئے تو ان ہی کے خطبہ نے بعد از وفات نبوی ﷺ اہل مکہ کو استقامت و استقلال بخشا اور بالآخر شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔^[4]

7) عکرمہ بن ابوجہل شروع میں اسلام کی مخالفت اور کفر کی محافظت میں باپ سے بھی آگے آگے تھا، لیکن جب سے نبی ﷺ کے حضور میں آنے کا موقع ملا کہ جان نثار اور عاشق زار بن گئے۔ فتوحات میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے یہی دست و بازو ہوتے اور دہزار کفار پر اکیلے بھاری سبھے جاتے۔^[5]

8) حکیم بن حزام قرشی اسدی ساٹھ (60) سال کفر میں پورے کیے، بدر میں مسلمانوں کے خلاف بہت بڑا حصہ لیا۔ پھر اسلام لائے اور ساٹھ (60) سال اسلام کی خدمت میں پورے کیے۔ ایک حج کے موقع پر ایک سو (100) اونٹ اور ایک ہزار (1000) بکرے قربانی کیے اور ایک سو (100) غلام آزاد کیے۔^[6]

9) عبدیلیل ثقفی جب نبی ﷺ کوہ طائف پر تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تو اس نے لڑکوں، غلاموں، اوباشوں کو حضور ﷺ پر پتھر، کچھڑ، پھینکنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ لیکن چند سال کے بعد یہ خود مع بیچ سرداران قریش مدینہ میں حاضر ہوتا، ایمان لاتا اور اپنی قوم میں مبلغ بن کر جاتا ہے اور تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو جاتا ہے۔^[7]

10) بریدہ بن الحبیب کفار قریش کے انعام صد (100) شتر کی خبر پاتا اور ستر (70) سوار ساتھ لے کر نبی ﷺ کو زندہ پکڑ لانے یا ہلاک کرنے کا عزم کر کے گھر سے روانہ ہو جاتا ہے مگر جب آپ کی آنکھ حضور ﷺ کے چہرہ پر نور پر پڑتی ہے اور کان میں آواز دلنواز آتی ہے تو اپنی چٹائی کو اپنے نیزہ پر باندھ کر حضور ﷺ کا نشان بردار بن جاتا ہے اور غلامانہ ہمر کاب ہو کر آگے آگے چلتا ہے۔^[8] ایسی مثالیں سنکڑوں کی تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت بالا اپنی پیش گوئی میں کتنی وسیع اور کس قدر سچی ہے۔ سینکڑوں کے جذبات قلب اور ان کے انجام کی اطلاع دینا رب العزت ہی کے کلام کا کام ہے۔

[1] تاریخ بخاری: 303/6، تاریخ الاسلام للذہبی: 235/3، اسد الغابہ: 232/4، مسلم: 4622، 4624، ابن حبان: 4760، ابوداؤد: 3022، مسند احمد: 538/2، دلائل النبوة للبخاری: 56/5، اسد الغابہ: 144/6، سیر اعلام النبلاء: 88/3، اسد الغابہ: 142/6، مجمع الزوائد: 146/6، [4] اسد الغابہ: 585/2، تاریخ الاسلام: 26/2، شذرات الذهب: 30/1، [5] موطا: 46، تاریخ الطبری: 63/3، اسد الغابہ: 67/4، طبقات: 329/5، [6] تاریخ البخاری: 411/3، حمبرۃ النساب العرب: 121، تاریخ اسلام: 277/2، اسد الغابہ: 58/2، [7] تاریخ الطبری: 345/2، ابن ہشام: 68/2، ابوداؤد: 3026، سیر اعلام النبلاء: 145/1، دلائل النبوة لابن کثیر: 103/1، [8] سیر اعلام النبلاء: 168/1

پیش گوئی کہ کفار مکہ جو مسلمانوں کو کعبہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں

خود ان کو استحقاقاً داخل کعبہ ہونے کا حق نہ رہے گا

﴿ وَ مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَ سَعَى فِي خَرَابِهَا أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ﴾ [البقرة: 114]

”جو لوگ اللہ کی مسجدوں میں ذکر الہی کیے جانے سے روکتے ہیں اور مسجدوں کی بے رتقی میں سعی کرتے ہیں، ان سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا۔ ان کو حق نہیں کہ وہ مسجدوں میں داخل ہوں مگر ڈرتے ڈرتے۔“

مشرک کو کعبہ میں داخل ہونے کی ممانعت کا اعلان سید الحاج ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے 9ھ میں کیا اور آج تک یہی حکم برابر جاری ہے۔ جو لوگ اسلامی لباس سے ملہیں ہو کر وہاں جاتے بھی ہیں ان کی جان ہر وقت خوف و خطر میں رہتی ہے۔

جملہ کفار عرب کے لیے پیش گوئیاں

پہلی پیش گوئی کہ وہ مسلمانوں کو عاجز نہ کر سکیں گے اور خود رسوا ہوں گے

﴿ وَ اعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَ أَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ﴾ [التوبہ: 2]

”یا درکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہرا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرے گا۔“

یہ آیت اس وقت کی ہے جب تمام معاہدہ شکن کفار کے نام چار (4) مہینے کا الٹی میٹم دے دیا گیا تھا۔ خیال ہو سکتا تھا کہ اکیلے مسلمان اس قدر قبائل و اقوام کے نام بیک پارٹی الٹی میٹم دے رہے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے بطور پیش گوئی دو امور کا انکشاف فرمایا:

① کفار باوجود اپنی قوت و طاقت اور افزونی تعداد وغیرہ کے بھی مسلمانوں کو شکست نہ دے سکیں گے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہار کو اپنی ہار بتایا۔ کیوں کہ کفار کی عداوت مسلمانوں کے ساتھ دین الہی اور الہی بغض کی وجہ سے تھی۔

② کفار کو ایسی شکستیں ہوں گی کہ وہ اس روز ذلیل ہو جائیں گے۔ آج تک وہ عرب میں بڑے بہادر، بڑے جنگجو اور انتقام گیر سمجھے جاتے تھے۔ مگر مسلمانوں کے سامنے آتے ہی ان کی شجاعت و بہادری کا پول کھل جائے گا اور وہ سارے ملک میں رسوا و ذلیل ہو جائیں گے۔

قبائل بنو اسد و بنو غنسان و بنو غطفان وغیرہ کی حملہ آوریوں کا حال مع ان کے انجام کے پڑھو۔ دونوں پیش گوئیوں کا ظہور بخوبی واضح ہو جائے گا۔

دوسری پیش گوئی

مشرکین عرب کے مرعوب کیے جانے اور مسلمانوں پر ان کے حملہ آور نہ ہونے کی پیش گوئی

﴿ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا ﴾ [آل عمران: 151]

”ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے کیوں کہ یہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے رہے ہیں اور شرک دو چیز ہے جس کی

تائید میں کوئی دلیل موجود نہیں۔“

مسلمانوں کے ساتھ عہد نبوی ﷺ میں جو مختصر لڑائی جھگڑے ہوئے وہ صرف قریش یا قریش کی معاہدات و اقوام کی طرف سے تھے، جن میں دشمنوں کو ناکامی ہوئی۔ مندرجہ بالا قبائل ایک ایک، دو دو یا بمقابلہ ہوئے اور جو قبیلہ مقابلہ میں آیا اسے پھر نبرد آزمانی کی جرأت نہ پڑی۔ حتیٰ کہ سات (7) سال کے عہد قبیل میں تمام ملک میں امن و امان ہو گیا۔

وہ قبائل جو گھوڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے بدکا دینے پر پچاس پچاس برس تک لڑائی جاری رکھتے تھے اور لڑائی کو معمولی مشغلہ سے بڑھ کر کچھ نہ سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے سامنے ایسے مرحوب ہو گئے تھے کہ کبھی ان کے خلاف نہ اٹھے۔

بلکہ جنگ آور قبائل سے عہد نامے توڑ توڑ کر مسلمانوں کی مخالفت سے دست بردار ہو گئے۔ یہ سب کچھ اس پیش گوئی کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دل میں رعب ڈال دیا تھا، بے شک ایسے ملک میں جس کے خمیر ہی میں خون ریزی اور غارت گری تھی، یہ علیحدگی، یہ خاموشی صرف قدرت ربانی ہی کا نمونہ تھی۔

اہل مکہ کے خلاف دو (2) پیش گوئیاں

1] ان کے مصارف ان کے لیے سرمایہ حسرت بنیں گے۔

2] اور وہ سب مغلوب ہوں گے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ﴾ [النفال: 36]

”کافر اس لیے زرو مال صرف کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں، ہاں وہ کچھ عرصہ تک اس طرح خرچ کیا کریں گے۔ پھر یہ مصارف ان کے لیے موجب حسرت ہوں گے، پھر وہ مغلوب کیے جائیں گے۔“

کفار کے انفاق زر کا اندازہ ایک غزوہ احد کے مصارف سے ہو سکتا ہے، جس میں پچاس ہزار (50000) مشقال طلا اور ایک ہزار (1000) اونٹ چندہ میں جمع کیا گیا تھا۔

مزید برآں فوج کو ایک ایک دن کی دعوت ایک ایک سردار کی طرف سے دی جاتی تھی ان تمام کوششوں کا انجام حسرت و ناکامی اور اندوہ و حرمان ہی پر ہوا تھا کیوں کہ نہ وہ اسلام کی ترقی کو روک سکے اور نہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو مرتد کر سکے، بلکہ انھوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے رسوم آبائی اور ضلالت قدیم کو تباہ شدہ اور ہلاکت زدہ دیکھ لیا تھا۔

ابولہب کے متعلق پیش گوئی

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۚ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ، وَ مَا كَسَبَ ۚ سَيَصْلَىٰ نَارًا ۖ ذَاتَ لَهَبٍ﴾ [المب: 1-3]

”ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ تباہ ہو گیا۔ اس کا مال اور اس کی اولاد اس کے کچھ کام نہ آئی۔ وہ مستقبل

قریب میں شعلہ والی آگ کا ایندھن بنے گا۔“

ابولہب نبی ﷺ کے دادا عبدالطلب کا بیٹا تھا۔ وہ حضور ﷺ کے سب سے پہلے کوہ صفا والے واعظ میں حاضر ہوا تھا۔ جب اس نے سنا کہ نبی ﷺ حیات بعد الموت کے اعتقاد کی تلقین کرتے اور اعمال پر آئندہ نتائج مرتب ہونے کی خبر دیتے ہیں تب اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے نبی ﷺ کی طرف اشارہ فرمیں کر کے کہا تھا: **لَكَ مَسَائِرُ الْيَوْمِ الْهَذَا دَعَوْنَا** [تجھے دن بھر تباہی رہے، تو نے ہم کو انہی باتوں کے سنانے کے لیے بلایا تھا؟ نبی ﷺ تو سر پائے اور ہمہ تن تکیب تھے۔ حضور ﷺ نے تو اس فقرہ کا کچھ جواب نہ دیا۔ مگر غیرت الہیہ اپنے حبیب ﷺ کے خلاف ایسے الفاظ کی برداشت کیوں کر کر سکتی تھی؟ لہذا جواب میں خود اسی کے الفاظ اس پر لوٹا دیے گئے اور اس کے حسرتناک انجام کا اعلان بھی بطور پیش گوئی فرما دیا گیا۔ پیش گوئی تین امور پر مشتمل تھی:

① اسلام اور حضور ﷺ کے خلاف اس کی جملہ تدابیر تباہ ہوں گی۔

② اس کی اولاد اور اس کا مال اسے کچھ نفع نہ دے گا۔

③ وہ خود آگ کا ایندھن بنے گا۔

ابولہب کے چار (4) بیٹے تھے۔ دو بحالت کفر باپ کے سامنے مرے، باپ کو ان سے کوئی فائدہ تو کیا پہنچتا، دونوں کا داغ، دل و جگر کو کباب بنا گیا۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی مشرف بہ اسلام ہوئے اور باپ کی امیدوں کے خلاف نکلے۔ ابولہب خود طاعون میں ہلاک ہوا۔ اہل عرب طاعون سے سخت خائف تھے۔ اس کی لاش کو گھر سے ناسخایا گیا بلکہ چھت کھول کر ہی اوپر ہی سے اس قدر مٹی اور پتھر اس کے ناپاک جثہ پر پھینکے گئے کہ وہی اس کی گور بن گئی۔ یہ پیش گوئی جملہ کفار کی آنکھوں کے سامنے پندرہ (15) برس بعد از نزول آیت پوری ہوئی۔

پیش گوئی کہ ابولہب کی عورت بھی ذلیل موت سے مرے گی

﴿وَأَمْرًا أَنْهَ حَمَّالَةَ الْخَطْبِ ۖ فِي جَنَدِهَا حَيْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ [الہب: 4-5]

”اس کی عورت بھی جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے، ہلاک ہوئی، اس کی گردن میں موج کی رسی ہوگی۔“

اس عورت کو نبی ﷺ سے عداوت شدید تھی۔ خود جنگل میں جاتی، کانٹے اکٹھے کرتی۔ رات کو نبی کریم ﷺ کی راہ میں بچھا دیتی تھی۔ تفسیر خازن میں ہے کہ اس کی موت اسی طرح واقع ہوئی جس طرح کلام الہی میں ظاہر کی گئی تھی۔ سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ راہ میں تھک گئی تو گٹھے کو پتھر سے ٹکا کر خود ستانے لگی۔ جب پھر چلنے کا ارادہ کیا تو اسی رسی کا جس سے لکڑیاں بندھی تھیں پھندا گردن میں پڑ گیا اور لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ کی طرف جا لٹکا۔ جس کے بوجھ کی وجہ سے وہ پھندا پھانسی بن گیا اور ہلاک ہو گئی، اس بدترین موت کی اطلاع کلام الہی میں پہلے سے دی گئی تھی۔ ②

منافقین کے متعلق پیش گوئیاں

﴿وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ [البقرہ: 74]

”تمام دنیا میں ان کا کوئی بھی کام بنانے والا یا ان کو مدد دینے والا نہ ہوگا۔“

اسلام سے پیشتر عرب قبائل کو باہمی جنگوں میں سلطنت فارس یا سلطنت روما کی امداد مل جایا کرتی تھی لیکن جب منافقین کی نسبت اخراج مدینہ کی پیش گوئی فرمادی گئی تو یہ بھی بتا دیا گیا کہ اب کوئی سلطنت ان کی ذرا مدد نہ کر سکے گی۔
راہب فائق نے جنگ احد میں شکست کھا کر سلطنت روما سے مسلمانوں کے خلاف امداد حاصل کرنے کی بہت کوششیں کیں۔
روما کے پادریوں سے بھی امداد حاصل کی، لیکن اسے کوئی بھی مدد نہ مل سکی۔
جلد بن الاہم غسانی نے مرتد (باردگرد عیسائی) بن جانے کے بعد دربار ہرقل کی برسوں حاضر باشی کی مگر مسلمانوں کے خلاف سلطنت سے کوئی امداد نہ لے سکا۔

یہی حال اکثر منافقین اسلام کا ہوا اور پیش گوئی اپنے الفاظ میں صحیح ثابت ہوئی۔

پیش گوئی: منافقوں کو دگنی مار پڑے گی

﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ [التوبہ: 101]

”ہم ان کو یکے بعد دیگرے (دہرا) عذاب دیں گے اور بعد ازاں وہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“
یہ آیت ان منافقین کے متعلق ہے جو جہاد سے بلاوجہ پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کے لیے عذاب اول یہ تھا کہ ان کو جھوٹے عذرات پیش کرنے کے لیے بہت سے جھوٹ بنانے پڑے اور وہ قوم و ملک کی نگاہ میں جھوٹے اور خدار ثابت ہوئے اور سب کی نظروں سے گر گئے۔ یہ اخلاقی عذاب سخت ہوتا ہے، کیوں کہ ضمیر انسانی ہر وقت اس کو ستا رہتا ہے۔ عذاب دوم اس مال و اولاد سے محرومی ہے جن کی محبت میں مبتلا ہو کر وہ تارک جہاد بنے تھے۔

دونوں عذاب انہوں نے اپنی زندگی ہی میں چکھ لیے تھے۔ عذاب الیم جو تیسرا عذاب ہے، اس کا تعلق آخرت سے ہے۔

پیش گوئی کہ منافقین خسران میں رہیں گے

﴿اُوْلٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ [المجادلہ: 19]

”یہ شیطانوں کا لشکر والے ہیں اور شیطان کا لشکر ہی خسران زدہ ہوگا۔“

سیاق عبارت سے ظاہر ہے کہ پیش گوئی ان منافقین کی بابت ہے جو یہود کو پسند کرتے اور ان کے معاہدہ دوست بنے ہوئے تھے۔ آیت میں بتایا گیا ہے کہ دشمنان الہی کے ساتھ تو دود و اتحاد شیطانی کام ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ ضرور نقصان اٹھائیں گے۔ جنگ احزاب کے بعد منافقین جب ندادھر کے رہے ندادھر کے، تب یہ پیش گوئی ان پر صادق آئی۔

پیش گوئی ان منافقین کے متعلق جو اہل اسلام میں رل مل گئے تھے

اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہ بتلایا کہ منافق کون لوگ ہیں، اور کہاں آباد ہیں:

﴿وَمِنْ اٰهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلٰى الْبَيْتِ﴾ [التوبہ: 101]

”اہل مدینہ میں سے ایسے بھی ہیں جو نفاق پراڑے ہوئے ہیں۔“

اس اخبار غیب میں مصلحت یہ تھی کہ ازمنہ مستقبلہ میں کوئی شخص محض اپنی ہی رائے یا ظنون یا خیال یا تعصب سے اصحاب

کرام جنی اللہ کو تہمت نہ دے سکے۔ پہلی شرط جو کسی کو منافق کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ باشندہ مدینہ ہو، کسی یمنی، تہامی، مکی، حضرمی وغیرہ ممالک کے صحابہ میں سے کسی پر بھی نفاق کا شبہ یا شائبہ یا سایہ نہیں پڑ سکتا۔ اس میں علامت کے بعد یہ فرمایا۔

پیش گوئی

﴿ فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَيَعْلَمَنَّ الْكَذِبِينَ ﴾ [العنکبوت: 3]
 ”اللہ تعالیٰ صادقوں کو اور کاذبوں کو الگ الگ کر دکھائے گا۔“

اس پیش گوئی کی تفسیر پھر ایک اور آیت میں فرمائی۔

﴿ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِبَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا تَقِفُوا أُخِذُوا وَقِيلَوا تَفْتِيلًا ﴾ [الاحزاب: 61]
 ”اگر منافق لوگ اور دل کے روگی اور جھوٹی افواہوں کے پھیلانے والے مدینہ میں باز نہ آئیں گے تو ہم رسول کو ان کے خلاف کھڑا کریں گے اور پھر وہ مدینہ میں تھوڑے عرصہ کے سوار رسول کے پاس نہ رہ سکیں گے۔ جتنا عرصہ رہیں گے، لعنت زدہ رہیں گے پھر جہاں جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح سے قتل کیے جائیں گے۔“

اس پیش گوئی میں منافقین کا انجام یہ بھی بتلایا گیا اور ان کے انجام کی مدت و ایام کا بھی تعین کیا گیا۔ یہ آیت سورہ احزاب کی ہے۔ واقعہ احزاب 5ھ میں ہوا جس میں ابی بن سلول کی پارٹی کے تین سو (300) سے زیادہ منافق زندہ تھے۔ آیت میں بتلایا کہ ان سب کا حیات پاک مصطفوی ﷺ کے اندر خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ مدینہ سے نکال دیے جائیں گے اور یہاں سے جانے کے بعد ذلت و خواری کے ساتھ قتل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قبل ازیں نبی اکرم ﷺ گرامی ترین ولد آدم چشم ظاہرین کو نظارہ عالم سے بند فرمائیں۔ حضور ﷺ نے دیکھ لیا کہ مدینہ ایسے اشرار سے بالکل پاک ہے۔ یہی راز تھا کہ 9ھ میں جب کہ حضور ﷺ نے حمیم داری بنی نضیر کی حدیث کو سر منبر روایت فرمایا تھا۔ مدینہ کا نام ”طیبہ“ رکھ دیا تھا۔

پیش گوئی کی دوسری آیت مندرجہ ذیل پیش گوئیوں پر مشتمل ہے:

① ﴿ لَنُغْرِبَنَّكَ بِهِمْ ﴾ [الاحزاب: 60] یعنی اللہ کا رسول ﷺ ان کے خلاف کارروائی کرے گا۔

② ﴿ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ﴾ [الاحزاب: 61] شہر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کا زمانہ ان کو بہت کم ملے گا۔

③ ﴿ مَلْعُونِينَ ﴾ [الاحزاب: 61] ”وہ لعنت زدہ ہوں گے۔ ہر طرف سے ان پر پھینکا پڑے گی۔“

④ ﴿ أَيْنَمَا تَقِفُوا أُخِذُوا ﴾ [الاحزاب: 61] ”مدینہ سے نکلنے کے بعد جہاں کہیں جائیں گے پکڑے جائیں گے۔“

⑤ ﴿ قَتِلُوا تَفْتِيلًا ﴾ [الاحزاب: 61] ”بدترین طریقہ سے قتل کیے جائیں گے۔“

تاریخ اسلام کے ماہر واقف جانتے ہیں کہ منافقین مدینہ انہی پانچ (5) پیش گوئیوں کو پورا کرتے ہوئے برے انجام کے ساتھ ختم ہوئے تھے۔



مخلفین جہاد کے متعلق دو پیش گوئیاں

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَكُونُوا كَثِيرًا ۝ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُواكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ۝﴾ [التوبة: 81-83]

”پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ کے ساتھ نہ جانے پر خوش ہو رہے ہیں۔ انہوں نے برا سمجھا کہ اللہ کی راہ میں مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں اور یہ بات کہی کہ گرمی میں لڑائی کے لیے نہ جاؤ۔ اے رسول ﷺ! ان سے کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ سخت تر گرم ہے۔ اگر تم میں سمجھ ہے۔ ان کو چاہیے کہ تھوڑا نہیں اور بہت روئیں۔ یہ ان کے فعلوں کی جزا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ آپ کو ان پیچھے رہ جانے والوں میں سے ایک گروہ کی طرف واپس لائے گا اور وہ آپ کے ساتھ چلنے کی اجازت چاہیں گے تو ان سے کہہ دینا کہ تم میری معیت میں کبھی بھی نہیں نکلو گے اور میری معیت میں کبھی بھی دشمن کے ساتھ جنگ نہ کر سکو گے۔ تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے پر خوش تھے۔ اس لیے اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔“

اس آیت میں ایسی قوم کا ذکر کیا، جنہوں نے موسم گرما میں نبی ﷺ کے ساتھ جہاد میں جانا ترک کر دیا تھا۔ پھر پیش گوئی کے طور پر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی واپسی پر ان میں سے ایک گروہ بارگاہ محمدی ﷺ میں حاضر ہوگا اور آئندہ شریک جہاد ہونے کی اجازت کا خواستگار ہوگا۔

اس کے ساتھ قطعی پیش گوئی کے الفاظ میں بتلادیا کہ اب ان لوگوں کو جہاد ہرکاب نبوی ﷺ کا شرف نہ دیا جائے گا۔ اس واقعہ کو سورہ الفتح میں بھی بیان فرمایا ہے:

﴿سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَائِمٍ لِتَأْخُذُواهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۝ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكَ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۝﴾ [الفتح: 15]

”جب تم مغام کے حاصل کرنے کو چلو گے، تب پیچھے رہ جانے والے کہیں گے کہ ہم کو بھی ساتھ چلنے دیجیے، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل دیں، ان سے کہہ دیجیے، تم ہمارے ساتھ تو ہرگز نہیں جا سکتے۔ یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی فرمادی ہے۔“

ہر دو آیات سے زمانہ نزول آیات کا بخوبی تعین ہو جاتا ہے۔ سورہ الفتح کا نزول غزوہ حدیبیہ میں ہوا اور مغام کثیرہ کا حصول خیبر سے شروع ہوا۔ لہذا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر ساتھ جانے سے انکار کیا تھا اور بعد ازاں خیبر وغیرہ میں وہی بزرگ گئے جو حدیبیہ میں تھے اور یہ مخلفین کبھی ہرکاب نبوی جہاد کرنے کا شرف نہ حاصل کر سکے۔ نبی ﷺ کی حیات طیبہ کا زمانہ ان آیات سے قریباً پانچ سال بعد کا ہے۔ متعدد اقوام کے ہزاروں اشخاص کی نسبت ایسی پیش گوئی کا تعلق آئندہ کے سالہا سال سے ہو۔ رب العالمین ہی کے کلام میں ہو سکتی ہے۔

دوسری پیش گوئی

﴿قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ مَسْئِدُونَ إِلَىٰ قَوْمِ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكُلُومٌ يَأْتُونَكَ بِالْهَدْيِ وَبِالْوَلَدِ وَالْأَنْثَىٰ ۚ وَلَا يَأْتُونَكَ بِكَيْدٍ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ شَيْءٍ ۚ لَئِن لَّمْ يَظْهَرِ عَلَيْكَ إِسْرَائِيلُ وَسَائِرُ الْقَبَائِلِ وَالْمُلُوكِ فَذَرْهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ أَخْبِرُكَ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ بِمَا تَكْفُرُونَ﴾ [التَّوْبَةُ: 16]

”ان بادیہ نشینوں کو جو پیچھے رہنے والے ہیں کہہ دیجیے کہ تم کو آئندہ قرہبی زمانہ میں ایک سخت جنگ جو قوم کے لیے بلا یا جائے گا۔ تم ان سے قتال کرو گے یا وہ فرمانبردار بن جائیں گے۔“

اگر تم نے (اس وقت) اطاعت کی تب تم کو اچھا اجر دیا جائے گا اور اگر تم نے اس وقت بھی حکم سے منہ پھیرا، جیسے پہلے کر چکے ہو، تب تم کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت کو ہر دو آیات مندرجہ بالا کے ساتھ ملا کر پھر تہہ کر کرو۔

① خلفین کو معیت رسول ﷺ سے قطعاً محروم کر دیا گیا۔

② خلفین کو بعد از رسول کریم ﷺ قرہبی زمانہ میں دعوت جہاد دیے جانے کی پیش گوئی فرمائی گئی۔

③ بطور پیش گوئی مقابل کے دشمن کی صفات جنگ جوئی وغیرہ بھی بتلا دی گئی۔

④ اس جنگ کا انجام قتال یا دشمن کی فرمانبرداری بھی بتلا دیا گیا۔

⑤ اس دعوت کی اطاعت پر اجر حسنة کا وعدہ۔

⑥ دعوت کی عدم تعمیل پر عذاب دردناک کی وعید۔

اب آپ عہد صدیقی ﷺ پر نگاہ ڈالیں، ان کی اس دعوت عام کے فرمان کو جسے واقف می ﷺ نے لفظاً لفظاً نقل کیا ہے۔ پڑھیے اور پھر ان عہدوں کے نام معلوم کر لیجیے۔ جو خدمت صدیقی میں آئے تھے۔ قبائل اور شعوب کے نام پڑھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ اقوام تو وہی ہیں جن کو معیت رسول کریم ﷺ میں جہاد کا کبھی موقع نہ ملا تھا۔

پھر آپ دیکھیں گے کہ ان کو روما جیسی سلطنت (امپائر) کے مقابلہ میں روانہ کیا جاتا ہے جو نصف دنیا پر حکمران تھی، جو اپنی جنگ جوئی اور حرب دانی کا ثبوت ایران جیسی سلطنت کو جو نصف شرقی دنیا کی امپائر (دولت بزرگ) تھی، شکست دے چکی تھی۔ جس کی فوجیں باقاعدہ اور منظم تھیں۔ جن کا نظام جنگ سب سے اعلیٰ تھا۔ جنہوں نے اپنی ہی ملکیت کے اندر رہ کر صرف مدافعت کرنی تھی اور ان بادیہ نشینوں نے اپنے ملک سے سینکڑوں میل آگے بڑھ کر جہاں رسد اور ذخائر جنگ کے وسائل بھی کھمل نہ تھے، حملہ کرنا تھا۔

نتیجہ وہی ہوا کہ قتال نے دشمن کا خاتمہ کر دیا اور رعایا نے مصالحت سے فائدہ حاصل کیا اور ہزار ہزار داخل اسلام بھی ہوئے۔ یہ آیت عرب اور شام میں ہونے والے انقلاب اور فتوحات اعراب اور روما کی آئندہ معاشرت و انجام کے متعلق نہایت صاف ہے۔

یہ آیت دعوت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی اطاعت الہی بتلاتی ہے اور عدم اطاعت پر وعید عذاب بتلاتی ہے۔ اجر حسنة کا لفظ نہ صرف آخرت کے لیے ہے بلکہ دنیا بھی اس میں شامل ہے اور یہ لفظ ایک مستقل پیش گوئی ہے کہ صدیق رضی اللہ عنہما و فاروق رضی اللہ عنہما کے لشکروں میں شامل ہونے والے تمدن کے بلند ترین ارتقا پر پہنچ جائیں گے اور بائیں ہمدان کی امارت بھی خوبیوں والی ہوگی۔

ایسی پیش گوئی کے تمام اجزاء کا اس طرح پورا ہونا جس کی تصدیق ملکوں اور قوموں کی تاریخ سے واضح طور پر ثابت ہوتی ہو۔
قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کی قطعی دلیل ہے۔

غزوات نبوی ﷺ میں سے خاص خاص غزوات کے متعلق تین پیش گوئیاں

غزوہ بدر کے متعلق

﴿وَإِذْ يَبْعِدُكُمْ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَسَهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكُلِّ مَنَابِهٍ وَيَقْطَعَ ذَابِرَ الْكَافِرِينَ﴾ [الأنفال: 7]

”اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ دشمن کے دو گروہوں میں سے ایک تم کو ملے گا اور تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تم کو ملے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ حق کو اپنے حکم سے حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔“

غزوہ بدر میں ایسے مسلمان شامل تھے جو اچھی طرح سامان جنگ نہ بنا سکتے تھے لہذا ان کی تمنا یہ تھی کہ ان کی مدد بھیجے ایسے ہی دشمن کے ساتھ ہو جو غیر مسلح ہوتا کہ مقابلہ برابر کا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دشمنوں کو سامنے لا ڈالا جو آلات حرب سے پورے طرح مسلح تھے۔ لڑائی کے لیے تیار ہو کر آٹھ منزل آگے بڑھ آئے تھے اور انھوں نے صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ ان کا مقصد مدینہ پر یورش کرنا ہے۔ یہ تعداد میں بھی مسلمانوں سے سہ چند زیادہ تھے۔ بظاہر مقابلہ کسی طرح نہ ہو سکتا تھا، لیکن رب الافواج کا کلام پورا ہوا۔ اہل حق کی فتح ہوئی اور کافروں کو ایسی رسوائی اور ذلت کی شکست ملی کی کفر کی جڑ کاٹ گئی۔ غزوہ بدر کے متعلق آیت ذیل میں بھی پیش گوئی ہے۔

﴿سَيَهْزِمُ الْجَمْعُ وَيُؤَلِّقُونَ الذُّبُرَ﴾ [القر: 45] ”جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گی۔“

صحیح بخاری میں عکرمہ سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کفار کو بدر میں شکست فاش ہوئی تب سمجھ گئے کہ اسی جماعت کی شکست کا اعلان آیت بالا میں فرمایا گیا تھا۔ [1] جس میں مبایعین بیعت الرضوان کی بھی ایک پیش گوئی شامل ہے۔

غزوہ خیبر کی پیش گوئی

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ [الفتح: 18]

”اللہ سب مومنوں سے خوشنود ہوا جب کہ وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو جانچ لیا اور ان پر سکینہ و وقار نازل فرمایا اور فتح قریب کو ان کا انعام بنایا۔“

یہ آیت صلح حدیبیہ کی ہے۔ حدیبیہ میں مسلمانوں نے دیکھا کہ جو حق عبادت چار ہزار (4000) سال سے تمام دنیا کو بلا روک ٹوک حاصل تھا، یعنی بیت اللہ میں پہنچ کر عمرہ ادا کرنا اس سے مسلمانوں کو روکا جاتا ہے۔ جہاں کسی دشمن سے دشمن کو بھی گزند نہ پہنچایا جاتا تھا، جہاں باپ اور بیٹے کے قاتل کو بھی کوئی گرفتار نہ کرتا تھا، وہاں غلیل الرحمن علیہ السلام کے بچوں کو جانے سے اور سنت ابراہیمی علیہ السلام کے مطابق عبادت کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ لات و منات، غزی و ذوالحویصہ کے ماننے والے پتھروں، درختوں، مسورتیوں، استخوانوں پر ناک رگڑنے

والے ستارہ پرست، تثلیث پرست، دہریے، نفس پرست، خود پرست لوگ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے حرم کی سرزمین پر آتے جاتے ہیں لیکن ان اللہ کے بندوں کو جو احرام باندھے ہوئے ہدی، و بدن (قربانی کے جانور) ساتھ لائے ہوئے ہیں۔ ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا۔ یہی مصائب کچھ کم نہ تھے کہ اتنے میں ابو جندل آ جاتا ہے، پاؤں میں زنجیر لگی ہوئی ہے، جو گھسٹی آتی ہے۔ سانس پھولی ہوئی ہے، معلوم ہوا کہ مکہ میں ان کو اس جرم میں قید کیا گیا تھا کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ اب ان کو بھاگنے کا موقع ملا۔ لشکر اسلام میں پہنچ گئے ہیں۔ اس مظلوم کو حاصل کرنے کے لیے کفار نے کہا کہ وہ باہمی عارضی صلح کرنے پر رضامند ہیں بشرطیکہ ان کا یہ قیدی واپس کر دیا جائے۔

قوی فائدہ پر ایک شخص کی آزادی کو قربان کرنا پڑا۔ نبی ﷺ کے دیدار اور حضور ﷺ کی بشارت سے ابو جندل بھی اتنا شاد کام تھا کہ اسے پھر قید میں جانا کچھ گراں معلوم نہ ہوتا تھا۔ الغرض یہاں مسلمانوں کو اس قدر ضبط و صبر اور سکون و وقار و حلم کا نمونہ بنا پڑا کہ نزول سکینہ ربانی کے بغیر کوئی شخص ایسی دل شکن و روح فرسا حالتوں کو برداشت نہ کر سکتا۔ یہ بھی ایک امتحان تھا۔ اس میں کامیابی کے بعد اور مدینہ پہنچنے کے دو ہفتہ پیچھے حکم ہوا کہ یہی لوگ اور صرف یہی لوگ یہودان خیبر کے مقابلہ کو جائیں، وہ جنہوں نے گیا وہ ۱۱ قلعے مستحکم کر رکھے ہیں جو بنیق و غیرہ آلات کا استعمال کرتے ہیں جس سے عرب بالکل ناواقف تھے۔ جنگ خیبر میں انہی مسلمانوں نے جلالت و بسالت، جواں مردی و شجاعت، فنون حرب سے واقفیت، مدافعت و پیش قدمی کے ایسے ایسے جوہر دکھائے۔ کھلے میدانوں کو اور چوڑی چوڑی خندقوں سے محصور قلعہ جات کو سنگین دیواروں، مضبوط حصاروں کو انہوں نے اس طرح جیت لیا کہ ان کے سامنے کوئی شے بھی نہ ٹھہر سکی۔

پیش گوئی بالا میں مسلمانوں کی دونوں صفات کا ذکر بتایا گیا ہے اور دنیا کو دکھلایا ہے کہ مسلمانوں نے جو ظلم و آلام اسلام میں برداشت کیے، ان میں لا چاری و معذوری کا اتنا دخل نہ تھا جتنا مسلمانوں کی اس قوت ارادی کا تھا کہ دین حقہ کے مقابلہ میں ہر ایک مصیبت کو شرح خاطر اور کشادہ روئی سے سہہ جانا ہی اشاعت دین کا بہترین ذریعہ ہے۔ ورنہ بڑی سے بڑی قوم، حرب آزما قوم، زرو مال کی قوم قلعوں والی قوم (یہودی) کی ہستی بھی ان کے سامنے ٹچتی تھی۔

جس وقت نبی کریم ﷺ حدیبیہ سے واپس ہوئے تھے اور ڈھائی سو (250) میل سفر کرنے اور مکہ کی سرحد پر پہنچ جانے کے بعد صرف پانچ میل دور سے واپس آ گئے تھے تو کفار نے اور سارے عرب نے مسلمانوں پر کیا رائے قائم کی ہوگی۔ یہی رائے ہو سکتی ہے کہ قریش کے سامنے یہ ننگے بھوکے بے سر و سامان کر ہی کیا سکتے تھے، لیکن جب انہی لوگوں نے مدینہ سے آٹھ منزل دور جا کر خود سر، امن شکن، مایہ فساد، دشمن امن عامہ، مکاران یہود کو فتح کر لیا تھا تب کس حقیقت کا انکشاف ہوا ہوگا۔

یہی کہ ان لوگوں کا خضوع و خشوع صرف ازراہ تقویٰ ہے۔ ان لوگوں کا عجز و مسکنت صرف یہ قیام احکام دین حقہ ہے۔ یہ وہ شیر ہیں کہ جب تک ان کو نہ چھیڑا جائے تب تک کسی پر حملہ آور نہیں ہوتے۔ غرض یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور اہل ایمان کے دو مختلف و متضاد صفات کمال کو دکھلا کر پوری ہوئی۔

آیت بالا میں افظ ﴿انزل السکینة علیہم﴾ [التح: 18] مزید مدبر طلب ہے۔ سکینہ الہی کا فیضان یہ ہے کہ قلب کی حالت کبھی آئندہ بھی متزلزل نہ ہو۔ لہذا یہ ایک پیش گوئی ہے کہ بیعت رضوان والے ہی وہ با ایمان بزرگ ہیں جن کے ایمان میں کبھی متزلزل واقع نہ ہوگا۔

غزوہ احزاب کی پیش گوئی

مسلمانوں پر یہ بڑے زور کا حملہ تھا۔ یہودی، قرشی، نجدی، کنانی وغیرہ سب ہی قبائل اس حملہ میں شامل ہو گئے تھے اور غضب یہ تھا کہ مدینہ کی آبادی کے اندر رہنے والے یہودی ان حملہ آوروں سے ملے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی کمزوریوں کی اطلاع اور ان تدابیر کی خبر لہجہ بہ لہجہ دشمنوں کو پہنچا رہے تھے۔ مسلمانوں کے کلیجے منہ کو آ رہے تھے اور کفار کی شوکت و قوت کو دیکھ کر گہری سوچ میں پڑ گئے تھے۔ اعداء کی فوج مختلف لشکروں کا مجموعہ تھی۔ ہر ایک لشکر حزب کہلاتا تھا اور مجموعہ کو چند کہتے تھے۔ کفار کو اپنے باہمی اتفاق اور مکمل ساز و سامان پر بڑے بڑے مغرور تھے۔ اب کلام اللہ سنو۔

ایک فوج ہے جو بہت سے لشکروں پر مشتمل ہے، اسے اسی جگہ ہزیمت ہوگی۔ فرمایا:

﴿ اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرُونَ ۗ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۗ ﴾ [التح: 44-45]

کیا دشمن یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم سب متفق ہو گئے اور سب چڑھ آئے ہیں، اس لیے فتح و نصرت ہماری ہوگی۔ مگر تم عنقریب دیکھ لو گے کہ تمام جمعیت ہزیمت کھائے گی اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

اس پیش گوئی کے مطابق یہ ہوا کہ نزول آیات سے پچیس (25) دن بعد محاصرہ رکھنے والے قبائل کی فوجوں میں پھوٹ پڑ گئی اور دو راتوں رات سب چپت (منتشر) ہو گئے اور اس واقعہ کے بعد پھر کسی غیر قوم کو مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

یہودیوں اور منافقین کے معاہدات پر دو پیش گوئیاں

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لَا خَوْفٌ عَلَيْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مَعَكُمْ وَلَا نَطِيعُ لَكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّ اِنْ قُوْلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۗ ﴾ [المشر: 11]

”آپ نے منافقین کی حالت پر غور کیا جو اپنے بھائیوں کافرانہ کتاب سے کہہ رہے ہیں۔“

① اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل چلیں گے۔

② ہم تمہارے معاملہ میں کسی کی بات نہیں مانیں گے۔

③ اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم تم کو ضرور مدد دیں گے۔

اس معاہدہ پر پیش گوئی

﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّهُمْ لَكَٰذِبُوْنَ ۝ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَاَلَيْسَ قَوْلُهُمْ لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۗ ﴾

”اللہ بتاتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، اگر یہودی نکالے گئے، تب یہ منافق ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر یہود سے

جنگ ہوئی تو منافق یہودیوں کو مدد نہیں دیں گے۔“ [المشر: 12]

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بنو نضیر نکالے گئے اور منافقین نے نہ ان کا ساتھ دیا اور نہ ان کو مدد دی۔

قرآن مجید نے یہ بھی بتا دیا تھا ﴿ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَنْصُرُوْنَ ﴾ [المشر: 12]

”کہا اگر منافقین ان یہودیوں کی مدد بھی کریں گے تب بھی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور پھر یہودیوں کو بھی مدد ملے گی۔“

غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر منافقین نے یہودی مدد بھی کی تھی، لیکن پھر بھی ہزاران اسلام کے سامنے سے بھاگنا ہی پڑا اور ہلاک خرابیوں کے ساتھ منافقین کی طاقت و قوت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور پیش گوئی کا یہ آخری حصہ بھی پورا ہو گیا۔

یہودیوں کے کفر کی خبر اور ایسی قوم کے اسلام کی خبر (پیش گوئی) جو کبھی کفر نہ کرے گی

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ وَالْحُكْمُ وَالنَّبُوءَةُ ۚ فَمَنْ يُكْفِرْ بِهَا فَذُلًّا لَقِيَ ۚ وَكَلَّمْنَا بَعْضَ قَوْمٍ مَّا تَسُوا بِهَا
بِكَافِرِينَ﴾ [الانعام: 89]

”یہ وہ لوگ ہیں جن کی قوم کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی تھی۔ اگر یہ لوگ اسلام سے انکار کریں گے تو ہم نے ایسی قوم کو تیار کر رکھا ہے جو کبھی انکار و کفر نہ کرے گی۔“

یہ آیت سورہ انعام کی ہے اور سورہ مذکورہ لکھی ہے جب کہ اسلام نے ابھی مکہ سے باہر قدم نہ رکھا تھا۔ پیشگوئی میں بتلایا گیا ہے کہ اگر یہ سو دشمن یہودی ایمان نہ لائیں گے تو کیا ہوا دیکھو وہ بڑے بڑے خود سر قبائل جو حکمران و مطلق العنانی میں صدیوں سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے وہ آیا و قضا اور ربیعہ، معترض کے سب تیرے منقاد و مطیع ہونے والے ہیں۔ وہ:

شہر بن باذان ملک صنعاء

منذر بن ساوی ملک البحرین

جیفر و عباد فرزند ان جلدی، فرمانروان عمان

تیری اطاعت میں آنے والے ہیں۔

اصمہ نجاشی ملک حبشہ

اکیدر شاہ دومۃ الجندل

تیرے زیر فرمان ہونے والے ہیں۔

وہ ذی الکلاع حمیری جسے اس کی رعایا سجدہ کیا کرتی تھی اور جس کے جلو میں اس کے ایک ہزار (1000) غلام چلا کرتے تھے۔

وہ ذی ظلم، ذی زود، ذی مران، ذی عمرو، جو شاہان تاجدار تھے اور جن کے خاندانوں میں پشہا پشت سے تخت و تاج چلا آتا تھا۔

تیری خدمت میں کمر بستہ حاضر ہونے والے ہیں۔

ان شاہان تاجدار کے حالات کو پڑھو، جن کا علاقہ حجاز سے بڑا، جن کی فوج آنحضرت ﷺ کے حاضر باشاندگان بارگاہ

سے بہت زیادہ تھی، جو نہ کسی کے رعب میں آنے والے تھے اور جن کو کوئی طمع و حرص مال و منال کی نہ تھی، جن کے علاقہ جات میں مبلغین

اسلام کے سوا کبھی ایک مجاہد و غازی بھی نہ گیا تھا، کیوں کر خود بخود و انشراح خاطر اور طوع کلی و رغبت طبعی سے مسلمان ہو گئے تھے۔

یہ سب کچھ رب العالمین ہی کی قدرت کے کام تھے کہ ایک تیم، بیوہ کا بچہ، کی ہیبت اس قدر چھا جاتی ہے کہ بادشاہ لرزہ

بر اندام ہیں اور ایک خاک نشین سنگ بر شکم بستہ کی محبت دلوں میں اتنا قیام پکڑ لیتی ہے کہ سب کے سب جان و مال کو فرش راہ پاک کیے

ہوئے ہیں۔ ﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَا﴾

آیت میں لفظ و سگلتنا پر غور کرو، دہری پیش گوئی ہے۔ ادھر ان لوگوں کے دلوں کو منقاد کر دینے کی اور ادھر حضور خدا واپی و امی ﷺ کو یہ نظارہ دکھلا دینے کی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ ملک جو طنج فارس، بحر احمر، بحر روم اور کوہستان شام کے درمیان واقع ہے۔ سر تا سر ایک ہی کلمہ کا گویا۔ ایک ہی ملت کا شیدا۔ ایک ہی ذات قدسی صفات پر خدا اور ایک ہی دین فقیہ پر عمل پیرا ہو گیا تھا۔ دیکھو پیش گوئی میں کتنی وسعت تھی اور کس صداقت کے ساتھ نزول آیات سے دس بارہ سال کے اندر اندر ہی نور گستر ہوئی۔

ارتداد اور مسلمانوں کی تعداد میں بیشی و افزونی کی پیش گوئی

﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَرِّكَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ [المائدة: ۵۴]

”اے ایمان والو! تم میں اگر کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسی قوم کو لائے گا، جسے وہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ ایمان والوں کے لیے متواضع اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔“

آیت میں بطور پیش گوئی بتلایا گیا ہے کہ مسلمانوں میں سے کوئی مرتد بھی ہو جایا کرے گا۔ پھر بطور پیش گوئی بتلایا کہ ایسے انفرادی نقصان کے وقت اللہ تعالیٰ بڑی بڑی قوموں کو گرویدہ اسلام فرما دے گا۔ اللہ کے ساتھ ان کے معاملات محبت و خلوص کے ہوں گے۔ اہل ایمان سے ان کے تعلقات تواضع و انکسار کے ہوں گے۔ دشمنان دین کے ساتھ وہ غلبہ و فتح و عزت و نصرت کا کرشمہ دکھلائیں گے۔

وہ دنیا کی جھوٹی تعریف یا جھوٹی جھوسے بالاتر ہوں گے اور عملاً و فعلاً اللہ کی راہ میں سرفروش و جان نثار ہوں گے۔ اس آیت کا ابتدائے اسلام سے تا ایں دم ہمیشہ ظہور صدق رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہے گا۔ نبی ﷺ کے انتقال کے بعد مسیلمہ کذاب اٹھا اور اس کے ساتھ ہزاروں لوگ ہو گئے ان کا ارتداد بھی نہ والا تھا۔ مسیلمہ اور اس کے اتباع سب کے سب دہری زبان سے نبوت محمدیہ ﷺ کا اقرار کرتے تھے مگر مسیلمہ کے لیے بھی نبوت ثابت کرتے تھے۔ اس قوم کے اندر ثمامہ بن اثال اٹھی اور ان کے اتباع میں ایسے موجود تھے جو مرتدین کے ساتھ جنگ آزما ہوئے اور انھوں نے قومیت یا قرابت کا ذرا لحاظ نہیں کیا۔

اسود ظنسی نے دعویٰ نبوت کیا اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے فیروز اور ذاذویہ کو جو قاری النسل اور صاحب فضل و کمال ہیں، کھڑا کر دیا، جنھوں نے اس کی تمام شوکت و قوت کو خاک میں ملا دیا۔ ظلیجہ و سجاح نے بھی دعویٰ نبوت کیا اور اسی اطراف کی اقوام و قبائل نے ان کو ایسا سیدھا بنایا کہ بالآخر ارتداد سے توبہ کر کے داخل اطاعت اسلام ہو گئے اور پھر کبھی خدمت اسلام میں کوتاہی نہ کی۔

ملوک بنی امیہ کا ظلم و جور بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اہل خراسان کو اٹھایا اور انھوں نے ان کی سلطنت کو تہ و بالا کر ڈالا جس کا نتیجہ عباسیوں کا صاحب و اکبریم و اورنگ ہونا نکلا۔

عباسیوں نے جہاد میں تعاون کیا تو اللہ تعالیٰ نے سلاطین اندلس کو مغرب میں آل بویہ و آل سہلمین کو مشرق میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کھڑ کر دیا۔

تباہی بغداد میں خود مسلمانوں نے کفار کا ساتھ دیا اور ترکان خونخوار کے ہاتھوں سے اس عروس البلاد کو غارت کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس قوم ترک میں اسلام داخل کر دیا۔

وہ ترک جنہوں نے بغداد کو ایسا تباہ کیا تھا کہ شہر کی گھیاں خون سے رنگین اور دریائے دجلہ قلمی کتابوں کی روشنائی سے سیاہ تھا۔ یورپ میں جو اسلام کا جھنڈا قائم کرنے والے ثابت ہوئے۔ وہی خادم حرمین شریفین کہلانے کو سلطان بن سلطان کہلانے سے زیادہ فخر کرنے والے ٹھہرے۔

آریہ نے ملکاتہ میں شدھی کا رواج دیا اور کچھ مسلمانوں کو مرتد بنایا تو خود انہی میں سے کنور عبدالوہاب خان جیسے اٹھے جنہوں نے ہندو نما لوگوں میں اسلام پھیلایا۔

شمس الاسلام محمد امین و خالد لطیف گابا جیسے ہندو پیرستروں اور تعلیم یافتہ لوگوں نے اسلام کا اعلان کیا اور خود آریہ کے مبلغین نے آگرہ وغیرہ کے علماء کے ہاتھوں پر بیعت اسلام کی۔

یورپ میں کنگ جارج (King George) کے قریبی بھائی سر جارج ہملٹن (Sir George Hamilton) نے اظہار اسلام فرمایا اور اس طرح پر اسلام تخت انگلستان کے قریب تر پہنچ گیا۔

لارڈ ہیڈلی (Lord Headly) محمد پکٹھال (Muhammad Pickthall) خالد شیلڈر (Khalid Shilder) جیسے صاحبان علم و فضل حاشیہ برداران اسلام بنے۔

نئی دہلی کے رقبہ میں اگر کوئی پرانی مسجد شہید ہوگئی تو دارالسلطنت فرانس کے شہر پیرس کے وسط میں مسجد جامع تیار بھی ہوگئی اور جرمنی شہر میں آٹھ ہزار (800) نمازیوں پر سایہ کرنے والی مسجد بھی رونق افزائے فضا بن گئی۔ شہر لندن (L) میں بھی مسجد کے لیے زمین حاصل کی جا چکی ہے اور تعمیر شروع ہونے والی ہے۔

مکانہ کے جاہل علاقہ میں چند نفوس نے اسلام چھوڑا تو چین و افریقہ کے ممالک میں کئی کروڑ مسلمانوں کا اضافہ بھی ہو گیا۔ قسطنطنیہ میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد میں نمایاں ترقی ہوئی۔

یہ جملہ برکات و آثار اور ترقی تعداد افزونی شمار و کثرت انوار اسی آیت مبارکہ کی پیش گوئی کے تحت میں محدود ہیں اور یہی حالت تا انجام دنیا برابر چلی جائے گی۔ ایک شخص کے مرتد ہونے سے دس داخل اسلام ہوں گے۔

لوگوں کا یہ بھرم بھی جانتا رہے گا کہ اگر ہم لوگ بھی غیروں کو اپنے دھرم میں شامل کر لیا کرتے تو مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے۔

﴿ وَاللَّهُ مَنَّكُمْ نُوْرِهِ وَكَوْنَكُمْ الْكَافِرُونَ ﴾ [الصف: 8]

”حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں“

یہودیوں کے متعلق 9 پیش گوئیاں

① یہودی مسلمانوں کا معمولی اذیت و آزار کے سوا اور کوئی نقصان نہ کر سکیں گے اور اگر مسلمانوں سے لڑائی میں مقابل ہوئے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

① یہ سعادت مسلمانان انگلستان کو حاصل ہو چکی ہے۔ الحمد للہ اب صرف شہر لندن میں بے شمار مساجد علیہ اسلام کی نوید دے رہی ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز

﴿لَنْ يَنْصُرُوَكُمْ إِلَّا أَدَىٰ ط وَإِنْ يُقَاتِلُواْكُمْ يُوَلُّوْكُمْ الْاَذْيَارِ نُمْ لَا يَنْصُرُوْنَ﴾

یہودی پس پردہ سازشیں کرتے رہے، قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہے۔ خود جاسوسی کرتے رہے۔ بغاوت کرنے والوں کو چکے چکے روپیہ پیسے سے امداد اور سلاحت سے اعانت کرتے رہے۔ اس پر بھی ان کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو میدان میں نکل آئے۔ یہ لوگ فتون حرب سے زیادہ واقف تھے۔ سارے عرب میں آلات قلعہ شکن انہی کے پاس تھے۔ منجیق کا استعمال صرف یہی لوگ جانتے تھے۔ اس لیے عرب کا ہر ایک قبیلہ ان سے دیتا تھا۔ ایسے لوگوں کی شکست فاش کی پیش گوئی ایسی تھی جس کا کفار کو ہرگز یقین نہ ہوتا تھا۔

لیکن ارباب تاریخ کے سامنے یہودان قیقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ، خیبر، فدک، تہام کے واقعات موجود ہیں ہر ایک کا انجام اسی پیش گوئی کے مطابق ہوا۔

آیت بالا میں تین پیش گوئیاں ہیں:

① ایذا دہی سے بڑھ کر وہ کوئی نقصان مسلمانوں کا نہ کر سکیں گے۔

② مقابلہ میں آئے تو کھلی شکست کھائیں گے۔

③ شکست کے بعد کوئی ان کی مدد کو بھی نہ کھڑا ہوگا۔

سینکڑوں میل کے بسنے والے متعدد قبائل پر ایسی زبردست پیش گوئی کا اعلان صرف وہی پروردگار عالم فرما سکتا ہے جو مشارق الارض اور مغاربہا کا مالک ہے اور جسے وہ چاہتا ہے۔ اسی کو فتح و نصرت عطا فرماتا ہے۔

② یہودی موت کی تمنا نہ کریں گے۔

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ آيَاتِهِمْ﴾ [البقرہ: 7-8]

”کہہ دو کہ اے یہود اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ نہیں تو اگر تم سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو کرو اور یہ ان (اعمال) کے سبب جو کر چکے ہیں۔“

یہود کا عام دعویٰ یہ تھا کہ ہم فرزند ان خدا ہیں اور ہم برگزیدگان اللہ ہیں۔ قرآن نے بتلایا کہ اگر تم کو اس دعویٰ کی صداقت پر خود یقین ہے تو اپنے لیے موت کی دعا مانگو۔

یہ مسلمہ ہے کہ اولیاء ربانی کے لیے حیات دنیوی حجاب ہے۔ یہ حجاب اٹھ جائے تو دوست دوست کے وصال سے شاد کام بن جائے۔ عربی میں مثل ہے: الْمَوْتُ جَسْرٌ يُّوَصِّلُ الْحَبِيبَ إِلَى الْحَبِيبِ موت وہ پل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملا دیتا ہے۔ کسی ولی کی جانب سے تمنائے موت کے معنی عرض داشت وصال کے ہیں اور ایسی عرض و معروض کا بار بار پیش کرنا اور ہر بار اس پر اصرار کرنا لوازم محبت و ولایت میں سے ہے۔

یہاں یہودیوں سے فرمایا گیا کہ ایک دفعہ ہی موت کی تمنا کا اظہار اپنی زبان سے کرو۔ اسکے بعد بطور پیش گوئی فرما دیا کہ یہودی ایسا کبھی نہ کریں گے اور اس کی وجہ بھی بتلا دی کہ اگر چہ ایسے ایسے دعاوی کی لاف و گزاف ان لوگوں کی زبان پر جاری ہے۔ مگر اندر سے

دل پکڑا ہوا ہے۔ معاصی و سینات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے جما ہوا ہے۔ دل و دماغ پر افعال شنیعہ کا اتنا قبضہ ہے کہ موت سے نفرت ہے۔ خدا کے حضور میں جانے سے طبیعت گریز کرتی ہے۔

یہودی اگر سچے ہوتے تو قرآن کو جھٹلانے اور اپنے دعویٰ کی صداقت جتانے کے لیے یا مسلمانوں کو سنانے ہی کو ایک دفعہ کہہ دیتے کہ ”الہی موت دے“ لیکن یہ اخبار تو منجانب اللہ ہو چکا تھا کہ ایسا نہ ہوگا۔ اس لیے اتنا لفظ کہتے ہوئے زبان پر قفل پڑ جاتا تھا۔ اور منہ پر مہر لگ جاتی تھی۔ اور ایسے موقع پر کافر و مشرک بھی یہودیوں کی ”خرد رگل مائدہ“ حالت کو دیکھ کر ہنس دیتے تھے۔

اس پیش گوئی کا مدعا یہ تھا کہ دنیا جہان کے سامنے یہودیوں کے جھوٹے ادعا (اولیاء و احباء اللہ ہونے) کی حقیقت کو ظاہر فرما دیا جائے اور بتلا دیا جائے کہ اس صاحب جبروت اور ملک الموت کے حضور میں کسی آفریدہ و مخلوق کو بڑا بول بولنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ یہودیوں کے متعلق تیسری پیش گوئی

﴿ ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةَ اَيْنَ مَا فَضَّلُوْا اِلَّا بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَخَّلِيْ مِّنَ النَّاسِ ﴾ [آل عمران: 112]

”اور ڈال دی گئی ہے ان پر ذلت، جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں۔ بجز اس کے کہ اللہ کی ذمہ داری سے رہیں یا لوگوں کی ذمہ داری سے رہیں۔“

اس آیت میں بتلایا گیا ہے:

- ① کہ آئندہ کو یہود دنیا میں ایک آزاد قوم کی شان سے آباد نہ رہ سکیں گے۔
- ② بتایا گیا ہے کہ وہ ذلت و مسکنت کا نشانہ رہیں گے یعنی ان کی اپنی سلطنت کوئی نہ ہوگی۔
- ③ بتایا گیا ہے کہ یا تو ان کو مسلمانوں کے ماتحت جزیہ گزار ہو کر رہنا پڑے گا۔ اس کو بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ فرمایا کیوں کہ ذمی قوم کو خود اللہ تعالیٰ نے حقوق عطا فرمائے ہیں۔
- ④ ہاں ان کو دیگر اقوام کا ٹیکس گزارا ہو جائے گا، جسے آیت بِحَبْلِ مِّنَ النَّاسِ میں فرمایا ہے۔ گویا ایک آیت کے اندر چار پیش گوئیاں ہیں۔

اس آیت کے مابعد زمانہ پر نظر ڈالو، کیا کسی جگہ دنیا کے پردہ پر اس قوم کی آزاد حکومت قائم ہے؟ کیا ان لاکھوں کروڑوں میں ایک بھی شخص ایسا ہے جو غیر قوم کا ٹیکس گزار نہ ہو۔

ہاں! بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ کی تاثیر یہ ہے کہ وہ ترکی، ایران، مراکو، تونس میں مسلمانوں کے ماتحت بطور جزیہ گزار پائے جاتے ہیں۔ اور بِحَبْلِ مِّنَ النَّاسِ کا اثر یہ ہے کہ وہ روس و امریکہ، انگلستان و فرانس وغیرہ میں دیگر اقوام کے ماتحت آباد ہیں اور جملہ اقسام کے ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ جنگ عظیم 1914 تا 1918ء میں یہودیوں نے کروڑوں، اربوں روپیہ (متحدین) کو اس لیے دیا کہ ان کی بھی ایک چھوٹے سے رقبہ پر آزاد سلطنت تسلیم کر لی جائے۔ ہر ایک قوم نے جو سینکڑوں من سونا ان سے لے رہی تھی سمجھ رکھا تھا کہ مفتوحہ علاقہ میں سے ان کی درخواست کو پورا کر دیا جائے گا۔

جب جنگ عظیم ختم ہوئی اور ایفائے مواثیق کا وقت آیا تو یہودیوں سے کہا گیا، وہ سب فلسطین میں آباد ہو سکتے ہیں اور وہاں کی حکم بردار نہ حکومت ان کو مل سکتی ہے۔

یہ شرط ابھی تک پورے طریق سے پوری نہیں ہوئی اور فلسطین کے سابقہ باشندوں نے ابھی تک یہودیوں کے تفوق کو بھی تسلیم نہیں کیا۔^[1]

خیر قبیل کی صورت کو چھوڑ کر دیکھنا تو یہ ہے کہ یہودیوں کے سامنے کیا چیز پیش کی جاتی ہے؟ حکم بردارانہ حکومت! اب قرآن مجید کے الفاظ کو فور سے پڑھو کہ ﴿بِحَبْلِ مِنَ النَّاسِ﴾ کا لفظ کتنا وسیع پڑا ہوا ہے۔ ایک کتاب کسی امیر کے پاس ہوتا ہے، اسے وہاں دودھ، گوشت سب کچھ ملتا ہے۔ ہاں گلے میں زنجیر بھی ڈال دی جاتی ہے تو کیا اس کا یہ رتبہ ہو سکتا ہے کہ وہ خود کو ایک تہی دست آزاد انسان سے برتر خیال کرنے لگے، صرف اس لیے کہ انسان کو ویسی غذا میسر نہیں جیسی مسٹر ڈاگ کو ملتی ہے۔

بعینہ یہی پوزیشن فلسطین میں یہودیوں کی قائم کی گئی ہے مگر بحبلِ مِنَ النَّاسِ کی زنجیر ضرور گلے میں پڑی رہے گی اور یہ وہ زبردست پیش گوئی ہے جس کے سامنے تمام یورپ کے وزراء و دول کی ڈپلومیسی بھی عاجز ہے۔

یہودیوں کے باہمی فرقوں کے اندر عداوت ابدی کی پیش گوئی

﴿فَأَعْرَبْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ [المائدہ: 14]

”ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک ڈال دیا“

اس وقت یہودیوں میں الگ الگ دو توراتیں ہیں۔ ایک تورات یونانی ہے اور دوسری سامریہ۔ ایک کتاب کے مقلد دوسری کتاب والے کو قطعی کافر جانتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بات کے رد و ادرا بھی نہیں۔ (قرآنی پیش گوئی کے مطابق یہ بعض یہ عداوت تا قیامت اس طرح قائم رہے گی)۔

عیسائیوں کے متعلق تین پیش گوئیاں

[1] عیسائی دنیا میں مال دنیوی سے متمتع رہیں گے

عیسائیوں کو دنیوی مال و متاع ملے گا۔ پھر آخرت میں ان کا فیصلہ ہوگا۔

﴿قَالُوا تَتَّخِذُ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَكَ هُوَ الْعَلِيِّ لَدَّةَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ
بِهٰذَا اتَّفَقُوْا عَلٰى اَللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ط قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ الْكٰذِبِ لَا يَفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي
الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ [یونس: 68-70]

”ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا لیا ہے، اللہ تو اس سے پاک ہے اور وہ تو بے نیاز ہے۔ اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی کی ملک ہے۔ کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند بھی ہے؟ یا اللہ کے خلاف بے علمی سے باتیں بناتے ہو۔ کہہ دیجیے کہ جو لوگ اللہ کے خلاف جھوٹ کا اقرار کرتے ہیں۔ وہ فلاح نہ پائیں گے۔ دنیا میں ان کے لیے کچھ حصہ ہے پھر ان کی بازگشت ہماری جانب ہے۔“

[2] بد قسمتی سے مسلمانوں کی اپنی نا اہلی اور کوتاہ بینی سے آج اسرائیل جیسا ملک جو اپنی اور بیگانوں کی سازشوں سے دل مسلم پر منحصر کی طرح بیست ہے۔

آیت بالا میں صاف پتا نصاریٰ کا ہے جو مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں اور انہی کی بابت ”متاع فی الدنیا“ فرمایا گیا ہے۔ عام لوگ جب نصاریٰ کی کثرت دولت اور فراوانی زر و مال کو دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ اس ستن پرست قوم اس قدر انضال و الطاف کیوں ہیں مگر آیت ربانی نے بتلادیا کہ یہ نہ لطف ہے، نہ فضل ہے بلکہ ”متاع الدنیا“ ہے جس کے ساتھ لَا یُعْلَمُونَ لگا ہوا ہے۔ (یعنی فلاح و نجات سے محرومی) یہ تو ممکن ہے کہ کم بین، کوتاہ نظر لوگ اس دولت مندی کی تمنا کرنے لگیں اور قارون کے دیکھنے والوں کی طرح ﴿يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ﴾ [التقص: 78] جو قارون کو دیا گیا کاش وہ ہمیں بھی مل جائے“ کہنے لگیں، لیکن کیا کوئی شخص یہ پسند کر سکتا ہے کہ قارون کی دولت مع انجام قارون اس کے حصہ میں آئے؟ یقیناً کوئی خرد مند ایسا پسند نہ کرے گا جس کے ساتھ فلاح اور نجات کی لٹی لگی ہو۔ خیر یہ بحث تو الگ ہے، اس وقت بہ اقتضائے مقام یہ لکھنا کافی ہے کہ نصاریٰ کے موجودہ قبول اور تعیش کی پیش گوئی قرآن پاک میں موجود ہے اور یہی امر قرآن کے کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

﴿2﴾ دوسری پیش گوئی کہ عیسائیوں کے باہمی فرقوں میں ہمیشہ عداوت رہے گی

﴿وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ [المائدہ: 14]

”ان میں وہ بھی ہیں جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں، ہم نے ان سے عہد لیا، انھوں نے بڑا حصہ اس کا فراموش کر دیا ہم نے ان میں عداوت اور بغض کو قیامت تک کے لیے بھڑکا دیا۔“

رومی کیتھولک (Roman Catholic) اور پروٹسٹنٹ (Protestant)، یونی ٹرن (Unitern)، گریک (Greece church) چرچ، آشین چرچ (Asian church)، انگلش چرچ (English church)، امریکن چرچ (American church) کے اختلافات اور بغض و عداوت اور تکفیر باہمی کے حالات جس شخص کو معلوم ہیں وہ آیت بالا کی تصدیق بخوبی کر سکتا ہے اور جان سکتا ہے کہ یہ کلام یقیناً منجانب اللہ ہے۔

﴿3﴾ تیسری پیش گوئی کہ نصاریٰ دربارہٴ موڈت اہل اسلام سے

زیادہ تر قریب ہیں اور یہود و مشرک زیادہ دور و بعید ہیں

﴿وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى﴾ [المائدہ: 83]

”اہل ایمان سے محبت میں قریب تر تو ان کو پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔“

عراق و شام کے عیسائیوں، احمہ، نجاشی، اکیدر، عدی بن حاتم، ابومریم غسانی، وغیرہ حکمرانان ملک کا مطیع اسلام ہو جانا اسی پیش گوئی کے تحت میں تھا۔ آج بھی انگلستان و جرمنی اور امریکہ میں جس قدر اشاعت اور ترقی اسلام کی ہو رہی ہے وہ اسی آیت کے تحت میں ہے۔

سلطنت روما و ایران نیز قریش و اہل ایمان کے متعلق پیش گوئی جس میں دو پیش گوئیاں شامل ہیں

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يُؤْتُونَ مَالَهُمْ سَيُغْلِبُونَ﴾ [الروم: 5]

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يُؤْتُونَ مَالَهُمْ سَيُغْلِبُونَ﴾ [الروم: 5]

[الروم: 5-1]

”روما الارض کے قریب مغلوب ہو گیا ہے اور وہ مغلوبی کے بعد چند ہی سال میں غالب آ جائے گا۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے۔ پہلے بھی اور پیچھے بھی۔ اور اس روز مومنین بھی اللہ کی نصرت سے شادماں ہوں گے۔ اللہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے، وہی تو غلبہ قدرت والا ہے اور وہی رحم کرنے والا ہے۔“

الارض سے مراد مصر کی زمین فلسطین ہے اور اونی الارض سے شام و ایشیائے کوچک کا علاقہ ہے جہاں روما والوں کو خسرو پرویز نے شکست پر شکست دی تھی اور ان کو ان ممالک سے نیز مصر سے باہر نکال دیا تھا۔ کلام الہی میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ نو سال کے اندر اندر روما والے پھر ایران والوں پر غالب آ جائیں گے۔

یہ پیشین گوئی ان دنوں بالکل خلاف قیاس و گمان سمجھی جاتی تھی۔ اتنی بڑی شکست کے بعد ایسی فاتح قوم پر غالب آ جانا اور وہ بھی نو (9) سال کے اندر اندر اہل دنیا کو مجال معلوم ہوتا تھا۔ لہذا الہی بن خلف نے اس آیت کو قرآن مجید کے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا کہ اگر وہ صداقت قرآن پر اعتماد رکھتے ہیں تو شرط لگائیں۔ یہ واقعہ 8 نبوت کا ہے۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی کیوں کہ اسلام میں اس وقت تک شرط لگانے کی نہی نہ ہوئی تھی۔ [1]

نزول آیات سے سات (7) سال بعد ایسا ہی ہوا۔ روما میں جو خانہ جنگی اور اندرونی بد نظمی ہو رہی تھی۔ وہ جنرل ہرقل کے بادشاہ بن جانے سے جاتی رہی۔ روما والوں نے پھر از سر نو اپنے از دست رفتہ ممالک کو واپس حاصل کر لیا اور مصر و شام، فلسطین و ایشیائے کوچک پھر سلطنت قسطنطنیہ کے ماتحت ہو گئے۔

الفاظ قرآنیہ بشارت در بشارت پر مشتمل تھے۔ یعنی یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مومنین کو بھی اس روز نصرت الہی حاصل ہوگی۔ ایسا ہی ہوا۔ ادھر اہل کتاب نے آتش پرستوں پر فتح حاصل کی اور ادھر بدر کے میدان میں اہل توحید کو اہل شرک پر غلبہ تام حاصل ہوا۔ غور کرنا چاہیے کہ ایک سطر کی عبارت میں چار (4) قوموں اور چار (4) ملکوں اور عظیم الشان سلطنتوں کے متعلق کھلے لفظوں میں پیشین گوئی کرنا اور وہ بھی بتعین سن و سال۔ اور پھر اس کا ظاہری الفاظ میں پورا ہونا کیا انسانی علم یا انسانی قدرت کی حدود میں ہے۔ ان پیشین گوئیوں سے قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

فصل اول 1

قرآن مجید کا اخبار مستقبلہ کو بیان کرنا ہم نے بطور برہان پیش کیا ہے، اسی طرح قرآن پاک کا اخبار ماضیہ کو بیان کرنا بھی ایک زبردست دلیل اس کے کلام اللہ ہونے پر ہے

قوم ہود، قوم صالح کا تذکرہ کسی اسرائیلی صحیفے میں نہیں مگر قرآن پاک نے اسے بیان کیا۔ عا درام، عاد و ثی کا ذکر بھی صرف قرآن مجید ہی نے سنایا، سبیل عرم کا واقعہ نہایت عظیم الشان تھا۔ اس کا بیان بھی فرقان مجید ہی میں ہے۔ فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد مصر پر کچھ عرصہ تک اسرائیلیوں کی حکومت کا پتہ ﴿وَ اَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ [اشعراء: 59] قرآن پاک ہی کے بتانے سے لگا۔ ورنہ تورات اس سے خاموش ہے جیسا کہ مصر کی تاریخ مصر میں ہجرات موسیٰ علیہ السلام کے وقوع سے ساکت ہے۔

[1] تفسیر ابن جریر ص: 11، تفسیر سورہ الروم

سبحانہ علیہ السلام اور اس کے کارناموں کا ذکر نہ رو ما کی ہسٹری میں ہے اور نہ یہ ہودی تحریروں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ واقعہ کہ مریم صدیقہ علیہا السلام کو بھی مدتوں تک تثلیث کا ایک اقنوم تسلیم کیا جاتا تھا، عیسائی نہیں مانتے تھے اور نہیں جانتے تھے۔ قرآن مجید کے اعلام کے بعد جب عیسائی محققین نے اس کے لیے کدو کاوش کی، تب ان کو بیان قرآن کی صداقت کا علم ہوا۔ خانہ کعبہ کی عمارت کا بطور مسجد دنیا میں سب سے پہلے تعمیر ہونا اہل تاریخ سے پوشیدہ تھا، لیکن اب یہ واقعہ بالکل مسلم ہے۔ قرآن مجید کا یہ بیان کہ ہر ایک قوم میں اللہ کے رسول بھیجے گئے اور انہوں نے خود اسی قوم کی زبان میں تبلیغ فرمائی اور حجت الہی ان پر ختم کی۔ تمام مذاہب کے لیے ایک کنز مدفون تھا۔ اور اسی لیے اسرائیلی پارسیوں کو جھٹلاتے تھے اور پارسی اسرائیلیوں کو اور پھر یہ دونوں مل کر اہل ہند کے کذب تھے اور اہل ہند ان دونوں کی تکذیب کرتے تھے۔

پھر یہ تینوں مل کر مصریوں کو جھوٹا بتاتے تھے اور مصری ان تینوں کا جھوٹا ہونا سچ سمجھتے تھے۔ پھر یہ چاروں مل کر مشرق بعید چین و جاپان کو دروغ گو کہا کرتے تھے اور چین و جاپان ان چاروں کو۔ اسی طرح کذب و دروغ اور بطلان کا سلسلہ ساری دنیا کو گھیرے ہوئے تھا۔ قرآن کریم ہی نے اس راز کا انکشاف کیا اور قوموں کو قوموں سے، ملکوں کو ملکوں سے قریب تر ہونے کا طریق بتایا۔ قرآن عظیم ہی نے اس سلسلہ کے ختم کر دیے جانے کی اطلاع دی اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم فرما کر اقوام عالم کو اس دعوت عامہ اور وحدت ملیہ اور اتحاد کلیہ کا سبق پڑھایا۔ قرآن کریم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمانا ہی تھا کہ یہودیوں، عیسائیوں، پارسیوں ہندوؤں مصریوں اور چینوں کے دل اور زبان پر محکم مہر لگ گئی اور اس اعلام کے بعد کسی نے کسی کو آس بانی کا سننے والا، سروش یزدانی سے گفتگو کرنے والا، وحی ربانی کا حاصل کرنے والا تسلیم نہیں کیا۔

اور یہی قرآن حمید کے کلام اللہ ہونے پر دلائل بینہ سے قوی ترین دلیل ہے۔ اب باب خصائص القرآن کو ختم کیا جاتا ہے اور قرآن پاک کی صرف ایک آیت اہل فکر و ہوش کے غور و تدبر کے لیے لکھ دی جاتی ہے۔

﴿ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴾ [عم: 24]

”لوگ کیوں قرآن پر تدبر نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں؟“

اللہم صلی علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



خصائص اسلام

فصل نمبر 1: اسلام ہی دین التوحید ہے

آج دنیا پر صادق ہو گیا ہے کہ ہر ایک مذہب کی صداقت کا معیار اور اس کی سچائی کی دلیل صرف مسئلہ توحید ہے۔ اب تو مناظرہ کے وقت بت پرست بھی اپنے ٹھا کروں اور دیوتاؤں کو وساقل کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور اہل تثلیث اور اہل صہو یہ بھی تثلیث و حثنیہ میں توحید ثابت کرنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔ ویدانت والے بھی ”ودیتا ستی“ کہنے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد اور وحید دین ہے جس نے توحید کو مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ اسلام ظاہر کرتا ہے کہ جملہ انبیاء و رسل کی دعوت صرف واحد مسئلہ توحید کی طرف تھی:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴾ [الانبیاء: 25]

تجھ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اسے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا تم سب میری ہی عبادت کرو۔

فرمایا:

﴿ وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يَّعْبُدُونَ ﴾ [الزمر: 45]

”اپنے سے پہلے رسولوں کے حالات معلوم کرو کہ کیا ہم نے کبھی بھی اور کسی کو بھی ذات پاک رحمن کے سوا معبود ٹھہرایا ہے جس کی عبادت لوگ کیا کریں۔“

اسلام ہی کی تعلیم ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ﴾ [التسوا: 36]

”اللہ ہی کی عبادت کرو اور اللہ کی عبادت میں کسی شے کی ذرا بھی ملاوٹ، آمیزش اور شرک نہ کرو۔“

توحید ہی کا بیان فرمایا گیا ہے:

﴿ أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْوَلِيُّ ﴾ [الشوری: 9]

”کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو کارساز بنا لیا کہہ دو کہ کارساز صرف اللہ ہی ہے“

توحید خالقیت اور توحید قدرت کے متعلق فرمایا:

﴿ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّا خَشِيءٌ لَّنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِئُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۗ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَعَزِيزٌ ﴿73-74﴾

”اللہ کے سوا جن جن کو پکارتے ہیں وہ ایک کبھی بھی تو نہیں بنا سکیں گے خواہ وہ سب مل جل کر ہی ایسی کوشش کریں اور اگر کبھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ اس سے کچھ چھڑا بھی نہیں سکتے۔ یہاں تو طالب و مطلوب دونوں رہ جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے تو اللہ کو قدر و شان کے مطابق جاننا ہی نہیں۔ بے شک قدرت والا تو صرف اللہ ہی ہے۔“

آیات بالا پر غور و تدبر اور غور تعمق سے مکرر چائی کرنا واجب ہے کہ الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، ولایت اور قدرت کی صفات میں اللہ تعالیٰ کا واحد و وحید ہونا ثابت کیا گیا ہے اور اسی ثبوت کے ساتھ ساتھ شرک جلی و خفی کی نفی فرمادی گئی ہے۔ یہ اسلام ہی کی توحید ہے، جس کا ثبوت کلام اللہ العزیز سے ملتا ہے اور جس کی تائید علم و عقل اور سمع سے ہر منزل ہر گام پر ہوتی ہے۔ یہ اسلام ہی کی توحید ہے جو فطرت صحیحہ اور عقل سلیم کے براہین سے مشید ہے اور جس کا مخاطب ہر ایک وہ قلب سلیم ہے جو روحانیت کی زندگی سے مستفیض ہے۔

اسلام کی توحید کا مسئلہ عیسائیت کی تثلیث کی طرح نہیں ہے جس کو پادری لوگ فہم سے بالاتر اور عقل سے بلند تر کہا کرتے ہیں اور جس پر بغیر سمجھنے کے ایمان لانے کو واجب بتایا کرتے ہیں۔ اسلام تو ابتدائے دعوت ہی میں ہر ایک انسان پر اپنی حجت اس طرح قائم فرماتا ہے۔

﴿ أَقَلَّمْ بِسَبْرٍ وَ فِي الْأَرْضِ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴾ [الحج: 46]

”کیا وہ زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہو جاتے ہیں، ہاں آنکھیں بے نور نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل جو سینہ کے اندر ہیں بے نور ہو جایا کرتے ہیں۔“

آیت بالا میں قلوب اور عقل، اذان اور سمع، ابصار اور عقلی کے الفاظ موجود ہیں اور اس سے ثابت ہے کہ اسلام سمع و بصر کو اور قلوب و بصیرت کو مخاطب ٹھہراتا اور ان ہی براہین پر اثبات توحید کے ایوان کو استوار کرتا ہے۔

اسلام ہی ہے جس نے توحید کو مکمل بیان کرنے میں توحید فی العبادۃ، توحید فی الاستعانة، توحید فی القدرة، توحید فی التصرف، توحید فی الذات، توحید فی الصفات کے الگ الگ عنوانات قائم کیے اور ہر ایک عنوان کے تحت میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور نبی ﷺ کے ارشاد سے ان مسائل کو محکم و قوی بنایا۔ آیات ذیل پر پورے غور سے تدبر کرو، تاکہ عنوانات بالا کے متعلق آپ کی معلومات میں وسعت پیدا ہو، ایمان بڑھے اور یقین ترقی پائے۔

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ [الفاتحہ: 4]

”ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم صرف تجھ ہی سے استعانت چاہتے ہیں“

صاحب کشف نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: وَ تَقْدِيمُ الْمَفْعُولِ لِقَصْدِ الْإِخْتِصَارِ یعنی لفظ نَعْبُدُ اور لفظ نَسْتَعِينُ سے پہلے اِيَّاكَ لانے سے یہ فائدہ نکلا کہ عبودیت اور استعانت کا خاص اللہ ہی کے لیے ہونا ثابت ہو گیا۔ ﴿۱﴾ توحید فی الاستعانت کے متعلق سورہ یوسف میں ہے

﴿ ۱ ﴾ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ ﴿۱﴾ [یوسف: 118] ”صرف اللہ ہی ہے جس سے استعانت لی جائے۔“

سورہ انبیاء میں ہے:

﴿ ۲ ﴾ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ ﴿۲﴾ [الانبیاء: 112] ”ہمارا پروردگار ہی کمال رحمت والا ہے، اسی سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔“

حدیث شریف میں ہے:

﴿اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ﴾ [1]

”اے اللہ! اپنے ذکر اور شکر کے لیے اور بہتر عبادت ادا کرنے پر میری مدد فرما۔“

توحید علم کے متعلق ملائکہ کا بیان ہے:

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ [البقرہ: 32]

”اے رب تو جملہ عیوب اور نقائص اور اوناٹاں سے پاک ہے، ہم کو علم نہیں، لیکن اتنا ہے جتنا تو نے ہم کو سکھلایا ہے۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان میدان محشر میں جملہ مخلوق کی موجودگی میں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ ہوگا:

﴿تَعَلَّمْ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ [المائدہ: 116]

”جو میرے دل میں ہے اسے تو جانتا ہے اور جو میری ذات کے اندر ہے اسے میں نہیں جانتا تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔“

﴿وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ [الزمر: 85] ”قیامت کا علم تو اسی کے پاس ہے۔“

﴿إِنَّمَا أَنْزَلَ بِعِلْمِ اللَّهِ﴾ [ہود: 14] ”یہ کلام تو اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے“

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ﴾ [الانعام: 59] ”علم غیب اسی کے پاس ہے۔“

﴿اللَّهُ تَعَالَىٰ كَسَمَاءِ حَشَىٰ﴾ میں سے ایک اسم ”علیم“ کا استعمال کون سے دیگر اسمائے حسنیٰ کے ساتھ مقرون ہو کر وارد ہوا ہے تو

ترکیب ذیل نظر آئے گی۔

علیم قدیر، علیم خبیر، علیم حکیم، واسع علیم، علیم حلیم، الخلاق العظیم، عزیز علیم، قہار علیم، سمیع علیم، شاکر علیم کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کمال علم کے ساتھ قدرت و خبرت، حکمت و وسعت، حلم و خلق، عزت و فتح، جمع و شکر کے اوصاف کا ہونا بھی ضروری ہے اور جو علم ان صفات کے ساتھ ساتھ ہو وہ انسان و ملک کے علم سے (خواہ وہ انسان و فرشتہ کتنا ہی ذی علم کیوں نہ ہو) بسا ارفع و اعلیٰ ہے۔

توحید فی القدرت کی بابت آیات ذیل پر موصو:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ [قر: 49] ”ہم نے ہر ایک شے کو ایک اندازہ پر پیدا کیا۔“

﴿وَبَارَكْنَا فِيهَا وَقَدَّرْنَا فِيهَا أَقْوَامَهَا﴾ [حم: 10]

”اور اس میں برکت رکھ دی اور اس میں (رہنے والوں کی غذاؤں کی جو چیز بھی اسی میں کر دی“

﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ﴾ [المومنون: 18] ”ہم نے پانی اوپر سے حسب اندازہ نازل کیا۔“

﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [البقرہ: 284] ”اللہ کو ہر شے پر قدرت حاصل ہے۔“

﴿وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذْ يَشَاءُ قَدِيرٌ﴾ [الشوری: 29]

”وہ جب چاہے گا تو اپنی قدرت سے سب مردہ جسموں کے گوشت پوست کو جمع فرمادے گا۔“

[1] ابوداؤد: 1527، مجمع الزوائد: 172/10، کنز العمال: 3865، 3457، عمل الیوم واللیلة: 115

ان آیات میں دکھلایا گیا ہے کہ ہر شے کو ابتدا ہستی میں لانا پھر اس کے لیے قدر و اندازہ مقرر کرنا پھر اسے معدوم کر دینا، پھر اسے موجود کر دینا، اسی مالک کی قدرت کے اندر ہے۔ آسمان کی برکتوں اور زمین کی طاقتوں پر اس کی قدرت تسلط رکھتی ہے۔ مادہ اور روح اس کی مخلوق اور اسی کی قدرت کے تحت میں ہیں۔ فتح و شکست قوموں کا اقبال و ادبار زمانہ کا انقلاب، موسموں کا تغیر، جمادات و نباتات، حیوانات اور انسان و ملائک کے خواص و ماییت اور کوائف و احوال سب اسی کی قدرت کے تحت میں ہیں۔ یہ وہ قدرت کہ انسانوں کا جانا پہچانا قانون قدرت اس پر احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ وہ قدرت ہے جسے انسانوں کے تجربات عادات محصور نہیں کر سکتے۔ اس صفت میں اسی مالک کو یکتائی وحدت حاصل ہے۔

توحید فی الذات والصفات کا بیان بھی بہت وسیع ہے۔ فرمایا:

﴿يُنَبِّئُنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا﴾ [طہ: 14]

”اللہ تو میں ہی ہوں، میں ہی معبود ہوں اور کوئی معبود نہیں۔“

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَالِمَا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

”اللہ نے بتایا اور ملائکہ و اہل علم نے بھی ظاہر کیا کہ وہی اللہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اسی کا عدل و انصاف قائم ہے،

اسی کا معبود ہونا برحق ہے۔ دوسرے کا نہیں۔ وہی عزیز وہی حکیم ہے۔“ [آل عمران: 18]

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ

وَالْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلُ وَهُدًى لِلنَّاسِ ۝ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ [آل عمران: 2-4]

”اللہ ہے، اس کے سوا اور تو کوئی بھی الٰہ نہیں۔ اسی نے محمد ﷺ پر کتاب کو حق کے ساتھ بھیجا۔ یہی کتاب اپنے سے پہلی

تعلیم کی تصدیق کرتی ہے۔ اس نے قبل ازیں تورات و انجیل کو نازل فرمایا کہ لوگوں کی راہنمائی ہو۔ اسی نے قرآن کو اتارا۔“

﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ [آل عمران: 6]

”وہی ہے جو انسان کی صورتیں ارحام میں اپنے فشا کے موافق بناتا ہے۔“

﴿تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ﴾

”یہ کتاب اس اللہ نے اتاری جو قدرت اور علم والا ہے۔ وہ گناہوں کو بخش دینے والا ہے۔ وہ تو توبہ قبول فرماتا ہے۔ وہ

سخت عذاب اور جو دو عطا والا ہے۔“ [المومن: 2-3]

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [المومن: 60]

”تمہارے پروردگار کا فرمودہ ہے کہ مجھے پکارو، مجھ سے مانگو، میں سنوں گا۔ میں قبول کروں گا۔“

﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾

”اللہ وہی ہے جس نے رات کو تمہارے نفس کے لیے بنایا کہ تم اس میں آرام لو اور دن کو آنکھیں روشن کرنے والا بنایا۔

بے شک اللہ کے فضل و احسان انسان پر بہت ہیں۔“ [المومن: 61]

﴿ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ﴾ [المومن: 62]

”اے لوگو! یہی اللہ ہے جو تمہاری پرورش کرنے والا ہے، وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔“
﴿ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَبَارِكْ اللَّهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ [المومن: 63-64]

”اللہ ہی ہے جس نے تمہارے رہنے کو زمین بنائی اور آسمان کو خیمہ بنایا، اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تم کو خوب رو بنایا، اسی نے تم کو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ لوگو! تمہارا پروردگار یہی تو ہے۔ ہاں اللہ بڑی برکتوں کا بخشنے والا ہے، وہی زندہ ہے، وہی سب کا معبود ہے اور کوئی معبود نہیں، لہذا تم اسی کی عبادت ساری سچائی کے ساتھ بالکل اسی کے بن کر کیا کرو، خوبی اور کمال اور وصف و جمال کی سب اقسام کا مالک وہی ہے جو تمام جہانوں کی پرورش فرماتا ہے۔“

﴿ لَا تَدْرِيكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ﴾ [الانعام: 103]

”انسان کے حواس ظاہری و باطنی اس کا ادراک نہیں کر سکتے اور وہ جملہ قوتوں کا ادراک رکھتا ہے۔“

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ [الشورى: 11-12]

”اس کی مثال جیسی بھی کوئی شے نہیں، وہ سب سے اور بصیر ہے، آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ملک ہیں، وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور اندازہ کا دیتا ہے وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔“

﴿ فَلَا تَضُرُّوهُ اللَّهُ الْأَمْثَالُ ﴾ [الحمل: 74]

”اللہ کے لیے کہاوتیں اور مثالیں نہ بیان کیا کرو۔“

﴿ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ طَمَنَ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴾ [البقرہ: 255]

”اللہ ہے، وہی معبود ہے اور کوئی نہیں۔ وہی زندہ و پائندہ ہے۔ اونگھ یا نیند کا اس پر اثر نہیں۔ آسمان اور زمین اور ان کی سب چیزیں اسی کی ہیں۔ کون ہے جو اس کے پاس شفاعت اذن کے بغیر کرے، وہ سب کی اگلی چھپی حالتوں کو جانتا ہے۔ مگر مخلوق اس کے علم کا ذرا بھی احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس کا علم آسمان و زمین سے فراخ تر ہے، وہ آسمان و زمین کی حفاظت میں تھک نہیں جاتا۔ وہ سب سے بالاتر ہے اور سب سے بزرگ تر ہے۔“

﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾ [الإخلاص: 1-4]

”بتا دے کہ وہ اللہ ہے، وہ اللہ ایک ہے، اللہ سب کی حاجات کو پورا کرنے والا ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اس کی کفو کا کوئی بھی نہیں۔“

قارئین! میں نے ان آیات کو جمع کر دیا ہے اگر ان کے معانی اور فوائد پر کچھ تحریر کیا جائے تو اس کے لیے کتاب ضخیم درکار ہے۔ تدبر کرنے والے کو پتا لگ جائے گا کہ جو توحید اسلام سکھاتا ہے اور قرآن پیش کرتا ہے، وہ فلاسفوں کی توحید سے بالکل ارفع و اعلیٰ ہے، جو جو ہر عرض اور قدیم و حادث ہیولی اور مادہ کے متعلق الفاظ اور فرض اشکال کا مجموعہ ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات باقی ہی نہیں رہتی۔

نیز اسلامی توحید اس اعتقاد و تحسم سے بھی بالاتر ہے، جس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے ایک مجسم شے بتاتے ہیں اور اس اعتقاد و تحزیب سے بھی اعلیٰ ہے، جس میں نئی صفات کو تقدیس کہا جاتا ہے۔

آیات قرآنیہ سے عرفان صحیح حاصل ہوتا ہے اور اسی عرفان سے قلب سلیم نور یقین سے منور ہو جاتا ہے۔ بیان توحید میں اسلام کا یہ اسلوب خاص خصوصیت رکھتا ہے۔

فصل دوم

اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے

① مذہب کا بحیثیت مذہب نمایاں جوہر یہ ہے کہ اس میں روحانیت موجود ہو، اگر کسی مذہب میں روحانیت موجود نہیں تو اسے مذہب کہنا غلط ہے، بلکہ وہ ایک سوسائٹی (Society) جمعیت ہے۔ دنیا میں جس قدر مذاہب قدیم پائے گئے ہیں، ان میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں، جس نے روحانیت کی موجودگی کا دعویٰ نہ کیا ہو، عام اس سے کہ وہ دعویٰ کہاں تک صحیح تھا، نیز قطع نظر اس سے کہ روحانیت کا مفہوم بھی درست سمجھا گیا یا نہیں۔

یہ مسلمہ ہے کہ انسان نام ہے روح و جسم کے مجموعہ کا۔ جسم کی ضروریات جسمانی اور مادی اشیاء میں پوری ہو جاتی ہیں، جن اشیاء پر ترقہ اور عیش، آسوگی و آرام، ناز و نعمت اور شادمانی و مسرت کے نام اہل دنیا استعمال کرتے ہیں۔ یہ جملہ اشیاء جسمانی ہوتی ہیں اور ان کے استعمال سے جو تلذذ (لذت) حاصل ہوتا ہے، وہ بھی مادیت کو لیے ہوئے ہوتا ہے۔

لہذا قابل غور یہ رہ جاتا ہے کہ روح کی شادمانی و مسرت کی اشیاء کیا ہیں اور کیوں کر حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اس عنوان کے تحت میں ان لوگوں سے خطاب کی ضرورت نہیں، جو روح انسانی کے وجود سے منکر اور روحانیت سے قطعاً بے خبر ہیں، کیوں کہ ہمارا مقصود اسلام کو مذہب عالم کے سامنے پیش کرنا ہے، نہ کہ منکرین مذہب کے خیالات کی تنقید۔

② گوتم بدھ نے روحانیت کا ذکر صاف لفظوں میں نہیں کیا، وہ انسان یا روح انسان کے لیے صرف یہی اعلیٰ کمال تصور کرتا ہے کہ انسان دکھ سکھ کی بندشوں سے آزاد ہو جائے، اس کی تعلیم پر گہرا غور کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ اس کا سبق اخلاق انسانی کے بیان سے آگے نہیں بڑھا۔

③ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں توحید کا بیان موجود ہے۔ اسی قدر جو ابتدائی مراتب ایمان کے لیے ضروری ہے۔ ان کی تعلیم میں رو شرک موجود ہے مگر اسی قدر جو شرک اعظم کے رو کے لیے ضروری ہے۔ بعد ازیں روحانیت کا ذکر نہیں کیا گیا، جس کی وجہ افراد امت کی پست فطرتی و دنیا طلبی تھی۔

④ واوہ علیہ السلام کی زیور میں باب مناجات کھولا گیا ہے۔ بندہ کو اللہ کے حضور میں تضرع و زاری کا طریق سکھایا گیا ہے، لیکن ان

مناجاتوں میں نصرت اور فتح اور دشمن کی ہلاکت و خسران کو سب سے بڑا مدعا بنایا گیا ہے۔ اور چند مناجاتوں کے سوا باقی سب اسی رنگ میں رنگین ہیں۔

﴿سیدنا مسیح علیہ السلام﴾ نے آسمانی حکومت اور آسمانی بادشاہت کا لفظ سنایا۔ یہ الفاظ یقیناً روحانیت کا مظہر ہیں۔ حضور علیہ السلام نے سادے دل سے اپنے خالق کے ساتھ محبت کرنے کا بھی ذکر کیا ہے، یہ خالص روحانیت کا سبق تھا، لیکن افسوس کہ سامعین کے عدم ذوق اور عدم وجدان اور فقدان عقل و برداشت کی وجہ سے اس نیک استاد کو بھی یہی کہنا پڑا کہ اس مضمون کی تکمیل ”روح الحق“ فرمائے گا۔ (یوحنا 13-16) ﴿حدیث پاک میں روحانیت کی تعلیم کو ”الاحسان“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس مشہور و متواتر حدیث میں جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین نے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم نے روایت کی ہے، اس لفظ کے معنی یہ بتلائے گئے ہیں:

الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَمَا تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ ﴿١﴾

احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے، گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، پھر اس طرح کہ اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اسی حدیث میں دو مقامات کا ذکر فرمایا گیا۔

ایک یہ کہ انسان خود کو ایسے مقامات پر پہنچائے کہ منظور نظر رحمت بن جائے۔

دوسرا بلند مقام یہ ہے کہ اس مقام پر مستحکم ہو جائے کہ انوار عرفان کا ناظر ہو جائے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ روحانیت کا مقصود یہ ہے کہ رابطہ قلب اور نسبت روح رب العالمین کے ساتھ درست اور صحیح ہو جائے اور اس مقصود کے حصول کا ذریعہ ”بندگی“ ہے۔

اس مقصود کی شرح اور حصول مقصود کی توضیح میں اسلام نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ اسی قدر زیادہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں دیگر مذاہب کے بیانات سواں یا ہزارواں حصہ بھی نہیں سمجھے جاسکتے۔ لہذا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ”اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے۔“

عبودیت

اسلام نے عبودیت کا بیان نہایت وضاحت سے کیا ہے، کیوں کہ روحانیت کا عمل اسی بنیاد پر بلند ہوتا ہے۔

بتایا کہ عبودیت کے مظہر قلب اور زبان اور جوارح ہیں۔ اب مختصری تفصیل سنو:

﴿١﴾ واجبات قلب پانچ ہیں:

﴿١﴾ نیت: عادت و عبادت میں فرق کرنا نیت کا کام ہے۔

مراتب عبادت کا تفاوت قائم کرنا نیت کا کام ہے۔

﴿٢﴾ اخلاص: اخلاص کا مدعا وحدت مطلوب ہے۔

﴿٣﴾ صدق: اس کا مدعا وحدت طلب ہے۔

﴿٤﴾ انابت: سعی کامل اور توجہ کامل کے ساتھ رجوع الی اللہ کا نام انابت ہے اور توجہ اسی کا پہلا زینہ ہے۔

5 ﴿ محبت: حبه القلب (داندول) کی آبیاری محبت ہی سے کی جاتی ہے اور یہی ایک داند پھلتا اور پھولتا ہوا سات سات بالیاں بن جاتا ہے اور ایک بالی میں سو سو دانے بن جاتے ہیں۔

2 ﴿ واجبات زبان پانچ ہیں:

1 ﴿ وحدانیت و رسالت کی شہادت۔

2 ﴿ دوام ذکر۔

3 ﴿ التزام دعا: کسی مدعائے خاص کے لیے دعا کرنا اور شے ہے اور فرائض عبودیت کی ادائیگی کے لیے دعا کو لازم بنا لینا اور شے ہے، یہاں یہی صورت مقصود ہے۔

4 ﴿ تبلیغ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی لفظ کے اندر شامل ہیں۔

5 ﴿ تعلیم: ناواقف کو بتانا، نادان کو دانا بنانا، علوم شرعیہ کا پھیلانا۔

3 ﴿ واجبات جوارج کی تفصیل غور سے دیکھو:

1 ﴿ واجبات سمع: کلام اللہ اور حکم رسول اللہ ﷺ پر کان لگانا۔ نصیحت اور کلمہ حق کو غور سے سننا۔

2 ﴿ واجبات بصر: کائنات کو عبرت و خبرت سے دیکھنا، بصارت و بصیرت سے کام لینا۔

3 ﴿ واجبات ذوق: اکل حلال و حرام اور نیشلی چیزوں سے پرہیز۔

4 ﴿ واجبات اعضاء: خضوع و خشوع۔

5 ﴿ واجبات جسم: قلب کی اطاعت کرنا، ضمیر پاک کے خلاف کسی عضو سے کام نہ لینا۔ یہ سب پندرہ (15) اقسام ہیں اور انہی کے مجموعہ کا نام عبودیت ہے۔

فنا و بقا

بیان روحانیت کے لیے ”فنا و بقا“ کی شرح بتلانا ضروری تھا۔

حدیث بالا میں جس اولین مقام ”هَيَاةً“، ”يَسْرًا“ کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اسی کو اصطلاح صوفیہ میں مقام فنا کہتے ہیں۔ اس لفظ سے فنا لغوی مراد نہیں، بلکہ فنا سے مراد ماسوا کا زائل کرنا ہے اور انانیت سے غائب ہو کر شہود حق تک پہنچ جانا ہے۔

اسی فنا کے تحت میں توبہ، تذکرہ، ورع، زہد، اخبات، تجمل، خوف ورجا آ جاتا ہے۔

براہین بالا سے واضح ہے کہ اسلام مسئلہ توحید کے اثبات میں کائنات کے ایک ایک ذرہ کو انسان کے مشاہدہ اور غور و نظر و تدبر کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اسلام ذوق سلیم اور وجدان صحیح کی راہ پر علم، عقل، تجربہ اور مشاہدہ کی مصائب کو روشن کرتا ہے، اور پھر اس راہ کے سالک کو مندرجہ ذیل منازل کی سیر کراتا ہے۔

﴿ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى وَ الَّذِينَ تَقَوُّهُمْ ﴾ [محمد: 17]

”اور جو ہدایت یاب ہیں اللہ ان کی ہدایت کو بڑھاتا ہے، اور انہیں تقویٰ عطا کرتا ہے۔“

﴿ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ﴾ [مریم: 76]

”ہدایت والوں کو ہدایت میں ترقی پر ترقی دیتا ہے۔“

﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَرَأَوْهُمْ يُؤْمِنُونَ ﴾ [التوبة: 124]

”ایمان والوں کے ایمان میں افزونی بخشتا ہے۔“

اور بعد ازاں منزل مقصود پر پہنچا کر یہ بشارت عظمیٰ پہنچاتا ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً ﴾ [انجیز: 27-28]

”اے اطمینان یافتہ نفس اپنے رب کی طرف رجوع کر خوشی کے ساتھ اور بشارت کے ساتھ۔“

توحید کی ضد شرک ہے۔ رد شرک کے دلائل علیحدہ بیان فرمائے۔

﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ﴾ [الانبیاء: 22]

”اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی معبود ہوتا تو نہ زمین قائم رہتی نہ آسمان۔“

فرمایا:

﴿ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ﴾ [الانبیاء: 24]

”کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا کسی اور کو بھی الہ بنا لیا ہے، ان سے کہہ دو کہ اس اعتقاد کے ثبوت میں کوئی برہان تو پیش کرو۔“

اسلام ہی بتلاتا ہے کہ جملہ رسل کی اولیٰ اور آخرین دعوت یہی کلمہ مبارک رہا ہے

﴿ أَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ﴾ [الاعراف: 65]

”اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا اور کوئی بھی تمہارا معبود نہیں۔“

یہی وہ کلمہ مقدر ہے جو الوہیت رب العالمین کو دل میں قائم کر دیتا ہے اور یہی وہ کلمہ توحید ہے جو دل کو شرک سے پاک و

صاف بنا دیتا ہے۔

یہی وہ کلمہ ہے جو اثبات کو بقا عطا کرتا ہے اور یہی وہ کلمہ ہے جو نفی کو فنا دکھلاتا ہے۔ اسی آیت اعراف میں چار پارہ سورۃ النعام میں

دو بار اور سورۃ آل عمران میں دہرایا گیا ہے۔

بیان توحید کے متعلق فرمایا گیا ہے:-

﴿ قُلْ أَغْيِرَ اللَّهُ آتِحِدُّ وَيَلِيًّا فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ [النعام: 14]

”ان سے پوچھو کیا آسمانوں اور زمین کو جو دیکھتے والے اللہ کے سوا کسی اور کو مددگار بناؤں۔“

اب کیا اس کے سوا اور کسی کو ولی و کار ساز بنانے کی ضرورت رہ جاتی ہے، کیا کسی اور کو بھی دل کا مالک ٹھہرانے کی کوئی وجہ ہو سکتی

ہے، کیا میں ایسا کروں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

﴿ قُلْ أَغْيِرَ اللَّهُ اٰبِعِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ [النعام: 164]

”ان سے پوچھو کہ اس رب کے سوا جو ہر ایک کی پرورش کرنے والا ہے کیا میں اور کی تلاش اپنا رب بنانے کے لیے کروں۔“

﴿ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ط كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ﴾ [التقصم: 88]

”وہ اللہ جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے اس کے ساتھ ساتھ دوسرے کو مت پکارو۔ دیکھو ہر ایک شے موت و ہلاکت اور فنا والی ہے، صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو موت اور فنا سے برتر ہے۔“

غیر اللہ کو پکارنے والے خواہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام اور عزیر نبی علیہ السلام اور دیگر بزرگان کے پکارنے والے ہوں یا فرضی اور خیالی دیوتاؤں کے پکارنے والے ہوں اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ ان میں اور اللہ تعالیٰ میں ماہ الامتیا کیا ہے۔ وہ عیسائی جو تسلیم کرتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو پکارا گیا، پھانسی پر لٹکا یا گیا، قبر میں دفنایا گیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی یہ حجت ہے۔ ایسا شخص معبود نہیں ہو سکتا۔

وہ مسلمان جو حسین علیہ السلام کی بابت تسلیم کرتا ہے کہ وہ کربلا کے دشت میں گرسنہ و تشنہ ذبح کیے گئے، ان کے جسم پاک کی ناپاک خبیثوں نے بے حرمتی کی، ان پر اللہ تعالیٰ کی یہ حجت ہے کہ ایسا شخص معبود نہیں ہو سکتا۔ وہ کرشن مہاراج جس نے اپنی راج دھانی کو اپنی آنکھوں سے لٹتے اور اجڑتے دیکھا، جس نے اسی اندوہ و غم میں اپنے آپ کو ہمالہ کی برف کا لقمہ بنایا، وہ کبھی معبود نہیں ہو سکتا۔

وہ سدھارتھ گوتم جو بدھ (بمعنی بیدار) کے نام سے روشناس ہوا اور جس کی لاش نیپال کی ترائی میں بہ مقام کسن آراء جلائی گئی اور اس لاش کی راکھ آٹھ مختلف مقامات پر تقسیم کی گئی، جا کر ہر ایک جگہ یادگاری گنبد تیار کیے گئے کبھی بھگوا (لائق عبادت) اور آرحم (ذات پاک) نہیں ہو سکتا۔

وہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو 28 صفر 11 ہجرت سے 12 ربیع الاول تک بیمار رہے۔ جنہوں نے 12 کی سہ پہر کو انتقال اور رفیق اعلیٰ سے وصال فرمایا جو 14 کو بعد مغرب لحد منور میں لٹائے گئے، جو شان علیا کے اعتبار سے امام الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ علامت تدفین و قبر کی وجہ سے کبھی معبود و معبود نہیں ہو سکتے۔ الغرض آیت بالا کے اس نشان واحد نے توحید کو نہایت مستحکم کر دیا ہے۔ رغبت تعظیم اوامر و نواہی، تصفیہ و تہذیب، استقامت، صبر، تقویٰ، شکر، تسلیم، اخلاص، تواضع، فقر و غنا، تاسف و حزن اغتراب، غیبت شامل ہیں۔

اور بقا کے تحت میں حیا، رضا، شکر، صدق، ایثار، فتوت، مروت، انبساط، ادب، انس، ذکر، علم، حکمت، تعظیم، سکنہ، طمانیت، غیرت، شوق، ذوق، شہود، سرور، تمکین، مکاشفہ، حیات باعلم، حیات بالوجود، بسط، صحو، معرفت، یقین، صدق، تحقیق شامل ہیں۔ ان مقامات کی تعریف اور احوال کی تفصیل اور نفس و قلب و روح انسانی کے ساتھ ان کے ارتباط اور نتائج ار جاط اور ثمرات نتائج بیان کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور باایں ہمہ علماً و عملاً ان کی ماہیات لفاظی سے برتر اور احوال سے متعلق ہیں۔ اس مجمل ذکر سے قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ جس مذہب میں روحانیت کا اس قدر ذخیرہ وافر موجود ہے، اسی کو روحانی مذہب کہلانے کی شان حاصل ہے۔

1) بدھ مذہب کا ہر ایک شخص بدھ کی مورثی کے سامنے بھول چڑھتا ہے اور بدھ کی صفت و ثناء میں ایک متر پالی زبان کا پڑھتا ہے، جس میں قریباً 15 لفظ بدھ کے ٹاکے ہیں۔ بھگوا، آرحم بھی انہی الفاظ میں سے ہے۔

2) خدا و خدا کے تحت میں جن مقامات کا ذکر کرنا کرنا چاہا ہے ان کے الفاظ سے اشتباہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان سے مراد صرف لغوی معانی ہیں بلکہ علم الاحسان (اصول اسلامی) کے یہہ مصطلحات ہیں جن کے مفہوم و معانی سے اس علم کے علماء و ماہرین بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ کا ثبوت اور استنباط ہوتا ہے۔

میں نے دقیق بحث چھوڑ دیے ہیں اور اس مختصر بیان ہی سے قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ روحانیت کے بیان میں اسلام ہی کو درجہ خاص حاصل ہے۔

فصل سوم 3

اسلام ہی اخلاقِ حسنہ کا معلم ہے

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ لِاتِّمَمِ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَمَحَاسِنِ الْأَعْمَالِ۔^[1]

”میں بزرگ ترین اخلاق اور نیک ترین اعمال کی تکمیل کے لیے نبی بنا یا گیا ہوں۔“

اسلام نے بتایا ہے کہ اخلاقِ رذیلہ کے شیع چار ہیں:

□ جبل □ ظلم □ شہوت □ غضب

① تاثیراتِ جبل میں سے ہے کہ اچھی شے کو بری اور بری شے کو اچھی شکل میں نمایاں کرتا ہے۔ کمال کو نقص اور نقص کو کمال دکھاتا ہے۔

یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ [یوسف: 33]

”اگر میں عورتوں کی باتوں میں پھنس گیا تو جاہل ہو جاؤں گا۔“

② تاثیراتِ ظلم میں سے ہے کہ کسی شے کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے۔

خوشنودی کے مقام پر تکلی، سخاوت کے مقام پر بخل، بخل کے مقام پر بزدلی۔ نرمی کے مقام پر سختی، سختی کے مقام پر نرمی، مقامِ انکسار پر تکبر اور مقامِ وقار پر انکسار یعنی حقوق کا نفاذ استعمال اور نفاذ استعمال پر دعویٰ استحقاق۔

قرآن پاک میں ہے: ﴿إِنَّ الْبَشَرَ لَكُلُفٌ عَظِيمٌ﴾ [انعام: 13]

”حقوقِ الہی کا غضب کرنا اور ان حقوق کا استعمال دوسرے کے لیے جائز سمجھنا بزرگ ترین بہت بڑا ظلم ہے۔“

③ تاثیراتِ شہوت میں سے ہے کہ حرص، بخل اور تنگ دلی کو ترقی ہوتی ہے۔ حصہ غیر پر حملہ کیا جاتا ہے۔ وقار نفس اور پارسائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: أَعْطَى كُلِّي ذِي حَقِّي حَقَّهُ ④ ”اللہ نے ہر ایک حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے۔“

فرمایا: ﴿لَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَةَ إِذَا كَانَ لَهَا حِسَّةٌ وَسَاءَ مَسِيلاً﴾ [ابن اسرائیل: 32]

”زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ کھلی بے حیائی ہے اور بہت بری سڑک ہے۔“

④ تاثیر غضب سے تکبر، کین، حسد، بغاوت اور سفاقت پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے نبی ﷺ سے تین بار درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائی جائے، حضور ﷺ نے ہر دفعہ اسے یہی جواب دیا:

غِيظٌ وَغَضَبٌ سَ دَوْرَرٌ هُوَ۔ ⑤

[1] موطا: 1904، الفتا: 207/1، الدرر المنيرة في الاحاديث المشتهرة للمسويطي: 58، مستدرك: 381/2۔

[2] البراد: 2007، 2870، 3565، ترمذی: 2120، 2121، نسائی: 3641، 3642، احمد: 267/5، دارمی: 244/2، ابن حبان: 5689، احمد: 34/5۔

اسلام نے بتایا کہ اخلاق محمودہ کے سرچشمے چار ہیں:

صبر، عفت، شجاعت، عدل۔

- ① صبر کے نتائج ہیں: برداشت مصائب، غصہ نہ پنی جانا، عدم ایذا دہی، بردباری، خاکساری گھبراہٹ کا نہ ہونا، حملہ نہ کرنا۔ صبر کا ذکر قرآن پاک میں تقریباً نوے (90) مقامات پر ہے اور ان مقامات میں صبر کرو۔ سولہ (16) اصناف پر بیان کیا گیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ نصف ایمان کا نام صبر ہے اور نصف ایمان کا نام شکر ہے۔ ② عفت کے نتائج: رزائل و قباہ سے اجتناب، قولاً و فعلاً پاکیزگی، عفت سے حیا پیدا ہوتی ہے اور حیا کا اثر ہر ایک خلق نیک پر ہے۔ عفت سے جھوٹ، بخل، اور بدکاری کا ستیاناس ہوتا ہے۔ ③ شجاعت کے نتائج: آپ اپنی عزت کو ملحوظ رکھنا، برترین اخلاق کا جو یار بننا، مال و جان سے دوسرے کی امداد کرنا، طیش و غضب سے دور رہنا، اپنے نفس کی باگ عقل کے سپرد کر دینا۔

حدیث پاک ہے:

لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ ④

”پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دیتا ہے، پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو سنبھال لیتا ہے۔“

④ عدل کے نتائج میں اعتدال اخلاق و افراط و تفریط کو چھوڑ کر وسط کو اختیار کر لینا۔

عدل بتاتا ہے کہ جو دو سخا سے کہتے ہیں جو بخل اور اسراف کے درمیان ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ حیا وہ ہے جو زلت و بے شرمی کا میا نہ ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ شجاعت اسے کہتے ہیں جو جبن اور تہور کا وسط ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ علم یہ ہے کہ تکبر و اہانت کے بیچ بیچ ہو۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ اسلام نے اخلاق حسنہ کے بیان میں کس قدر زیادہ حصہ لیا ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴾ [الاعراف: 199]

”معافی و درگزر کو عادت بناؤ، نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے رہو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔“

حدیث پاک مسلم میں نواس بن سمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَكْبَرُ حُسْنِ الْخُلُقِ ⑤ اِحتمی خلق ہی کا نام ”نیکی“ ہے۔ صحیحین میں ہے:

يَجِبَارُكُمْ أَحَابِسُكُمْ أَخْلَاقًا ⑥ نیک اور بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔

① مدارج السالکین: 2/152؛ بخاری: 6114؛ مسلم: 2609؛ ابن حبان: 717؛ احمد: 236/2؛ سوطا: 3/98؛ مسلم: 2553؛ ترمذی: 2389؛ ابن

حبان: 397؛ بخاری: 322/2؛ احمد: 182/2؛ بخاری: 3559؛ مسلم: 2321؛ ترمذی: 1975؛ ابن حبان: 477؛ احمد: 161/2

ترمذی و ابوداؤد نے ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقِي حَسَنٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبِدِيَّ ①
 قیامت کے دن مومن کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن دارشے اچھا خلق ہوگا، اس سے بڑھ کر کوئی شے بھاری نہ ہوگی۔ اللہ
 تعالیٰ ہر ایک بے حیا، بد زبان سے بغض رکھتا ہے۔

ترمذی میں بروایت جابر رضی اللہ عنہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَ أَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَ أَبْعَدَكُمْ
 مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ التُّرْتَارُونَ وَ الْمَتَشِدِّقُونَ وَ الْمُنْفِيهِقُونَ ②
 ”قیامت کے دن تم میں سے وہ شخص مجھے پیارا اور میرے دربار میں مجھ سے قریب تر ہوگا جو اچھے اخلاق والا ہے مگر چبا
 چبا کر باتیں بنانے والا، خوش کلامی جتانے والے اپنی خوش گپی سے دوسروں کو تھکا دینے والے مجھے ناپسند ہوں گے اور
 دربار میں دور تر بھی ہوں گے۔“

صحیح ترمذی کی روایت میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

إِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيُلْعَقُ بِهِ ذَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَ الصَّلَاةِ ③

”اچھے خلق والا اس درجہ کو حاصل کر لیتا ہے، جو نفل عبادت اور نفل روزہ رکھنے والے کا ہوتا ہے۔“

ان احادیث سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ تکمیل ایمان اور قرب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور پسندیدگی مالک کے مدارج کے دار مدار
 اخلاق حسنہ ہے۔

اخلاق حسنہ کے بیان میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا تعلق انسان کی خود اپنی ذات سے بھی ہے اور بنائے جنس سے بھی ہے اور
 رب العالمین کے ساتھ بھی۔

خود اپنی ذات کے متعلق یہ ہے کہ آپ اپنے کو ناقص سمجھے اور سمجھ لے کہ ناقص کے افعال بھی ناقص ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ
 ہوگا کہ انسان تہذیب اخلاق میں ہمیشہ کوشاں رہے گا۔

بنائے جنس کے متعلق یہ ہے کہ دوسروں کی ایذا دہی کو برداشت کرے، مگر خود انھیں ایذا رسانی کا ارادہ نہ کرے۔

رب العالمین کے ساتھ حسن خلق کے معنی یہ ہیں کہ جو معاملہ تیرے اور رب العالمین کے درمیان ہے اسے موجب شکر قرار دے
 اور احکام یا افعال الہی کے بارہ میں کبھی دل و زبان پر ادب اور شکر کے سوا کوئی لفظ جاری نہ ہو۔

شیخ الاولیاء سند الاصفیاء سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: كُنْ مَعَ الْحَقِّ بِلَا خَلْقٍ وَ مَعَ الْخَلْقِ بِلَا نَفْسٍ اللَّهُ
 کے ساتھ تیرا معاملہ یہ ہونا چاہیے کہ اس میں مخلوق کا ذرا تعلق نہ ہو اور مخلوق کے ساتھ تیرا معاملہ ایسا ہونا چاہیے کہ تیرے نفس کا اس میں
 کچھ حصہ نہ ہو۔

یہ ہیں وہ اخلاق حسنہ، جن کی تکمیل اسلام نے قوالاً و فعلاً فرمائی ہے۔

① ابوداؤد: 4799، ترمذی: 2002، ابن حبان: 481، احمد: 446/6 ② ابن حبان: 482، ترمذی: 2018، احمد: 193/4

③ ابوداؤد: 4798، ابن حبان: 480، احمد: 96/6

تھوڑی سی تفصیل اور بھی سن لیجیے۔

① اسلام فقراء و مساکین کا حصہ مال زکوٰۃ میں واجب ٹھہراتا ہے اور قرار دیتا ہے کہ اس صفت کی کل آمدنی کا آٹھواں حصہ ان کو ضرور مل جانا چاہیے۔

② مال غنیمت کے ٹکس میں سے مساکین و یتیمی کا پانچواں حصہ لادہی ہے۔

③ آمدنی نے (وہ مال جو بغیر لڑے دشمنوں سے ملے) میں بھی کل کا ایک ٹکس مساکین و یتیمی کا حصہ ہے۔

④ ابنائے سبیل بھی ان ہر سہ ابواب میں حصہ یاب ہوتے ہیں اور اس انتظام سے کل عالم اسلام مسافر کے لیے اپنا گھر بن

جاتا ہے۔

⑤ قرض داروں اور قرض کے تحت میں زیر بار لوگوں کی رہائی کا انتظام سلطنت اسلامی پر ڈالا گیا ہے۔

⑥ غلاموں کی آزادی کے لیے زکوٰۃ کا آٹھواں حصہ خاص طور پر تلخہ کیا گیا ہے، اور بعد ازاں اسی صیغہ میں چندہ دہی

ضروری و لادہی قرار دیا گیا ہے۔ اگر کسی مذہب نے فقراء و مساکین اور یتیمی و ایامی اور غلامان و مقروضین کے لیے سلطنت کے بجٹ میں مستقل رقوم درج کرنے کے احکام دیے ہوں تو ان کی نظیر پیش ہونی چاہیے۔

اسلام پابندی معاہدات کو نہایت ہی زور کے ساتھ محکم فرماتا ہے اور فریق معاہدہ کی معاہدہ شکنی کے بعد بھی اگر ایسی میٹم کی نوبت آجائے تو دشمن کو چار ماہ تک مہلت عطا فرماتا ہے۔

اسلام اخلاقی تعلیم صرف نمائش و نمود کے طور پر نہیں دیتا ہے، بلکہ جوارح و اعضاء کے ساتھ ساتھ وہ دل و دماغ کو بھی اسی تعلیم کا پابند بناتا ہے۔ ذرا احکام ذیل پر غور کرو۔

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَّنَ وَ الْإِثْمَ وَ الْبَغْيَ بَغْيِ الْحَقِّ وَ أَنْ تَشْرِبُوا بِاللَّهِ

مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا ۗ﴾ [الاعراف: 33]

”اے نبی کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مندرجہ ذیل اشیاء کو حرام ٹھہراتا ہے (ابنائے جنس کے مقابلہ میں) فحش، بے حیائی کی

سب قسموں کو جن کا تعلق ظاہری یا باطنی حالات سے ہو اور شرک جس کی کوئی دلیل نہیں۔“

(خود اپنے مقابلہ میں) گناہ کی جملہ اقسام (سلطنت کے مقابلہ میں) بغاوت و سرکشی (اللہ کے مقابلہ میں) بے علمی کے

ساتھ باتیں بنانا۔

حکم ثانی سنو:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ وَ آيْتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَ يُنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۗ﴾ [نحل: 90]

”اللہ جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے وہ یہ ہیں: عدل اور احسان اور قرابت والوں سے فیاضانہ سلوک، اللہ جن

چیزوں کے کرنے سے قطعاً روکتا ہے وہ یہ ہیں: سب بے حیائیاں، سب ایسے کام جو قابل انکار ہوں اور بغاوت۔“

تیسرا حکم:

﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ
وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ﴾ [النساء: 36]

مندرجہ ذیل اشخاص کے ساتھ احسان کیا کرو:

- ① والدین ② یتامی ③ مساکین ④ ساتھ لگتا ہمسایہ ⑤ دور کا ہمسایہ ⑥ تمہاری رفاقت میں رہنے والا شخص
- ⑦ مسافر ⑧ لونڈی، غلام۔

صحیح بخاری میں ہے، جس کی فتنہ پردازی سے ہمسایہ مامون نہیں، وہ صاحب ایمان ہی نہیں۔ ①

صحیح مسلم میں ہے، جس کی فتنہ پردازی سے ہمسایہ کو چین نہیں، وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ ②

صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ السَّاعِي عَلَى الْأَرَامِلِ وَالْمَسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ ③
”رائد عورتوں اور مسکین لوگوں کے کام کاج کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے جیسا ہے۔“

صحیح بخاری میں بروایت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہے:

أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَايَةِ وَالْوَسْطَىٰ وَقَرَّحَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ④

”جنت میں اور یتیم کا خبر لینے والا ایسے ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں (شہادت اور درمیانی انگلیوں میں ذرا سا فرق دکھلا کر سمجھایا کہ اس طرح)۔“

ابوداؤد میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا۔

الصَّلَاةُ الصَّلَاةُ اتَّقُوا اللَّهَ فِي مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ۔ ⑤

نماز، نماز، اور لونڈی غلاموں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا تقویٰ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَصْعَقُوا خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْسِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَالْقِصْدُ

فِي مَشِيكَ وَاعْضُضْ مِنْ صَوْنِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيمِ ﴾ [القصص: 18-19]

① غرور میں آ کر لوگوں کی طرف سے اپنا منہ کج نہ کیا کرو۔

② زمین پر اکڑ کر نہ چل۔

③ اللہ تو ہر ایک چاہا با زخرف کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

④ اپنی رفتار میں میا نہ روی رکھ۔

⑤ اپنی آواز کو پست و نرم رکھ۔

⑥ دیکھ آوازوں میں سخت و درشت آواز تو گدھے کی ہے۔

① بخاری: 6016، شعب الایمان: 5525، سنن الطحاوی: 310، ② مسلم: 172، تہذیب: 5524، صحیح: 387/1، شعب الایمان: 9535

③ بخاری: 6007، مسلم: 2982، ترمذی: 1969، ابن حبان: 4245، ابن ماجہ: 2140، ④ بخاری: 5304، ابوداؤد: 5150، ترمذی: 1918، صحیح: 333/5

⑤ ابوداؤد: 5156، ابن ماجہ: 2697، ابن حبان: 6605، صحیح: 117/3

قوم اور ملک کے متعلق اخلاق:

- ﴿ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ﴾ [الجزات: 9]
- ”اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں تب سب مل کر ان دونوں میں صلح کرادیں۔“
- ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْخَرُوا قَوْمًا مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءً مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ ﴾ [الجزات: 11]
- ”اے ایمان والو کوئی قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے، شاید وہی ان سے اچھی ہو، نہ عورتوں سے ٹھٹھا کریں، شاید وہی ان سے اچھی ہوں، تم آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا لقب تجویز کرو۔“
- ﴿ اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا ﴾ [الجزات: 12]
- ”بچو بہت گمانوں سے کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ کسی کا عیب تلاش نہ کرو اور نہ کسی کی چغلی کیا کرو۔“

غیر مذاہب والوں سے سلوک:

- ﴿ لَا يَنْهَىٰكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوا فِي الدِّينِ وَلَا يُخْرِجُواكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾ [المختار: 8]
- ”جو لوگ ایسے ہیں کہ انھوں نے تمہارے ساتھ نہ تو دین کے لیے جنگ کی اور نہ تم کو خارج از وطن کیا، ان سے نیکی کرنے اور صحیح صحیح انصاف کرنے میں تم کو اللہ نے کبھی بھی منع نہیں کیا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں سے پیار رکھتا ہے۔“
- ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ﴾
- ”اللہ کا حکم تمہارے لیے یہ ہے کہ جس کی امانت ہو اسی کو ادا کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ کیا کرو۔“ [التساو: 58]

ایسے احکام بیسیوں ہیں اور یہ وہ اخلاق ہیں، جن پر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے عمل کر کے دکھلایا اور جن کی تعلیم انھوں نے علماء و عملاً ہر دو طریق سے کل دنیا کو دی۔

اسلام کے سوا دیگر مذاہب کی تاریخ کے اوراق کیا دکھلاتے ہیں، اہل نظر خود آکھ کھول کر دیکھ لیں۔

فصل چہارم 4

اسلام ہی نے رحم و عدل کے مسئلہ کو حل کر دیا

موجودہ عیسائیت کی بنیاد دو اصولوں پر ہے:

- ﴿ آدم نے گناہ کیا اور اس کی تمام نسل اسی گناہ سے آلودہ ہے۔ ﴾ ①
- ﴿ اللہ کے رحم نے چاہا کہ لوگوں کو گناہ سے پاک ٹھہرائے، لیکن اللہ کے عدل نے چاہا کہ گناہ کا خمیازہ ضرور اٹھانا ہوگا۔ ﴾ ②
- اللہ نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ اپنے بیٹے کو دنیا میں بھیجا، وہ لعنتی ٹھہرا، جہنم میں گیا، دکھ درد اور عذاب اپنے اپنے اوپر

برداشت کیے اور وہ گناہ گاروں کا کفارہ بنا۔ اس طرح عدل پورا ہو گیا۔ رحم الہی نے تب گنہگاروں کو معاف کر دیا۔
اسلام نے ہر دو اصول بالا کی صحت فرمائی۔

گناہ آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ توبہ کی وجہ سے آدم کو معافی مل گئی تھی اور آدم علیہ السلام گناہ سے پاک ٹھہرے تھے، لہذا نبی آدم کو گناہ کا ورثہ میں ملنا قطعاً غلط ہے۔

﴿فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ إِلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ [البقرة: 37]

”آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے۔ ان کلمات کی وجہ سے اللہ نے ان پر رجوع کیا۔ اللہ تو بہت رجوع کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

﴿ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ﴾ [طہ: 122]

”پھر رب نے آدم علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور اس پر توجہ فرمائی اور اسے راہ دکھائی۔“

عدل و رحم کے متعلق اسلام نے بتلایا کہ بے گناہ کو گناہ گار کے بدلے سزا دینا سراسر ظلم ہے۔ اس لیے پاکہا ز مسیح علیہ السلام کا اہنسی ہو کر جہنم میں جانا بھی غلط ہے۔

علیٰ طہذا گنہگاروں پر رحم کی غرض سے کسی بے گناہ کو عذاب دینا بھی رحم کے قطعاً خلاف ہے۔

① حقوق اللہ جو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کے متعلق مکمل رحم اور پوری رافت و شفقت سے کام لیتا ہے۔

② حقوق العباد، بندوں کے حقوق بندوں پر۔ اس میں اللہ تعالیٰ عدل سے کام لیتا ہے۔ اس مسئلہ کو ذہن نشین کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يُغْفَرُ كُلُّ ذَنْبٍ لِلشَّهِيدِ إِلَّا الدَّيْنَ ①

”شہید کے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، مگر قرض نہیں۔“

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حقوق کی یہ جداگانہ تقسیم اور ہر ایک تقسیم کا رحم اور عدل کے تحت میں ہونا ایک ایسا فیصلہ ہے جو اسلام ہی نے صادر کیا ہے۔

ورنہ موجودہ عیسائیت نے یا اوگون کے چکر میں گھومنے والوں نے تو اس مسئلہ کو سخت پیچیدہ اور ناقابل حل ہی بنا دیا تھا۔

کریم ابنسا کا مسئلہ پر میشر کو رحم سے معرا ٹھہراتا تھا اور کفارہ کا مسئلہ عدل کے منافی تھا۔

اسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدال حقیقی کی سڑک قائم فرمادی ہے۔



اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے

موجودہ زمانہ میں علمی فضیلت کا بیان یا شرافت علمی کے دلائل بیان کرنا تحصیل حاصل ہے کیوں کہ اس زمانہ میں تمام عالم کے جملہ ممالک اور اقوام نے علماء و علماء تسلیم کر لیا ہے کہ ”علم“ کے برابر اور کسی صفت انسانی کا درجہ نہیں۔

لیکن جس زمانہ میں اسلام کا آغاز عرب و حجاز میں ہوا، اس وقت تمام دنیا فضیلت علمی کے راز سے بالکل جاہل و غافل تھی۔ عرب تو نوشت و خواند سے بھی معز و مبرا تھا اور اسے اپنی اس حالت پر ناز بھی تھا، لیکن یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی تعلیم کا نام و نشان نہ تھا جو تعلیم پادریوں میں پائی جاتی تھی وہ صرف بائبل کے حروف کے سیکھ لینے تک محدود تھی۔ اسکے ساتھ ترجمہ و تفسیر شامل نہ تھے، یا ان بے سرو پا داستانوں کو علم حقیقی کا درجہ دیا گیا تھا، جو یہودیوں میں کبھی بطور ناول لکھی گئی تھیں اور پھر ان کا درجہ وحی کے برابر تسلیم کر لیا گیا تھا۔

① ہندوستان پر شریک باگوت اور 18 پرانوں کی حکومت تھی۔ بہت زیادہ ترقی کی حالت میں مہا بھارت اور رامائن کے قصے منہائے علم سمجھے جاتے تھے۔

یہی حال چین اور ایران کا تھا، یورپ قطعاً جہالت کدہ تھا۔

اسلام ہی نے علم کو اپنی سرپرستی میں لیا اور اسلام ہی علماء کا ماسن و مٹا بنا۔

② دیوتاؤں اور فرشتوں کی برتری سے ہنود اور یہود کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور انسان کو ہمیشہ ان کے سامنے ایک پرستار اور پجاری کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔

مگر اسلام نے بتایا کہ ابوالبشر علیہ السلام تو ملائکہ اور دیوتاؤں کا بھی مجبور ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوالبشر علیہ السلام صفت علمیہ میں ان سے بڑھ گیا تھا، وہ بیان جو سورہ بقرہ میں موجود ہے، اس کا مقصود علم ہی کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے۔

اب آیت ﴿ مَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ ﴾ [الدائدہ: 4] کی تفسیر پر غور کرو کہ وہ کتاب جو جنس البعین ہے، تعلیم و تعلم کے بعد شکار کرنے میں جارحہ انسانی کا منصب حاصل کر لیتا ہے۔ اس کا شکار خود انسان کے شکار کا حکم دیتا ہے۔

جب ان دونوں مثالوں پر غور کیا جائے گا کہ اسلام نے تعلیم کی وجہ سے شکاری کتے کو درجہ جارحہ انسانی کے مساوی تسلیم کر لیا اور انسان کو مجبور ہونا بوجہ افزونی علم قرار دیا تو ہر ایک شخص سمجھ سکے گا کہ اسلام کس قدر زیادہ علم کی فضیلت کا مظہر ہے۔

ہاں قرآن پاک میں ہے:

﴿ يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ﴾ [البجادہ: 11]

”اللہ درجات بلند فرماتا ہے: (1) ان کے جو تم میں سے ایمان والے ہیں (2) اور ان کے جن کو علم ملا ہے۔“

یہاں بلندی درجات میں علم کو ایمان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

یہ قرآن مجید ہی ہے جس کی وحی ابتدائی فقرات میں یہ کلمات طیبات موجود ہیں:

﴿ اِفْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴾ [علق: 3-5]

”پڑھ اور تیرا رب تو بڑے کرم والا ہے، اس نے قلم کے ذریعہ سے علم کی تعلیم دی، اسی سے انسان کو ان علوم کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔“

غور کرو، پڑھنے کی تاکید اور قلم کو نشر علوم کا ذریعہ بتانے کا بیان، انسان کا قابل تعلیم ہونا، انسان کا نامعلوم علوم کی تعلیم سے مشرف ہوتے رہنا کیسے اسلوب پاک میں بیان فرمایا گیا، اور قرأت و تحریر کے وسائل اختیار کرنے کے بعد کس طرح انسان کو روز افزوں معلومات کے حاصل کرنے کا شوق دلایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بعض انبیاء کی دعائیں خاص رنگ میں تھیں۔ مثلاً دعائے نوح علیہ السلام ہے:

﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيْ مُؤْمِنًا وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ﴾ [نوح: 28]

”اے رب بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے جو مومن ہو کر میرے گھر میں داخل ہو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو۔“

دعائے ابراہیم علیہ السلام ہے:

﴿ وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴾ [ابراہیم: 35]

”مجھے اور میرے فرزندوں کو بتوں کی پوجا سے بچائیں۔“

دعائے سلیمان علیہ السلام:

﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْصِبُوْهُ لَاحِدٍ مِّنْ بَعْدِي ﴾ [س: 35]

”اے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کو شایاں نہ ہو۔“

دعائے زکریا علیہ السلام:

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ﴾ [آل عمران: 38]

”اے رب مجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا فرما۔“

لیکن سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خلاصہ موجودات اور سرور کائنات ہیں، کی دعائیں سے الگ اور سب سے جامع تھی۔ وہ یہ دعائیہ تھی۔

﴿ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴾ [ف: 114]

”اے رب مجھے علم میں افزودنی عطا فرما۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم کا درجہ جملہ نعمائے عالیہ سے برتر ہے۔

قرآن مجید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطابات اور القاب عالیہ مثلاً خاتم النبیین اور رحمۃ اللعالمین بھی ہیں اور انہی کے پہلو پہ پہلو حضور کی توصیف ان الفاظ میں بھی فرمائی گئی ہے۔

﴿ يَعْلَمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرہ: 151]

”وہ کتاب اور حکمت کا معلم ہے، وہ ان علوم کا معلم ہے جسے انسان نہ جانتے تھے۔“

ہر دو آیات سے علم کی فضیلت نمایاں ہے۔ بے شک اسلام ہی ہے جس نے علوم عام کی تعلیم دی ہے اور اسلام ہی ہے جس

- نے سابقوں الاولون اور انصار و مہاجرین کے علوم کو تو مسلم اور نو مشرک ممالک میں پوری فیاضی کے ساتھ پہنچایا ہے۔ نظائر ذیل پر غور کرو۔
- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب اسح ہیں، اور ان کی کتاب صحاح ستہ میں سب سے اول درجہ پر ہے۔ یہ بخارا کے باشندے ہیں۔ ان کے نسب میں مغیرہ پہلا شخص ہے جو داخل اسلام ہوا۔
 - امام ہمام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ اہل فارس سے ہیں اور ان کے دادا ہی داخل اسلام ہوئے تھے۔
 - سیبویہ اور بعلی اور زجاج جو ائمہ لغت و نحو ہیں عربی النسل نہیں۔
 - امام المغتف اسماعیل بن محمد جو ہری اور استاد محمد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی بھی عرب کے باشندے نہیں۔ [1]
 - ابو الفرج جس کی تصانیف عربی زبان میں خوب مشہور ہیں، مالنا کا باشندہ ہے۔
 - ابن خلدون جو فلسفہ تاریخ کا موجد ہے، تیونس میں پیدا ہوا تھا۔ [2]
 - مؤرخ الشیخ برہان الدین موصل کے ہیں۔
 - مقریزی بعلک میں پیدا ہوا تھا، امام مسلم صاحب اسح اور امام ابو داؤد صاحب السنن کو نسلاً عرب ہیں مگر وطن ان کا عرب نہ تھا۔ ان نظائر سے واضح ہے کہ یہ اسلام ہی کی علم نوازی ہے کہ اس نے بد و ظہور سے ہر ایک قوم پر ابواب علم کو کشادہ کر دیا تھا اور اندرون ہندوستان سے لے کر انتہائے سوڈان تک اور بلاخراسان سے لے کر مراکش تک دروس علمیہ کا افتتاح خیر القرون ہی میں ہو گیا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کو جو شرف کرامت جملہ مخلوق الہی پر حاصل ہے، اسے بھی اللہ تعالیٰ نے وصف علم ہی سے نمایاں فرمایا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ ﴾ [مریم: 43]

” (ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں) اے باپ مجھے علم حاصل ہو گیا ہے۔“

﴿ لَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ﴾ [انزل: 15] ”داؤد اور سلیمان علیہم السلام کو ہم نے علم سکھایا تھا۔“

﴿ وَإِنَّهُ لَكُوْنٌ لِّمَنْ عَلَّمْنَاهُ ﴾ [یوسف: 68] ”یعقوب والا علم ہم نے اسے سکھایا تھا۔“

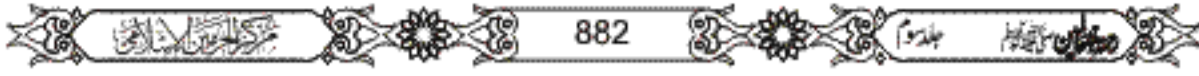
لوگ طلب علم کی تاکید کے ثبوت میں اُطْلُبُوا الْعِلْمَ لَوْ كُنَّا بِالْقَيْسِینِ پڑھا کرتے ہیں۔ ان الفاظ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سند صحیح ثابت ہونا قطعاً غلط ہے، مگر قرآن مجید میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ موجود ہے۔ یہ اولوالعزم رسول اور صاحب کتاب نبی چند مسائل کی تعلیم کے لیے ایک دوسرے نبی خضر علیہ السلام کے پاس پہنچے تھے اور ﴿ عَلِيٌّ أَنْ تَعْلَمَنَّ مِمَّا عَلَّمْتُمْ رُشْدًا ﴾ [الکہف: 66] کے الفاظ میں اپنی طلب کا اظہار کیا تھا کہ جو آپ کو معلوم ہے، میں اسے سیکھنے کو آیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید کے ثبوت میں علماء کو بھی پیش کیا ہے، جیسا کہ اس مسئلہ کو اپنی شہادت اور ملائکہ کی شہادت سے مستحکم فرمایا ہے۔

﴿ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ ﴾ [آل عمران: 18]

”اللہ نے ظاہر کر دیا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں، ملائکہ اور صاحبان علم کی شہادت بھی یہی ہے۔“

[1] معروف لغت نویس، پیدائش: 1329-1415 [2] ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ معروف ماہر عمرانیات، تاریخ نویس، پیدائش: 1333-تونس، وفات: 1406 مصر



اللہ تعالیٰ نے نبوت محمد ﷺ کے ثبوت میں علماء اہل کتاب کی شہادت کو بھی پیش کیا ہے۔

﴿ اَوَلَمْ تَكُنْ لَهُمْ آيَةً اَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي اِسْرَائِيْلَ ﴾ [اشراء: 197]

”کیا ان کے لیے یہی نشانی کافی نہیں کہ علماء بنی اسرائیل کو اس کا علم ہے۔“

﴿ وَيَقُولُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتُ مُرْسَلًا ۗ قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴾

”کافر کہتے ہیں کہ تو مرسل نہیں، کہہ دے کہ اللہ مجھ میں اور تم میں شاہد ہے اور وہ شخص بھی گواہ ہے جس کے پاس تورات و

انجیل کا علم ہے۔“ [الرعد: 43]

دلائل اسلام جس طرح نبی بر علم ہے اسی طرح ان کا مطالبہ بھی ادیان دیگر سے کیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنے دعاوی کو بروئے علم

ثابت کریں۔

① ﴿ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ﴾ [الانعام: 148]

”ان سے پوچھیے کہ تمہارے پاس کچھ علم بھی ہے تو اسے ہمارے لیے پیش تو کرو۔“

② ﴿ تَسْتَوِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ [الانعام: 143]

”اگر تم سچے ہو تو مجھے کسی علم سے یہ بات بتاؤ۔“

کج بحثی کرنے والوں پر بھی اسلام کا یہی اعتراض ہے کہ وہ علم کے بغیر باتیں بناتے ہیں

① ﴿ لِمَ تَحٰجُّوْنَ فِیْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ﴾ [الانعام: 66]

”جس چیز کا علم نہیں، اس میں کج بحثی کیوں کرتے ہو۔“

② ﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾

”اس چیز کے پیچھے نہ چل جس کا تجھ کو علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ، دل (یہ سب) اس کی بابت پوچھے جائیں

گے۔“ [بنی اسرائیل: 36]

ان آیات و احکامات کی تعمیل میں علم برداران اسلام یعنی اسلاف کرام نے جو کچھ کیا آج تمام یورپ اس کا شاہد ہے۔

سلطنت عباسیہ بغداد اور سلطنت امویہ اندلس میں اور سلطنت فاطمیہ مصر میں جن دنوں قائم تھیں ان میں تافس باہمی صرف

ترقی علم اور حمایت علماء کی بابت پایا جاتا ہے۔ یہ ایک آیت کی سعی و کوشش یہ تھی کہ اسی کی سلطنت سب سے بڑھ کر مرئی علم و علماء ثابت ہو،

سمرقند کی رصد گاہ اندلس کی رصد گاہ کے مقابلہ میں موجود تھی۔

بغداد نے علوم و فنون کو ہند اور چین اور تاتاریک پھیلا دیا تو اندلس نے اٹلی و فرانس اور جرمنی کو دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا۔

سلاطین اسلام کے دربار میں یہودی، عیسائی، ہندو، مصری، چینی، یونانی، فلاسفر اسی طرح احترام کے ساتھ پرورش پارہے تھے،

جس طرح حجازی، حضرمی، یمنی، اور فرزند ان مہاجر و انصار علوم و فنون اور ادب و فنم کے ساتھ ساتھ علوم ریاضیہ، فلسفہ، ہیئت کا رواج تھا۔

مشرق و مغرب و افریقہ میں مدارس عام تھے اور ہر ایک مدرسہ کے ساتھ کتب خانے اور دارالقیام بنے ہوئے تھے۔ بغداد میں وزیر نظام الملک کا بنایا ہوا مدرسہ نظامیہ وہ تھا، جس میں چھ ہزار (6000) طالب علموں کی خوراک کا انتظام منجانب مدرسہ کیا جاتا تھا۔ اسی سے دیگر مدارس کا اندازہ لگاؤ۔

اسلام نے علوم کو جس خصوصیت سے خلائق کے سامنے روشناس کیا ہے، وہ طریق ہے جس سے اقوام ماضیہ قطعاً بے علم رہی ہیں۔ اسلام علوم کو دو اقسام پر تقسیم کرتا ہے:

الف: جلی اور اس کے حصول کے تین (3) ذرائع ہیں:

- ① بصر، وہ جملہ علوم جو معائنہ و اکتشافات سے تعلق رکھتے ہیں۔
- ② سماع، وہ جملہ علوم جو استفاضہ پر مبنی ہیں۔
- ③ قلب، وہ جملہ علوم جو تجارب انسانی کا مجموعہ ہیں۔

ب: خفی اور اس کے حصول کے بھی تین (3) ذرائع ہیں:

- ① ایمان، جو جز و معلوم سے جز و غیر معلوم کو یقین دلاتا ہے۔
- ② فراست صادقہ، جو جو اس عشرہ کے بعد امور مخفی کے راز پر مطلع ہوتی ہے۔
- ③ معرفت، جس کا آغاز مادیات کے انجام سے ہوتا ہے۔

اسلام نے ایک اور علم کا ذکر کیا ہے جو اکتسابی نہیں اور خالصہ وہی ہے۔ اسے علم لدنی کہا جاتا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام سے خاص ہے۔ اس علم کا حعلم مبداء فیاض کی رحمت خاصہ سے سبق لیتا ہے اور اس کا علم جملہ علوم و براہین کا سلطان ہوتا ہے، اسی علم کے سایہ میں۔

- عبودیت
- متابعت
- صدق

کو کمال حاصل ہوتا ہے اور اسی کمال کا نتیجہ نئی دعویٰ ہے۔

اسی علم کا عالم اگر کوئی فعل سرانجام دیتا ہے ﴿مَا فَعَلْتُمْ عَنْ أَمْرِي﴾ [الکہف: 82] کو وجہ موجب قرار دیتا ہے اسی علم کا عالم جملہ علوم پر نطق ہمایوں سے کلام کرتا ہے اور ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [الحج: 3-4] کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔

فریفتگان مادہ اب تک نہ مادہ کی حقیقت سے واقف ہوئے اور نہ مادہ کی حرکت کی کوئی توجیہ ان کی سمجھ میں آئی۔ لیکن اس علم کا عالم روح کی حقیقت کا انکشاف کرتا ہے۔ ﴿الْكَوْخُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ [بنی اسرائیل: 85] (روح تو میرے رب کا حکم ہے) بتاتا ہے، وہ عالم خلق سے بالاتر ایک عالم امر کے حقائق سے مطلع ہو جاتا ہے اور ان حقائق کی تعلیم سے چشم بصیرت کو روشن بنا دیتا ہے اور غیر محسوس کو معلوم کے درجے پر بخشا دیتا ہے۔

اس تمام بحث پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اسلام ہی دین العلم ہے اور اسلام ہی حامی العلم ہے۔

تذیل

اسلام کے حامی العلماء ہونے کا مضمون ان نظائر سے مکمل ہو جاتا ہے، جن سے ظاہر ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے جن کے وجود کے ساتھ دینی شان کا نشان بھی مشہور تھا۔ ان علماء کی بھی نگہداشت فرمائی تھی۔ جو غیر مسلم تھے۔

منصور عباسی: علوم القرآن واللہ یت کا زبردست عالم تھا۔ اس کے دربار میں جیورجیمس بن کٹشوع اور جیمی بن شہلا تار ہر دو عیسائی یکے بعد دیگرے طیب خاص کے منصب پر مامور تھے

نو بخت اور ابوہبل (ہردو پارسی) بلند ترین جاہ پر متمکن تھے۔

مہدی کے دربار میں، تیوفیل، لینائی (ندہا صاحبی) بڑے افسروں میں تھا۔

بارون رشید کے دربار میں تھیوڈور اور جبریل (عیسائی) اعلیٰ منصب دار تھے۔

یوحنا بن مانسویہ سریانی محکمہ تعلیم کا ڈائریکٹر تھا۔

مامون کے دربار میں، بطریق یوحنا اور ہبل بن ساہور (ہردو عیسائی) اعلیٰ مناصب پر تھے

مقتضیٰ کا طیب خاص سلمو یہ بن بنان نصرانی تھا۔

متوکل کے دربار میں، حسنین بن اہلق نصرانی کا منصب بالاتر تھا، وہ جتنے اوراق دوسری زبانوں سے ترجمہ کر کے پیش کرتا تھا،

ان کے برابر طلایے تاب سے وزن کر دیا جاتا تھا۔ ماہانہ مشاہیرہ اور سالانہ انعامات اس سے علاوہ ہوتے تھے۔

راضی باللہ کے دربار میں طیفوری، نصرانی، حتی بن یونس نطوری (گرجا کا بپ) بھی تھا

معتضد کے دربار میں، ابراہیم و سنان فرزندان ثابت بن مردہ اور ابوالحسن ہمد ثابت (ندہا صاحبی) بہت معتد علیہ تھے۔

قسط اعلمی اور یحییٰ بن عدی بن حمید (ہردو نصرانی) بھی دربار خلافت میں محمودانہ وقار رکھتے تھے۔

الغرض یہ فہرست بہت لمبی ہے۔

اب تلاش کرو کہ کسی مسیحی سلطنت یا کسی اور غیر مسلم سلطنت و حکومت میں بھی کسی مسلم عالم کی یہ قدر، یہ وقعت، یہ عزت سمجھی کی گئی ہے۔

ہاں! اس کے برعکس ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہ ابن رشد مسلم فلاسفر کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کے جرم میں 20 مارچ

1452ء میں یہودیوں کو اسپانیا سے خارج کیا گیا اور فروری 1902ء میں ایشیلیہ اور ماحول کے مسلمانوں کو بھی نشر علوم کے جرم میں وطن

مالوفہ سے جبراً نکال دیا گیا۔

نظائر بالا سے شاید کسی شخص کا گمان ادھر منتقل ہو جائے کہ یہود و مسلمین کا اخراج غالباً تعصب قومی کی بنیاد پر ہوا ہوگا اور نفس علوم

کے ساتھ تعصب و عادات کا اس میں دخل نہ ہوگا۔ لہذا ہم ایشیلیہ ذیل پیش کریں گے کہ خود عیسائیوں کے علماء کے ساتھ بھی علوم معقول کی

اشاعت یا اکتشافات علیہ کے اعلان کے بعد یہی سلوک کیا جائے گا۔

پروفیسر برڈنو (Prof. Jerunu) نے مسئلہ وحدت الوجود کو بیان کیا، اسے قید کر دیا گیا اور 1600ء میں جس طویل کے بعد

زندہ جلا دیا گیا۔

کرویت ارض کے مسئلہ پر یورپ میں بہت خون ریزی ہوئی۔

پروفیسر گالیلی (Prof. Galileo) نے کہہ دیا تھا کہ حرکات نجوم بہت باقاعدہ ہیں۔ یہی مقولہ اس کی ہلاکت کا موجب ہوا۔

خاتون ماری مونتا (Mary Monta) 1721ء میں قسطنطنیہ سے چمپک کا ٹیکہ سیکھ کر یورپ پہنچی تو کینیڈا نے شاہ انگلستان کے حضور میں عرضداشت پیش کی کہ بذریعہ ٹیکہ علاج کیے جانے کے قاعدہ کو حکماً بند کیا جائے۔ امریکہ میں ولادت کے وقت عورت کو مخدر کرنے کا طریقہ نکالنا کہ وہ احساس تکلیف سے مامون رہے۔ پادریوں نے اسے اللہ کے اس حکم کی مخالفت سمجھا کہ عورت دکھ سے جنے گی اور اس کے خلاف سخت شورش کی گئی۔ پلاج (Pillage) نے کہہ دیا کہ آدم علیہ السلام سے پیشتر بھی موت (حیوانات وغیرہ کو) آتی تھی اسے قتل کیا گیا اور اس کے جملہ ہم عقیدہ لوگوں کو واجب القتل قرار دیا گیا۔ ڈی رومنس (DeRomense) نے بیان کیا کہ قوز، اللہ کی حربی کمان نہیں، بلکہ پانی کے قطرات پر سورج کی شعاعوں کا عکس پڑنے کے نتیجے ہے۔ اس جرم میں وہ قید کیا گیا، قتل کیا گیا، اس کا لاشعاع اس کی تصانیف کے جلا دیا گیا۔ کتب خانہ اسکندریہ، قیصر جول کے وقت میں جلا دیا گیا۔ اس لیے کہ یہاں ایسی کتابیں بھی موجود ہیں جو مذہب کے خلاف ہیں، اس کی رہی سہی کتابوں کو بطریق تیوٹیل مامورہ اسکندریہ نے نذر آتش کیا۔ کتب خانہ غرناطہ مسلمانوں کی علمی جائداد کی آٹھ ہزار (8000) قلمی کتابیں کر دینا، کسمیس نے سوخت کر دیں۔ ان جملہ واقعات و بیانات و تشریحات سے یہ نتیجہ صاف مبرہن ہے کہ اسلام ہی ”حامی العلم والعلماء“ ہے اور یہ صفت اس کے خصائص علیا میں سے ہے۔

فصل ششم 6

اسلام ہی دین العمل ہے

سابقہ مضمون میں تحریر ہو چکا ہے کہ اسلام ہی دین العلم ہے، لیکن اگر علم کے ساتھ عمل شامل نہ ہو تو اس کا علم ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَتَعْمَلًا مُّقْبَلًا۔ [1] ”اے اللہ میں تجھ سے نافع علم اور عمل مقبول کا سوال کرتا ہوں۔“ بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اسلام نے توکل کی تعلیم دی ہے، یہ سمجھ لیا ہے اسلام عمل کے منافی ہے، اس غلطی میں وہ بھی مبتلا ہوئے جو دور دور سے اسلام کو دیکھنے والے ہیں اور وہ بھی اس غلطی کا شکار ہوئے جو اسلام کے اندر ہیں۔ اس غلطی کا اولین سبب یہ بھی ہوا کہ توکل کے معنی بھی نہ سمجھے گئے۔

موجودہ زمانہ سعی و کوشش کا زمانہ ہے۔ جمود و بے حسی سے نفرت کی جاتی ہے، لہذا جب یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایسی بے حسی اور جمود کا طرف دار ہے تو حجت کہہ دیتے ہیں کہ اسلام دین الہی نہیں ہو سکتا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو سمجھنا ہی نہیں گیا اور ہادی اسلام نیز علمبرداران اسلام کی سیرت کا مطالعہ ہی نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں پر ہمسایہ اقوام کا سایہ پڑا اور انھوں نے جو گیوں، سنیا سیوں، راہیوں اور پوپوں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ زہد کے اعلیٰ مناصب پر ترک افعال اور ترک عمل ہی سے فائز ہو سکتے ہیں۔ بیان کی اپنی سمجھ ہے، اسلام کی تعلیم تو یہ ہے:

[1] تہذیب الاسما للہودی۔ [2] مسند امام احمد: 294/6، اذکار للہودی: 70، عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی: 108

﴿ لَكِنَّ الرَّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ، جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ [البقرہ: 88]

”رسول اور اس کے ساتھ والے ایمان داروں نے تو مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ انہی کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔“

﴿ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۖ وَأَنْ سَعَىٰهُ، سَوْفَ يُرَىٰ ﴾ [النجم: 39-40]

”نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہ جو اس نے کوشش کی اور بے شک وہ اپنی کوشش ضرور دیکھ لے گا۔“

﴿ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۖ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ [الانبیاء: 94]

”جو کوئی عمل کرتا ہے اچھے، ایمان کے ساتھ، اس کی کوشش ضائع نہ ہوگی۔“

﴿ وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ مِّمَّا عَمِلُوا ﴾ [الانعام: 132]

”ہر ایک کے لیے انکے عمل کے موافق درجہ ہیں۔“

عمل کی دو اقسام ہیں: عمل برائے دنیا، عمل برائے آخرت اور اسلام نے ہر دو کے لیے ترغیب دی ہے:

﴿ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ [البقرہ: 201]

”اے رب! ہم کو دنیا بھی اچھی دے اور آخرت بھی اچھی دے اور ہم کو عذاب نار سے بچالے۔“

صحیح مسلم میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے:

إِحْرَاصٌ عَلَيَّ مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِينُ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجِزُ ۖ ﴿١﴾

”جو چیز تجھے نفع دینے والی ہو اس کی رغبت اور حرص پیدا کر اور اللہ سے مدد چاہا کر اور عاجز ہو کر مت بیٹھ۔“

صحیحین میں بروایت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہے کہ سعد بیمار ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو گئے۔ سعد نے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ چاہا کہ وہ اپنے مال سے کس قدر صدقہ دے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول ظاہر فرمایا:

إِنْ تَدْرُ وَرَثَتِكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدْعُهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ ۖ ﴿٢﴾

”اگر تم اپنے وارثوں کے لیے دولت چھوڑ کر مرے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ تو ان کو بے زر و بے پر چھوڑے اور وہ لوگوں

کے سامنے مانگتے پھریں۔“

اس حدیث کے ساتھ قرآن مجید کے احکام تواریث کو مد نظر رکھو کہ مال میت کو تقسیم کے لیے اللہ تعالیٰ نے کس طرح حصص کا

تعیین فرمادیا ہے۔

اصول ارث و موارث

ارث کے اصول نسب اور نکاح اور ولا میں اور فرائض میں سہام کو چھ اوزان نصف (1/2)، ربع (1/4)، ثمن (1/8) دو ٹمٹ

(2/3)، ایک سدس (1/6) پر مقرر فرمایا گیا۔

﴿١﴾ مسلم: 6774، ابن ماجہ: 79، ﴿٢﴾ بخاری: 6733، مسلم: 1628، ترمذی: 2116، ابن ماجہ: 2708، ابن حبان: 6027

- ① نصف کے حق دار پانچ ہیں: شوہر، ترکہ زوجہ سے (اگر وہ بے اولاد تھی) صلیبی بیٹی جو تنہا ہو (یا پوتی) اور اخت واحدہ (اب و ام سے) یا اخت واحدہ (اب سے)، جب کہ اب و ام کا فرزند نہ ہو۔
 - ② ربح کے حقدار دو ہیں: شوہر (مع ولد زوجہ)، زوجہ (بعد ام الولد)
 - ③ شمن کے حق دار زوجہ (مع ولد)
 - ④ دو ٹمٹ کی حقدار چار ہیں: دو بیٹیاں، یا زائد برائیاں (پوتیاں) اور بہنیں (مادر و پدر سے) یا بہن بھانجیوں پر۔
 - ⑤ ایک ٹمٹ کی حق دار 3 ہیں: ماں (جب کہ میت کا ولد اور اخوۃ و اخوات نہ ہوں) ماں کی اولاد، دو یا زائد کا (جس میں ذکر و انث برابر ہوں گے) و دادا و میت کے بھائیوں کے ساتھ جب کہ کوئی اور صاحب فریضہ نہ ہو۔
 - ⑥ سدس کے حقدار 7 ہیں: باپ (جب کہ میت کا ولد موجود ہو)، ماں (جب کہ میت کا ولد یا پوتا یا بھائی بہن ہوں) دادا و میت کے ساتھ اور بہنوں کے ساتھ جب کہ کوئی صاحب فرض بھی شامل ہو۔ وادی یا وادیاں۔ ماں کی اولاد: پوتیاں (صلیبی بیٹی کے ساتھ) پھوپھیاں (سگی بہن کے ساتھ)۔
- ذرا اس موٹی موٹی تقسیم پر جو علم فرائض کے متعلق ہے، غور کرو اور اندازہ لگاؤ کہ اگر اسلام کے نزدیک ماں کے لیے محنت و مشقت کرنا اور مال کمانا اور ورثہ کے لیے مال چھوڑ کر مرنا بہتر نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ وارث کے متعلق اتنے مکمل اور وسیع احکام کبھی صادر نہ فرماتا۔
- قرآن مجید میں تو تقسیم حصص بالا کے علاوہ مال کثیر ہونے کی صورت میں ”وصیت“ کا ہونا بھی ضروری بتایا گیا ہے۔
- ﴿ كَتَبَ عَلَيْكُمْ إِذَا تَرَكَ خَيْرًا أَنْ تُوَصِّتَ لِلَّذِينَ وَالِ الْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴾
- ”تم پر لکھ دیا ہے کہ اگر کوئی تم میں سے مال کثیر چھوڑتا ہے تو والدین اور اقرباء کے لیے معروف طور پر وصیت کرے یہ تقویٰ والوں کے لیے ضروری ہے۔“ [البقرہ: 180]
- ﴿ وَلَا تَوْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا ﴾ [النساء: 5]
- ”اپنا مال و زر بے عقلوں کے سپرد نہ کرو۔ مال و زر کو تو اللہ نے تمہارے لیے وجہ قیام بنایا ہے۔“
- بیع و شرا کے احکام اور خرید و فروخت اور تجارت کے لیے جگہ جگہ تعلیم بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ اسلام دین العمل ہے۔
- جملہ سیرت نگاروں کو معلوم ہے کہ مہاجرین اولین جو اہل مکہ تھے، سب تجارت پیشہ تھے اور انصار اولین سب زراعت پیشہ تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تجارت اور زراعت کی تمثیلوں ہی میں آیات ثواب و جہاد کا بیان فرمایا ہے۔ تجارت و زراعت جس قدر محتاج عمل ہیں، اسے اہل خرد خوب جانتے ہیں۔
- تاجر صحابہ کی دولت کا اندازہ کرنے کے لیے دو ایک نظر پر غور کرو:
- ① عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔
 - اسلام کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں انہوں نے مندرجہ ذیل رقم صرف کی تھیں۔
 - ① ایک دفعہ چار ہزار (4000) روپیہ، یہ اس وقت کے کل مال کا چہارم تھا۔
 - ② دوسری دفعہ چالیس ہزار (40000)۔

- ③ تیسری دفعہ چالیس ہزار (40000) دینار۔
- ④ چوتھی دفعہ پانسو (500) گھوڑے۔
- ⑤ پانچویں دفعہ پانسو (500) ناقہ۔
- ⑥ نبی ﷺ کے بعد انھوں نے ایک باغ امہات المؤمنین کی نذر کیا جو چار لاکھ (4,00000) میں فروخت ہوا۔
- ⑦ فوت ہوتے ہوئے انھوں نے فی سبیل اللہ پچاس ہزار (50000) دینار کی وصیت کی۔
- ⑧ مرتے ہوئے وصیت کی کہ ہر ایک بدری صحابہ کو چار سو (400) دینار پیش کیے جائیں۔ بوقت تقبیل اصحاب بدر ایک سو (100) شمار ہوئے۔
- ⑨ علاوہ بریں انھوں نے ایک ہزار (1000) گھوڑا فی سبیل اللہ دیا۔
- ⑩ نفاذ وصیت کے بعد زطلہ کی مقدار کثیر موجود پائی گئی، جسے کانٹے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔
- ⑪ طلا کے بعد ایک ہزار (1000) اونٹ، ایک سو (100) گھوڑا، تین ہزار (3000) بکریاں بھی شمار ہوئیں۔
- ⑫ ان کی چار (4) بیویاں تھیں، ہر ایک کو اسی ہزار (80000) نقد دے کر مصالحت کر لی گئی۔

② سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے ہمسیرے بھائی تھے، انھوں نے وصیت کی تھی کہ اول میرا قرض ادا کیا جائے اور پھر ثلث مال صدقہ دیا جائے اور وراثت کی تقسیم کی جائے۔

قرض شمار کیا جائے تو چودہ لاکھ (1400000) لاکھ۔ ان کے پاس نقدی کم تھی۔ جا کدا زرعی و کئی بہت تھی۔ گیارہ (11) مکانات مدینہ و دو (2) مکانات بصرہ میں، ایک مکان مصر میں تھا۔ ایک اراضی زرعی کا ٹکڑا جو اکہتر لاکھ (7100000) روپیہ میں خرید کیا گیا تھا۔ ان سب کو فروخت کر دیا گیا تو پانچ کروڑ دو لاکھ (50200000) کی رقم حاصل ہوئی۔ قرض ادا کر دیا گیا، وصیت نافذ کی گئی اور پھر چار پانچ سال تک یہ موسم حج منادی کی گئی کہ اگر کسی کا قرض زبیر رضی اللہ عنہ پر آتا ہو تو لے لے، بعد ازاں مال تقسیم ہوا۔ ان کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ انھوں نے ایک ہزار غلام تجارت پر لگا رکھے تھے جو ماہوار نفع حاصل ہوتا اسے خیرات کر دیتے تھے۔

میرا مقصود ایسے نظائر کا بالاستیعاب بیان کرنا نہیں، مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم نے سابقوں اولوں کو کیوں کر عمل دینا اور عمل آخرت کا جو یاوشیدایا دیا تھا۔

کیا اس کے مقابلہ میں بدھ ازم کوئی شرف رکھ سکتا ہے، جس نے گداگری کو رواج دیا ہو، یا وید کی تعلیم جس نے عمر کے آخری ربع میں انسان کا بن باسی ہونا ضروری بنایا، یا عیسائیت کے پاس اس تعلیم کی کوئی توجیہ موجود ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں گزر جانا آسان ہے، مگر دولت مند کا آسانی پاوشاہت میں داخل ہونا مشکل تر ہے۔

تعلیم اسلام نے جن لوگوں کو مکمل بنایا، ان کی صفت اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

﴿رَجَالٌ لَا تُلِيقُهُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ [النور: 37]

”یہ مردان حق ہیں، جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔“

یہ خوبی ہے جو اسلام ہی میں نمایاں ہے۔ کسی شخص نے اس آیت کا حاصل اس فقرہ میں ادا کیا گیا ہے: ”دست بکار و دل پیاز۔“

یہاں تک عمل کی بحث معیشت اور تمدن کے پہلو سے کی گئی تھی، لیکن تقرب اور تدین کے اعتبار سے بھی جو اہتمام اسلام نے اعمال صالحہ کے سرانجام دینے میں فرمایا ہے اور وہ لائق ہے۔ ارشادات ذیل پر تدبر کرو۔

- ① ﴿فَاسْتَقْبُوا الْخَيْرَاتِ﴾ [البقرہ: 148] ”نیک کاموں کے سرانجام دینے میں سبقت دکھلاؤ۔“
 - ② ﴿وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسُجِّدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا﴾ [الدہر: 28]
- ”اپنے رب کے نام کی یاد قبل از دوپہر بھی کرو اور بعد از دوپہر بھی اور رات کو بھی اس کے لیے سجدہ ہو، اس کی حمد و ثناء ہر رات کو زیادہ ہو۔“

- ③ ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ ”سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو۔“
 - ④ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ [الاحزاب: 41]
- ”اے ایمان والو، اللہ کو یاد کیا کرو، بہت یاد کیا کرو۔“
- ⑤ ﴿وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾ [الزلزل: 8]
- ”اپنے رب کا نام لیا کرو اور سب سے منہ موڑ کر اسی کا بن کر عبادت کیا کرو۔“
- کائنات پر غور کرنا، صنعت الہی سے دل اور نظر کو روشن کرنا، خصوصیت، مجرب اور تصرفات ارضی و سماوی پر تدبر کرنا بھی اسلام نے عبادت کا جزو اور عبادت کرنے والوں کے لیے بلندی مدارج کا باعث قرار دیا ہے۔

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلُكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ [البقرہ: 164]

- ① آسمانوں کی بناوٹ اور زمین کی بناوٹ میں،
 - ② رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں،
 - ③ ان جہازوں میں جو سمندر میں لوگوں کی نفع رسانی کے لیے چلتے ہیں،
 - ④ اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے اتارتا اور زمین کو اس سے زندگی بخشتا ہے،
 - ⑤ زمین پر ہر قسم کے چلنے والے، ریگنے والے جانداروں میں،
 - ⑥ ہواؤں کا الگ الگ رخ بدل کر چلنے میں،
 - ⑦ اس بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان میں حکماً باندھے ہوئے ہیں
- بے شک عقل و دل والی قوم کے لیے اللہ کی شان کے بہت سے نشان ہیں۔ ان احکام سے ثابت ہو گیا کہ اسلام دین العمل ہے، وہ اہل اسلام کو، بہر دور و فہمیت دنیا کے لیے بھی عمل کرنے کا حکم دیتا ہے اور ذخر آخرت کے لیے بھی عمل کرنے کا ارشاد فرماتا ہے۔ یہ احکام اور یہ جامعیت اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔

اسلام ہی بانی اخوت ہے

ایک اخوت وہ ہے جو دو اشخاص کے درمیان خون کی وجہ سے پائی جاتی ہے۔ اس اخوت کے متعلق کچھ تحریر کرنا غیر ضروری ہے۔ اس اخوت میں ہر ایک بھائی کا حق قانوناً، رواجاً، اخلاقاً مسلم ہوتا ہے اور ہر ایک بھائی دوسرے بھائی کی مدد اور معاونت کا بچپن ہی سے خوگر ہوتا ہے۔

لیکن اس اخوت کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع نہیں ہوتا، اور بایں ہمہ اس اخوت میں بھی سینکڑوں مثالیں تاریخ میں ایسی ملتی ہیں کہ بھائی بھائی کا دشمن رہا اور مدت العمر ان کے تعلقات صاف نہ ہوئے۔ بائبل اور قرآن مجید میں ہائیل و قاتیل کا واقعہ موجود ہے کہ قتل انسانی کی ابتدا دو بھائیوں ہی میں پائی گئی۔

ایک اخوت وہ ہے جو اتحاد عقیدہ کی بنیاد پر پائی جاتی ہے اور ہماری مراد اسی اخوت سے ہے۔ نبی ﷺ کے فیضان صحبت اسلام میں داخل ہونے والوں میں جو اخوت قائم ہوئی، وہ اپنے تقدس میں ایسی برتر و اعلیٰ ہے، جس کی نظیر تاریخ عالم میں تلاش کرنا عبث ہے۔ زمین و آسمان اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

مواخات پر عمل مکہ میں بھی ہوا اور مدینہ میں بھی۔
مواخات مکہ میں مکی اصحاب کی سلسلہ بندی مقصود تھی۔ نصرت علی الحق اور مواسات مطلوب تھی اور مواخات مدینہ میں مکی و مدنی اصحاب میں وحدت اسلامی کا پیدا کرنا ملحوظ تھا۔ توسیع محبت اور استحکام انس و مودت اس کی بنیاد پر تھی۔

مواخات مکہ

محمد رسول اللہ ﷺ	سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	سیدنا زبیر بن حارثہ رضی اللہ عنہ
زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	ابن مسعود رضی اللہ عنہ
سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

مواخات مدینہ

ہجرت سے پانچ چھ ماہ کے بعد جن دنوں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر ہو رہی تھی۔ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کے ساتھ اخوت اور معاقت سے قوی دل، قوی بازو بنایا گیا۔ پچاس جوڑو پہلے تھے جو مسجد نبوی ﷺ میں سبق اتحاد سے مشرف ہوئے۔ بعد ازاں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

حَالَفَ بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فِي دَارِنَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا۔ [1]

”ہمارے گھر میں نبی ﷺ نے دو تین بار مہاجرین و انصار کے درمیان اخوت کو باہمی حلف کے ذریعہ قائم فرمایا۔“

ابن اسحاقؒ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ تَأَخَّوْا فِي اللَّهِ أَخَوَيْنِ أَخَوَيْنِ ﴾ "اللہ کی راہ میں دو دو کس بھائی بھائی بن جاؤ۔"

معلوم ہوتا ہے کہ جو نمونہ رحمتہ للعالمین ﷺ نے اپنے سامنے قائم فرما دیا تھا اس پر برابر عمل ہوتا رہا اور یہ سلسلہ اس وقت تک رہا، جب تک مکہ معظمہ فتح نہ ہو گیا اور مکہ سے آنے والوں اور ہجرت کرنے والوں کے لیے گردوغبار وحشت بالکل برب نہ گیا۔

ذیل میں مواخات مدینہ کا بھی ایک مختصر نقشہ پیش کیا جاتا ہے:

انصار	مہاجرین
خارجہ بن زیدؓ	سیدنا ابوبکر صدیقؓ خلیفہ رسول اللہ ﷺ
قتبان بن مالکؓ	سیدنا عمر فاروقؓ امیر المؤمنینؓ
اوس بن ثابت الانصاریؓ	امیر المؤمنین عثمان ذوالنورین بن عفانؓ
سلمان فارسیؓ و رسول اللہ ﷺ	سیدنا علی مرتضیٰؓ امیر المؤمنینؓ
سعد بن الربیعؓ	عبدالرحمن بن عوفؓ
سعد بن معاذؓ	ابوعبیدہ عامر بن الجراحؓ
کعب بن مالکؓ بن ابی ابوکعب الانصاری الخزرجی السلمی شاعر نبی ﷺ	طلحہ بن عبداللہ القرظی بن عبید اللہؓ (احد العشرة المبشرة)
ابی بن کعب الانصاریؓ	سعید بن زیدؓ
سلمہ بن سلامہؓ	زبیر بن العوامؓ
اسید بن حضیرؓ	سیدنا زید بن حارثہؓ
ابورویحہ الخثعمیؓ	سیدنا بلالؓ
معاذ بن جبلؓ	جعفرؓ بن ابی طالب (مقیم حبش)
حذیفہ بن الیمانؓ	عمار بن یاسرؓ
ابوایوب انصاریؓ	مصعب بن عمیرؓ
سلمان فارسیؓ	ابورواہؓ
عمیر بن حمام بن جموحؓ	عبید اللہؓ بن الحارث بن عبدالمطلب
معن بن عدی الجملانیؓ	زیدؓ بن خطاب
سوید بن عمرو الانصاریؓ	وہب بن سعد بن ابی سرح القرظی العامریؓ

19	ابومرشد غنوی <small>رضی اللہ عنہ</small>	عبادہ بن الصامت الانصاری السالمی <small>رضی اللہ عنہ</small>
20	ذوالشمالین عمیر بن عبد عمیر بن فضلہ الزہری <small>رضی اللہ عنہ</small>	یزید بن حارث بن قیس بن مالک الانصاری البخاری <small>رضی اللہ عنہ</small>
21	عثمان بن مظعون <small>رضی اللہ عنہ</small>	عباس بن عبادہ خزاعی ذوالعقبین مہاجر و انصاری <small>رضی اللہ عنہ</small>
22	طلیب بن عمیر بن وہب القرظی العبدری (ابن عمہ النبی <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small>)	منذر بن عمرو بن خنیس الساعدی الانصاری <small>رضی اللہ عنہ</small>
23	ابو حذیفہ بن عتبہ <small>رضی اللہ عنہ</small>	عباد بن بشر <small>رضی اللہ عنہ</small>
24	معاویہ بن ابوسفیان <small>رضی اللہ عنہ</small>	حباب بن یزید <small>رضی اللہ عنہ</small> ①

مواخات کا اثر

ہر ایک انصاری اس دینی بھائی کو اپنے گھر لے جاتا، اپنا مال و زر، اسباب سامنے لاتا، اراضی سکنی و زرعی دکھاتا اور نصف و نصف باہمی تقسیم کر لیتا۔

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ جب عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو گھر لے گئے تو اس وقت ان کے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ دونوں کو ابن عوف کے سامنے لے آئے، کہا ان میں سے کسی ایک کو پسند کر لیجیے تاکہ میں اسے طلاق دے دوں اور وہ تمہاری خبیثہ (زوجہ) بنے۔ ② ان دو بھائیوں میں سے جب کوئی مر جاتا تو دوسرا بھائی اس کے ترکہ میں سے حصہ بھی لیتا۔ ترکہ سنبھالنے کا قاعدہ اس وقت ترک کر دیا گیا جب مہاجرین نے اپنے گھر خود بنا لیے اور اپنی جائداد پیدا کر لیں اور انصاری معاونت مالی سے مستغنی ہو گئے۔

قرآن مجید میں مواخات کا ذکر

قرآن مجید میں اس مواخات کا ذکر چند مقام پر ہے:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۗ وَكُنْتُمْ عَلَىٰ

شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [آل عمران: 103]

”اللہ کی جو نعمت تم پر ہے اسے یاد کرو کہ تم تو تو ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور

تم بفضل ربی بھائی بھائی بن گئے اور تم تو آگ کے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ پھر اللہ نے تم کو وہاں سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ

تو اپنی نشانی تم پر اس طرح واضح کر رہا ہے کہ تم ہدایت یاب بنو۔“

قرآن مجید نے ﴿كُنْتُمْ أَعْدَاءً﴾ کے الفاظ میں ان تمام لڑائیوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو بخوبی یاد تھیں اور جن میں وہ خود یا ان کے اقربا و آباء و اجداد یا برابر حصہ لیتے رہے تھے۔ یہی جنگ بے آب و گیاہ زمین کو انسانی خون سے سیراب کرتی تھی۔

① خاص مکہ شہر میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے جھگڑے،

② ابن سعد: 124/3، اسد الغابہ: 433/2، ابن ہشام: 150/2

- ② قریش اور مضر کی خصوصیتیں،
 - ③ قریش اور حرب الحجار،
 - ④ کنانہ اور بنو قیس کی لڑائی۔
 - ⑤ عبدمناف اور اس کے اتحادیوں بنو زہرہ، بنو اسد، بنو تمیم، بنو الحارث، اور بنو عبدالدار اور اس کے اتحادیوں بنو سہم، بنو جح، بنو خزوم، بنو عدی کی عداوتیں۔
 - ⑥ مکہ سے باہر اور عرب کے اندر ملوک کندہ، ملوک غسان، ملوک حیرہ کی عداوتیں اور ان عداوتوں کی حالت میں سلطنت ایران کا عرب کے ایک حصہ پر اور سلطنت روما کا عرب کے دوسرے حصہ پر اور حبش کا عرب کے تیسرے حصہ پر قبضہ و غلبہ اور پھر ان سلطنتوں کی باہمی جنگ و جدال اور اس جنگ و جدال کا عربی قبائل پر پہلچاظ مآقتی مخالفانہ اثر۔
 - ⑦ یثرب کے اوس اور خزرج کی لڑائیاں۔
 - ⑧ یہودیان، بنو نضیر و بنو قینقاع و بنو خزاعہ اور خیبر و فدک و تنجاء کی شرارتیں اور قبائل عرب کو ہمیشہ مصروف جنگ رکھنے کی پالیسی۔
 - ⑨ عیسائیاں دومۃ الجندل و نجران و بحرین کی ریشہ دوانیاں،
 - ⑩ بت پرست قبائل کا اپنے اپنے دیوتاؤں کی حمایت میں نہرو آ زما ہونا۔
 - ⑪ زناقتہ دہریہ کے منصوبے اور روپاہ بازیاں۔
 - ⑫ عیسائیوں کے فرقہ ہائے ثلاثہ کا تولد (کیسٹھولک)، یعقوبی، اور پولوسی سے اختلاف شدید اور ان اختلافات کی ترویج میں اہل عرب کو قربانی کا پیرا بنایا جانا، یہ سب وہ امور ہیں جو آیت بالا کے لفظ کُفْتُمُ اَعْدَاءُ کے تحت میں داخل ہیں۔
- بعد ازاں ان سب اختلافات کا اٹھ جانا، نزاعات کا انتزاع، جھگڑوں کا خاتمہ، لڑائیوں کا انسداد و جذبات کینہ و انتقام کا محو ہو جانا، امن عامہ کا قائم ہو جانا اور تمام جزیرہ نمائے عرب میں ایک ہی کلمہ زبان پر، ایک ہی اعتقاد دل میں، ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی مقصود کا منظور ہو جانا، ایک ہی مجبود و معبود کا مستحق عبادت و استعانت سمجھ لینا۔
- بھیڑوں کا گلہ بان ہو جانا، رہزنیوں کا محافظ جان و مال کے لقب سے ملقب ہونا، دشمنان جان کا ایمانی و قلبی انخوان ہو جانا۔
- درحقیقت یہ ایسی نعمت عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بطور تہذکار احسان ضرور ذکر فرمائے اور اسلام اس خصوصیت کو اپنے شرف اور برتری کی دلیل قرار دے۔

اللہ تعالیٰ نے ان مواخات کی تکمیل کرنے والوں میں سے ہر ایک فریق کی تعریف فرمائی ہے۔

مہاجرین کے حق میں فرمایا:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا جُؤُ مِنْ دِيَارِهِمْ وَ آمَا لِهِمْ يَتَّبِعُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَ يَنْصُرُونَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ [الحشر: 8]

”یہ وہ ہیں جو اپنے وطن اور گھریار، زر و مال سے نکال دیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے فضل اور رضوان کے جو یا ہیں اور اللہ اور رسول کی نصرت کیا کرتے ہیں۔ یہی لوگ تو صادق ہیں۔“

آیات بالا میں ان کی مظلومی اور جبراً وطن سے اخراج و چانداد سے محرومی اور بایں ہمہ ان کا ثابت القلب ہو کر اللہ تعالیٰ کے فضل کا خواہاں اور رضوان الہی کا جو یا ہونا اور جملہ وسائل معیشت سے محروم ہونے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی نصرت میں استمرار و استحکام کے ساتھ لگے رہنا بیان فرمایا ہے، اور پھر حصر کے طور پر فرمادیا کہ یہی لوگ صادق ہیں۔

دوسرے مقام پر کل دنیا کے اسلام کو حکم دیا:

﴿ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴾ [التوبہ: 119] ”تم کو صادق لوگوں کی معیت چاہیے۔“

صادقوں کا حصر اور تعین آیت بالا میں کر دیا گیا تھا۔

انصار کے متعلق اسی مقام پر فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ [البقرہ: 9]

”اور دارالہجرت (مدینہ) کے رہنے والے جو پہلے سے ایمان لائے ہیں وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور جو تھوڑا بہت ان کو دیا جاتا ہے، اس کی بابت ان کے سینہ میں خلش نہیں ہوتی، وہ بھی ایثار کرتے ہیں، خواہ وہ خود ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ ہاں جو کوئی تنگ دلی سے بچا یا گیا تو وہ فلاح والا ہے۔“

ان آیات میں دارالہجرت کا قیام اور قدامت ایمان اور محبت مہاجرین اور عطیات میں کمی بیشی سے استغنا اور تنگی و افلاس میں بھی ایثار پر عمل کرنا انصار کرام کی صفت بتائی گئی۔

ہر دو آیات پر مکرر غور کرو۔

① مہاجرین کا ایثار یہ کہ اللہ اور رسول کے لیے گھریا، خویش و تبار کو تنج دیا۔

اور انصار کا ایثار یہ کہ خود تنگی اٹھائی اور مہاجرین کی ضرورت کو پورا کیا۔

② مہاجرین کی فضیلت ایمانی یہ کہ ان کا مقصود رضوان ربانی ہے۔

انصار کی فضیلت ایمانی یہ ہے کہ ہجرت سے بھی پیشتر ان میں ایمان (بعد از بیعت عقبہ) پہنچ گیا تھا۔

③ مہاجرین کی فضیلت یہ کہ ان کے جملہ افعال اللہ اور رسول کی نصرت کے لیے ہیں۔

انصار کی فضیلت یہ کہ انھوں نے مہاجرین کو محبوب بنا لیا اور خود ان کے محبت ہو گئے۔

④ مہاجرین کی فضیلت یہ کہ وہ صادق ہیں۔

انصار کی فضیلت یہ کہ وہ مفلح ہیں۔

یہ ہے وہ اخوت اسلامی جس کا بانی اسلام ہے۔

یہ ہے وہ محبت ایمانی جس کی بنیاد نہ منفعت مالی پر ہے اور نہ لذت نفسانی پر، یہی وہ اخوت ہے جو اغراض سے بالاتر اور مادیت کے اثر سے بلند ہے۔

ذرا میدان احد تک اپنی نگاہ علمی کو وسیع کرو۔

کہ بادشاہ دو جہان کی بیوی، چیتھی ملکہ، مومنین کی ماں طیبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پانی کی مشک کندھے پر اٹھائے ہوئے ہے اور ہر ایک فرزند اسلام کو پانی پلا رہی ہے۔ زخمیوں کے منہ میں قطرہ قطرہ پکڑ رہی ہے۔ کیا کسی دنیوی بادشاہ کی ملکہ نے بھی کبھی ایسا کام کر دکھایا ہے۔ [1]
ایک صحابی کی سنو، حدیثۃ العدوی رضی اللہ عنہا کہتے ہیں کہ وہ میدان جنگ یرموک میں اپنے زخمی بھائی کی تلاش میں نکلا، پانی ساتھ لے گیا تھا۔ بھائی کے پاس پہنچ گیا، اسے پانی پلانے کو تھا کہ دوسرے زخمی کی آواز آئی ”آؤ زخمی نے بھائی کو اشارہ کیا کہ پہلے اسے پلاؤ، وہ اس کے پاس پہنچا، دیکھا کہ وہ ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں، انھیں پانی پلانے لگا تو تیسرے زخمی کی آواز آئی، اس نے کہا، پہلے اسے پلاؤ، اس کے پاس پہنچا تو جاں بحق ہو چکا تھا۔ واپس آیا تو ہشام رضی اللہ عنہ کو پایا کہ جنت کو سدھار گیا، واپس آیا اور بھائی کو دیکھا وہ بھی جام طہور کے سرور حاصل کر چکا ہے۔

میدان جنگ اور زخمی اور آخری سانس اور اپنے اپنے نفس کے مقابلہ میں دوسرے بھائی کا (جو خون کا بھائی نہیں) بلکہ ایمان کا بھائی ہے یہ احترام، یہ تقدم، اسلام کے سوا اور کہاں نظر آ سکتا ہے۔
یہ نہ سمجھو کہ یہ اثر صرف عہد نبوت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہی تھا۔

مبین کے خلیفہ کی لوٹنی زہرا کا نام آپ نے قصر زہرا کے سلسلہ میں سنا ہوگا۔ اس لوٹنی نے مرتے وقت وصیت یہ کی تھی کہ اس کا مال اس مسلمان کی رہائی میں صرف کیا جائے جو کسی غیر قوم کی قید میں مجبوس ہو۔
وصیت کے مطابق تین سال تک یورپ اور افریقہ اور ایشیا میں تلاش کی گئی۔ کوئی ایسا مسلمان نہ ملا۔ آخر اس کا روپیہ اس محل کی تعمیر پر اس کی یادگار میں لگا دیا گیا۔ [2]
کہتے ہیں کہ اس قصر کی لاگت ان دنوں پینتالیس کروڑ (450000000) تھی۔

کہتے ہیں کہ فری مین (Free Man) لاج والے لاج کے اندر ایک دوسرے کو بھائی کہہ کر بلاتے ہیں، ان کی اخوت اور اسلامی اخوت کا مقابلہ کر کے دیکھو، فوراً اقرار کرنا پڑے گا کہ جس اخوت کو اسلام نے پیش کیا ہے، وہ اس کی خصوصیات میں سے ہے۔

فصل ہشتم 8

اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند تر کیا

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں بائبل اور ہادیان مذاہب کی شخصیت کے متعلق جو اعتقادات قبل از اسلام موجود تھے، ان پر غور کرو۔ یہودیوں کا اعتقاد، یعقوب و داؤد و عزیر علیہم السلام کی نسبت کہ ان میں سے ہر ایک خدا کا بیٹا تھا یا پہلونا بیٹا تھا۔ عیسائیوں کا اعتقاد مسیح کی نسبت کہ وہ خدا کا پیارا بیٹا اور قادر المطلق اور ثالث ثالوث (الوہیت کے تین ارکان میں سے ایک) ہے۔

[1] بخاری: 4064، مسلم: 1809 [2] صحیح الطیب: 523/1

ہندوؤں کا اعتقاد 32 آوتاروں کی نسبت کہ پریشمر نے خود مادی جسم قبول کر کے مادی صورت میں جلوہ گری فرمائی تھی۔ مہا بھارت کا بیان۔ کرشن جی مہاراج کی نسبت کہ وہ خود خالق عالم و عالمان تھا۔ پارسیوں کا اعتقاد و زرتشت کی نسبت کہ وہ جہاں تیرتا۔ یعنی عالم ملکوت سے تھا۔

بدھوں کا اعتقاد، مہاتما گوتم بدھ کی نسبت کہ وہ (ارہم) خود ذات پاک تھا۔
سناتن دھرمیوں کا دعویٰ کہ پانچوں پانڈوں کو اکب نورانی کے فرزند تھے۔
تاتاریوں کا دعویٰ کہ آلھو انبیکم کے بیٹے نور کے فرزند تھے۔

یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے بزرگوں کی عزت و توقیر کے بڑھانے میں ایک قابل تعریف کام کیا ہے۔ حالانکہ اس اعتقاد کا لزوم یہ ہے کہ انسانیت کا درجہ اتنا کمتر اور فروتر ہے کہ یعقوب و داؤد اور عیسیٰ و عزیر علیہ السلام کرشن و راجند راور زرتشت و بدھ جیسے اشخاص بشریت میں پائے ہی نہیں جاسکتے، بلکہ یہ درجہ بلند ان استیوں کے لیے ہے جو حقیقتاً انسان نہ تھے۔ ایک منصف غور سے بتلائے کہ اس نے اپنے بزرگ کی صفت کرتے ہوئے انسانیت کو کس قدر ذلیل بنا دیا ہے اور چوں کہ اس بزرگ سے انسانیت کی نفی حقیقتاً کسی طرح نہیں کی جاسکتی اس لیے دراصل اس شخص نے ان کی بزرگی کو کس قدر صدمہ پہنچایا ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے انسانیت کے درجہ کو بلند کیا اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کو انسان بنا کر پھر ان کا مراتب روحانیت میں برتر اور اعلیٰ تر ہونا ثابت کیا ہے۔

اسلام اسے بالکل قلعہ قرار دیتا ہے کہ جب تک کسی انسانی جسم کے اندر خود الوہیت کا حلول تسلیم نہ کیا جائے اس وقت تک کسی برگزیدہ انسان کو ہائے جنس کی رہبری و ہدایت کا شرف بھی حاصل نہ ہو سکے۔ اس قلعہ اصول کے مفساد کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ ہر نظام و جبار نے بھی اپنے لیے وہی درجہ تجویز کیا جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے ہادی مذہب کے لیے ان کے مذہب والوں نے تجویز کیا تھا۔ فرعون رعایا کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

﴿آنا ربکم الاعلیٰ﴾ [النار مات: 24] "میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں۔"

وہ اپنے دربار والوں سے کہا کرتا تھا:

﴿یا بیئھا الملائۃ ما علمت لکم من اللہ عیبی﴾ [انقص: 38]

"اے سرداران دربار، میرے علم میں تو میرے سوا اور کوئی بھی تمہارا معبود نہیں۔"

آتش اوتار، سب سے پہلا جو 9 دفعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے اور ایک بار بھی اس نے جامہ انسانی میں آتا ہے۔ (2) چھ اوتار، مچھلی کی صورت میں ملک دکن میں نمایاں ہوا اور اس کے ظہور کے بعد طوفان عظیم آیا اور 17 لاکھ 28 ہزار سال تک زمین زیر آب رہی۔ (3) کچھ اوتار، جس کی پشت پر کوہ ہندو کی مدھانی رکھی گئی اور سمندر بلوئی گئی اور 14 تالیاب (۱۶۰) اشیاء کا استخراج ہوا

(۱۶) ان 14 چیزوں کے نام یہ ہیں۔ (1) بھجن اوتار، لہن کی شکل میں عشرت عالم کا سامان جمع ہوا۔ (2) گنوت و سن، نہایت قیمتی ہیرے کی شکل میں جس کی قیمت کا اندازہ نہ ہو سکا۔ (3) کلب، برکھ کی شکل میں اسے پار جاتک برچھ بھی کہتے ہیں جسے خزاں نہیں آتی، جس کی خوشبو سے سارا عالم معطر ہے (4) سر، شراب (5) دھتر، طہریب کی شکل میں جس کے داہنے ہاتھ جو تک اور بائیں ہاتھ میں بلبلہ بوقت پیدائش موجود تھا۔ (6) چند ماں۔ ماہتاب (7) کام دین وہ گنوجس کے صحن سے جو شے چاہتے ہو وہ دھکتے ہو۔ (8) اپراہت، نعل سفید کی شکل میں جس کے چار دانے تھے (9) سنگھ و سفید رنگ کا بگری گھونگا جس کے پاس ہوتا ہے وہی فتح پاتا ہے۔ (10) کچھ زہر بلائ (11) امرت۔ آپ حیات (12) اش۔ سات سرو والا گھوڑا۔ (13) ان بھا، خوبرو (14) نیکو خور۔ عورت

کلمہ اللہ موسیٰ علیہ السلام جب اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید و تقدیس بیان فرماتے ہیں اور فرعون کو بتاتے ہیں کہ رب العالمین تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین اور خلا و فضا کا مالک ہے، تب بھی اسے یقین نہ آتا، جب بتاتے کہ رب العالمین تو وہ ہے جو تمہارے باپ دادوں کا پیدا کرنے والا تھا، تب بھی اس کی دیوانگی دور نہ ہوتی۔ جب اسے بتایا جاتا کہ رب العالمین تو وہ ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک تمام عالم کا خالق ہے، تب بھی اس کی عقل درست نہ ہوتی، جملہ دلائل کو سن کر منہ سے بلکا تو یہ کہ:

﴿ لَئِن اَتَّخَذَتِ الْهٰٓءِ غَيْرِيْ لَآ جَعَلْتَنكَ مِنَ الْمَسْجُوْرِيْنَ ﴾ [اشعراء: 29]

”خبردار اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو الٰہ سمجھا تو تجھے قید کر دیا جائے گا۔“

خلیل الرحمن ابراہیم علیہ السلام کے سامنے بھی ایک احمق جبار بادشاہ نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ بھی حیات و موت کے اختیارات رکھتا ہے، یہ احمق سمجھتا تھا کہ کسی شخص کو بلا وجہ پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دینا موت پر قدرت رکھنا ہے اور کسی واجب القصاص کو چھوڑ دینا اسے حیات بخش دینا ہے۔ ان سب غلط فہمیوں کا سبب واحد یہی ہے کہ انسانیت کو سمجھائی نہیں گیا تھا۔

اسلام کا مدعا یہ ہے کہ الوہیت کی صفت علیا کا علوق قائم رہے اور انسانیت کا درجہ بھی اپنے منجھائے عروج تک پہنچ جائے۔ تب یہ تعلیم دی گئی کہ جملہ مقدسین و متبوعین بھی انسان ہی ہیں۔ اللہ کی مخلوق اللہ کے بندے۔

﴿ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ ﴾ [الانبیاء: 7]

”ہم نے تجھ سے پہلے بھی جن کو رسالت کے ساتھ مامور کیا وہ انسان ہی تھے، ہماری وحی ان کو ملتی تھی۔“

﴿ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَكْتُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴾ [الانبیاء: 8]

”ہم نے ان کا جسم ایسا نہ بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور وہ ہمیشہ جیتے رہنے والے بھی نہ تھے“

﴿ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ وَّهُمْ بِآمِرٍۭہٗ يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ [الانبیاء: 26-27]

”وہ تو باعزت بندے ہیں، بات چیت میں اللہ کی اجازت سے آگے نہیں بڑھتے اور اللہ کے حکم پر عمل کیا کرتے ہیں۔“

انسانیت کے ثبوت میں یہ بتلایا کہ وہ کھانے پینے سے مستثنیٰ نہ تھے، نیز ایک وقت پیدا ہوئے اور دوسرے وقت دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کی فضیلت کے ثبوت میں فرمایا کہ وہ صاحب وحی ہوتے تھے۔ منصب دار رسالت ہوتے تھے اور دربار الہی میں اعزاز و اکرام والے ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے معاملات کا اظہار اس طرح فرمایا کہ ان کی زبان اور ان کے جوارح ادب اور حکم کے تحت میں ہوتے، حکم کے بغیر ان کی زبان پر ایک حرف تک نہ آتا اور جب حکم مل جاتا تو اس کی پوری پوری تعمیل کرتے۔ ان آیات میں قوت علیہ اور قوت عملیہ کا بھی ذکر ہے اور ان کے مراتب روحانی کا بھی اظہار اور یہی وہ امور ہیں، جن سے مقدسین کا باوجود انسان ہونے کے جملہ کائنات سے برتر و ممتاز ہونا ثابت ہے۔

ان بیانات سے انسانیت کا درجہ بلند تر ہو گیا، کیوں کہ انسانیت ہی شانستہ رسالت ٹھہری۔ انسانیت ہی شرف دار خطابت ہوئی، انسانیت ہی علم الہی کے نزول و بروز کا سرچشمہ ٹھہری اور انسانیت ہی اعمال کی تکمیل و تعمیل کے امتحان میں کامیاب ہوئی۔ بے شک اس مسئلہ کا اظہار خصوصیات اسلام میں سے ہے اور انسانیت ان کی مرہون احسان ہے۔

اسلام ہی غیر متعصب دین ہے

اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اغیار نے بہت سے جھوٹے الزام اس پر لگائے ہیں اور بعض الزام تو وہ ہیں جو الزام دینے والوں ہی میں موجود اور ثابت تھے، مگر انہوں نے ہوشیاری اور عیاری یہی کی کہ اپنے کرتوت چھپانے کے لیے انہی باتوں کو مسلمانوں کے سر تھوپ دیا اور پھر نا اہل مسلمانوں کے افعال کو تعلیم اسلام کا نتیجہ قرار دے کر مذہب اسلام کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

- ① تعصب کے معنی یہ بھی ہیں کہ عطاءے حقوق کے وقت کسی کو حق سے زائد دیا جائے اور کسی کو حق سے کم۔
- ② اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ دوسرے لوگوں کی آزادی عقل اور حریت مذہبی پر ناجائز بندشوں کا بار ڈالا جائے۔
- ③ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی حمایت میں دیگر مذہب کو حق حفاظت سے محروم کر دیا جائے۔
- ④ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی برکات و انوار کا مستحق خود اپنے ہی آپ کو سمجھا جائے اور دوسروں کو ان برکات و انوار سے بالکل دور رکھا جائے۔

بھم اللہ کہ اسلام کی تعلیم ان جملہ نفاہس سے پاک ہے۔ قرآن عظیم اور رسول کریم ﷺ نے ہمیشہ تعصب کی ان جملہ اقسام کو برائیاں اور اپنے دامن کو اس خا زار سے ہمیشہ بلند تر رکھا۔

تعصب کے ہر چہار (4) اقسام کی نفی کا یقین مندرجہ ذیل آیات قرآنی اور معاملات اسلامی سے بخوبی ہو جائے گا۔

- ① ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ [المائدہ: 1]
”اے ایمان والو! معاملات کو پورا کیا کرو۔“
- ② ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا﴾ [المائدہ: 2]
”اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبہ سے روکا تھا۔ تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرنے لگو۔“
﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِنِّمِ وَالْعُدُوَانِ﴾ [المائدہ: 2]
”نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور سرکشی میں مدد نہ کرو۔“
- ③ ﴿قُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ الْمَاصِيرِ﴾ [الشوری: 15]
”اے رسول کہہ دیجیے، اللہ نے جو کتاب میں اتارا، میرا اس پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کیا کروں۔ ہمارا رب اور تمہارا رب اللہ ہی ہے۔ ہم کو ہمارے اعمال، تم کو تمہارے اعمال۔ ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہی ہم کو اکٹھا کرے گا اور اللہ ہی کی طرف بازگشت ہے۔“
- ④ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ [المائدہ: 8]

”اے ایمان والو تم (1) اللہ کے واسطے قائم رہنے والے (2)۔ انصاف کے ساتھ سچی گواہی دینے والے بن جاؤ (3)۔ اور کسی قوم کی عداوت تم کو بے انصافی کی طرف نہ کھینچ لے جائے (4)۔ عدل کیا کرو، عدل ہی خدا ترسی سے قریب تر ہے، اللہ سے ڈرو، وہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔“

﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴾ [آل عمران: 64]

”اے رسول کہہ دیجیے کہ اے یہودیو اور اے عیسائیو، اے کتاب والو، آؤ ایک ایسی بات پر سمجھوتہ کریں جو ہمارے تمہارے لیے مساوی ﴿ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں ﴾ اللہ کا شریک کسی کو نہ بنائیں ﴿ اللہ کے سوا کوئی انسان کسی انسان کو اپنا رب نہ ٹھہرائے۔ اگر یہ لوگ اس پیغام سے انکار کریں، تب ان سے کہہ دو کہ تم گواہ رہنا ہم تو ان حکموں کے ماننے والے (مسلمان) ہیں۔“

﴿ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ﴾ [البقرہ: 256]

”دین کے معاملہ میں کسی پر کوئی دباؤ یا سختی نہیں، ہدایت اور گمراہی کو تو صاف الگ الگ واضح کر دیا گیا۔“

ان آیات کے بعد کیا کوئی دوسرا شخص بھی اپنی پاک کتاب میں ایسی یا اس سے اعلیٰ تعلیم کی موجودگی ثابت کر سکتا ہے۔

ہاں! ان آیات کی تعلیم میں رواداری کے جو نمونے، بے تعصبی کے جو ثبوت ہادی اسلام ﷺ نے اور حضور ﷺ کے

خلفائے راشدین المہدین نے اور ملوک عظام نے دنیا کے سامنے پیش کیے، وہ سب اسلامی کتب میں اب تک موجود ہیں۔

نبی ﷺ نے مدینہ پہنچ کر جو معاہدہ یہودیوں کے ساتھ کیا تھا، وہ قابل ملاحظہ ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہودی وہ ہیں جن کے ساتھ نہ کبھی باہل کی بت پرست سلطنت نے حسن سلوک کیا اور نہ مصر کی حکومت نے ان پر رحم کھایا اور نہ یہوداہ کی نسل میں پیدا ہونے والے مسیح علیہ السلام کی امت نے ان کو کبھی انسان یا آدمی سمجھ کر ان سے کبھی کوئی مراعات کی۔

نصاری کے ساتھ نبی ﷺ کا معاہدہ بھی ملاحظہ طلب ہے، ان معاہدات کو رحمۃ للعالمین جلد اول میں پڑھ لیجیے اور انصاف

کیجیے کہ کیا ان سے اسلام اور داعی اسلام کی بے تعصبی، سیر چشمی اور کس قدر رواداری ظاہر ہوتی ہے۔

حکمرانان امویہ و عباسیہ و اندلس و قاطیبیہ کی شان و شوکت کے زمانوں میں اقوام غیر کا پورے حقوق اور آزادی کے ساتھ صدیوں

تک آباد رہنا۔

یہودیوں، عیسائیوں کا بلا امتیاز حد سے ہر ایک منصب پر فائز ہو جانا ہماری روشن دلیل ہے۔ ہندوستان پر نظر ڈالیے۔ اس وقت

اونچی قوموں کے لیے لفظ آریہ نہایت موزوں سمجھا جاتا ہے۔ مگر آریہ ورت کا جو رقبہ ستیا رتھ پرکاش میں محدود کیا گیا ہے اس میں احاطہ

مدراں اور احاطہ بنگال اور شمال مغربی صوبہ شامل نہیں ہو سکتے۔ صوبہ بہار کے اکثر مقامات بھی اس آریہ ورت کے رقبہ سے باہر ہیں۔ اس

احاطہ بندی نے کروڑوں انسانوں کو شریف قوم یا آریہ کہلانے سے محروم کر دیا ہے۔

مسلمانوں کی فیاضی دیکھو کہ انھوں نے دریائے اٹھو (انک) کو قدرتی حد قرار دے کر اس طرف والوں کو ہندو لقب دیا۔ اس نام

کے تحت میں اس ملک کے رہنے والی سب قوموں کا اجتماع ہو گیا اور ان میں جمعیت پیدا ہو گئی اور کسی کو غیر شریف کہنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔

بعد ازاں جب مسلمانوں کا یہاں کے لوگوں کے ساتھ معاملہ پڑا تو انھوں نے لالہ کا خطاب دیا، جس کے معنی بڑا بھائی ہیں اور یہ لغت اب تک سرحدی صوبہ میں اس معنی میں مسلمانوں میں مروج ہے۔ لالہ موئی ایک مشہور ہستی اور مشہور ریلوے انجینئر ہے جو ایک بزرگ مسلمان کے نام سے آباد ہوئی تھی۔

اورنگ زیب کو متعصب کہا جاتا ہے مگر اس کے دربار میں ہندو امراء کی فہرست اکبر کے دربار سے (جس کی بے تعصبی مسلمہ ہے) زیادہ لمبی ہے۔

اورنگ زیب نے راجپوتانہ کی کسی ہندو ریاست کو شامل ملک محفوظ نہیں بنایا، حالانکہ دکن کی چار اسلامی سلطنتوں کو فتح کر کے جزو سلطنت بنا لیا تھا۔

سٹی اور صغریٰ کی شادی کے خلاف بھی کوئی مداخلت نہ کی۔ دارالسلطنت آگرہ اور دارالخلافت دہلی کے قرب و جوار میں اب تک ہندو صاحبان کی آبادی مسلمانوں سے زیادہ ہے۔

ہندو راجاؤں کو جو خطابات عطا کیے ہیں، ان کو ملاحظہ کرو۔ کیسے عظیم الشان ہیں۔ ہر ایک خطاب کے ساتھ نیا علاقہ بھی ضرور ہوتا تھا۔ ذرا اس سلوک کو بھی دیکھیے کہ ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمانوں کو اچھوت کا درجہ دیا، مگر مسلمانوں نے کبھی ان کو اچھوت نہ بنایا۔ تجارت کو بالکل ہندوؤں کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا۔ مندروں پائٹ شالاؤں کے لیے جاگیریں دیں، اہلیا گتوں کے لیے لنگر کھولے۔

اپنے سابقہ وطن سے قطع تعلق کر کے ہندوستان ہی کو چینی اور مرنے کے لیے پسند کیا، اپنی زبان کو چھوڑ کر یہاں کے باشندوں کی زبان کو اپنی زبان بنایا اور اسی کو محلات اور دربار کی زبان قرار دیا۔

غور کے بعد بتاؤ، بے تعصبی کا ثبوت ان امور سے بڑھ کر کوئی معترض خود بھی اپنے فعل و قول سے پیش کر سکتا ہے؟ بیرونی تجارت عرب اور چینوں کے ہاتھ میں تھی، جب یورپین اقوام نے ہندوستان کی طرف قدم بڑھایا تو ان کو خیر مقدم کہا گیا، ان کا مال کسٹم ڈیوٹی سے آزاد کیا گیا۔

سیاست حالیہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی بیرواداری اور بے تعصبی ہی ان کی سلطنت اور اقتدار کے زوال کا باعث ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ ایک سیر چشم مسلمان اس اعتراض کو اپنے اوپر چسپاں کر لینے پر رضامند ہو سکتا ہے، مگر وہ یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اسلام میں تعصب ہے۔

ہمارے اس مضمون کو پڑھ کر شاید کوئی صاحب غزوات و سرایائے اسلام کا حوالہ دیں اور حروب عرب کو تعصب دینی کی دلیل قرار دیں، لیکن درحقیقت ایسا کرنا تاریخ اور عقل و واقعات سے ناواقفیت پر مبنی ہوگا۔

ہم نے غزوات و سرایا کا مکمل مضمون اسی کتاب کی جلد دوم میں تحریر کر دیا ہے اور بطور نتیجہ دکھلایا ہے کہ نبی ﷺ کے غزوات صرف اسی قوم اور خاندان کے ساتھ ہوئے، جس میں سے خود حضور ﷺ اور سابقون الاولون بھی تھے۔ حضور ﷺ ہی کی قوم نے اسلام کی عداوت و مخالفت میں سارا زور لگایا اور انہی سے لڑائیاں ہوئیں۔ لہذا یہ خاندانی جھگڑا کسی طرح تعصب دینی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ میں یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی جنگیں نہ اپنی تعلیم کی اشاعت کے لیے تھیں اور نہ دوسرے مذاہب کے لیے موجب اکراہ تھیں۔ رب العالمین نے اسلامی حروب کے متعلق جو وجہ بیان کی ہے، وہ قرآن مجید میں موجود ہے:

﴿لَوْ لَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهَيَّجَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ

اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ، إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ [آج: 40]

”اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی مدافعت نہ کرتا اور بعض کے ذریعہ بعض کو نہ ہٹا دیتا، صوامع، بیع، صلوات اور مساجد میں اللہ کا ذکر بہت کیا جاتا ہے ضرور گرا دی جاتیں اور اللہ تو اس کی مدد ضرور کرتا ہے جو اللہ (کے مقاصد) کی مدد کرتا ہے اللہ تو قوت والا اور غلبہ والا ہے۔“

صَوَامِعُ صومعہ کی جمع ہے۔ لغت میں اس عمارت کو کہتے ہیں، جو اوپر سے پتلی ہوتی جائے، ورویشان قوم ترسا کے خلوت خانے اسی شکل کے ہوتے تھے۔ ہندوؤں کے مندروں کی شکل بھی یہی ہے اور اس نام سے معروف ہیں۔
بِیَعٌ بیعہ کی جمع۔ عیسائیوں کا گرجا۔ صَلَوَاتٌ یہ عبرانی صلوٰۃ کا معرب ہے۔ عبادت گاہ یہودوں۔ مَسَاجِدُ معبد مومنین المسلمین۔
آیت بالا ظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس لیے دی گئی کہ وہ حملہ مذہب کی آزادی کو قائم کر دیں، بدامنی دور کر دیں۔ پارسیوں، عیسائیوں، یہودیوں کی عبادت گاہوں کو اور مسلمانوں کی مسجدوں کو کوئی شخص نہ گرا سکے۔
تاریخ کا ادنیٰ واقف بھی جانتا ہے کہ ایرانیوں نے بہ عہد پرویز ایشیائے کوچک پر قابض ہونے کے بعد عیسائیوں کے گرجاؤں کو گرا دیا تھا اور دس (10) سال کے بعد عیسائیوں نے مکرر غلبہ کے بعد پارسیوں کی پرستش گاہوں کو فنا کر دیا تھا۔
یہودیوں کے عبادت خانے تو سب کے سب شاہان روما کے ظلم و تعصب کی وجہ سے زمین کے برابر کر دیے گئے تھے، حتیٰ کہ یروشلم کی زمین کو بھی جس کی عمارت 80ء میں نیروشاہ رومانے گرا دی تھی۔ قسطنطین (اولین عیسائی بادشاہ) کی والدہ کے حکم سے کوڑا کرکٹ گرانے کی جگہ بنایا گیا تھا۔ مسلمانوں کی مساجد تو بالکل ہی غیر محفوظ تھیں، کیوں کہ پارسی و ترسائی و نصرانی مسلمانوں کے خلاف بالاتفاق عداوت پڑے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اٹھایا اور انہی کے دوش پر معاہدہ عالم کی حفاظت کا بار رکھا اور انہوں نے اس بار کو خوش گوار فرض کے طور پر اٹھایا۔

آیت بالا میں ایک پیش گوئی بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی جنگیں اصول بالا کے لیے ہوں گی تب ان کو منجانب اللہ نصرت عطا کی جائے گی اور وہ ہر ایک اس قوم کے مقابلہ میں جو کسی دوسرے مذہب کے معاہدہ کو تباہ کرنے والی ہے، ضرور مظفر و منصور ہوں گے۔

رب العالمین کے اسی کلام صداقت نظام کا اثر اور معجزہ تھا کہ خلافت صدیق ؓ، فاروق ؓ اور ذوالنورین ؓ میں اسلامی لشکر کو کسی ایک جگہ پر بھی شکست نہیں ہوئی، بلکہ ہر ایک جگہ ﴿إِنَّا جُنَدْنَا لَهُمُ الْعَالَمُونَ﴾ اللہ ہی کا لشکر غالب آئے گا، کا نظارہ نظر آتا رہا اور اس کامیابی نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی جنگیں ٹھیک اسی اصول (حفاظت و احرام معاہدہ مذہب عالم) پر تھیں۔

کیا اب بھی کسی کے نزدیک اسلامی جنگیں قابل اعتراض ہو سکتی ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ مسلمانوں ہی کا حوصلہ تھا کہ اپنی جانیں قربان اور اپنے سینوں کو آماج تیرو سنان بنا کر غیر مسلموں کے معاہدہ کی حفاظت کی۔ کیا کوئی اور قوم بھی اپنی بے تعصبی کا ثبوت اس طریق سے دے سکتی ہے۔

ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھو کہ اسلامی قبضہ سے پیشتر شام و فلسطین و عراق و مصر میں پیشوایان عیسائیت اور فرمان روایان کلیسا نے عام لوگوں کو اور پھر فرقہ واری کے جنون میں خود جیسا بیوں کی جان و مال کو کس قدر محفوظ رکھا تھا۔

وہ مسائل جن پر صدیوں تک عیسائی فرقوں میں خون ریزی جاری رہی، یہ تھے۔

① کیا مسیح علیہ السلام ایک جسم اور ایک روح والا تھا؟

② کیا مسیح علیہ السلام ایک جسم اور دو روح والا تھا؟

③ اگر وہ ایک جسم اور ایک روح والا ہی تھا، تب اس کے جسم میں انسانی روح تھی یا الوہیت کی روح؟

④ اگر اس کے اندر انسانی روح تھی، تب اس کی الوہیت کی ابتداء کس طرح سے اور کب سے ہوئی؟

⑤ اگر مسیح علیہ السلام ایک جسم اور دو روح (انسانی اور الہی) والا تھا، تب کون سی روح غالب تھی؟

⑥ کیا کبھی روح الوہیت روح انسانی پر اور کبھی روح انسانی روح الوہیت پر غالب بھی آ جایا کرتی تھی؟

⑦ مسیح علیہ السلام کا صلیب پر چڑھنا مع روح الوہیت تھا یا بلا روح الوہیت تھا؟

⑧ اگر مصلوبی کے وقت روح الوہیت شامل نہ تھی، تو روح انسانی کیوں کر گنہگاروں کے گناہوں کی برداشت کی متحمل ہوئی؟

⑨ اگر روح الوہیت شامل تھی تو کیا الوہیت بھی مصلوب ہوئی؟

الغرض ایسی ایسی موٹھکانیوں نے مسیح کی صاف اور سچی تعلیم کو ایک عجیب گورکھ دھند اہنہا دیا تھا۔ نئی نئی بدعات کے ساتھ نئے نئے فرقے بنتے تھے اور ایک دوسرے کا گھلا کاٹنا اپنے نزدیک مسیح کی خوشنودی کا موجب سمجھتے تھے۔

اس خون ریزی کو دنیا کے بہت بڑے رقبہ پر صرف اسلامی قبضہ ہی نے بند کیا۔

ایران پر مشرور کیا اصول کی حکومت تھی اور کسی عورت کو زندہ رہنے کا حق نہ تھا، جب تک وہ اپنے آپ کو قوم کی مشترکہ جائداد نہ بنا دے۔

پوران دخت و ایران دخت جیسی صاحب تخت و تاج حکمرانوں نے اس اصول کی تعمیل نہ کرنی چاہی تو فوراً ان کو تخت کی جگہ تخت

موت دیکھنا پڑا۔

اسلامی قبضہ ہی نے ایران کے جان و مال کو محفوظ کیا اور اسلام ہی کی بے تعصبی ان کی زندگی کا سبب ٹھہری۔

کتاب ستیا رتھ پرکاش میں گوشائیں، ہیراگی چچراکت (آچاری) ویشنو آوک، دام مارگی، چوٹی، مارگ فرقوں کے فحش افعال

اور فحش منتروں کا ذکر موجود ہے۔ ایسے فرقوں کا وجود ہندو میں باہمی جنگ و جدال کا موجب تھا۔

ہند میں داخل ہونے والی ہندو قوموں نے یہاں کے مفتوحین کو اچھوت قرار دیا تھا۔ ہزاروں سال سے اسی پر اب تک عمل موجود ہے

اور بدھ ازم اور جین مت نے ہندوں کی نسلوں اور پشتوں کو تباہ کرنے میں اور شکر اچارج کے قائم کیے ہوئے بدھ مت نے لوگوں کو ہندوستان

سے خارج کرنے میں جو جو کارنامے اس ملک میں کیے ہیں وہ تعصب کی خوبی داستان ہے۔ اسی تعصب اور عناد باہمی کا نتیجہ تھا کہ سارے

ہندوستان پر کسی ہندو راجہ کو شاہانہ حکومت حاصل نہ ہوئی اور یہاں کی ہر ایک چھوٹی حکومت دوسری چھوٹی حکومت سے برس پیکار رہی۔

اسلام ہی کی بے تعصبی نے ان سب فرقوں کو اور سب حکومتوں کو اور جملہ مذاہب کو اپنی اپنی حدود کے اندر رہنے کی تعلیم کو دولت

برطانیہ نے اسلامی سلطنت سے اپنے چارج میں حاصل کیا ہے۔ اور ان سینکڑوں مذاہب پر ملک ہندوستان میں حکومت کرنا نسبتاً بہت آسان ہو گیا، مگر اس کے مقابلہ میں انگلینڈ و ویلز آئر لینڈ و سکاٹ لینڈ پر حکومت کرنا زیادہ دشوار رہا، جن میں یہ لحاظ صرف دو ہی فرقے پرائسٹنٹ (Protestant) اور کاتھولک (Catholic) آباد ہیں۔

عام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام میں تعصب نہیں۔

فصل دہم 10

اسلام ہی دین المحبت ہے

ذرا غور کرو کہ اسلام معرفت الہی کی تعلیم کن الفاظ میں دیتا ہے۔

① وہ رب العالمین ہے، ہر ایک شے جو نمودار ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے، جو نشوونما قبول کر سکتی ہے، جو کسی حرکت سے متحرک ہے، اسے وجود بخشنے والا، اس کی ہستی کو قائم رکھنے والا، اس کے خواص کی حفاظت کرنے والا۔ اس کی ماہیت و کیفیت خاص سے اسے امتیاز بخشنے والا، اس کی ضروریات حیات کو بہم پہنچانے والا وہی ہے، جو اسلام کا اللہ ہے۔

② وہ رحمن ہے۔ یہ لفظ لغوی حیثیت سے لفظ رحمت سے ماخوذ کے لیے وضع ہوا ہے اس کا ترجمہ کمال رحمت والا ہے

سلسلہ وحی کا قیام برکات سماوی کا نزول، انوار عرفان کا انعکاس اسی رحمت کا نتیجہ ہے۔

ارض و سما اور خلاء و فضاء کا قیام اسی رحمن کے حکم سے ہے چرند پرند کی بقا اسی رحمن کے عطیہ سے ہے۔

رحمن وہی ہے جو ہر ایک در ماندہ کی توانائی ہے۔ ہر ایک پسماندہ کی ہدایت ہے، اسی کی استعانت ہمیں اس کی رحمت تک لے جاتی ہے۔ اسی کی رحمت قعر فرش سے انتہائے عرش تک قادر و متصرف ہے۔

③ وہ ”رحیم“ ہے۔ رحم رحیم سے ہے۔ لغوی حیثیت سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اس وزن کے الفاظ اپنے اپنے معانی کے لحاظ سے معنی و دوام پر حاوی ہوتے ہیں۔ لہذا اسم پاک رحیم ظاہر کرتا ہے کہ رحم ہمارے مالک کی ان صفات کاملہ میں سے ہے، جن کو ذات پاک کے ساتھ لزوم و دوام حاصل ہے۔ حدیث ترمذی ④ میں آیا ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا۔

أَلَيْسَ اللَّهُ أَرْحَمَ بَعِيدِهِ مِنَ الْأُمِّ بِوَلَدِهَا

”کیا اللہ کا پیارا اپنے بندوں کے ساتھ اس پیار سے زیادہ نہیں، جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے۔“

فرمایا یہ بات بالکل درست ہے۔

ایک حدیث میں ہے: اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمَكُم مِّنْ فِي السَّمَاءِ۔ ⑤

خوب حال پانی پی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ نے اسی کا ترجمہ اپنی مقبول عام و خاص مسدس میں فرمایا ہے۔ ⑥

① ابن ماجہ: 4297، ترمذی: 41/9، ترمذی: 202/3، الدرر السنن: 36/3، خوب الطاف حسین حالی کی وفات پر قائم نے یہ تفسیر تاریخ تحریر کیا تھا۔

سال وفات مطہر حق حالی بزرگ سلمان سروش خمبہ بمن گفت یاد دار

چوں بیزرہ زیادہ دوم مکنی شہر سے بار سے نویں و بیک بار یک نگار

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا يُرْحَمُ مَنْ لَا يُرْحَمُ ” جو کوئی خود رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ کے رحم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میراث ذوی الارحام (ماں کی طرف سے رشتہ داروں کو بھی حصہ دار ٹھہرایا ہے اور اس کے رحم نے اس حکم کی اشاعت اپنے نبی ﷺ کی زبان سے کر دی۔

الْوَحْمُ مِنَ الْوَحْمِ رَحْمٌ تَوْحُّنٌ سے نکلا ہے جو کوئی اپنے ہاں کی قرابت رحم کو نہیں جوڑتا وہ رَحْمَن سے اپنا تعلق توڑتا ہے۔
 (4) وہ جبار ہے، اسمائے حسنیٰ میں جبار کے معنی وہ نہیں جو عوام نے سمجھے اور جبر کو ظلم و ستم کا مترادف خیال کیا، بلکہ جبار کے معنی ہیں ”شکستہ دلوں کی شکستگی کو دور کرنے والا“ دکھیاؤں کے درد دکھ کو توڑ دینے والا“

(5) قہَّار ہے، یہاں بھی قہر بمعنی غیظ و غضب نہیں، بلکہ قہر کے معنی حکومت ہیں۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وہ اپنے بندوں پر حکمران ہے۔

(6) وہ بَرٌّ ہے، بہترین سلوک کرنے والا، احسان فرمانے والا ہے۔

(7) وہ مُجِيبٌ ہے، بندوں کی دعا پر ارتھنا کو قبول فرماتا ہے۔

(8) وہ رَقِيبٌ ہے، بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

(9) تَوَّابٌ ہے گنہگاروں کی معذرت قبول فرماتا، تازہ القاب سے ان کو خوشی بخشتا ہے۔

(10) وہ وَهَّابٌ ہے، بے اندازہ نعمتوں کا عطا فرمانے والا۔

(11) وہ مُقِيبٌ ہے، روزی رساں۔

(12) وہ نُورٌ ہے، آسمانوں اور زمین کی ضوء و ضیا اسی سے ہے۔ شمس و قمر کو روشنی اسی سے ملی ہے۔ آنکھوں کی بینائی اسی نے دی ہے۔ مومن کے دل کا چراغ اسی کے نور سے روشن ہے۔

(13) وہ فَتَّاحٌ ہے، انسان سے مصیبتوں کو دور کرتا ہے، اس کی مشکلات کو حل فرماتا ہے۔

(14) وہ رءُوفٌ ہے، گہرا پیار کرنے والا، دل نواز، ہندہ پرور۔

(15) وہ حَيٌّ ہے، زندہ اور حیات آفرین اور حیات بخش۔

(16) وہ قَيُّومٌ ہے، پائندہ اور قیام بخشنده۔

(17) وہ وَكِيٌّ ہے، ولا و حجت اس کی ذات میں ہے۔

(18) وہ عَفُوٌّ ہے، بار بار معاف فرماتا ہے، معاف کر دینے کو پسند کرتا ہے۔

(19) وہ هَادِيٌّ ہے، ساکان راہ کو منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

- 20) وہ مُغْنِيٌّ ہے، غنا بخشے والا، بندہ کو دوسرے بندہ کی احتیاج سے نجات دینے والا۔
- 21) وہ مُعْطِيٌّ ہے، اس کا عطا و نوال بے پایاں ہے۔
- 22) وہ کَرِيمٌ ہے، دیتا ہے اور معاوضہ کی اسے ضرورت نہیں۔
- 23) وہ رَزَاقٌ ہے، جسم اور روح کے قیام کے لیے جیسی خوراک، بحر و بر کے رہنے والوں کی ہو اور تحت الطری میں سانس لینے والوں کو ہر ایک کے مناسب غذا عطا فرماتا ہے۔
- 24) وہ غَفُورٌ ہے، گناہ و خطا کو چھپا دیتا ہے، دور کر دیتا ہے۔ اسلام میں اسمائے حسنیٰ کا شمار نانوسے (99) ہے۔ ہم نے اس جگہ چوبیس (24) نام ایسے پیش کر دیے، جن سے محبت کا جلوہ موجود ہے، اس سے آگے
- 25) وہ وَدُودٌ ہے۔ وُدُّ زبان عرب میں محبت کی قسم اعلیٰ کو کہتے ہیں۔ ایک آیت ہے جس میں رحمت اور ود دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

فرمایا:

- ﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾ [مربہ: 96] ”رحمن ان کے لیے دو کو مہیا فرمائے گا۔“
- ایک دوسری آیت میں غفران اور ود کو جمع فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ﴾ [البرہ: 14]
- بعد ازاں دیکھو کہ حب اور اس کے مشتقات کا بھی اللہ و رسول کے کلام میں بکثرت استعمال فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کے ایک ہی مختصر جملہ میں بندوں کی محبت کا اللہ کے ساتھ اور اللہ کی محبت کا بندوں کے ساتھ ہونا ثابت فرما دیا ہے۔
- ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ [المائدہ: 54] ”سچے بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔“
- بعد ازاں صراحت کے لیے یہ بھی ظاہر فرمایا کہ محبت الہی کی شانگلی کیسے بندوں کو حاصل ہے:
- ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [البقرہ: 195] ”اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“
- ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ [المائدہ: 42] ”عدل و انصاف کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔“
- ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرہ: 7] ”تقویٰ والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔“
- ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ﴾ [البقرہ: 222] ”رجوع الی اللہ کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔“
- ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ [آل عمران: 146] ”صبر کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔“
- ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُطَهِّرِينَ﴾ [البقرہ: 108] ”پاک صاف رہنے والوں، طہارت والوں سے اللہ محبت کرتا ہے“
- ان آیات سے یہ ثمرات حاصل ہوتے ہیں کہ اوصاف احسان اور توبہ اور عدل و تقویٰ اور صبر طہارت کا اپنے اندر جمع کر لینا اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

چند آیات مبارک میں یہ بھی ظاہر فرمایا کہ کون لوگ ہیں، جن کو محبت الہی حاصل نہیں ہو سکتی۔

- ﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّ﴾ [النساء: 148] ”برائی کی اشاعت اللہ کو ناپسند ہے۔“
- ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ [البقرہ: 190]
- حد و الہی کو توڑنے والے قانون شرعی کا احترام نہ کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ [النساء: 36] اللہ تعالیٰ حیلہ باز، اترانے والے کو ناپسند کرتا ہے۔
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفٰرِحِينَ﴾ [النحل: 58] ”خیانت کرنے والوں کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔“
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ﴾ [الحج: 38]
 ”خیانت کرنے والے احسان کو ملیا میٹ کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔“
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفٰرِحِينَ﴾ [القصاص: 76] ”شخی باز اترانے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔“
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ [القصاص: 77] ”فساد اٹھانے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔“
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ﴾ [الروم: 45] ”کافر اللہ کو ناپسند ہیں۔“
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ [الاعراف: 31] ”اسراف کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔“
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الظَّٰلِمِينَ﴾ [الشورى: 40] ”ظلم کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔“
 ان آیات سے کیا فوائد حاصل ہوئے۔

کہ برائی کی اشاعت کرنا آئین ظنی، حیلہ بازی، عیاری، خیانت، ناشکری، احسان فراموشی، فساد انگیزی، کفر، اسراف، ظلم وہ اخلاق ذمیرہ ہیں جن کے ارتکاب سے انسان محبت الہی سے محروم ہو جاتا ہے۔
 محبت کا اتنا مکمل بیان ثابت کرتا ہے کہ اسلام دین المحبت ہے۔

اب سیدنا مولانا نبی کریم ﷺ کے ارشادات سنو:

﴿۱﴾ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تَوْمِنُوا وَلَا تَوْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا۔ [۱]

”جب تک ایمان نہیں، تب تک جنت میں داخل نہ ہوگا۔ جب آپس کی محبت نہیں تب تک ایمان نہیں۔“

﴿۲﴾ مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادُّهِمْ وَكِرَامِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عَضُوهُ لَقَدْ دَعَى لَهُ بِالسَّهْرِ وَالْحُمَى۔ [۲]

”آپس کی محبت، آپس کے پیار و آپس کے تعلقات میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے، جو چند اعضاء سے مرکب ہوتا ہے۔ پھر اگر ایک عضو کو تکلیف ہو جاتی ہے تب سارے جسم کے سارے اعضاء بے خوابی و تپ و بے تابی میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔“
 غور کرو یہاں تواد، ترحم، اور تعاطف تین الفاظ کا استعمال فرمایا گیا ہے۔ تواد بتلاتا ہے کہ خیر اندیشی و خیر طلبی کا وہ درجہ حاصل ہو جائے کہ اپنے اغراض و مقاصد کو دوست کی غرض و مقصد پر قربان کرنا آسان ہو۔
 ترحم ظاہر کرتا ہے کہ دوست کی مصیبت کا احساس تمہارے دل میں ہو۔

تعاطف یہ کہ ایک دکھ میں ہے تو اس کا درد دوسرے کو ہے۔ ایک کا کام اٹکا ہوا ہے تو دوسرا اس کی تدابیر میں لگا ہوا ہے۔

﴿۳﴾ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ لَأَنَاسًا مَّا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يُغِبُّهُمْ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

[۱] مسلم: 54، ابوداؤد: 5193، ترمذی: 2688، ابن ماجہ: 68، ابن حبان: 236

[۲] بخاری: 6011، مسلم: 2586، ابن ماجہ: 3984، ابن حبان: 297، 233، ترمذی: 2173

لَمَّا كَانَتْ مِنْهُم مِّنَ اللَّهِ تَعَالَىٰ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ تَنْجِرُنَا مَنْ هُمْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوحِ اللَّهِ عَلَىٰ غَيْرِ أَرْحَامٍ
بَيْنَهُمْ وَلَا أَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا قَوْلَ اللَّهِ إِنَّ وُجُوهُهُمْ لَنُورٌ وَإِنَّهُمْ لَعَلَىٰ نُورٍ لَا يَخَافُونَ إِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا
يَحْزَنُونَ إِذَا حَزَنَ النَّاسُ وَقَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ①

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، بندگانِ اللہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ نبی ہیں، نہ شہید، لیکن ان کا درجہ جو اللہ کے ہاں ہے اس کی وجہ سے نبی اور شہید بھی ان کو چاہت کی نظروں سے دیکھیں گے۔ لوگوں نے پوچھا حضور و کون ہیں؟ فرمایا: یہ وہ محبت کرنے والے ہیں جن کی باہمی محبت صرف للہیت پر ہے۔ قربت یا مال و زور کی داد و ستد پر نہیں۔ ان کے چہرے پر نور ہوں گے اور وہ نور پر ہوں گے۔ جب سارے لوگ غم و اندوہ میں ہوں گے مگر ان کو غم نہ ہوگا، نہ حزن۔ بعد ازاں حضور ﷺ نے یہ آیت ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ تلاوت فرمائی۔

اس حدیث پر غور کرو کہ ولایت ربانی کو باہمی محبت ایمانی کا ثمرہ فرمایا گیا ہے اور اس محبت کا ثمرہ وہ قرب وہ جملین ہے جو بروز حشر ان کو حاصل ہوگی۔

④ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيُّنَ الْمُتَحَابِّينَ لِحَبْلِي الْيَوْمَ أُظْلِمُهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا لِي ②

”اللہ تعالیٰ بروز قیامت فرمائے گا کدھر ہیں وہ جن کی باہمی محبت صرف میرے لیے تھی۔ میں آج ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ جب کہ میرے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں۔“

ہر شخص جانتا ہے کہ والدین کا سایہ کیسے ناز و صمیم کا موجب ہوتا ہے اور کسی مہربان حکمران کا سایہ کتنے اقبال و دولت کا ضامن ہوتا ہے۔ اسی پر الہی سایہ کی وقعت و قدر و منزلت کا قیاس کر لو۔ اگرچہ ہم ان نعمتوں کا قیاس ہی نہیں کر سکتے، جن کو نہ آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا اور نہ دل آج تک اس کی ماہیت کو سمجھ سکا ہے۔

⑤ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَىٰ وَجِبَّتْ مُحِبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِيَّ وَالْمُتَحَابِّينَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِينَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِينَ فِيَّ ③

(نبی ﷺ) نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری محبت ان اشخاص کے لیے واجب اور ضروری ہوگی ہے (1) جن کی محبت میرے لیے ہے (2) جن کا آپس میں مل بیٹھنا میرے لیے ہے۔ (3) جو میرے لیے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔ (4) جو میرے لیے بذل و صرف کرتے ہیں۔

محبت کے آثار و موجبات بھی نبی ﷺ نے بیان فرما دیے فرمایا:

① الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَكْذِبُهُ وَلَا يَنْظِلُمُهُ وَإِنَّ أَحَدَكُمْ مِرَاةَ أَخِيهِ فَإِنْ رَأَىٰ أَدْبَىٰ فَلْيُصِطْ عَنْهُ ④

”مسلم، مسلم کا بھائی ہے، وہ نہ اسے رسوا کرے، نہ جھٹلائے، نہ ظلم کرے، تم ایک دوسرے کے لیے مثل آئینہ ہو، اگر اپنے بھائی میں کوئی تکلیف دہ بات دیکھو تو اسے دور کرو۔“

① ابوداؤد ابن حبان: 573، مسلم: 2566، موطا: 952/2، دارمی: 312/2، احمد: 952/2، ابن حبان: 574

② ترمذی: 2390، ابن حبان: 575، 577، موطا امام مالک: 953/2، مسند احمد: 233/5، 239/5، ترمذی: 1927

﴿۲﴾ مَنْ رَدَّ عَنْ عَرَضٍ أَحْبَبَهُ رَدَّ اللَّهُ النَّارَ عَنْ وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - ﴿۱﴾

”جس نے مسلم بھائی کی عزت کو بھایا اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو آتش دوزخ سے بچائے گا۔“

﴿۳﴾ مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسِّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبِيدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَحِبِّهِ - ﴿۲﴾

جو کوئی شخص کسی مومن کی دنیوی تکلیف دور کرتا ہے اللہ قیامت کے دن کی تکلیف کو اس سے دور کرے گا جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی اللہ دنیا و آخرت کے معاملات آسان فرمائے گا، جس نے کسی مسلم کی عیب پوشی کی اللہ اس کے عیوب پر دنیا و آخرت میں پردہ ڈالے گا اور اللہ بندہ کی مدد فرماتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔

میں اس بیان کو ختم کرنے سے پیشتر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ لفظ محبت کو عربی زبان میں معنی محبت کے لیے تجویز کرنے سے پیشتر مندرجہ ذیل محاورات کو پیش نظر رکھا ہے۔ حَبَّبَ الْمَاءُ يَانِي تَهْرِيًا، حَبَّبَ الْبَيْعُ أَوْنَتْ زَانُو جَمَا كَرِبِيْهُنَّ جَمَا، حَبَّبَ الْبَلَدِيَّ مِنْ طِيٍّ هُوَتْ يَ كِيْزِيٍّ، حَبَّبَ وَهْدَانَهُ جَوْرَزِقِ الْإِنْسَانِيَّ بِنْتَا هِبَ وَأُورِمَا يَ حَيَاتٍ بِشْرَ سَجْحَا جَاتَا هِبَ۔ جب حروف ح و ب کا اجتماع صفتی و پاکیزگی، بلندی و استقرار اور سبب حیات کے معنی میں مسلم ہو گیا، تب اسے اتوی الحركات یعنی ضم سے اور زیادہ قوی بنایا اور لفظ حب کو مادہ محبت قرار دیا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کے پاس اسلام کے سوا محبت کی ایسی تعلیم موجود ہے تو وہ بھی وضاحت سے بیان کر دے، ورنہ کم از کم الفاظ پریم یا "لو" (Love) کی ترکیب لغوی ہی کے انداز اتنے دقیق معانی کا ہونا جو ہم نے لفظ حب کے اندر واضح کیے ہیں ثابت کرے۔ الغرض نتیجہ صاف ہے کہ اسلام ہی دین المحبت ہے اور وہ اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے محبوب قلوب اور مطلوب جمہور ہو رہا ہے۔

فصل 11

اسلام ہی مساوات کا بانی ہے

مساوات کے معنی یہ نہیں کہ ایک جاہل بمقابلہ عالم کے اور ایک نادر بمقابلہ ایک وفادار کے اور ایک ناقابل و نا کارہ بمقابلہ ایک فرض شناس کے یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

ایسا کرنا تو حقوق انسانیت اور حقوق اخلاق کو تباہ کر دینا ہے۔ ہاں مساوات کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو شرعاً و قانوناً و اخلاقاً وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو کسی دوسرے شخص کو اسی ملک یا اسی دین کے اندر حاصل شدہ ہوں۔

برطانیہ کے شاہی جھنڈے میں انگلینڈ، ویلز، سکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ شامل ہیں، لیکن کسی آئرش کو پرانم منسٹر ہونے کا موقع نہیں دیا گیا۔ انگلستان کی آبادی میں بلحاظ مذہب دو بڑی قومیں ہیں۔ پرائسٹنٹ اور کیتھولک، مگر آج تک کسی کیتھولک کو پرانم منسٹری پر ممتاز نہیں کیا گیا۔

47 تک ہندوستان کے کسی گورنر پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا تھا کنگ اپمیرر کے حقوق کی حفاظت کے لیے خاص مراعات تو انہیں

﴿۱﴾ ترمذی: 1931، مسند احمد: 450/6

﴿۲﴾ بخاری: 2442، مسلم: 6578، ابوداؤد: 4893، ترمذی: 1425، 1426، 2945، کوزامال: 16486، مسند احمد: 296/2

عدالت سے بالکل علیحدہ تھیں۔

انتخابات ممبران پارلیمنٹ وغیرہ میں ٹیکس دہندگان کے حقوق ان سے زائد ہیں جو ٹیکس ادا نہیں کر سکتے۔ ہندوستان سے انگلستان کو اور انگلستان سے ہندوستان کو مال تجارت بھیجے جانے کے قواعد و محاصل کی شرح بالکل الگ الگ تھی۔

پھر حقوق کے اندر تفاوت، خود ایک ہی مذہب کے ماننے والوں میں بھی نمایاں ہے، دیکھی جیسا نیوں اور یورپین جیسیائیوں کے گرجا اور قبرستان الگ الگ ہیں۔ علیٰ ہذا افسروں اور ماتحتوں کے کلب اور سوسائٹیاں بالکل جدا جدا ہیں۔

پوپ ہمیشہ یورپین ہی منتخب ہوا۔ بیس صدیوں میں اس ملک سے جو خداوند مسیح کا زاد بوم ہے کوئی دیکھی پوپ نہیں بنایا گیا۔ لارڈ بشپ آف کنٹریری بھی ہندوستان یا کسی دوسرے علاقہ کا باشندہ نہیں مقرر ہوا۔

ہندوستان یا کالونی یا انگلستان میں کبھی کوئی کمانڈر انچیف ایشیائی اقوام سے نہیں لیا گیا۔

اسلام نے ان ہی امور پر نظر غور ڈالی ہے اور عدم مساوات کے جملہ احتمالات کا خاتمہ کر دیا ہے اور وحدت اسلامی کے اندر داخل ہونے والے ہر شخص کی وہ کسی ملک اور قوم کا باشندہ ہو، جملہ حقوق میں بالکل مساوی اور برابر کا سمجھا ہے۔

① برا مکہ آتش پرست تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان ہی کا خاندان ہارون رشید کی وزارت عظمیٰ پر تمکن تام رکھتا تھا۔

② رائے دہندگی کا حق ہر ایک غلام و آزاد، زردار و بے زر کو اسلام میں حاصل ہے۔

③ یہی حق عورتوں کو حاصل ہے۔

④ عورتیں اور غلام بھی کسی دشمن کو پناہ دینے کا اختیار رکھتے ہیں جس کی پاسداری سالہا پر فرض ہے۔

سلطنت بغداد، سلطنت ہندوستان، سلطنت مصر میں اہل السنّت باو شاہوں کے وزرائے اعظم اور گورنران صوبہ جات اہل شیعہ بھی ہوتے رہے ہیں۔

⑤ تجارت میں عرب اور غیر عرب کے اموال کا کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا اور کسی کو کوئی غیر عرب کے اموال کا کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا اور کسی کو کوئی اعانت خاص بھی حاصل نہ ہوتی تھی۔

⑥ مسجدوں اور قبرستانوں میں کبھی امیر و گدا کا فرق نہیں کیا گیا۔

⑦ ثبوت مساوات میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سفر شام کا قصہ زبان زد مشہور تر ہے کہ اونٹ پر غلام اور خلیفہ نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے، کیوں کہ پچھلی نشست پر ان کا زاد راہ ستو، (غلام و خلیفہ کے لیے) اور کھجور کی گھٹلیاں (اونٹ کے لیے لدی ہوئی تھیں، جس وقت

آخری منزل پر اسلامی کیمپ میں خلیفہ کے داخلہ کا وقت تھا اور تمام فوج مع سپہ سالار اپنے خلیفہ کے خیر مقدم کے لیے ایستادہ تھی اور مختلف اقوام کے لوگ بھی خلیفہ کا تڑک و احتشام دیکھنے کو جوق در جوق جمع ہو گئے تھے، اس وقت ان تماشا نیوں نے دیکھا کہ گرد راہ سے ایک اونٹ اور

افسروں کا اس کے خیر مقدم میں آگے بڑھنا غیر مسلم تماشا نیوں کے لیے نہایت تعجب خیز تھا ان میں سے ایک نے ایک مسلم غازی سے پوچھا کہ کیا آپ کا خلیفہ یہی ہے جو اس اونٹ پر سوار ہے۔ غازی نے نہایت متانت سے جواب دیا، نہیں، وہ نہیں۔ ہمارا خلیفہ میرا المؤمنین رضی اللہ عنہ

تو وہ ہے جو اونٹ کی مہار پکڑے پایادہ آ رہا ہے، سوار ان کا غلام ہے۔ ⑧

⑧ حرث الاوراق علی حاویہ المسطر ف، طبری 4/158، فتوح الشام 1/143، حلیہ اولیاء 1/47، مصنف ابن ابی شیبہ 3/39، 363

اس قصہ سے بڑھ کر زیادہ صحیح اور زیادہ شاندار یہ واقعہ ہے کہ جنگ بدر میں سواریاں کم تھیں۔ ایک ایک شتر تین تین کس کے لیے مقرر ہوا تھا، دو سواری ہو جاتے تھے ایک شخص پیدل چلتا۔ اسی طرح ہر ایک نوبت بہ نوبت پیدل چلا کرتا تھا۔ نبی ﷺ کی سواری میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا حصہ تھا۔ جب نبی ﷺ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تو حضور ﷺ پیدل چلتے اور وہ دونوں سواری ہوتے ①۔ دیکھنا یہ ہے کہ لشکر میں جو کوئی بھی تھا، وہ حضور ﷺ پر جان و مال کو فدا کرنے والا اور اس فدویت کو اپنا شرف و عزت جاننے والا تھا۔ پھر وہ کیوں کر گوارا کرتے تھے کہ حضور ﷺ پیدل چل رہے ہیں اور دوسرے لوگ (جن کی نوبت تھی) اونٹوں پر سواری ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ اس موقع پر سب کو سبق مساوات کی تعلیم دے رہا تھا اور **الْأَنْصَارُ فَهَؤُلَاءِ** کا نورانی نظارہ جلوہ آ رہا تھا۔ اگر حضور ﷺ ہی کی یہ تعلیم نہ ہوتی تو قاروق رضی اللہ عنہ اور غلام والی کہانی بھی اوراق تاریخ پر نظر نہ آتی۔

سب سے زیادہ مساوات کا سخت امتحان تزویج کی اس صورت میں ہوتا ہے جب حسب و نسب میں متعزز و معزز شخص کو اپنی بیٹی کا بیوندا ایسے مرد سے کرنا پڑے جو اوصاف بالا میں اس سے کم تر ہو، مگر اسلام میں ایسے شمول نے بکثرت ہیں۔ زینب بنت جحش قریشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی سگی پھوپھی کی بیٹی کا نکاح اول زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، جن کو اہل مکہ زر خرید غلام جانتے تھے اور جن کو بازار عکاظ سے خرید کر لانے والا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ابھی موجود تھا۔ (یہ طاہرہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادہ ہیں) ②۔

فاطمہ بنت ولید بن عقبہ قریشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی برادرزادی ہیں اور قریش کی مشہور ترین خواتین میں شمار کی جاتی ہیں اور مہاجرات میں سے ہیں۔ ان کا نکاح ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ یہ دو مثالیں تو قریشی عورتوں کی ہیں ③۔ اب اہل مدینہ کی بھی سنو۔ انصار بھی اپنی بیٹی دینے میں بہت سخت تھے۔ سردار ہاشم بن عبدمناف قریشی کی شان بلند کا سارے عرب کو اعتراف تھا۔ انھوں نے یرب میں لیلیٰ سے نکاح کی درخواست کی تو اس مغرور قبیلہ نے یہ درخواست اس شرط پر قبول کی کہ لیلیٰ کبھی مکہ نہ جائے گی ④، اس تکبر والے قبیلہ کا حال اسلام میں یہ تھا کہ ایک روز بلال رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ظاہر کیا کہ لوگو! میں غلام بھی ہوں، جوشی بھی ہوں، بے زر و مال ہوں اور بایں ہمہ نکاح کا خواستگار بھی ہوں۔ کیا کوئی شخص مجھے بیٹی دے سکتا ہے۔ اس کی اسی قدر کہنے پر بیسیوں لوگوں نے درخواست کی بلال رضی اللہ عنہ ان کے ہاں اپنا بیوندا منظور کریں۔ ⑤

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اہل دنیا کی نظر میں غلام ابن غلام تھے مگر اسلام نے اس کی شان کو اس قدر بلند کر دیا کہ زینب بنت حنظلہ رضی اللہ عنہا ان کی بیوی تھی۔ یہ زینب اسی بڑے خاندان کی خاتون تھی کہ شہزادہ امر القیس اس کے جدا مسجد کا مداح شاعر تھا۔ اب اسی کی پوتی اسامہ رضی اللہ عنہ کی کنش برداری پر نازاں ہے۔ ⑥

امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ اس کے زمان خلافت کا ہے۔ غلام کو ساتھ لے کر بازار میں گئے۔ غلام سے فرمایا: میں نے بھی کپڑے بنوائے ہیں اور تم کو بھی کپڑوں کی ضرورت ہے۔ تم بزاز کی دکان پر میرے لیے اور اپنے لیے پارچاٹ پسند کرو۔ غلام نے کچھ قیمتی کپڑے پسند کیے، امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے لیے کچھ سستے کپڑے پسند کیے۔ سو وہ خرید کر لیے گئے۔ جب درزی کو دینے لگے تو امیر المؤمنین نے سستے کپڑوں کے متعلق فرمایا کہ یہ ہمارے لیے اور قیمتی پارچاٹ کی نوبت فرمایا کہ غلام کے لیے قطع کر دو۔ غلام بولا کہ آپ آقا ہیں اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ہیں آپ کو اچھا لباس چاہیے۔ فرمایا میں بڑھا ہوں، تم جوان ہو تم کو اچھے لباس کی زیادہ ضرورت ہے۔

① مسند احمد: 422/1 ② تفسیر الطبری: 9/22 ③ الاستیعاب: 568/2 ④ طبقات لابن سعد: 79/1 ⑤ ابن سعد: 237/3 ⑥ ابن سعد: 77/3

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ ایک بار انھوں نے غلام سے جھگڑتے ہوئے غصہ میں کہہ دیا، اوجھن کے بچے امی ﷺ نے فرمایا، بس بس کسی بیضاء (سفید پوست والی) کے فرزند کو کسی سوداء (سیاہ پوست والی) کے بچے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت تو عمل سے ہے۔ ایک دوسرے موقع کا ذکر ہے کہ انھوں نے غلام کو مارا۔ نبی ﷺ موقع پر آ گئے۔ فرمایا: ابو ذر رضی اللہ عنہ جو قدرت تجھے اس غلام پر ہے اس سے زیادہ قدرت اللہ تعالیٰ کو تجھ پر حاصل ہے۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے۔ غلام سے فرماتے تھے کہ اپنا پاؤں جوتے سمیت میرے رخسار پر رکھ دے کہ میری نخوت نکل جائے۔ [1]

جنگ بدر میں فوج کی صف بندی ہو رہی ہے، ایک صحابی صف کے برابر نہ تھے۔ نبی ﷺ نے اس پتلی چھڑی سے جو حضور ﷺ کے ہاتھ میں تھی، اس کے پہلو میں چوکا دیا کہ برابر ہو جاؤ۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تو اس سے ایذا ہوئی، میں تو بدلہ لوں گا۔ فرمایا میں موجود ہوں۔ وہ بولا کہ میرے بدن پر تو کرتے نہ تھا۔ حضور ﷺ بھی کرتے اٹھائیں۔ حضور ﷺ نے کرتے اٹھالیا تو اس نے بڑھ کر جسد نورانی کو چوم لیا۔ عرض کیا کہ میرا مدعا اس گستاخی سے یہ تھا کہ دنیا سے رخصت ہوتا ہوا اس شرف کو حاصل کرتا جاؤں۔ [2]

اس نیک انسان کے دل میں چھپی ہوئی نیت خواہ کچھ ہی تھی، اسلامی تعلیم کا نمونہ تو یہ ہے کہ سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کیوں کر ایک ادنیٰ امتی کو بدلہ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور جسد مبارک کو آمادہ آزار و گزند بنانے پر یہ طیب خاطر رضامند نظر آتے ہیں۔ یہی مساوات حقیقی ہے۔ اس مساوات کی حمایت و حفاظت کے لیے علمبرداران اسلام ہر ایک نقصان برداشت کرنے کے لیے رضامند ہو جاتے تھے مگر مساوات میں کمی نہ آنے دیتے تھے۔

جبلہ ابن اسلم سلطنت غسان کا شہزادہ تھا، عیسائیت کو چھوڑ کر عہد فاروقی میں داخل اسلام ہوا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس کی عزت فرمایا کرتے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ وہ طواف کعبہ کر رہا تھا، اس کے شاہانہ چوہہ کا دامن فرش پر گھسٹتا جاتا تھا۔ پیچھے سے ایک اور بدوی بھی طواف کرتا آ رہا تھا، اس کا پاؤں دامن چوہہ پر پڑ گیا، جب اس نے لوٹ کر دیکھا تو اسے ایک باد یہ نشین گنوار نظر آیا جو مستانہ دلاہا لیا نہ حالت میں مصروف طواف ہے۔ اس کی ظاہری حالت دیکھ کر شہزادہ کو اور بھی زیادہ غصہ آیا۔ لوٹ کر ایک تھپڑ اس کے رخسار پر لگا دیا۔ بدوی نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں استغاثہ پیش کر دیا۔ شہزادہ بلایا گیا اور جب طلب ہوا۔ شہزادہ نے اپنے فعل کا اعتراف کیا اور یہ بھی کہا کہ میں حکمران ہوں اور یہ ایک فرومایہ شخص ہے۔ اگر میں نے ایک ظمانچہ اس کے لگا بھی دیا تو کیا ہوا؟ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام میں سب برابر ہیں، یا تو اسے رضامند کرو، ورنہ بدلہ دینا پڑے گا۔

اس نے کہا: ایک دن کی مہلت دی جائے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی، جبلہ شب بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔ [3] اس کے نزدیک اسلام میں سب سے بڑا نقص تھا تو یہ تھا کہ شہزادہ اور گنوار کی وقعت برابر برابر ہے۔ مگر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اس وصف پر متحیر تھے کہ عدالت میں ایک ذرہ خاک راہ اور ایک کوکب حکومت کی حیثیت مساوی ہے۔

یہ ممکن ہے کہ قارئین کتاب ان واقعات سمجھ کر کو ایک کہانی کے طور پر پڑھ جائیں مگر ان واقعات کی قدر و منزلت اس وقت معلوم ہوگی جب دنیا کی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے گی اور طلب و تجسس بے حساب کے بعد بھی اس کی نظیر ان کو نہ مل سکے گی۔

[1] بخاری: 2545/30 [2] ابن ہشام: 278/3، الہدایۃ والنہایۃ: 271/3 [3] فتوح البلدان، ص: 141، الہدایۃ والنہایۃ: 63/3

اسلام میں ایسے نظائر بے شمار ہیں، میں صرف ایک اور واقعہ لکھ کر اس عنوان کو ختم کرتا ہوں۔
 فاروق رضی اللہ عنہ اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، دوستانہ سلسلہ کلام جاری تھا۔ ایک یہودی آیا۔ کہا: علی رضی اللہ عنہ پر دعویٰ کرنے آیا ہوں۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابوالحسن سامنے کھڑے ہو کر جواب دہی کرو۔ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے، دیکھا گیا کہ اس وقت ان کے چہرے پر ہل تھا۔ دعویٰ سنایا گیا، فیصلہ کر دیا گیا، مدعی جھوٹا تھا، وہ چلا گیا تو پھر وہی جلسہ مصداقت جم گیا۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ضرور پوچھو، کہا جب آپ کو سامنے کھڑے ہونے کو کہا گیا، اس وقت آپ ہمیں بہ جیس کیوں تھے؟ کیا عدالت میں یہودی کے برابر کھڑے ہونے کو برا سمجھا تھا؟ فرمایا: نہیں، نہیں یہ بات نہیں۔ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے مجھے ابوالحسن رضی اللہ عنہ کہہ کر کھڑے ہونے کو کہا تھا؟ کنیت سے پکارنا نشانِ عزت ہے، میرا خیال ادھر گیا کہ مبادا یہودی کے برابر کھڑے ہوتے ہوئے بھی وہ یہ سمجھے کہ عدالت کا مدعا علیہ کا خاص لحاظ ہے، اسی لیے مدعی کے مقابلہ میں اسے بالفاظِ عزت مخاطب کیا گیا ہے، اگر وہ ایسا سمجھ لیتا تو ہماری عدالت پر دھبہ لگتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو بلند ترین طبقہ کے ہیں۔ جب اسلامی لشکر نے اسکندریہ فتح کیا تو مفتوح رعایا نے استغاثہ کیا کہ ان کے ایک بت کی آنکھ کسی مسلمان نے توڑ دی ہے۔ فوجی افسر نے کہا: اگر تم یہ ثابت کر دو کہ میری فوج کے کسی شخص کا یہ فعل قیام امن کے بعد اور دیدہ دانستہ تھا تو میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ میری آنکھ پھوڑ ڈالو۔ یہ فیصلہ سن کر سب لوگ شامی کے ساتھ واپس چلے گئے۔
 ان واقعات کے بعد میرا حق ہے کہ میں بہ آواز بلند پیکاروں اور دنیا کو بتاؤں کہ مساواتِ اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔

فصل 12

اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا

انجیل متی میں مسیح علیہ السلام کا مشہور قول یہ ہے، جو چیز قیصر کو دو۔ 21:22۔
 مسیح علیہ السلام نے حکومت کا یہی نمونہ سکھایا ہے اور رعایا کا کوئی حق بالگزارگی کی ادائیگی کے سوا معین نہیں فرمایا۔
 بچر وید اور سام دید کو پڑھ جائیے، اس میں راجا ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور اس کے اختیارات کی توضیح کی گئی ہے۔ یہ دونوں حوالہ جات شخصی حکومت کو مستحکم بنانے والے ہیں، نوعی یا جمہوری حکومت کا ان کتابوں میں ذرا نشان بھی نہیں ملتا۔
 اسلام نے صاف طور پر حکم دیا ہے:

﴿وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [الشوری: 38] "ان کے امور سلطنت باہمی مشورہ پر ہوں گے۔"

ہر چہار خلفائے راشدین مہدین کا جس طرح انتخاب ہوا، ہر ایک کے انتخاب کے وقت جیسی تقاریر آزادانہ ہوئیں۔ انصاریا قریش میں خلافت ہونے پر جو بحثیں ہوئیں خود قریش کے اندر راجح و مرجوح اور اس کے وجوہات کی بحثیں ہر ایک کا اپنی اپنی تائید میں دلائل یا آراء کا پیش کرنا آزادی کے ساتھ سب کچھ ہوا۔ راؤں کا شمار ہوا اور بہترین اشخاص میں سے جس کی نسبت آراء کا غلبہ ہوا۔ اس کو اہتمامِ سیاست سپرد ہوا۔ خلیفہ کے کام کو باقاعدہ رکھنے کے لیے مہاجرین و انصاریوں کی ایک کونسل اور فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے

دیگر مسلمانوں کی دوسری کونسل مقرر کی گئی۔ خلیفہ اپنی رائے سے کوئی جدید محصول نہیں لگا سکتا تھا۔ جو محصول لگایا جاتا اس پر کونسلوں میں مباحثے ہوتے تھے۔

ذمہ دار افسروں کے تقرر کے وقت کسی جنگ کے آغاز یا ختم کرنے کے متعلق مثلاً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لشکر اسلام کو روانہ کرنا، عراق و شام و مصر پر اقدام خالد رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی جانشینی پر عام مشورہ لیا جاتا تھا۔

خلیفہ کا بحیثیت خلیفہ کسی مفتوحہ ملک میں سفر کرنا کونسل کی منظوری کا محتاج تھا۔ مثلاً فاروق رضی اللہ عنہ کا جنگ ایران اور جنگ روم میں خود جانے پر۔

خلیفہ کو مقررہ وظيفہ ملتا تھا اور وظيفہ سابقہ خدمات یا قدامت اسلام پر مبنی ہوتا تھا۔ خدمات خلافت کے سرانجام دینے پر کوئی خاص معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا۔ فاروق رضی اللہ عنہ صرف بدریوں کا وظيفہ لیتے تھے۔

خلیفہ کو اپنی پالیسی (اصول حکمرانی) کا اظہار کرنا پڑتا تھا۔ (صدیق رضی اللہ عنہ اور فاروق رضی اللہ عنہ کے پہلے خطبات) خلیفہ عامۃ المسلمین کے سامنے اپنے افعال و اعمال کا جواب دہ سمجھا جاتا تھا اور بار بار اسے جوابدہی کرنی پڑتی (فاروق رضی اللہ عنہ و مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بابت ایسے بہت سے واقعات ہیں)

یورپ میں قدیم ترین پارلیمنٹ انگلستان کی ہے، لیکن انگلستان کی پارلیمنٹ بھی خلافت اسلامیہ سے آٹھ نو صدیوں بعد کی ہے۔ آج دنیا اس نوعی و جمہوری طرز حکومت کی خوبیوں پر متفق ہے۔ اسلام کا یہ احسان جملہ اقوام پر ہے۔

شوری سے کوئی مقدس ہستی بھی مستثنیٰ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [البقرہ: 159]

”امور سلطنت میں آپ لوگوں سے مشورہ کر لیا کیجیے۔“

وہ نبی جو متبوع کل اور سید عالم، صاحب الکتاب، صاحب الشرح ہے، جس کا کوئی حکم اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسے مشورہ کا حکم دیا گیا تاکہ کوئی شخص بھی (تقدس اور کمال کی بنیاد پر) اس حکم سے مستثنیٰ نہ سمجھا جائے۔ عہد نبوت کے چند واقعات کا حوالہ درج ذیل ہے۔

- ① حدیبیہ سے مکہ کے لیے سفر کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور مشورت پر طے ہوا۔
- ② میدان احد کو جنگ کے لیے انتخاب کرنے کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور اسی اصول پر طے ہوا۔ رئیس المنافقین ابی کو اس بات کا سخت صدمہ تھا کہ اس کی رائے کے بمقابلہ کثرت آراء کوئی وقعت نہ کی گئی۔
- ③ جنگ آوران احزاب کی پیش کردہ شرائط کو سرداران انصار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا اور انہی کی رائے پر فیصلہ ہوا۔
- ④ طائف کے محاصرہ اٹھائے جانے کو سرداران فوج کے سامنے پیش کیا گیا اور تب ہی یہ محاصرہ اٹھایا گیا جب وہ اس پر متفق ہو گئے۔
- ⑤ اسیران بدر سے سلوک کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور مشورت کے بعد ہی طے ہوا۔

⑥ عدالت اعلیٰ محکمہ (قاضی القضاة) بالکل آزاد اور خود مختار ہوتا تھا اس پر سلطنت کا رعب یا سلطنت کا ذاتی دباؤ کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔ آج آئینی حکومت کے جملہ بادشاہ اور حکمران اسی اصول پر کاربند ہیں اور انہی اصول کو سلطنت و حکمرانی کا بہترین طریق تسلیم کیا جاتا ہے۔

لہذا یہ اسلام کی خصوصیت سے ہے کہ اس نے جملہ اقوام عالم کو اس اصول سے روشناس کیا اور اس اصول کی برکات سے متشبع بنایا۔

فصل 13

اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے

عموماً دنیا میں تین چیزیں تمام مذاہب اور جملہ ممالک پر حکمران رہی ہیں کہ ان کے دائرہ حکومت سے نکلنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔

① نسل ② زبان ③ رنگ

① پہلے نسل جو حقوق برہمنوں کو ہندوستان میں (کھشتری، ویش، شودر، چندال لوگوں پر رہے ہیں) یا جو حقوق بنی اسرائیلیوں میں نبی لاوی کے لیے خاص ہیں یا جو حقوق سلطنت اولاد یعقوب علیہ السلام میں بنی یہوداہ کے لیے مختص رہے ہیں۔ عرب میں قریش کو دیگر قبائل پر جو تفوق رہا ہے وہ سب کے نزدیک مسلمہ ہے۔

② ہر ایک زبان کو اپنی حکومت کی تائید سے جو برتری دنیا میں بمقابلہ اللہ دیکھ رہی ہے سلطنت کا غلبہ پر اکت اور تامل وغیرہ زبانوں پر عبرانی کا غلبہ دیگر لغات پر، لیشن کا غلبہ یورپ کی اور زبانوں پر، انگریزی کا اس وقت غلبہ ان سب زبانوں پر جو برطانوی جھنڈے کے تلے آباد ہیں۔ فارسی کا غلبہ اس وقت کا جب ہندوستان و کابل و خراسان و ترکستان میں یہی زبان حکمرانوں کی زبان تھی۔ عربی زبان کی فوقیت دنیا کی سب زبانوں پر اس وقت جب کہ عرب اپنے مقابلہ میں سب کو عجمی (گوٹھے) کہا کرتے تھے، اپنے اپنے ادوار میں رہا ہے اور اسی اتحاد و زبان یا اختلاف زبان پر حقوق انسانیت کی تقسیم ہوتی رہی ہے۔

③ سرخ رنگ یا زرد رنگ یا مسکی یا گندمی رنگ یا سفید رنگ یا سیاہ انسانوں کے حقوق و مناصب میں ہمیشہ سے جو امتیازات رہے ہیں اور ہر ایک حکمران قوم نے اپنی رنگت کے سوا دوسری رنگت کے انسانوں کے ساتھ جو جو سلوک کیے ہیں، تاریخ عالم ان واقعات پر اب تک لبو کے آنسو بہا رہی ہے۔

اسلام نے جو اللہ احد کا واحد دین ہے، ان ہر امتیازات کی دیواروں کو مٹایا، پست و بلند کو ہموار سطح پر کھڑا کیا اور دنیا کے سب ملکوں اور سب قوموں کی شیرازہ بندی کے لیے صرف دین واحد کو پیش کیا۔

۱ امتیاز و نسل کے متعلق فرمایا:

﴿ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ طِينٍ، ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴾ [سجده: 7-8]

”انسان اولین بشر کوٹی سے پیدا کیا اور پھر اس کی نسل کو ایک حقیر پانی سے چلایا۔“

مختصر افراد انسانی کو بتایا گیا ہے کہ نہ تو وہ خود نسلی امتیاز کا حق دار ہے اور نہ سب انسانوں کے باوا جان ہی تھے۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ ﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ ﴾ [المحرات: 13]

”سب انسانوں میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ کی تعظیم میں سے سب سے بڑھا ہوا ہے۔“

3,2۔ زبان اور رنگ کا فیصلہ بھی فرمادیا اور فیصلہ بھی کیسا عجیب ﴿ وَالْخِطَابُ الْأَلْسِنَتِ كُمْ وَالْوَأَانِ كُمْ ﴾ [الروم: 23]

”بھانت بھانت کی بولیاں (زبانیں) اور جدا جدا رنگ، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے نشان ہیں۔“ لیجئے اب تو کسی کو بھی اپنی زبان اور رنگ کے متعلق کچھ جھگڑا نہ رہے گا۔

ثابت ہو گیا کہ اسلام کی بنیادی تعلیم نہ اختلاف نسل ہے، نہ اختلاف زبان ہے، نہ اختلاف رنگ ہے، بلکہ اس کی بنیاد اللہ شناسی پر ہے اور ہر شخص کو اس بارہ میں بخوبی آزادی ہے کہ وہ قرب و رضوان الہی کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو جائے۔ یہ خصوصیت یقیناً اسلام ہی کو حاصل ہے۔

فصل 14

اسلام ہی اپنے مہد و گہوارہ میں آج تک قائم ہے

زرتشت بزرگوار جہاں پیدا ہوئے تھے اور جہاں سے انھوں نے پند و انداز شروع کیا تھا۔

بدھ گوتم جہاں پیدا ہوئے تھے، جہاں انھوں نے سخت ریاضت برداشت کی تھی، جہاں انھوں نے اپنے اصول پر پہلی تقریر کی تھی۔ وہ وادی اور میدان جہاں رشیوں نے وید کی شریوں کے درشن پائے تھے، وہ مصر اور مصر سے فلسطین تک کی راہ اور خود فلسطین جس سے موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون علیہ السلام کے معجزات و فتوحات کا تعلق ہے جو داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام کے مستقر خلافت تھے، جہاں اسباب اثنا عشر نے حکومت کی تھی۔

وہ پہاڑ اور دشت جہاں پارس ناتھ جی کی سنگتیں بیٹھیں۔

غرض مذاہب قدیمہ کے جملہ معدن و مخزن اعیان کی حکومت میں ہیں اور ان مقامات پر تو ان مذاہب کا اصلی نشان بالکل ٹا پودا اور بے نشان ہو چکا ہے اور دیگر مذاہب اور دیگر اقوام نے بھی ان مقامات میں سکونت اور حقوق تمدن میں ان کے برابر کا درجہ حاصل کیا ہوا ہے، اور اس اصلی مذہب کو اس جگہ کوئی خاص تفوق اور امتیاز قطعاً حاصل نہیں۔

اصطخر اور بلخ، نیپال کی ترائی اور بنارس آریہ درت (پنجاب و یوپی کا حصہ کثیر) ابو، الموڑہ، جگن ناتھ جی، اور ست نرائن گنگا و جمنائ وغیرہ وغیرہ سب پر نظر ڈال جاؤ تا کہ ہمارے خیال کی صحت و وقعت بخوبی واضح ہو جائے۔

اس عبرت آموز سبق کو یاد رکھتے ہوئے پوری پوری واقفیت اور خبرت کے ساتھ آپ حجاز کو بھی دیکھیں کہ ہر ایک وہ مقام جس کو کوئی تاریخی یا مذہبی نسبت باوی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے آج تک مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہے اور آغا اسلام سے لے کر آج تک ملک کے اس تاریخی مقام پر کبھی کسی غیر مذہب کا قبضہ و تسلط نہیں ہوا۔

قبضہ غیر کا اثر لازمی طور پر اور نامعلوم طریق سے ہر ایک ملک کی زبان اور رسوم اور ماثر اور مذہب پر ہوا کرتا ہے۔

ہم کو معلوم ہے کہ پارسیوں کے پاس ان کے پاک نوشتے موجود نہیں رہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر سکندر مقدونی کا قبضہ ایران پر نہ

ہوا ہوتا اور طوائف اہللو کی نیز خانہ جنگی نے ایران کو ویران نہ کر دیا ہوتا گوارد شیر بابکان جیسا دانش آموز بادشاہ اپنے پاس نوشتوں کی فراہمی سے (تین صدی قبل از اسلام) مایوس نہ ہو گیا ہوتا۔

اگر مصر پر کلیا پیٹرا کے عہد سلطنت روما کا قبضہ نہ ہوا ہوتا تو مصر قدیم کے کتب خانہ جات کبھی تباہ نہ ہوتے۔
اور اگر بت پرست سلطنت روما کے بعد عیسائی سلطنت قسطنطینہ کا قبضہ مصر پر نہ ہو گیا ہوتا تو اسکندر یہ کامشہور کتب خانہ ہرگز ہرگز آتش تھصب سے خاکستر نہ ہو گیا ہوتا۔

اگر مہاتما بدھ نے زبان سنسکرت کی تعلیم پر پابندی کے متعلق تاکیدی احکام جاری نہ کیے ہوتے اور راجہ اشوک اور اس کے جانشینوں نے تختی کے ساتھ سنسکرت اپدیشوں اور کتابوں کو فنا کرنے میں طاقت صرف نہ کی ہوتی تو آج دنیا پر سے وید کی اصلی زبان مفقود نہ ہو جاتی۔

اور اگر قدیم رشیوں کے نوشتوں کو گم یا مسخ کرنے کے متعلق کوئی زبردست کارروائی اس مرتبہ اصول والوں نے نہ کی ہوتی تو آج ہندو دھرم کی کتابوں کی یہ حالت نہ ہوتی کہ مہابھارت جیسی کتاب میں بیس ہزار (20000) اشلوک غیر اصلی ہیں۔ منوسمرتی جیسی کتاب میں بھی موضوعات اس طرح سے شامل ہو گئے ہیں کہ شمولیت موضوعات کے علم کے بعد بھی فاضل پنڈتوں اور رشی دیا نند جیسے شائقین کو بھی یہ بتانا بالکل محال ہو گیا کہ کون کون سی عبادت وضعی وغیر اصلی ہے۔

ان نقصانات کی طرف اشارہ ہم نے ضمناً اس دلیل کے تحت میں کیا ہے کہ کسی ملک پر قبضہ اغیار کے تسلط کے اثرات کیا کیا ہوتے ہیں۔

اسلام کو دیکھیے کہ مکہ و مدینہ اور اس کے حوالی و اطراف اور وہ سب مقامات جہاں جہاں رسول پاک ﷺ کے قدم اقدس پہنچے سرتاسر مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ وہاں کی وہی زبان ہے جو پیارے مکی مدنی ﷺ کی تھی، وہاں کا وہی تمدن ہے جو مقدس رسول ﷺ کا تھا۔ وہی کتاب ہے جو نبی الائی کی تھی۔

قرآن مجید میں اسلام کو اس شجرہ طیبہ سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی جز قائم ہو اور جس کی شاخیں آسمان کی فضا میں پوری بلندی اور پوری فراخی سے پھیلی ہوئی ہوں۔

ہر ایک دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ ﴿أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾ [ابراہیم: 24] کی صورت و حالت آج تک اسلام ہی پر صادق و ثابت ہے اور یہ امر بھی خصائص اسلام میں سے ہے اس آیت کی کچھ تفسیر اس کتاب کے باب خصائص قرآن مجید میں دوسری جگہ درج ہے

اسلام ہی دین تمدن ہے

فطرت انسانی کا راز جاننے والا، حاجات انسانی کے انجام کی راہ بتانے والا تسلیم کرے گا کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مختلف ادیان نے کیوں کر مدنییت کو روحانیت کا مد مقابل بنایا اور تمدن کو روحانیت کا دشمن ٹھہرایا ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ شہزادہ گوتم اپنی نوجوان بیوی اور نوزائیدہ بچہ کو سوتا ہوا چھوڑ کر رات کو بھاگ جاتا ہے اور جنگلوں میں رہ کر سخت سے سخت ریاضتوں کا تحمل بناتا ہے تو ہم کیا سمجھ سکتے ہیں کہ اسی بیدار دل نے انسان کا مدنی الطبع ہونا معلوم کر لیا تھا۔

جب ہم وید بیاس جی کو آبادی سے نفور اور مادر و پدر سے دور رہتا ہوا دیکھتے ہیں تو کیا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انھوں نے واجبات تمدن کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔

ہم جب انجیل میں وہ مکالمہ پڑھتے ہیں، جس میں اللہ کی راہ میں خاصی بننے کا ذکر ہے تو کیا خیال کر سکتے ہیں کہ انھوں نے آدم و حوا علیہما السلام کے جوڑے کو عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

جب ہم روما کے آسانی گر جا کے سایہ میں لاکھوں منک اور زن کو فرائض نسل سے بیزار دیکھتے ہیں تو کیا تصور کر سکتے ہیں کہ انھوں نے اللہ کے حکم ”انسان اپنی بیوی سے جوڑے گا“ کی صحیح تعمیل کی ہے۔

جب آریہ درت کے جنگلوں، پہاڑوں کے غاروں کو ہستان کی چوٹیوں پر ایسے گریستوں کو دیکھتے ہیں۔ جن کی عمر کے آخر حصہ میں منوسرتی نے گھروں سے باہر رہنے کا حکم دیا ہے اور جو اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے غیر معین اور غیر معلوم وسائل پر بھروسہ رکھنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں جو ضعیفی و پیری اور لاچارگی و مجبوری کی عمر میں اپنا کوئی رفیق و غم گسار قریب قریب نہیں پاتے تو کیا قرار دے سکتے ہیں کہ اس حکم کے وقت تمدن کی حقیقت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

جب ہم رشیوں، جوگیوں، منیاسیوں، منیوں، پیراگیوں کے گروہوں کو بستیوں سے پرے پرے دھونی لگائے جنس لگائے، آسن جمائے دیکھتے ہیں تو کیا یقین کر سکتے ہیں کہ انسانیت کا یہی اعلیٰ معیار ہے۔

جب ہم سینکڑوں لڑکیوں (دیوداسیوں) کو ایک پتھر کی صورت کے ساتھ بیاہی ہوئی دیکھتے ہیں اور قطع نسل انسانی کی تدبیر کو اس مقدس لباس میں جلوہ گر پاتے ہیں۔

تو کیا باور کر سکتے ہیں کہ ان مقننین نے آبادی عالم کا سبب بڑا گروہ ریاضت کر لیا تھا۔ میرے دوستو! یہ سب کرشمے ایسی تعلیم کے ہیں جس نے نہ انسان کو سمجھا اور نہ طبع انسانی کا فلسفہ معلوم کیا اور نہ اس پر عمل کرنے کو کچھ اہمیت دی۔

ایک اسلام ہے جو ان اوہام کو دور کر دیتا ہے، جملہ ظنون کو خاک نشین بنا دیتا ہے۔ تمام ناروا رسم اور جو روہنہ اور کر دیتا ہے، جو بدنیت اور انسانیت کو ترقی کے محل میں سوار کر دیتا ہے۔ جو بجلی کی منفی و مثبت طاقتوں کو مجتمع کر کے تمدن کا گھر صاف و سفید روشنی سے منور کر دیتا ہے۔

اسلام بتاتا ہے کہ ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا﴾ ترک تمدن محض بدعت ہے۔

عورتوں کے حقوق

اسلام ہی عورتوں کو تمدن میں برابر کی جگہ دیتا ہے اور ان کے مساویانہ حقوق کو بحال کرتا ہے۔

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْنَهُنَّ﴾ [البقرة: 228]

”عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔“

بچوں کے حقوق

﴿وَلَا تَقْنَلُوا اَوْلَادَكُمْ خَشِيَةً اِمْلَاقٍ﴾ [بنی اسرائیل: 31]
 ”بچوں کے ڈر سے اپنی اولاد کو نہ مارا کرو۔“

والدین کے حقوق

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ [بنی اسرائیل: 23]
 ”ماں باپ کے ساتھ عمدہ ترین برتاؤ کرو۔“

حکومت کے حقوق

﴿اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاطِيعُوا الْاَمْرَ مِنْكُمْ﴾ [النساء: 59]
 ”اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت اور اپنے امیروں کی فرمانبرداری کرو۔“

اقسام تعاون

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلٰى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ [المائدہ: 2]
 ”نیکی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔“

عدم تعاون

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلٰى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدہ: 2]
 ”گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کیا کرو۔“

ایمانی معاہدات کا حکم

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ [المائدہ: 1]
 ”اے ایمان والو! سب قراردادوں کو پورا کیا کرو۔“

عداوت قومی کے ہو جانے کی حالت میں عدل کا لزوم اور بے انصافی کی نہی

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَنْ لَا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ [المائدہ: 8]
 ”کسی قوم سے نفرت کا ہونا تم کو اس خیال پر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم ان سے عدل نہ کرو، ہاں عدل ہی کرو، ایسا کرتا ہی خدا ترسی کے قریب تر ہے اور تم کو حکم ہے کہ خدا ترسی پر قائم رہو۔“

معاہدہ غیر مسلم اور مسلم غیر معاہدہ میں معاہدہ غیر مسلم کی رعایت اور نیوٹرل رہنے کی ہدایت

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَا وَنَصَرُوْا

أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ﴿۱﴾ [الأنفال: 72]

① جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے انھوں نے راجح میں جہاد کیا۔

② جنھوں نے ان لوگوں کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی۔

یہ دونوں ایک دوسرے گروہ کی ولایت کا حق رکھتے ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَالَكُمْ مِنْ وَلَا يَتَّبِعُهُمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا﴾ [الأنفال: 72]

③ جو لوگ ایمان تو لائے ہیں مگر انھوں نے ہجرت نہیں کی، تم کو ان کی ولایت سے کچھ بھی نہیں۔ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر آئیں۔

فساد اور بے امنی کی برائی

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ﴾ [البقرہ: 205]

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ﴾ [القصاص: 7]

”اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔“

”دنیا میں فساد نہ پھیلاؤ۔“

خلافت راشدہ کی علامت

﴿وَلَيَسِدْنَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ [القصاص: 7]

”خوف جاتا رہے گا اور امن اس کی جگہ سنبھال لے گا۔“

حقوق کی ادائیگی کی تاکید

﴿قَاتِلِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ، وَالْمَسْكِينِ﴾ [الروم: 38]

”قربت داروں اور مساکین کا حق ادا کیا کرو۔“

عباد الرحمن کے صفات حسنہ حقوق تمدن کے متعلق

① ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ [الفرقان: 63]

”رحمن کے بندے وہ ہیں جو دنیا میں فروتنی کے ساتھ رہتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو یہ ان کو سلامتی

کی دعا دیتے ہیں۔“

② ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ [الفرقان: 67]

”رحمن کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے وقت فضول خرچی اور تنگ دلی نہیں کرتے، بلکہ درمیانی راہ پر قائم رہتے ہیں۔“

③ ﴿وَلَا يَزْنُونَ﴾ [الفرقان: 68]

”رحمن کے بندے وہ ہیں جو زنا نہیں کرتے۔“

④ ﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ﴾ [الفرقان: 72]

”رحمن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے۔“

حجی شہادت کے ادا کرنے کی فرضیت

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ﴾

دارا بن ودارب جب یونانی فوج سے شکست کھا کر اور زخمی ہو کر گرا اور اس کی آخری سانس پورے ہونے سے پیشتر سکندر بن فلپ اس کے پاس پہنچ گیا اور اس کا سر گود میں لے کر بیٹھ گیا، تب دارا نے سب سے ضروری اور اہم وصیت جو سکندر کو کی، وہ یہی تھی کہ روٹنگ بت دارا کو جسے دارا خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، سکندر اپنی بیوی بنالے۔ قابل غور بات ہے کہ جسے وہ خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، کے الفاظ دارا نے اپنی زندگی کے کیسے نازک ترین وقت میں کیسی صفائی سے ادا کیے اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ رسم ایران میں عام تھی اور اس رسم کی عمومیت نے ہر ایک جھجک اور حجاب کو دارا کی طبع و زبان سے اٹھا دیا تھا۔

ایران میں مژدکیہ مذہب اس لیے جلد مقبول اور عام ہو گیا تھا کہ ملک میں پہلے سے محرمات اہد یہ کی حرمت و احترام کا کوئی وجود موجود نہیں رہا تھا۔ مژدکیہ مذہب کا اصول یہ ہے کہ عورت کسی خاص مرد کی طرف منسوب نہ ہونی چاہیے، ہر ایک شخص ہر ایک عورت سے تمتع حاصل کرنے کا فطری استحقاق رکھتا ہے۔

پنڈت دیانند سرتی نے اپنی کتاب ستیا رتھ پرکاش میں ہندو فرقوں کا بیان کرتے ہوئے دام مارگی چترانگت وغیرہ وغیرہ نام لکھے ہیں اور بعض نام ایسے ناپاک ہیں جن کو ایک مسلم نقل نہیں کر سکتا۔ یہ تحقیقات ظاہر کر رہی ہیں کہ ہندوستان کا درجہ ایران سے بھی آگے تھا۔ کاشی جی جی پوتر جگہ میں آج تک وہ مندر جس کا نام نیپالی گھیرا مشہور ہے، موجود ہے، اور ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی سے زائرین کو اپنی طرف بلا رہا ہے، نکلنے سورج کی شعاعیں ان تصاویر کو روشن کر دیتی ہیں، جن کی تقلید سے ابھی تک پیرس و نیویارک بھی پیچھے ہیں۔ برہمن اس کے پجاری ہیں۔ وہ ہر ایک تصویر کی اپنی زبان سے ایسی تصویر اتارتے ہیں اور سننے والے کی شرم و حیا کی پروا نہ کرتے ہوئے ایسے ایسے سندر شبد سناتے ہیں کہ انسانیت کے کان بہرے اور تہذیب کی آنکھ ہمیشہ کے لیے اندھی ہو جاتی ہے۔

ایک وسیع انظر مؤرخ بتلائے کہ اسلام ہی کی کشور کشائی نے ایران کو ان نعمتوں سے بلند نہیں کیا اور کیا اسلام ہی کی رہنمائی نے ہندوستان کو ایک دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان عنایت نہیں کیے۔

سلطنت روما کے ایٹھی تھیزوں کے دل ہلا دینے والے نظارے، سنگ دلی اور گرگ طبعی کے پورے جیسے کیا اسلام ہی نے زیر خاک نہیں کیے۔

کیا ان سب حقیقتوں سے یہ مسلم نہیں ہو جاتا کہ اسلام نے ان اقوام کی ذہنیت کو بالاتر اٹھانے خیالات کو پاکیزہ بنانے اور تہذیب کے پھیلانے میں کس قدر فیوض بالواسطہ عطا کیے ہیں۔

ہاں یہودیوں میں بنی لاوی نے بھی نذر کی قربانی، خطا کی قربانی، تقرب کی قربانی پیش کرنے میں خاص حقوق اپنے لیے ٹھہرا لیے تھے۔ پطرس اعظم کے جانشین پوپ رومانے آسمانی بادشاہت کے دروازے کسی پر کھول دینے اور کسی پر بند کر دینے کے لیے کنجیوں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔

برہمنوں نے مرگ و نرگ میں مردہ کی جان و تھکیل دینے کی جس شگفتی کا اپنے اندر ہونا ظاہر کیا تھا۔ ان سب سے نجات دلانے کا سبب اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔ سامریہ کی بنی لاوی سے علیحدگی پر وٹسٹنٹ کی رومن کیتھولک سے یزاری، آریہ کی برہمن پوپوں سے نفرت صرف تعلیم اسلام ہی کا نتیجہ ہے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کرنے والے ثابت کر سکتے ہیں کہ ان کی اصلاحات کا زمانہ اشاعت

دارا بن ودارب جب یونانی فوج سے شکست کھا کر اور زخمی ہو کر گرا اور اس کی آخری سانس پورے ہونے سے پیشتر سکندر بن فلپ اس کے پاس پہنچ گیا اور اس کا سر گود میں لے کر بیٹھ گیا، تب دارا نے سب سے ضروری اور اہم وصیت جو سکندر کو کی، وہ یہی تھی کہ روٹنگ بت دارا کو جسے دارا خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، سکندر اپنی بیوی بنالے۔ قابل غور بات ہے کہ جسے وہ خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، کے الفاظ دارا نے اپنی زندگی کے کیسے نازک ترین وقت میں کیسی صفائی سے ادا کیے اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ رسم ایران میں عام تھی اور اس رسم کی عمومیت نے ہر ایک جھجک اور حجاب کو دارا کی طبع و زبان سے اٹھا دیا تھا۔

ایران میں مژدکیہ مذہب اس لیے جلد مقبول اور عام ہو گیا تھا کہ ملک میں پہلے سے محرمات اہد یہ کی حرمت و احترام کا کوئی وجود موجود نہیں رہا تھا۔ مژدکیہ مذہب کا اصول یہ ہے کہ عورت کسی خاص مرد کی طرف منسوب نہ ہونی چاہیے، ہر ایک شخص ہر ایک عورت سے تمتع حاصل کرنے کا فطری استحقاق رکھتا ہے۔

پنڈت دیانند سرتی نے اپنی کتاب ستیا رتھ پرکاش میں ہندو فرقوں کا بیان کرتے ہوئے دام مارگی چترانگت وغیرہ وغیرہ نام لکھے ہیں اور بعض نام ایسے ناپاک ہیں جن کو ایک مسلم نقل نہیں کر سکتا۔ یہ تحقیقات ظاہر کر رہی ہیں کہ ہندوستان کا درجہ ایران سے بھی آگے تھا۔ کاشی جی جی پوتر جگہ میں آج تک وہ مندر جس کا نام نیپالی گھیرا مشہور ہے، موجود ہے، اور ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی سے زائرین کو اپنی طرف بلا رہا ہے، نکتے سورج کی شعاعیں ان تصاویر کو روشن کر دیتی ہیں، جن کی تقلید سے ابھی تک پیرس و نیویارک بھی پیچھے ہیں۔ برہمن اس کے پجاری ہیں۔ وہ ہر ایک تصویر کی اپنی زبان سے ایسی تصویر اتارتے ہیں اور سننے والے کی شرم و حیا کی پروا نہ کرتے ہوئے ایسے ایسے سندر شبد سناتے ہیں کہ انسانیت کے کان بہرے اور تہذیب کی آنکھ ہمیشہ کے لیے اندھی ہو جاتی ہے۔

ایک وسیع انظر مؤرخ بتلائے کہ اسلام ہی کی کشور کشائی نے ایران کو ان نعمتوں سے بلند نہیں کیا اور کیا اسلام ہی کی رہنمائی نے ہندوستان کو ایک دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان عنایت نہیں کیے۔

سلطنت روما کے ایٹھی تھیزوں کے دل ہلا دینے والے نظارے، سنگ دلی اور گرگ طبعی کے پورے جیسے کیا اسلام ہی نے زیر خاک نہیں کیے۔

کیا ان سب حقیقتوں سے یہ مسلم نہیں ہو جاتا کہ اسلام نے ان اقوام کی ذہنیت کو بالاتر اٹھانے خیالات کو پاکیزہ بنانے اور تہذیب کے پھیلانے میں کس قدر فیوض بالواسطہ عطا کیے ہیں۔

ہاں یہودیوں میں بنی لاوی نے بھی نذر کی قربانی، خطا کی قربانی، تقرب کی قربانی پیش کرنے میں خاص حقوق اپنے لیے ٹھہرا لیے تھے۔ پطرس اعظم کے جانشین پوپ رومانے آسمانی بادشاہت کے دروازے کسی پر کھول دینے اور کسی پر بند کر دینے کے لیے کنجیوں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔

برہمنوں نے مرگ و نرگ میں مردہ کی جان و تھکیل دینے کی جس شگفتی کا اپنے اندر ہونا ظاہر کیا تھا۔ ان سب سے نجات دلانے کا سبب اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔ سامریہ کی بنی لاوی سے علیحدگی پر وٹسٹنٹ کی رومن کیتھولک سے یزاری، آریہ کی برہمن پوپوں سے نفرت صرف تعلیم اسلام ہی کا نتیجہ ہے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کرنے والے ثابت کر سکتے ہیں کہ ان کی اصلاحات کا زمانہ اشاعت

اسلام سے پیشتر کا تھا۔ کیا وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس آزادی کے حاصل سے پیشتر اسلام کو علمی اور عملی کارنامے ان کی آنکھوں اور دلوں کے سامنے نہ تھے۔

ان حقائق پر غور کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلام نے یورپ اور ایشیا میں ترقی اذہان اور آزادی احساس اور تیز نفع و ضرر کے فیوض بالواسطہ سب کو پہنچائے ہیں۔

سولہ (100) بیویوں والے بادشاہ کو اکلوتا کہنے والے یہودی، ایک ہزار (1000) خواتین والے بادشاہ کو اللہ جیسا دل رکھنے والا بتانے والے اسرائیل، سولہ ہزار (16000) سکھیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے والے کرشن جو کو سولہ سنگار کہنے والے ہندو، نشانہ بازی میں جیتی ہوئی درویدی، ایک عورت کو پانچ پانڈوؤں کی جائز بیوی بتانے والے آریہ ورتی غور کریں کہ آج تعدد ازواج کے متعلق ان کے خیالات کس قدر ہموار ہو گئے ہیں۔ کیا کوئی شخص اس کی وجہ عیسائیت کی تعلیم کو یا عیسائیوں کے عملی نمونہ کو قرار دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں، عیسائیت کی تعلیم تعدد ازواج کے بارہ میں خاموش ہے اور ان کا عملی نمونہ اس آئینی قانون کا نتیجہ ہے، جو اسلامی حکم سے بہت بعد میں نافذ کیا گیا اور ٹھنڈے خون والے یورپ نژاد کے لیے صرف ایک ہی بیوی پر محدود رہنا لازم ٹھہرایا گیا۔ تاریخ میں تلاش کرو کہ اس قانون کے نفاذ سے بہت پیشتر قرآن مجید کے الفاظ *فَوَاحِشَةً* ہر ایک سمجھ والے کے دل میں ایسی قانون سازی کی تحریک پیدا کر رہے تھے۔

ان نظائر سے تمدن کو اقرار کرنا پڑے گا کہ اسلام نے جملہ اقوام کو بالواسطہ کس قدر برکات عطا کی ہیں۔ شراب سے بھرے ہوئے جام جم پر فخر کرنے والے اور ساغر ہوش ربا کو جام جہاں نماتا نے والے ایرانی، دیوتاؤں اور دیویوں کی بھینٹ میں مدھ چڑھانے والے آریہ ورتی۔

مسیح علیہ السلام کے اولین کارنامہ پانی کے مشکوں کو خم ہائے شراب بنا دینے کا واقعہ فخر و مباہات کے ساتھ سنانے والے عیسائی۔

سادہ پانی کے استعمال سے منع کرنے والے اور پانی میں تھوڑی سی شراب کو التزانا شامل کرنے والے پولوی۔

میدان ہائے جنگ کو بادہ آتھین سے گرمانے والے اطالین اور عرب اور افریقی۔

گلو پیڑا کے ایک پیگ پر فرائض سپہ سالاری کو چھوڑ دینے والے رومی۔

کیا اسلام کے اس فیض سے انکار کر سکتے ہیں جو حرمت شراب کی صورت میں اس نے جملہ اقوام و ادیان پر عام کیا، نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسلام ہی نے شراب کو "ام الخبائث" کا لقب دیا۔ اسلام ہی نے اسے روحانیت کا دشمن بتایا۔ اسلام ہی نے اسے شرارت انگیز و عداوت خیز بتایا۔ اسلام ہی نے اسے شیطان ابلیس اور راکھشس (اہرمن) کا عمل بتایا۔

جنگ عظیم 1914ء تا 1918ء میں انگلستان اور روس اور امریکہ کو یکے بعد دیگرے مجبوراً اسے ترک کرنا پڑا کیا یہ سب اسلام کے بالواسطہ فیوض نہیں۔

بھارت اعظم کی اولاد میں مہاراجگی کو خاص کرنے والے اور اسی دھن میں روچھیتر کی خون آشام زمین پر سارے ہندوستان کو کاٹ کر رکھ دینے والے (آریہ ورتی)۔

کیان ایران کو شایان خسروی بتانے والے اور اسی لیے تاتار اور یونان اور بائبل کی حکومتوں کو فنا کرنے والے (پارسی)۔

خاندان "چو" کو فرزند ان آسمانی کہنے والے اور دنیا کو ایک ٹکٹ رعایا اور ان کے دیوتاؤں سے بھی اوپر ہو کر سیاہ و سفید کرنے

یورپ پر تفوق اور غلبہ کا استحقاق جتانے والے اور خاندان کو نوع انسانی پر فرماں دہی کا چارٹر رکھنے والے (فرنج)۔
 غور کریں کہ اسلام کے حکم ﴿وَسَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [آل عمران: 159] اور ﴿أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [الشورى: 38] نے دنیا کو کس آئینی حکومت کا جمال دکھایا، ان کو تحفظ نوعی و جنسی اور تعاون
 افرادی و قومی سے آگاہ بنایا۔

کہتے ہیں کہ انگلستان کی پارلیمنٹ دنیا کی سب پارلیمنٹوں سے قدیم تر ہے اور اسی لیے وہ ”اماں پارلیمنٹ“ کے لقب سے
 پکاری جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ درست ہے، لیکن کیا اس کی قدامت قرآن مجید کے اس حکم محکم سے بھی قدیم تر ہے؟
 اور اگر نہیں اور تاریخ بتاتی ہے کہ ہرگز نہیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا کی تمام جمہوری اور آئینی حکومتیں اسلام ہی کے فیوض سے
 مستفیض اور اس کے خوان کرم کے نمک خوار ہیں۔

برہما، بٹ، بھیش کا ترشول بلند کرنے والے	(آریہ ورتی)
خدا، عقل کل و نفس کلی کی حکومت ماننے والے	(افلاطونی)
باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس کہنے والے	(انگلش چرچ)
باپ خدا، بیٹا خدا، جان (کھجسی) ماننے والے	(رشین چرچ)
باپ خدا، بیٹا خدا، مریم کو اقا نیم کہنے والے	(قدیم یونانی)
پر ماتما، آتما اور پرا نو کو قدیم جاننے والے	(آریہ)

دنیا پر موجود تھے اور اپنی اپنی سٹیٹ کے پھیلائے میں منہمک تھے۔ آج یہ سب لوگ مسئلہ توحید کی برتری کے اقراری ہیں اور
 عقیدہ توحید پر فخر کرتے ہیں اور اپنی اپنی سٹیٹ کو بھی سلوک طریق الی التوحید بتانے میں دلائل اور براہین سے کام لے رہے ہیں۔
 مسلمان اپنے ان نوعی بھائیوں کی ان ترقیات کو خوشی اور اطمینان سے دیکھ رہے ہیں اور ان کے انصاف و حق پسندی پر امید لگائے ہوئے
 ہیں کہ یہ سب لوگ ضرور ایک دن اسلام کے اس فیضان بالواسطہ کا اقرار کریں گے اور اس حقیقت تک پہنچ جانے کے بعد وہ اسلام کے
 فیوض و برکات و انوار سے بلا واسطہ مستفیض ہونے کے لیے تنگ خیالات کے کمرہ کے دروازوں کو کھول دیں گے۔ ان کے دل اپنے اندر
 کشائش اور انبساط اور ان کی روح اپنے لیے سرور و نشاط پائے گی اور وہ سب اسلام کی اس خصوصیت کا اعتراف بھی کرنے لگیں گے۔

فصل 17

اسلام ہی نے ہدایت الہیہ کو ربوبیت خالقہ کی طرح کل عالم کے لیے عام بنایا
 بنی اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ وحی ربانی کا شرف صرف اسباط یعقوب علیہ السلام کے لیے خاص ہے، دنیا کی کسی دوسری قوم کو یہ شرف عطا نہیں ہوا۔
 ایران والوں کا دعویٰ ہے کہ سرور آسمانی کی آواز صرف ایرج ہی کی نژاد تک پہنچائی گئی اور زرتشت و جاماسپ ہی کے
 خانوادے اس برزگی کے تاجدار ہوئے اور سب ملک اس عزت سے دور دور ہیں۔

آریہ ورت کا دعویٰ ہے کہ آکاس بانی نے صرف گنگا و جمن کی وادیوں میں رہنے والوں کو درشن دیے اور دنیا کی سب اقوام اس سے محروم ہیں۔

چین والوں کو دعویٰ ہے کہ اسی ملک کے رہنے والے فرزند آسمانی ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں اور کسی کو اس مشرق اقصیٰ کی روشنی حاصل نہیں۔

یہ دعویٰ ہر چند کہ شاندار ہیں اور کسی ایک قوم کی عظمت کو نمایاں کرنے میں بہت بڑا کام کر رہے ہیں لیکن ان دعاؤں کا نتیجہ کل دنیا کے مقابلہ میں کیا تھا۔

نتیجہ اول یہ ہوا کہ ایک قوم نے اپنے سامنے دوسری قوم کو جھٹلایا اور دوسروں کی صداقتوں کو بھی بطلان بتایا۔ جب اسرائیل نے صرف بنی اسرائیل کے لیے وحی ربانی کو خاص بتلایا ہے تو وہ دنیا کے مذاہب کو کاذب ٹھہراتا ہے۔ اور جب کوئی پارسی نژاد ابرج ہی کے اس دعویٰ کا مظہر ہے تو وہ کل عالم کو (جس میں بنی اسرائیل بھی شامل ہیں) دروغ گو ظاہر کرتا ہے۔ اور جب کوئی آریا ورتی و سناتن دھرمی اپنی بات کو دہراتا ہے تو جہاں جہانیاں کو (جس میں اسرائیل و پارسی بھی شامل ہیں) ست کہتا ہے۔

اور جب کوئی چینی کانفوشس کی تعلیم کو آسمانی کہہ کر دیگر اہلئے جنس کو اس شرف سے مجبور تجویز کرتا ہے تو وہ ہر ایک ملک کو جس کے اندر (ہندوستانی، ایرانی، کلدانی و اسرائیلی بھی شامل ہیں) سیاہ و تاریک بتاتا ہے۔ لہذا کوئی مذہب ایسا باقی نہیں رہتا، جس کی دوسرے مذہب نے تصدیق بھی کی ہو اور کوئی قوم ایسی نہیں محفوظ رہتی جسے دوسری اقوام کی زبان نے صادق کہا ہو۔

اور جب ہر ایک قوم نے جملہ اقوام کو داغ لگا یا تو اب اس کا بھی کیا حق رہ جاتا ہے کہ وہ خود بیخ سکے۔ ان لوگوں نے ساری فضا میں کونکہ پھیلا دیا اور پھر یہ تصور کر لیا کہ اس سے اوروں ہی کے دامن آلودہ ہوں گے۔

ان مشہور مذاہب نے اپنے ان دعاوی کے بعد پھر اپنے رقبہ کو اور زیادہ تنگ کرنا شروع کیا۔ اسرائیلیوں نے کاہن ہونے کا منصب صرف اولاد ہارون علیہ السلام کے لیے خاص کر دیا اور سناتن دھرمیوں نے یہو یہ و ہر دو اور دکانشی کے پانڈوں کو سرگ و زرگ کا خزانچی بنایا۔ رومن کیتھولک نے سلطنت آسمانی کی کنجیاں پوپ کے ہاتھ میں دے دیں، کیوں کہ وہ اس گرجا کا صدر نشین ہے جسے پطرس نے تیار کیا تھا اور پطرس وہ ہے جسے آسمانی بادشاہت کا کلی اختیار مسیح علیہ السلام نے دے دیا تھا۔

نتیجہ دوم یہ ہوا کہ ایک قوم کو دوسری قوم کے ساتھ نفرت ہو گئی اور ہر ایک نے اپنا اپنا چولہا چوکا الگ الگ کر لیا۔ محبت انسانی گم ہو گئی اور قومیں قوموں سے ہمیشہ کے لیے جدا جدا ہو گئیں۔

نتیجہ سوم یہ ہوا کہ ملکی خصوصیات اور قومی رسومات ہر ایک جگہ دینی اصول میں شامل ہو گئیں اور آہستہ آہستہ رسومات کے سامنے دینی اصول کمزور و ضعیف اور بے نشان و گم ہو گئے۔

اسلام ہی نے ان سب خرابیوں کو دور کیا، اسلام ہی نے ان جملہ اقوام کے سامنے ایک جدید علمی اکتشاف کیا کہ

﴿وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ [الطہر: 24]

”یعنی ہر ایک ہستی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا، برے افعال کے برے نتائج سمجھانے والا ہو چکا ہے۔“
اے اسرائیلیو! تم کیوں ہندوؤں کے بزرگوں کی تحقیر کرتے ہو اور اے ہندوؤ! تم کیوں اسرائیلیوں کے انبیاء کی تکذیب کرتے ہو۔ اے ایرانیو! تمہارا کیا حق ہے کہ اسرائیلیوں اور ہندوؤں کے دعاوی کا بطلان کرو۔

اے چینیو! تمہارا کیا منصب ہے کہ ان تمام شاندار اقوام کے علم اور تہذیب اور تمدن سے آنکھیں موند کر سورج کی روشنی کو جھٹلاؤ۔
اب مل جاؤ اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھو اور ہر ایک ملک کے پیشوا و بادی و داعی کی تعظیم کرتے ہوئے اس ناموس قدرت کو بھی دیکھو، جس نے تمام عالم کو متحد و متفق کرنے کے لیے بحر روم کے متصل ایک مقام کا انتخاب کیا جہاں سے متمدن دنیا کی ہر جگہ میں تبلیغ بآسانی کی جاسکتی تھی اور جہاں ٹھہر کر بحر و بر کے وسائل آمد و رفت سے بخوبی کام لیا جاسکتا ہے۔

قدرت نے اس تحریک کی پانچ ہزار (5000) سال سے بنیاد قائم کی اور ایک ایسی قوم کو تیار کیا جس نے بے آب و گیاہ میدانون میں رہ کر، جس نے آباد و شاداب قطععات سے الگ ہو کر، جس نے نفائس مادی میں سے صرف سدر متق پر اکتفا کر کے حفاظت معبد کو اپنا مقصود بنایا اور اسی کی در بانی کو اپنے لیے افکار شامی سمجھا، حتیٰ کہ وہی سید عالم ﷺ بھی پیدا کیا اور وہی سرور کائنات ظاہر ہو گیا جس نے اختلاف کو اختلاف سے اور نفاق و افتراق کو اتفاق سے بدل دیا، وہ کیسا زمانہ تھا اس وقت کی دو بڑی قوموں کی یہ حالت زار بانی الفاظ میں یوں ظاہر کی گئی ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ﴾ [البقرہ: 113]

”یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ تو کسی چیز (بنیاد) پر نہیں۔“

﴿ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ﴾ [البقرہ: 113]

”نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود تو کسی چیز (بنیاد) پر نہیں ہیں اور وہ کتاب بھی پڑھا کرتے ہیں۔“

آیت ﴿ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ﴾ کا تعلق نصاریٰ سے بھی ہے، جو یہودیوں کی کتاب کو عہد نامہ قدیم اور ہولی بائبل کہہ کر تسلیم کرتے ہیں اور بایں ہمہ یہودیوں کی بابت یہ مبالغہ ہے کہ ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔

نیز اس کا تعلق یہودیوں سے بھی ہے جو انجیل میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ وہ تو ریت موسیٰ علیہ السلام کی مصدق ہے اور بایں ہمہ انجیل سے انکاری بھی ہیں۔

بہر حال ہر دو فریق (و فد نجران اور علمائے یشرب (یہود) نے ان فقرات کو دہرایا اور اپنی اپنی ننگ مزاجی اور لاعلمی کا ثبوت دیا اور اللہ تعالیٰ کو فیصلہ کرنا پڑا۔

ابھی فیصلہ یہ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ، وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ كَفَرُوا فَلَا نَأْسَ عَلَيْكَ الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴾ [المائدہ: 67-68]

”اے رسول! تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے، اسے پہنچا دیجیے، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے رسالت کو نہ پہنچایا اور اللہ تم کو ان لوگوں سے بچائے رکھے گا۔ کہہ دیجیے کہ اے یہودیو! تم دونوں کچھ بھی (کسی بنیاد پر بھی) نہیں ہو، جب تک تورات اور انجیل پر اور اس کتاب پر جو تمہارے رب نے تمہارے لیے نازل کی قائم نہیں ہو جاؤ گے۔“

”ہاں! ان میں سے بہت کی حالت یہ ہے کہ اللہ کے اتارے ہوئے احکام سے وہ کفر اور سرکشی میں زیادہ ترقی کر جاتے ہیں۔ ان کافروں کے گروہ پر آپ افسوس بھی نہ کریں۔“

یہود اور نصاریٰ کی تعداد اس وقت مسلمانوں کی تعداد سے بہت زیادہ تھی، دو اور سو کی نسبت اس وقت ان میں ہوگی۔ یہود زرو مال والے تھے، تجارت والے تھے، سارے عرب پر ان کا اقتدار تھا۔ مسلمان اور بت پرست ان کے مقروض تھے۔

نصاریٰ فوج، طاقت اور حکومت والے تھے۔ ہر دو کے خلاف ایک ایسا متفقہ فیصلہ سنانا جو ان کی دینی حیثیت کو بالکل لاشے بنا دینے والا تھا، آسان نہ تھا، لہذا آیات کے شروع میں نبی ﷺ کو خاص طور پر آمادہ کیا گیا ہے اور بطور پیش گوئی یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اس فیصلہ کے بعد خواہ یہود کتنا ہی تڑائیں اور نصاریٰ کتنا ہی ہمنائیں مگر وہ آپ کو کسی طرح کا گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ عصمت الہی ہمیشہ آپ کو ان کے آزار سے بچائے گی۔

فیصلہ یہ ہے کہ یہود کو نصاریٰ کے بالمقابل اپنا تعصب اور نصاریٰ کو یہود کے بالمقابل اپنا کینہ و انتقام چھوڑ دینا چاہیے اور ہر دو کو توراہ و انجیل کا اتباع کرنا چاہیے۔

جو دیہیل نصاریٰ کے ہاتھ میں یہودیوں کو دین مسیحی کی دعوت دینے کی بابت ہے وہ اس لیے صحیح ہے کہ نصاریٰ ان کی کتاب اور ان کے نبی (موسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

لہذا یہی دلیل مسلمانوں کے ہاتھ میں بالمقابلہ نصاریٰ اور یہود (ہردو) حاصل ہے، کیوں کہ مسلمان دونوں کتابوں اور کتاب لانے والوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

نصاریٰ یہود کے سامنے مسیح علیہ السلام کی بابت ٹیڑھی گوئیاں توراہ سے نکالتے ہیں اور انھیں ملزم ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان، یہود اور نصاریٰ دونوں کے سامنے سیدنا مولا نا محمد رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئیاں پائیل سے پیش کرتے ہیں اور ہر دو حجت الہی کا اتمام کرتے ہیں۔ اب خلاصہ معلوم ہو گیا کہ جب یہود اس لیے مغضوب ہیں کہ انھوں نے تعلیم مسیح علیہ السلام سے انکار کیا، جب کہ مسیح تعلیم تورات کو تسلیم کرتے ہیں تو نصاریٰ بھی اس لیے ضال ہیں کہ وہ شریعت موسوی کے منکر ہیں، جس کی تصدیق مسیح علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ اندریں حالات یہ دونوں اس لیے بے بنیاد اور لاشے ہیں کہ وہ اس کتاب اور نبی کے منکر ہیں جس کا وعدہ موسیٰ علیہ السلام کی پانچویں کتاب کے 18 باب کی آیت 15 تا 18 میں موجود ہے۔ نیز جس کی خبر انجیل یوحنا باب 16 کی آیات 11 تا 16 میں موجود ہے۔

الغرض یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ تمام جہان کا معبود صرف ایک اللہ کو بتاتا ہے اور تمام جہان کا پروردگار صرف ایک رب کو ظاہر کرتا ہے۔

اور تمام عالم کے سامنے صرف ایک دین اسلام کو پیش کر کے جملہ اقوام و ادیان اور ممالک کو اللہ تعالیٰ کے انوار و فیوض کا یکساں

وہ کسی بزرگ کا مذہب نہیں، وہ کسی سابقہ مذہب کا مجمل نہیں ہے، بلکہ سب کو سب کے مقبول اصول کے تحت میں لا کر متحد بنانے والا اور ربوبیت خالقہ کی طرح سب سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کاملہ کو منوانے والا ہے۔
مبارک ہے اسلام جس نے جملہ اقوام کو متحد و موافق بنانے کے لیے سب کی طرف (اپنا ہاتھ بڑھایا اور مبارک ہیں وہ تو میں جنہوں نے مقدس داعی کے الفاظ پر لبیک کہہ کر محبت عام کو اپنا مسلک بنایا۔

فصل 18

اسلام ہی دین البر (نیکی کا مذہب) ہے

قدیم یونان اور جدید یورپ کے فلاسفروں نے مذہب انسانی پر غور و خوض کرنے کے بعد بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ مذہب صحیحہ کی بنیاد ان اصولوں پر مبنی ہونی چاہیے

① نیکی ② صداقت ③ حسن

مجھے اپنے عنوان کی مناسبت سے صرف نیکی کی بابت اس مقام پر تحریر کرنا ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ [البقرة: 177]

”یہ ہی نیکی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لیا کرو۔ نیکی تو ان لوگوں کی ہے (1) جو اللہ پر اور قیامت پر، ملائکہ پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر یقین رکھتے ہیں (2) جو اپنی ضرورت ہوتے ہوئے بھی قریبوں کو یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، مانگنے والوں کو، آزادی غلاموں میں اپنا مال دیتے ہیں، نماز کی پابندی کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، عہد کر کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور جنگ دستی و بیماری اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں، یہی تو صادق لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں۔“

﴿أَنْ تَبَرَّوهُمْ وَتَنفِسُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ [المائدہ: 8]

”غیر مذہب والوں سے بھی نیکی کرو اور پورا پورا انصاف کرو، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اتَّقَى﴾ [البقرة: 189] ”نیکی تو خدا ترسی ہے۔“

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ [المائدہ: 2]

”نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔“

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ﴾ [الانبیاء: 73]

”ہم نے سب نبیوں کے پاس نیکیوں کے کرنے کا حکم بھیجا۔“

﴿ إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ إِنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴾ [المؤمنون: 57-61]

”جو لوگ اپنے رب کی تعظیم کی نگہداشت ڈرتے ہوئے رکھتے ہیں، جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو برابر کا نہیں بناتے، جو لوگ اللہ کے دیے ہوئے مال سے لوگوں کو دیتے ہیں اور اس بات کی دہشت رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کی طرف جانا ہے، یہ ہیں وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف جلد جلد جانے والے ہیں، اور یہی ہیں جو نیکیوں کو حاصل کر لیں گے۔“

نبی کریم ﷺ نے انواع البر (نیکیوں کی اقسام) کے متعلق جو احکام دیے ہیں وہ مندرجہ ذیل اصول پر مبنی ہیں:

- ① عظمت الہی کا احساس اور اس احساس کے بعد تعظیم ملے ہوئے ادب کا اثر دل پر محسوس کرنا۔
 - ② احسانات الہی کی یادداشت اور اس یادداشت سے حیرت کا طاری ہو جانا اور طیران حیرانیت سے اثرات حیوانی کا کمزور پڑ جانا۔
 - ③ اقارب اور ہمسایہ، ایامی و یتیمی، اہل قریہ، اہل وطن کے ساتھ حسن معاشرت اور عمدہ اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔
- خندہ روئی سے ملنا، راہ میں کانٹے یا ٹھوکرا کا ہٹا دینا، کنوئیں سے پانی نکال کر دینا، بھولے ہوئے کو رستہ بتا دینا، تاریکی کے وقت روشنی دکھا دینا، بوجھ اٹھوا دینا۔

دوسرے کو عزت کے ساتھ بلانا، نرم کلامی سے بات کرنا، یہ سب نیکیوں میں شمار کیے گئے ہیں۔ باپ کا اپنے بچے کو تعلیم دینا، صدقہ سے بہتر بتایا گیا ہے۔ ①

اپنے کنبہ سے بھلائی، نیکی کرنے والے کو بھلا اور بہتر بتایا گیا ہے۔ ②

بیٹیوں اور بہنوں کو اچھی تعلیم اور تربیت دینے والے کو مستحق جنت بتایا گیا ہے۔ ③

ایک بلی کو عذاب دینے والے کے لیے دوزخ کا اور ایک کتے کو پانی پلانے والے کے لیے مغفرت کا اعلام فرمایا گیا ہے۔ ④

اور بالآخر فی مکتبی کتب رطبہ انجرو ⑤ کے ارشاد سے اس عنوان کو مکمل کر دیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر ایک جاندار جو تازہ جگر اپنے اندر رکھتا ہے (یعنی زندہ ہے) کے ساتھ بھلائی کرنا موجب اجر ہے۔

ان احکام سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام دین البر ہے۔

فصل 19

اسلام دین التقویٰ (پارسائی کا مذہب) ہے

① پارسائی کو بر باد کرنے والی سب سے بڑھ کر شراب ہے، مگر پولوس نے (اتمطاؤس 5/32 میں) یہ حکم دیا ہے کہ: ”آگے کو تو صرف پانی نہ پیا کر، بلکہ اپنے ہاضمہ اور اکثر کمزوریوں کے واسطے تھوڑی سے (شراب) پی۔“

① ترمذی: 1996، 1997، 1998 ② ترمذی: 2081، سلسلہ الصحیحہ: 417 ③ ابوداؤد: 5147، ترمذی: 1916، ابن حبان: 445، بخاری: 173، 3318، مسلم: 2244، 2242، ابن ماجہ: 4256، ابن حبان: 544، احمد: 261/2 ④ بخاری: 2363، مسلم: 2244، ابوداؤد: 2550، ابن حبان: 544، ابن ماجہ: 3686، مسند احمد: 375/2، 374/1، موطا: 113/3

- شراب پینے کا حکم اور سادہ پانی پینے کی نہی کا یورپ اور امریکہ پر کیا اثر ہوا کہ لفظ تھوڑی کی قید بالکل نہ رہی اور شراب ان تمام خرابیوں کی جزا ثابت ہوئی جسے قرآن پاک نے اور ارشادات نبوی ﷺ نے صراحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔
- ② محکمہ حفظان صحت نے پولوس کی وجہ علت کا بھی غلط اور باطل ہونا ثابت کر دیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ شراب کا برا اثر معدہ، جگر، دل، دماغ اور شش پر بدترین نتائج پیدا کرتا ہے۔ اعصابی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ جنگ عظیم 1914ء تا 1918ء میں فوجیوں کی جسمانی طاقت بحال کرنے اور بڑھانے کے لیے شراب کی قطعاً ممانعت کی گئی تھی۔ اپنی فوج کے لیے کنگ جارج نے نمونہ بنا پندرہ لاکھ اور زار روس نے ان کی پیروی کی۔ امریکہ نے شراب کی ساخت ملک میں بند کر دی اور خرید و فروخت پر بھی سخت بندشیں عائد کیں۔ علم اخلاق کے ماہرین کا بیان ہے کہ شراب کے استعمال سے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ عالمان اقتصادیات کا بیان ہے کہ فقر و فاقہ کا سبب اور تباہی مال کا باعث شراب ہے۔ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کا بیان ہے کہ جرائم سنگین، قتل، زنا، ناچلچل، راہزنی وغیرہ کا ارتکاب اکثر بدمستی شراب کی حالت میں ہی ہوتا ہے۔
- ③ ہندوؤں میں بھی دیوتوں کو خوش کرنے کے لیے شراب کا چڑھا دیا جاتا ہے۔ پھر جو چیز دیوی اور دیوتا کے خوش کرنے کا سبب ہو، اسے پجاری اور سیوک کیوں استعمال نہ کریں۔ بعض ہندو اقوام نے شراب میں تقدس پیدا کرنے کے لیے اس کا نام ”گنگا جل“ رکھ دیا۔

اسلام ہی وہ پہلا اور تہذیب ہے جس نے شراب کو جس بتلایا، عمل الشیطان اور ام النہایت اس کا نام رکھا۔ ایسے نشہ کی مقدار قلیل کو بھی جو مقدار کثیر میں پہنچ کر نشہ آور حرام بتایا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اسلام پارسائی کا مذہب ہے۔ اسلام میں زنا حرام ہے اور اس کی حرمت کو مضبوط و محکم کرنے کے لیے جو حکم دیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ [بنی اسرائیل: 32] ”زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔“

اس حکم سے ان اسباب اور وسائل کو بھی حرام کر دیا ہے جو زنا تک لے جانے والے ہیں۔ مردوں، عورتوں کا اختلاط اور ہنسی و مذاق، ایک ہی مکان کے اندر غیر محرم مرد و زن کی بود و باش، دل ربائی اور حسن نمائی کے طریقے، نظر بازی وغیرہ۔

اس حرمت کو مضبوط کرنے کے لیے مَسَاءً مَسِيلاً بھی فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا کہ جو کوئی زنا کرتا ہے وہ اپنے گھر تک زنا کے لیے سڑک بناتا ہے۔ وہ جس سڑک پر چل کر دوسروں کے پاس پہنچتا ہے اسی سڑک پر چل کر دوسرے اس کے گھر آ جاتے ہیں حکم دیا گیا:

﴿وَلَا تُخَذِّلُوا أَعْدَانَكُمْ﴾ [النساء: 25] ”کسی عورت کا کوئی مرد آشنانہ ہونا چاہیے۔“

﴿وَلَا تُخَذِّلُوا أَعْدَانَكُمْ﴾ [النساء: 5] ”اور کسی مرد کی کوئی عورت آشنانہ ہونی چاہیے۔“

اس پارسائی کو قائم رکھنے کے لیے تدبیر بھی بتائی اور اس کی تعمیل بھی فرض ٹھہرائی۔

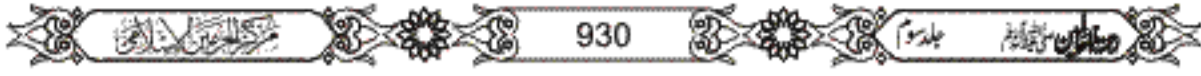
﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ بَعْضُوا مِنْ آبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ﴾ [النور: 30]

”مومن مردوں سے کہہ دیجیے کہ نگاہیں نیچی رکھا کریں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔“

﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ بَعْضُنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ﴾ [النور: 31]

”عورتوں کو کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی نگہداشت رکھیں۔“

اس حکم کے بعد یہ بھی فرمایا گیا:



﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ ﴾ [الاعراف: 33]

”فحش کی کھلی چھپی سب قسموں کو میرے رب نے حرام کر دیا ہے۔“

حکم بالا کی رو سے تو فواحش حرام ہوئے، ابتدائی مراتب میں جب کہ فحش کے اقدام کی تیاریاں ہوتی ہیں۔ اسے اسلام نے لفظ ”إثم“ سے تعبیر کیا ہے اور اس کی بابت بھی یہ حکم دیا ہے۔

﴿ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ﴾ [الانعام: 120]

”گناہ کا بیرونی اور اندرونی حصہ بھی بالکل چھوڑ دیا کرو۔“

تجرب ہوتا ہے کہ شراب پینے والے مردوں، عورتوں کو فحش آمیز کھلی آزادی دینے والے عبادت گاہوں میں جا کر بھی آتش رخسار حسن سے آنکھیں سینکنے والے نمائش حسن کے پیرایہ میں نگلی تصویر کھچوانے والے اور مخلوط غسل خانوں میں نہانے والے کھلے پن گھنٹوں بھرنگے اشان کرنے والے اسلام کی پارسائی کا اعتراف نہ کریں۔ شاید اس لیے کہ ایسا اعتراف خود اپنی عریانی کے اعتراف کے مترادف ہے۔

اگر اسلام کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ نفسانی جذبات کو ابھار ابھار کر اپنی تعداد کو بڑھائے تو وہ شراب کی حرمت کا حکم کبھی نہ دیتا اور ایسا حکم نہ دینا، اس کے لیے کچھ موجب اعتراض بھی نہ ہوتا۔ کیوں کہ جو چیز جملہ ممالک میں مستعمل اور جملہ مذاہب میں روا تھی اس پر نموشی کبھی موجب اعتراض نہ ہو سکتی تھی اور زنا کی روک تھام کے لیے ایسے سخت قیود عائد نہ کرنا اور ان قیود کے مائد نہ کرنے سے ان قوموں کا جو کورٹ شپ کو جائز سمجھتی ہیں یا جو اولاد لینے کی غرض سے بیابتا عورت کو اور اولاد دینے کی غرض سے بیابتا مرد کو عارضی جوڑنا لینے کی اجازت دیتے ہیں، کچھ اعتراض بھی نہ ہوتا، لیکن اسلام نے عفت و پارسائی کا بلند ترین نمونہ پیش کیا ہے اور وہ فی الحقیقت پارسائی کا مذہب ہے۔

معتزین کے پاس اس کے خلاف دلیل صرف یہ ہے کہ اسلام نے ایک سے زیادہ عورت کو بھی بیوی بنا لینے کی اجازت دی ہے۔ مگر غور تو کرو کہ داؤد علیہ السلام کو خدا کا اکلوتا بیٹا (زبور۔ 1) کہنے والے اور اس کی سو (100) بیویوں اور سلیمان علیہ السلام کو اللہ کا سادل والا بنانے والے اس کی ایک ہزار (1000) بیویوں پر ابراہیم علیہ السلام کو ظلیل الرحمن ماننے والے اس کی بیویوں اور لوطیوں پر کرشن جی مہاراج کو اوتار ماننے والے ان کی سولہ ہزار ایک سو آٹھ (16108) سکھیوں پر اور ان کو ریفارمر اعظم ماننے والے زمانہ حال کے لیڈران کی آٹھ (8) مہارانیوں پر کوئی اعتراض زبان سے نہیں نکالتے، تو پھر ان کا کیا حق ہے کہ وہ اسلام پر ایک سے زائد بیوی کرنے پر اعتراض کریں۔ ہم نے جن محترم ہستیوں کے نام لیے، ان کے مذہب میں ایک سے زائد بیوی کرنے کے لیے کوئی ایسی شرط موجود نہیں، جس کا فقدان ان کو ایک سے زیادہ بیوی کرنے کے لیے روک بن سکے۔ مگر اسلام میں شرط عدل موجود ہے۔

اور اس شرط کے فقدان پر (بلکہ صرف فقدان ہی پر نہیں) احتمال فقدان کی حالت پر بھی فَوَاحِشَ کا کارشاد موجود ہے، کیا کوئی مذہب ہے جو اپنی کتاب پاک میں فَوَاحِشَ کا ہم معنی لفظ نکال کر دکھادے؟ کوئی مذہب ہے جو مسیح یا موسیٰ یا کرشن ورام چندر کے منہ سے نکلی ہوئی بات فَوَاحِشَ کے ہم معنی ثابت کر دے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تب اس کو اقرار کرنا چاہیے کہ یہ بھی اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے اور ایک بیوی والے جس قانون پر یورپ کو نخر ہے، وہ بھی قرآن مجید ہی کے ایک حکم کا خلاصہ اور ناقص خلاصہ ہے۔

اسلام دین الصدق (سچائی کا مذہب) ہے

صدق کی تعریف علمائے اسلام نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

- ① عمل اور علم کی موافقت باہمی کا نام صدق ہے۔
- ② دل اور زبان کی مطابقت کا نام صدق ہے۔
- ③ سرواعلانہ کے مساوی ہونے کا نام صدق ہے۔
- ④ اس راست بازی کو جس میں تباہی کا اندیشہ ہے، اس کذب سے بہتر سمجھتا جس میں رہائی کا گمان ہے صدق کہتے ہیں۔

گر راست سخن گوئی و در بند
بہ زان کہ در وقت و ہداز بند رہائی

مندرجہ ذیل آیات و احادیث پاک پر غور کرو۔

① صدق اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے:

﴿قُلْ صَدَقَ اللَّهُ﴾ [آل عمران: 95] ”اللہ نے توجیح فرمایا ہے۔“

② صدق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے اوصاف میں سے ہے:

﴿صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ [احزاب: 22] ”اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا“

③ مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا کا درجہ پہلے صدق برتر و بلند تھا:

﴿صَدَقْتَ بِكَلِمَاتٍ رَبِّهَا﴾ [التحریم: 12] ”اس نے اللہ کے فرمودہ کو سچ سمجھا۔“

④ اصحاب نبویہ رضی اللہ عنہم کا درجہ پہلے صدق ہے۔

﴿رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ [احزاب: 23]

”یہ وہ جوان مرد ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیے ہیں وہی سچے کر دکھائے۔“

⑤ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی صدق کی تعلیم اور صدق کی تصدیق میں ہے:

﴿الَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ﴾ [الزمر: 33]

”نبی وہ ہے جو صدق لے کر آیا اور اس کی تصدیق بھی کی ہو۔“

⑥ صدق کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ موطا و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی میں موجود ہے:

إِنَّ الصَّدَقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى
يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدْقًا وَإِنَّ الْكُذْبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ
لَيَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكُذْبَ حَتَّى يَكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كِذَابًا۔ [1]

”صدق نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ انسان سچ بولنے لگتا ہے اور سچ کو عادت بنا تا ہے حتی کہ
اللہ کے ہاں صدق لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ گناہوں کی راہ دکھاتا ہے اور گناہ دوزخ کی راہ دکھاتے ہیں۔ انسان جھوٹ
بولنے لگتا ہے اور جھوٹ کو عادت بنا لیتا ہے حتی کہ اللہ کے ہاں بھی جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔“

7 سنن نسائی میں ہے اور ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے کہ ابوالمحررانے امام حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سی بات
سیکھی، فرمایا: میں نے سیکھا اور یاد رکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

دَعْ مَا يُرِيكَ إِلَى مَا لَا يُرِيكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ الطَّامِنَةَ وَالْكَذِبَ رِيئَةً۔ [2]
”جو چیز شک پیدا کرے اسے چھوڑ دے اور جس میں کوئی شک نہ ہو وہ لے لے کہ صدق تو طمانیت کا نام ہے اور کذب شک
کو کہتے ہیں۔“

8 اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے:

﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [النوبہ: 119] ”اہل صدق کا ساتھ دو۔“

9 عربی زبان میں صدق کے مدارج علیا کے مطابق اس مصدر سے فاعل کے تین صیغے رہتے ہیں:

صادق، صدوق اور صدیق اور صدیق وہ برترین درجہ ہے کہ انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم پر بھی اس خطاب کا استعمال ہوا۔
ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کو ﴿إِنَّكَ كَانَتْ صِدْقًا نَبِيًّا﴾ (مریم) اور یوسف علیہ السلام کو بھی صدیق کے لقب سے روشناس کیا گیا۔
سیدہ مریم بنت مریم علیہا السلام کو بھی سورہ مائدہ میں ﴿وَأَمَّا صِدْقَةٌ﴾ فرمایا گیا، اور پھر سورہ نساء اور سورہ حدید میں امت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے افراد و ممتاز کے لیے صدیقیت کا درجہ تجویز کیا گیا۔

﴿أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ﴾ [المدید: 9]

”یہی لوگ تو صدیق اور شہید ہیں۔ اپنے رب کے پاس ہیں، ان کے لیے اجر بھی ہے اور نور بھی۔“

ان حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ صدق کے شان بلند کے اظہار میں اسلام نے کیسے کیسے اسلوب بدیع سے کلام فرمایا ہے۔
اور اس بیان سے عہد حاضرہ کے فلاسفوں کا وہ مطالبہ پورا ہو جاتا ہے کہ دین طبعی کے لیے صدق کا ہونا شرط ہے۔ الحمد للہ! کہ
اسلام اپنی خصوصیت کا اظہار چودہ صدیوں سے کر رہا ہے۔



[1] بخاری: 6094، مسلم: 2607، ابوداؤد: 4989، ترمذی: 1971، ابن ماجہ: 273، الصحیح ابی الدنیا: 467، 442، احمد: 384/1، بیہقی: 273/10

[2] ترمذی: 2518، ابن ماجہ: 722، احمد: 200/1، مسند دارمی: 245/2، نسائی: 5711، مشرک حاکم: 13/2، موارد القلم: 137

اسلام ہی دین الحسن والجمال ہے

لوگوں نے صرف عورتوں کے محظوظ خال و ناز و انداز کا نام حسن رکھ چھوڑا ہے، لیکن یہ صرف کوتاہ نظری ہے اور صرف ایام شباب کا محدود مذاق ہے۔

بائیں ہمد دنیا کے مختلف ممالک کے باشندے ہیں جن کا مذاق اس بارہ میں بھی اس قدر مختلف ہے کہ حسن نسائی کی متفق علیہ تعریف بیان کرنا بھی ناممکن ہے۔

روس کے شمال میں صاف شفاف آسمان جیسی نیلی آنکھیں غایت حسن سمجھی جاتی ہیں۔ اہل عرب ازرق چشم کو نہایت مکروہ سمجھتے ہیں۔ یورپ میں سنہری بالوں کی تعریف کی جاتی ہے اور ایشیا میں سیاہ ترین چوٹی کو حسن سمجھا جاتا ہے۔ یورپ کو سفید رنگت پر ناز ہے، مگر حشیشوں کے نزدیک سیاہ رنگ کے سوا اور کسی کو حسین کہلانے کا حق ہی نہیں۔

جب ہم نے اس مضمون کا عنوان ”دین الحسن والجمال“ ثبت کیا تو اس سے یہ سمجھنا کہ اسلام بھی حسن نسائی کا سراپا نگار ہے، غلط اور قطعاً غلط ہے۔ ہاں اسلام حسن کا ایک بلند درجہ تجویز کرتا ہے اور جمال کو بہترین صنم قرار دیتا ہے، اسلام کی نگاہ میں یہ جہاں سر تا پا حسن کا پیکر ہے اور عالم کی ہر شے آئینہ دار جمال ہے۔

انسانی حسن و جمال

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ [التین: 4]

”ہم نے انسان (مرد و زن) کو سب سے زیادہ خوشنما ڈھانچے پر پیدا کیا۔“

لفظ تقویم میں اندرونی و بیرونی ساخت دونوں شامل ہیں۔ عالمان علم تشریح جانتے ہیں کہ انسانی دماغ، انسانی قلب و جگر، احشاء و اعصاب کو دیگر حیوانات کے مقابلہ میں کس قدر برتری حاصل ہے، اس کے دانت اور معدہ میں کیوں کہ نباتاتی غذا اور حیوانی غذا کھانے والے حیوانات کی صفات جمع ہیں۔

صورت کی خوشنمائی

﴿وَصَوَّرَكُمُ فَاَحْسَنَ صُوْرَكُمْ﴾ [الانسان: 3]

”اللہ نے تمہاری صورتیں بنائیں اور ان کو کتنا اچھا بنایا۔“

عام اصناف انسان کو وہ رنگی ہو یا فرنگی دیگر حیوانات پر صفائی بشرہ، لعینت جلد، استقامت قد اور خوشنمائی حد کے بارہ میں جو خصوصیت حاصل ہے اس کا بیان فَاَحْسَنَ صُوْرَكُمْ میں آ جاتا ہے۔

بیوی کی صفات

﴿لَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ [الروم: 21]

”تا کہ اس سے آرام پاؤ اور آپس کی محبت اور پیار بھی تم کو عطا کیا۔“

بیوی کا شوہر کے لیے سکون قلب ہونا اور شوہر وزن میں باہمی محبت باہمی کشش کا پایا جانا دونوں کی خوبی کا باعث ہے۔
 ﴿عُرْبًا اَتْرَابًا﴾ [الواقہ: 37] ”شوہروں سے پیار کرنے والیاں اور ہم مذاق۔“
 یہی وہ بڑی خوبی ہے جو صنف نسواں کو ممتاز کرتی ہے۔

جمال مواشی و انعام

﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْبِحُونَ وَ حِينَ تَسْرَحُونَ﴾ [الخل: 6]
 ”مواشی جب صبح کو نکلتے ہیں اور شام کو چراگاہ سے واپس آتے ہیں تو ان میں تمہارا جمال ہے۔“
 دودھ دینے والے، قلبد رانی کرنے والے، پانی کھینچنے والے جانوروں کو لوگ دیکھتے ہیں۔ گاؤں سے باہر عموماً صبح و شام حیوان بھی جمع ہو جاتے ہیں اور ان کے مالک انسانی بھی اچھے جانوروں کی تعریفیں ہوتی ہیں اور مالک کا چہرہ تعریفیں سن کر روشن ہو جاتا ہے۔
 آیت میں اسی حالت کی جانب اشارہ ہے۔

سواری کے جانور بھی زینت ہی ہیں

﴿وَالنَّحِيلَ وَالْبَعَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَ زِينَةً﴾ [الخل: 6]
 ”گھوڑے، خچریں، گدھے، بار برداری اور سواری کا کام بھی دیتے ہیں اور سب نصب بھی ہیں۔“
 ان جانوروں کا بار برداری اور سواری کا کام دینا تو عام طور پر مسلم ہی ہے، لیکن اسلام نے زینت کا لفظ ایڑا دکر کرنے سے ثابت کر دیا کہ وہ ہر شے کی خوبصورتی پر بھی توجہ دلاتا اور اس کی قدر کرنا سکھاتا ہے۔

جملہ اشیائے ارضی میں زینت و جمال ہونا

﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِيَتْلُوهُمْ اٰيٰتُنَا اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [الکہف: 7]
 ”جتنی چیزیں بھی زمین پر ہیں، ہم نے ان کو زمین کی زینت بنا دیا ہے تاکہ انسانوں کا امتحان لیں کہ ان میں سے کون اچھے اعمال والا ہے۔“

ہر شے کا زمین کے لیے زینت و جمال ہونا اسلام ہی کی نگاہ سے معلوم ہوا ہے۔ زمین پر بچھا ہوا سبزہ، زمین کے لیے اپنی خوشنوائی سے زینت ہے اور آسمان کی طرف بلند ہونے والے درخت ان کو چھونے والی ڈالیاں، ان کی سایہ گستر شاخیں اپنے طور پر زمین کی رونق بن رہی ہیں، شوخ رنگ رکھنے والے پھول، بھانت بھانت کا مزہ دینے والے پھل، عجیب و غریب اشکال کے اوراق، مختلف تاثیرات و خواص رکھنے والے پہاڑ، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سفید سفید خیمے کھڑے کرنے والی برف اور میدانوں کی پھیلنے والی زمین پر نرم نرم فرش بچھانے والی ریت، آبشاریں، غار، مرغزار اور جنگل وادی و ہامون آبادیاں اور ویرانے اپنی اپنی حالت، اپنی اپنی وضع، اپنے اپنے محل وقوع کے لحاظ سے تمام کرہ ارضی کے حسن کو بڑھانے والے جمال کو ترقی دینے والے ہیں۔

یہ سب زمین کا سنگار ہیں، یہ سب زمین کی زینت اور زیور ہیں، ان کی خوبصورتی کو دکھلانے والا یہی دین الاسلام ہے جو دین الحسن و الجمال ہے۔

آیات بالا میں صنعت ربانی کے حسن جمال کے بیان کے بعد ایک تقابلی بھی موجود ہے اور وہ بندہ کا حسن عمل ہے۔ وہ قدرت ربانیہ جس نے خود انسان کو صاحب الجمال پیدا کیا، جس نے ہر شے کو حسن و زینت کا خزینہ دار بنایا کیا اس کا یہ حق نہیں کہ وہ انسان سے بھی احسن اعمال کی توقع کرے؟ ہاں ضرور ہے۔

اگر کوئی شخص قصر سلطانی میں داخل ہوتا ہے، وہاں کی پیش بہا اور قیمتی اشیاء کا ملاحظہ کرتا ہے، وہاں کی اعلیٰ زیبائش و آرائش کو دیکھتا ہے تو اس شخص سے اس کی قوت ضمیر سے یہی امید ہو سکتی ہے کہ وہ وہاں جا کر نہ نقصان کرے گا، نہ چیزوں کو بگاڑے گا، نہ خس و خاشاک پھیلائے گا، یہی وہ توقع ہے جو انسان سے اس داوری گاہ عالم میں کی گئی ہے۔

جب خود انسان بہترین جمال والا ہے اور جس کون و مکان میں وہ رہتا ہے، وہ بھی سراپا حسن و جمال ہے تو پھر انسان کا احسن اعمال کا پیش نہ کرنا اور دنیاوی حسد و اخروی حسد کا طالب نہ ہونا اس کی عقل و فہم سے بہت ہی بعید ہے۔

جملہ مخلوق کا اپنی بناوٹ کے لحاظ سے حسین تر ہونا

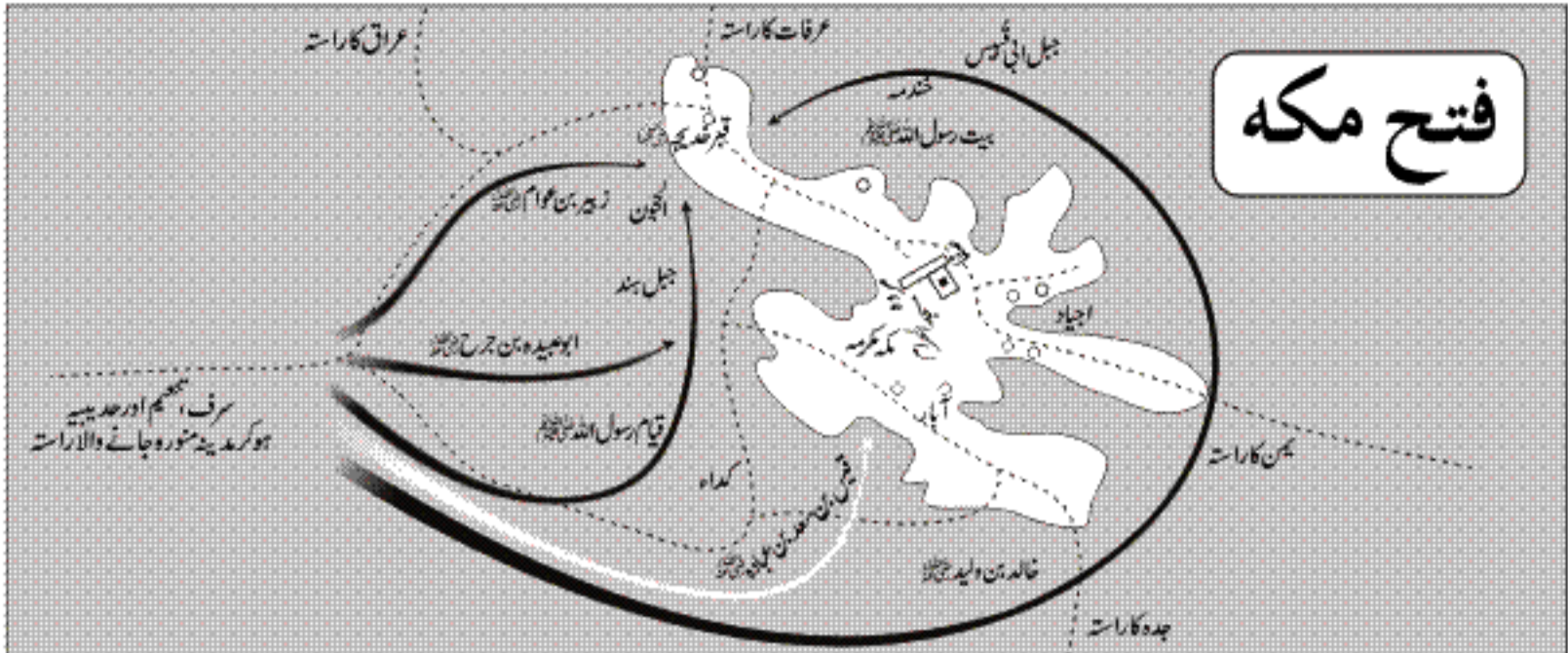
﴿أَحْسَنَ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ﴾ [اسجد: 7]

”ہر شے کو اس کی اپنی خلقت، اپنی بناوٹ میں بہت خوشنما اور بہت خوب بنایا ہے۔“

ہزاروں قسم کے پرندے ہیں، ہزاروں قسم کے پھول ہیں، ہزاروں قسم کے درخت ہیں، ہر قسم کے جاندار زمین کے اندر رہنے والے، پیت کے بل چلنے والے، پاؤں پر دوڑنے والے، سمندروں کے اندر رہنے والے موجود ہیں۔ اپنے اپنے رنگ، اپنی اپنی وضع، اپنے اپنے خواص، اپنی اپنی آواز، اپنے اپنے افعال میں اس قدر حسین و جمیل خوش منظر اور زیبا دیکھ کر واقع ہوئے ہیں کہ چشم احتساب کو ترجیح دینا دشوار ہے۔

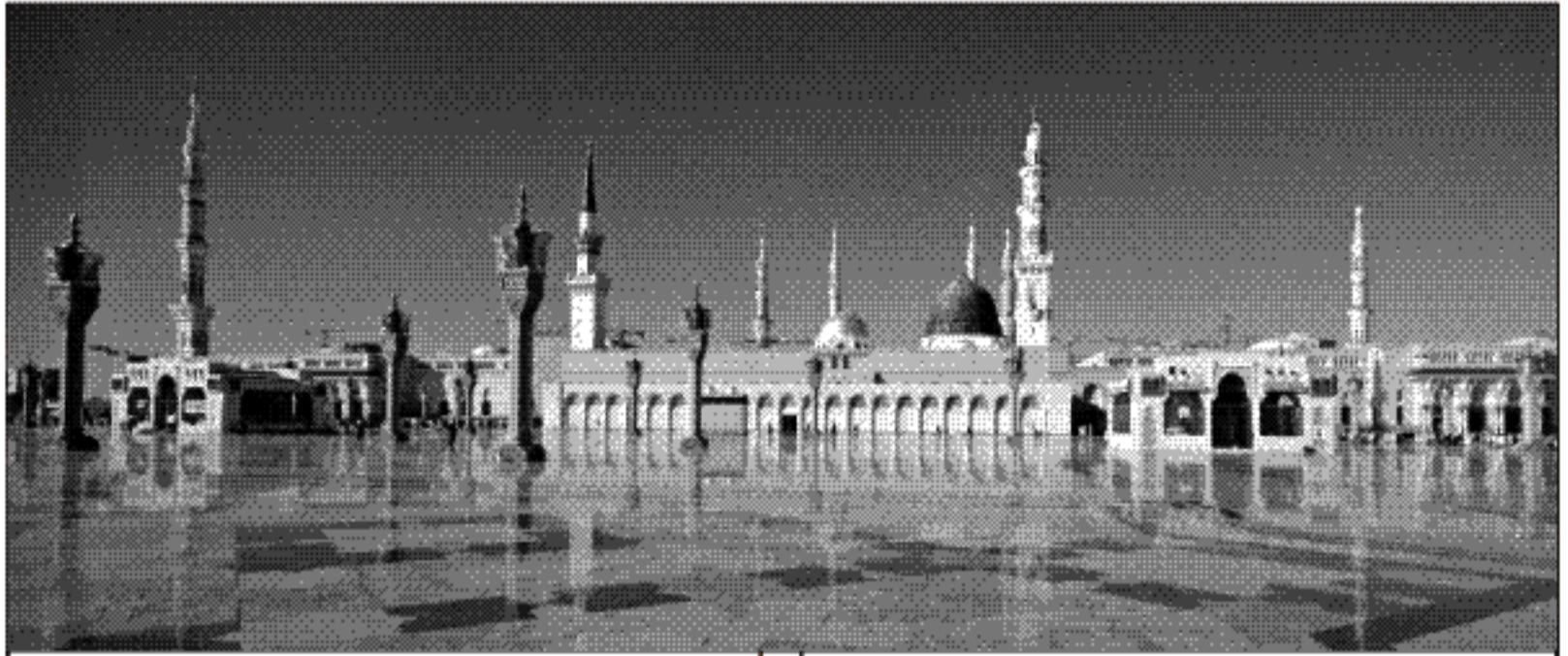
الف الف سلام و تحیة علی سید المرسلین و علی
الہ واصحابہ اجمعین





فہرست مضامین رحمۃ للعالمین جلد سوم

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
635	خصوصیت نمبر 15	599	مقدمہ مولانا سید سلیمان ندوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
640	خصوصیت نمبر 16	602	تمہید از مصنف
643	خصوصیت نمبر 17	* باب 1 *	
643	عرب	603	خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم
646	یہود	603	خصوصیت نمبر 1
647	نصاری	607	خصوصیت نمبر 2
649	ہندو اقوام	608	خصوصیت نمبر 3
650	مجوس	609	خصوصیت نمبر 4
651	خصوصیت نمبر 18	611	خصوصیت نمبر 5
652	خصوصیت نمبر 19	613	خصوصیت نمبر 6
656	خصوصیت نمبر 20	615	خصوصیت نمبر 7, 8, 9
657	خصوصیت نمبر 21	618	خصوصیت نمبر 10
659	خصوصیت نمبر 22	621	خصوصیت نمبر 11
661	خصوصیت نمبر 23	624	خصوصیت نمبر 12
664	خصوصیت نمبر 24	631	خصوصیت نمبر 13
667	خصوصیت نمبر 25	634	خصوصیت نمبر 14

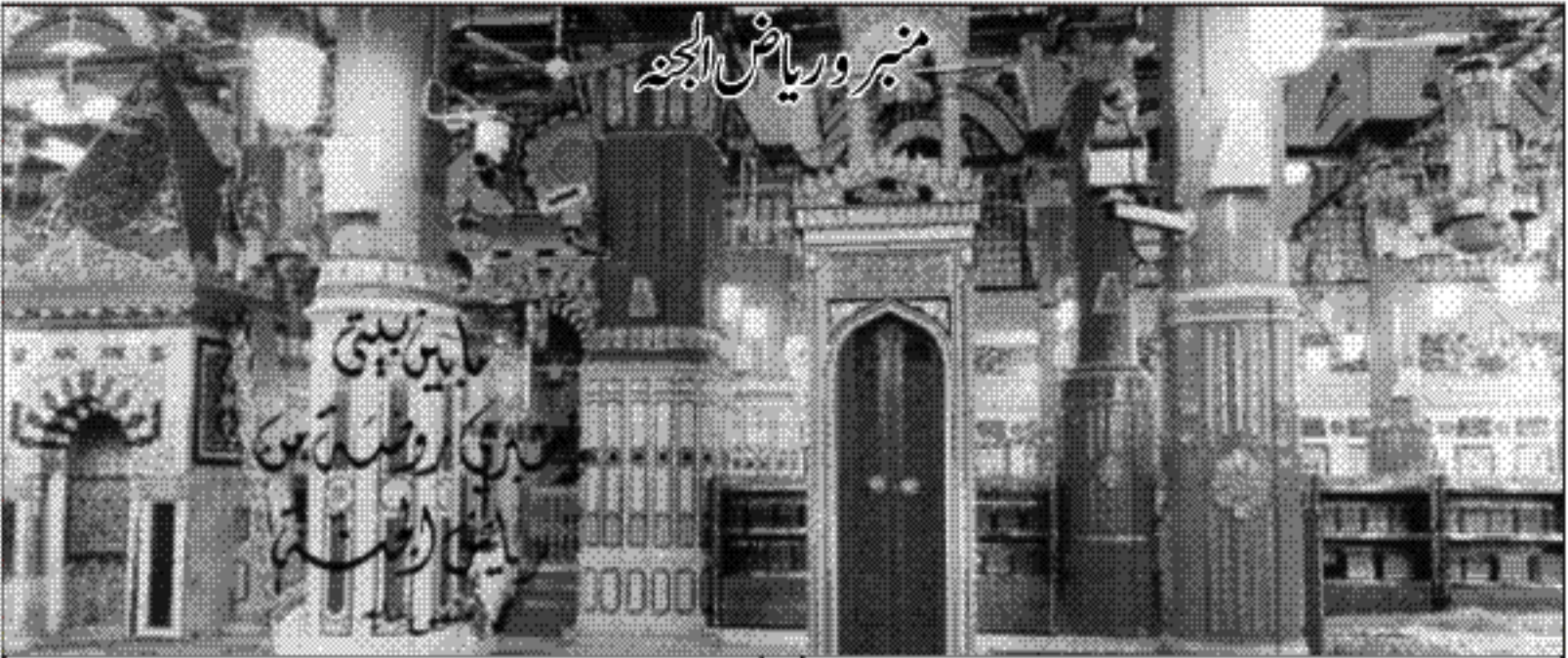


صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
686	خصوصیات نبویہ از احادیث مصطفویہ ﷺ	677	خصوصیت نمبر 26
686	نصرت بالرب	678	حالات نوح علیہ السلام
688	روئے زمین کا مسجد و طہور ہونا	678	حالات ابراہیم علیہ السلام
689	حلت مخانم	679	حالات اسحاق علیہ السلام
690	عطاءئے منصب شفاعت	679	حالات یعقوب علیہ السلام
692	بعثت عامہ	679	حالات یوسف علیہ السلام
692	جوامع الکلم کا عطیہ	679	حالات داؤد علیہ السلام
693	معراج	680	حالات سلیمان علیہ السلام
702	ساتوں آسمانوں پر آٹھوں انبیاء علیہم السلام کی ملاقات کا راز	680	حالات ایوب علیہ السلام
703	قرآن کریم اور معراج شریف	681	حالات موسیٰ علیہ السلام
705	بیداری و خواب کی بحث	681	حالات ہارون علیہ السلام
707	معجزات نبویہ ﷺ	681	حالات زکریا علیہ السلام
711	پانی کا معجزہ	682	حالات یحییٰ علیہ السلام
715	دودھ کی برکت	682	حالات عیسیٰ علیہ السلام
717	تکثیر طعام	683	حالات الیاس علیہ السلام
719	حنین جزع	683	حالات اسماعیل علیہ السلام
721	حیوانات پر اثر	684	حالات اسمعٰل علیہ السلام
722	افلاک پر اثر معجزہ شق القمر	684	حالات یونس علیہ السلام
732	اس معجزہ کی توثیق	684	حالات لوط علیہ السلام

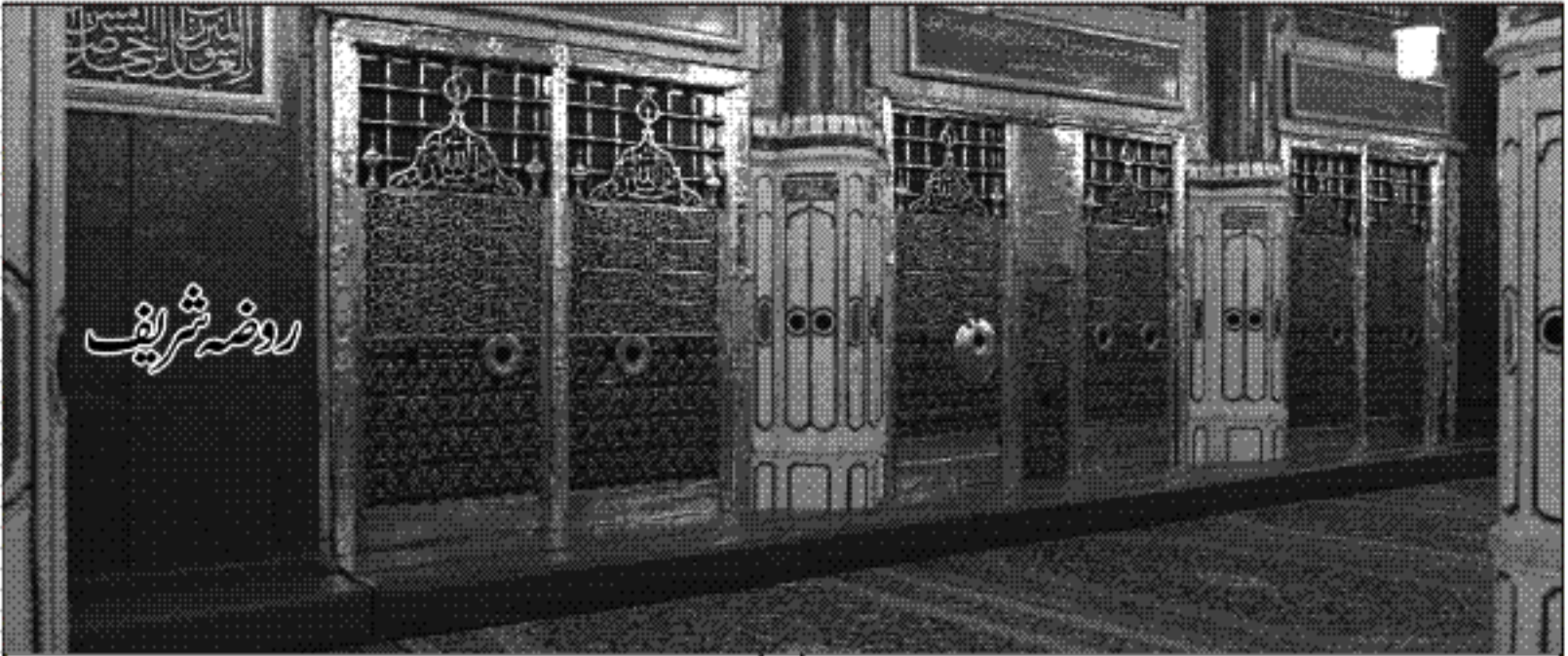


منبر و ریاض الجنہ

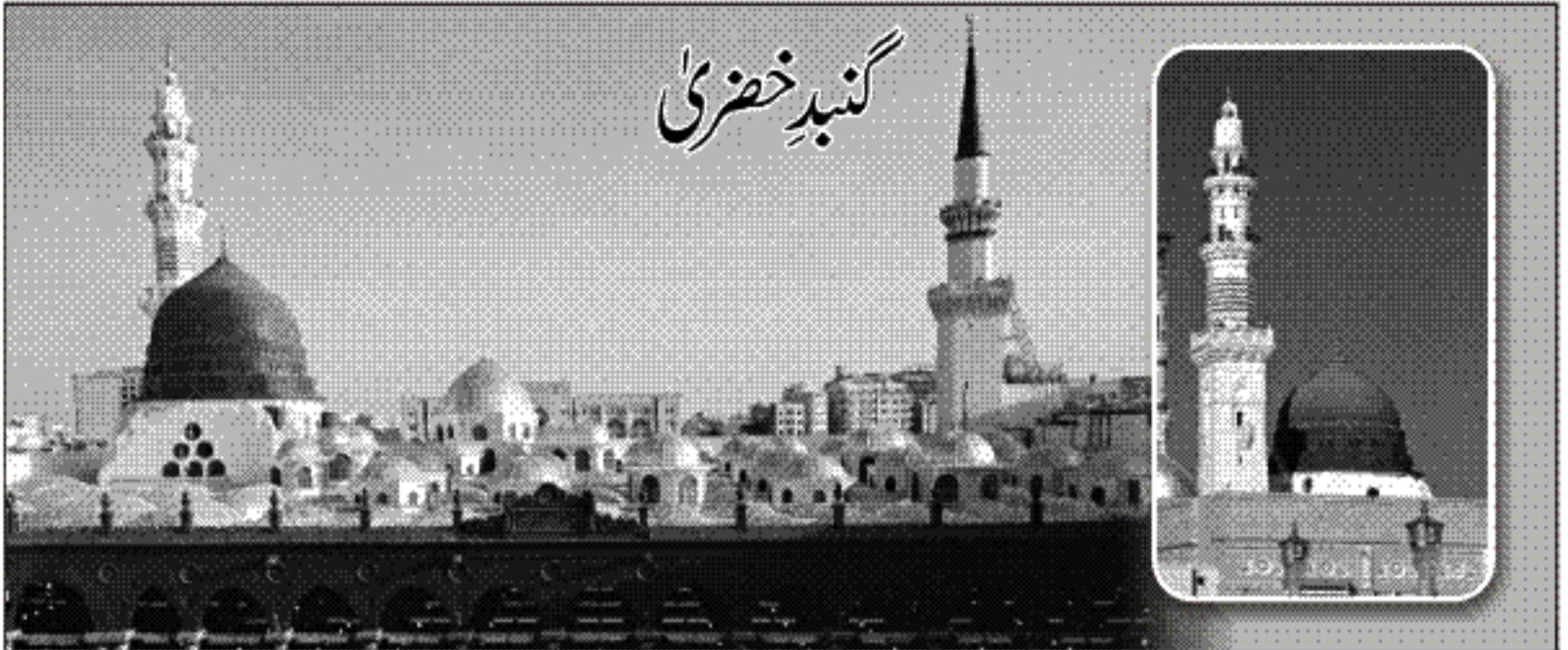
صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
734	دعائے عفت	725	معجزات قسم دوم
735	سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء	726	اطلاع اخبار مستقبلہ
736	عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء	726	جہاز بحری کی اطلاع
736	انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء	727	پیش گوئی
736	مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء	727	فتوحات ممالک کی پیش گوئی
736	تکبر کی سزا	728	فتح مصر کی پیش گوئی
736	شکستہ استخوان کی درستی کا معجزہ	728	ملک عرب سے ممالک مفتوحہ کے قطع تعلق کی پیش گوئی
737	اسماء الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	729	شاہ ایران کے متعلق پیش گوئی
755	سنت مصطفویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	729	معجزات قسم سوم
755	الْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِي	729	393 سال پیشتر کی پیش گوئی
757	الْعَقْلُ أَصْلُ دِينِي	730	654 سال پیشتر کی پیش گوئی
759	وَالْحُبُّ أَسَاسِي	731	656 سال پیشتر کی پیش گوئی
763	وَالشُّوقُ مَرَكَبِي	731	700 سال پیشتر کی پیش گوئی
764	ذِكْرُ اللَّهِ إِنِّي سِي	731	855 سال پیشتر کی پیش گوئی
769	الْبَيْتَةُ كَنْزِي	731	1348 سال پیشتر کی پیش گوئی
770	وَالْحُزْنُ رَفِيقِي	732	زمانہ حال کی پیش گوئی
771	وَالْعِلْمُ سَلَاحِي	732	دور حاضر کی پیش گوئی
774	وَالصَّبْرُ دَانِي	733	معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
779	وَالرِّضَاءُ غَنِيمَتِي	734	قتل سے مصون رہنے کی دعاء



صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
814	پہلی پیش گوئی کہ اس کی نظیر کوئی نہ بنا سکے گا	781	وَالْعَجْزُ فَخَرِي
815	دوسری پیش گوئی کہ قرآن مجید زمین پر ہمیشہ محفوظ رہے گا	783	وَالرُّهْدُ حِرْفَتِي
819	نقشہ حروف تہجی	783	وَالْيَقِينُ قُوْنِي
822	تیسری پیش گوئی بابت جمع قرأت قرآن مجید	785	وَالصِّدْقُ شَفِيعِي
822	چوتھی پیش گوئی کہ قرآن مجید کا حفظ رکھا جائے گا	786	وَالطَّاعَةُ حَسْبِي
822	پانچویں پیش گوئی کہ قرآن مجید کا حفظ کر لینا آسان ہوگا	787	وَالْجِهَادُ خُلُقِي
823	چھٹی پیش گوئی کہ قرآن مجید کی کتابت جاری رہے گی	789	وَقُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ
	ساتویں پیش گوئی کہ کوئی بطلان قرآن کے مقابلہ		
	میں نہ ٹھہر سکے گا		
823	اسلام کے متعلق چار پیش گوئیاں	791	✽ باب 2 ✽
824	پہلی پیش گوئی	791	✽ خصائص القرآن ✽
824	دوسری پیش گوئی	792	✽ ضرورت قرآن ✽
825	تیسری پیش گوئی	803	✽ فصاحت و بلاغت قرآن ✽
826	چوتھی پیش گوئی	804	✽ معانی عالیہ و مضامین نادرہ ✽
828	پہلی پیش گوئی کہ لڑائیوں میں مسلمانوں کو ہی غلبہ رہے گا	804	✽ تاثیر قرآن ✽
829	دوسری پیش گوئی کہ روئے زمین پر مسلمانوں کو حکومتیں حاصل ہوں گی	806	✽ نمونہ تعلیم قرآن ✽
830	تیسری پیش گوئی کہ اہل ایمان کی دنیوی حالت اچھی ہو جائے گی	807	✽ قبولیت قرآن ✽
830	چوتھی پیش گوئی کہ متعلق تین پیش گوئیاں	808	✽ خصوصیت قرآن مجید ✽
831	پہلی پیش گوئی کہ بعد مسلمان غنی ہو جائیں گے	812	✽ قرآن مجید کا مصنف ✽
831	دوسری پیش گوئی کہ متعلق سات پیش گوئیاں	814	✽ قرآن مجید کی پیش گوئیاں ✽
		814	✽ قرآن عظیم کے متعلق سات پیش گوئیاں ✽



صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
850	غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں	832	پیش گوئی کہ عرب میں بت پرستی معدوم ہو جائے گی
852	یہود اور منافقین کے معاہدات پر دو پیش گوئیاں	833	پیش گوئی کہ مہاجرین کو دنیا میں اچھا ٹھکانا ملے گا
854	مسلمانوں کی تعداد کے متعلق پیش گوئی	833	پیش گوئی کہ اصحاب رسول ترقی و کمال حاصل کریں گے
855	یہودیوں کے متعلق 9 پیش گوئیاں	834	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق پیش گوئی
858	عیسائیوں کے متعلق تین پیش گوئیاں	834	غیر اقوام کے مسلمان ہونے کی پیش گوئی
859	سلطنت روم و ایران کے متعلق دو پیشگوئیاں	835	اہل ایمان کے متعلق پیش گوئیاں
<p>✽ باب 3 ✽</p>		839	پیش گوئی کہ قرآن مجید کے مخاطبین اولیٰ میں فتنہ عام پھا ہوگا
862	خصوصاً اسلام	839	مستہزئین مکہ کے متعلق پیش گوئی
862	اسلام ہی دین التوحید ہے	841	قریش کے دشمنوں کے متعلق پیش گوئی
867	اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے	843	کفار مکہ کے متعلق پیش گوئی
872	اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے	843	کفار عرب کے متعلق پیش گوئی
877	اسلام ہی نے رحم و عدل کے مسئلہ کو حل کیا	843	پہلی پیش گوئی کہ وہ مسلمانوں کو عاجز نہ کر سکیں گے
879	اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے	843	دوسری پیش گوئی کہ مشرکین عرب مرعوب ہوں گے
884	تذلیل	844	اہل مکہ کے خلاف دو پیشگوئیاں
885	اسلام ہی دین العمل ہے	845	ابولہب کے متعلق پیش گوئی
886	اصول ارث و موارث	844	ابولہب کی عورت کے متعلق پیش گوئی
889	اسلام ہی بانی اخوت ہے	845	منافقین کے متعلق پانچ پیش گوئیاں
895	اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند کیا	848	مخلفین جہاد کے متعلق دو پیش گوئیاں



صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
920	اسلام ہی فیض رساں دین ہے	898	اسلام ہی غیر متعصب دین ہے
	اسلام ہی نے ہدایت الہیہ کو ربوبیت خالقہ کی طرح	903	اسلام ہی دین الحبت ہے
923	کل عالم کے لئے عام بنایا	908	اسلام ہی مساوات کا بانی ہے
927	اسلام دین البر ہے	912	اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا
928	اسلام دین التقویٰ ہے	914	اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے
931	اسلام دین الصدق ہے	915	اسلام ہی اپنے مہد و گہوارہ میں آج تک قائم ہے
933	اسلام ہی دین الحسن و الجمال ہے	916	اسلام ہی دین تمدن ہے





مَا رَمَدَ اللَّهُ إِلَّا رَجْمَهُ بِالْعَالِينَ



حَمْدٌ لِلَّهِ الْعَلِيِّنَ

قاضي محمد سليمان سملان
منصور پوری اتریش

MARKAZ
Al-Hrmain-ul-Islami

GULBAHAR COLONY, SATIANA ROAD, FAISALABD-PAKISTAN.
CONTACT: 0304 3010777